فیوضاتِ الرضویہ فی تشریحات الھدایہ

المعروف بہ

شرح ھدایہ

فقہ حنفی کی عظیم معرکۃ الآرا کتاب
کی جامع و مستند اردو شرح

کتاب
الحج

تصنیف
امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی

ترجمہ و شرح
علامہ محمد لیاقت علی رضوی

شبیر برادرز
اردو بازار ۰ لاہور

وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ھدایت فرماتا ہے۔

فقہ حنفی کی عظیم معرکۃ آراء کتاب کی جامع و مستند اردو شرح

فیوضات الرضویہ فی تشریحات الھدایہ

المعروف بہ

شرح ھدایہ

جلد چہارم

کتاب الحج

تصنیف
امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی

ترجمہ و شرح
علامہ محمد لیاقت علی رضوی
اُستاذ الفقہ: جامعہ شہابیہ اچھرہ لاہور

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

شرح ہدایہ 4

باہتمام	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	اگست 2011ء / رمضان 1432ھ
طابع	اشتیاق اے مشتاق پرنٹر لاہور
کمپوزنگ	ورڈز میکر
سرورق	اے ایف ایس ایڈورٹائزر لاہور 0322-7202212
قیمت	-/[redacted] روپے

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کردی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ترتیب

کتاب الحج

فَصلٌ

بَابُ الْإِحْرَامِ

فصلٌ

کتاب الحج

﴿یہ کتاب حج کے بیان میں ہے﴾

کتاب الحج کی فقہی مطابقت کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے جب کتاب الحج کو کتب عبادات کے بعد مرتب کیا ہے۔ اور ضرورت کے مطابق اسی طرح ہے۔ کیونکہ اس کے معاملات کی کتب کا بیان ہے۔ اور غیر معاملات کی کتب کا بیان ہے۔ لہذا عبادات مقدم ہوتی ہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۳۸۶، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے کتاب الحج کو کتاب الصوم سے مؤخر کیا ہے۔ کیونکہ روزہ نفس پر سختی کرنا ہے اور اس کو شہوات سے روکنا جو چیزیں اسے پسند ہیں ان سے رکنا ہے۔ جس طرح کھانے پینے اور جماع سے رکنے کا حکم ہے۔ جبکہ نماز وحج میں ایسا نہیں ہے۔ اور ان دونوں کی حقیقت مختلف ہے اور شہوات سے روکنا نماز میں بھی ہے۔ جبکہ بعض اوقات حج میں نہیں ہے۔ لہذا دونوں کے مقام میں فرق ہے کیونکہ حج سفر پر مشتمل ہے۔ (فتح القدیر، ج ۴، ص ۴۹۵، بیروت)

حج کی فرضیت کا اگر تاریخی جائزہ لیا جائے تو بھی بات سامنے آتی ہے کہ حج بقیہ احکام سے موخر ہے۔ کیونکہ اس کی فرضیت کی تاریخ مؤخر ہے۔ لہذا فقہی ترتیب میں اس کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ تا کہ زیادہ سے زیادہ اسلامی احکام کے ساتھ اشتباہ باقی رہے اور ان کا مقام سب سے مقدم ہے۔

نماز سے اس کے تاخر کی دلیل وہی ہے جو زکوٰۃ کی ہے کیونکہ اس کیلئے صاحب نصاب ہونا ضروری ہے اور روزے سے تاخیر کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس کا وقوع زندگی میں ایک بار فرض ہے جبکہ روزہ ہر سال فرض ہوتا ہے۔

زکوٰۃ سے مؤخر رکھنے کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ میں نصاب کے بعد کسی قسم کے سفر کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ اس کیلئے سفر اور پھر اس کے ساتھ زادراہ وغیرہ کی ضرورت بھی موجود ہے۔

نماز اور روزہ صرف عبادات بدنیہ نہیں ہیں اور زکوٰۃ عبادت مالیہ ہے۔ جبکہ حج عبادت بدنیہ ومالیہ کا مجموعہ ہے۔ لہذا اس میں کلی عبادات کے فوائد کو جمع کیا گیا ہے۔

حج کا لغوی وشرعی معنی:

لغوی رُو سے حج کا معنی قصد کرنا، زیارت کا ارادہ کرنا ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں مخصوص اوقات میں خاص طریقوں سے ضروری عبادات اور مناسک کی بجا آوری کے لئے بیت اللہ کا قصد کرنا، کعبۃ اللہ کا طواف کرنا اور میدان عرفات میں ٹھہرنا حج کہلاتا ہے۔

لغت کے اعتبار سے حج کے معنی ہیں کسی باعظمت چیز کی طرف جانے کا قصد کرنا اور اصطلاح شریعت میں کعبہ مکرمہ کا طواف اور مقام

عرفات میں قیام انہیں خاص طریقوں سے جو شارع نے بتائے ہیں اور اسی خاص زمانے میں جو شریعت سے منقول ہے، حج کہلاتا ہے۔

حج دین کے ان پانچ بنیادی ستونوں میں سے ایک عظیم القدر ستون ہے جن پر اسلام کے عقائد واعمال کی پوری عمارت کھڑی ہوئی ہے حج کا ضروری ہونا (جس کو اصطلاح فقہ میں فرض کہا جاتا ہے) قرآن مجید سے اسی طرح صراحت کے ساتھ ثابت ہے جس طرح زکوٰۃ کی فرضیت ثابت ہے۔

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں۔

حج دین اسلام کا پانچواں رکن ہے، جس کے لفظی معنی ہیں قصد کرنا، کسی جگہ ارادے سے جانا جبکہ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد مقررہ دنوں میں مخصوص عبادات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنا ہے۔

(ابن منظور افریقی، لسان العرب، 3:(52

حج کے مقررہ دنوں کے علاوہ بھی کسی وقت مخصوص عبادات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنے کو عمرہ کہتے ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں عمرہ سے مراد شرائط مخصوصہ اور افعالِ خاصہ کے ساتھ بیت اللہ شریف کی زیارت کرنا ہے۔

(الجزیری، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، 1:(1121)

حج کی وجہ تسمیہ کا بیان:

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر قرطبی میں کہتے ہیں۔

عرب کے ہاں حج معلوم ومشہور تھا، اور جب اسلام آیا تو انہیں اس سے ہی مخاطب کیا جسے وہ جانتے تھے اور جس کی انہیں معرفت تھی اسے ان پر لازم بھی کیا۔ (تفسیر القرطبی (2/92) احکام القرآن لابن العربی، ج ۱، ص ۲۸۶)

ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

حج کے اصل معنی ارادے کے ہیں، کسی چیز کا ارادہ کیا جائے تو کہا جاتا ہے "حججت الشئی"۔ شریعت کی اصطلاح میں بیت اللہ شریف کی ازراہ تعظیم مخصوص اعمال کے ساتھ زیارت کا ارادہ کرنے کا نام حج ہے۔

حج "ح" کے زبر اور "ح" کے زیر دونوں طرح یہ لفظ نقل کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں بھی دونوں طریقوں پر قرات جائز ہے۔ (عمدۃ القاری، ج ۱۴، ص ۲۱۷، بیروت)

حج کی اہمیت وفضیلت کا بیان:

(۱)۔ حج اسلامی ارکان میں سے پانچواں رکن ہے۔ (۲)۔ حج ان گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو پیشتر ہوئے ہیں۔ (مسلم) (۳)۔ حج کمزوروں اور عورتوں کا جہاد ہے۔ (ابنِ ماجہ) (۴)۔ حج محتاجی کو ایسا دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو (ترمذی) (۵) حج مبرور کا ثواب جنت ہی ہے۔ (ترمذی) (۶)۔ حاجی کی مغفرت ہو جاتی ہے اور جس کے لیے حاجی استغفار کرے اس کی بھی (طبرانی) (۷)۔ حاجی اپنے گھر والوں میں سے چار سو کی شفاعت کرے گا۔ (بزار) (۸)۔ حاجی اللہ کے وفد ہیں، اللہ نے

انہیں بلایا یہ حاضر ہوئے انہوں نے سوال کیا اللہ نے انہیں دیا۔ (بزار) (۹)۔ حاجی کے لیے دنیا میں عافیت ہے اور آخرت میں مغفرت۔ (طبرانی) (۱۰)۔ جو حج کے لیے نکلا اور مر گیا قیامت تک اس کے لیے حج کرنے والے کا ثواب لکھا جائے گا، اس کی پیشی نہیں ہوگی اور بلا حساب جنت میں جائے گا (دار قطنی)

(۱۱)۔ جس نے حج کیا یا عمرہ وہ اللہ کی ضمان میں ہے، اگر مر جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور گھر کو واپس کردے تو اجر وغنیمت کے ساتھ واپس کریگا۔ (طبرانی)

(۱۲)۔ مختلف قوموں، مختلف نسلوں، مختلف زبانوں، مختلف رنگتوں اور مختلف ملکوں کے اشخاص میں رابطۂ دین کو مضبوط کرنے اور ساری کائنات کے مسلمانوں کو دین واحد کی وحدت میں شامل ہونے کے لیے حج اعلیٰ ترین ذریعہ بھی ہے۔ احکامِ اسلام کا منشا بھی یہی ہے کہ افرادِ مختلفہ کو ملتِ واحدہ بنا کر کلمہ توحید پر جمع کر دیا جائے۔

(۱۳)۔ حج میں سب کے لیے وہ سادہ بغیر سلا لباس جو ابو البشر سیدّ آدم علیہ السلام کا تھا تجویز کیا گیا ہے تا کہ ایک ہی رسول، ایک ہی قرآن، ایک ہی کعبہ پر ایمان رکھنے والے ایک ہی صورت، ایک ہی لباس، ایک لی ہیت اور ایک ہی سطح پر نظر آئیں اور چشمِ ظاہر بین کو بھی اتحادِ معنوی رکھنے والوں کے اندر کوئی اختلافِ ظاہری محسوس نہ ہو سکے۔

(۱۴)۔ حج سے مقصود شوکتِ کا اظہار بھی ہے اور مسلمانوں کو بحری، بری اور اب فضائی سفروں سے جو فوائد سمندروں، میدانوں اور فضاؤں سے حاصل ہو سکتے ہیں وہ بھی اس مقصود کے ضمن میں داخل ہیں۔

(۱۵)۔ بادشاہ کا جو مقصود شاندار درباروں کے انعقاد سے ۔کانفرنس کا جو مقصود سالانہ جلسوں، کے اجتماع سے

(۱۶) اور ایوانِ تجارت کا جو مقصود عالمگیر نمائشوں کے قیام سے ہوتا ہے وہ سب حج کے اندر ملحوظ ہیں۔

(۱۷)۔ آثارِ قدیمہ اور طبقات الارض کے ماہرین کو تاریخ عالم کے محققین کو، جغرافیہ عالم کے ماہرین کو جن باتوں کی تلاش و طلب ہوتی ہے وہ سب امورحج سے پورے ہو جاتے ہیں۔

(۱۸)۔ حج کے مقامات عموماً پیغمبرانہ شان اور ربانی نشان کی جلوہ گاہ ہیں جہاں پہنچ کر اور جنہیں دیکھ کر ان مقدس روایات کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں اور خدائی رحمت وبرکت کے وہ واقعات یاد آجاتے ہیں۔ جو ان سے وابستہ ہیں الغرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شریعت کا صحیفہ لے کر آئے اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ دین و دنیا کی جامع ہے اور اس کا ایک ایک حرف مصلحتوں اور حکمتوں کے دفتروں ۔ سے معمور ہے اور اس کے احکام وعبادات کے دنیاوی واخروی فوائد واغراض خود بخود چشم حق بین کے سامنے آجاتے ہیں اور تا قیامت آتے رہیں گے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ جس نے خدا کے لیے حج کیا اور اس میں ہوسِ نفسانی اور گناہ کی باتوں سے بچا تو وہ ایسا ہو کر لوٹتا ہے جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا۔

یعنی حاجی ایک نئی زندگی ایک نئی حیات اور ایک نیا دور شروع کرتا ہے جس میں دین و دنیا دونوں کی بھلائیاں اور کامیابیاں

شامل ہوتی ہیں، تو حج اسلام کا صرف مذہبی رکن ہی نہیں بلکہ وہ اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی یعنی قومی وملی زندگی کے ہر رخ اور ہر پہلو پر حاوی اور مسلمانوں کی عالمگیر بین الاقوامی حیثیت کا سب سے بڑا بلند منارہ ہے۔

حج کے اخلاقی فوائد کیا ہیں؟

عام مسلمان جو دور دراز مسافتوں کو طے کر کے اور ہر قسم کی مصیبتوں کو جھیل کر دریا، پہاڑ، جنگل، آبادی اور صحرا کو عبور کر کے یہاں جمع ہوتے، ایک دوسرے سے ملتے، ایک دوسرے کے درد وغم سے واقف اور حالات سے آشنا ہوتے ہیں جس سے ان میں باہمی اتحاد اور تعاون کی روح پیدا ہوتی ہے اور سب مل کر باہم ایک قوم ایک نسل اور ایک خاندان کے افراد نظر آتے ہیں۔

حج کے لیے یہ ضروری ہے کہ احرام باندھنے سے لے کر احرام اتارنے تک ہر حاجی نیکی و پاکبازی اور امن وسلامتی کی پوری تصویر ہو، وہ لڑائی جھگڑا اور دنگا فساد نہ کرے، کسی کو تکلیف نہ دے یہاں تک کہ بدن یا کپڑوں کی جوں یہاں تک کہ کسی چیونٹی تک کو نہ مارے شکار تک اس کے لیے جائز نہیں کیونکہ وہ اس وقت ہمہ تن صلح وآشتی اور مجسم امن وامان ہوتا ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے ''فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج''

یعنی حالتِ احرام میں نہ عورتوں کے سامنے شہوانی تذکرہ ہو، نہ کوئی گناہ، نہ کسی سے جھگڑا۔

کیسا صریح حکم ہے کہ زمانۂ حج میں حالتِ احرام میں اشارۃً یا کنایۃً بھی شہوانی خیالات زبان پر نہ لائے جائیں پھر حالت احرام میں جب متعدد جائز مشغلے مثلاً شکار نا جائز ہو جاتے ہیں تو بڑی چھوٹی قسم کی معصیت و نافرمانی کی گنجائش ظاہر ہے کہاں نکل سکتی ہے، یونہی اس زمانہ میں مار پیٹ، ہاتھا پائی الگ رہی زبانی حجت وتکرار جو اکثر ایسے موقعوں پر ہو جایا کرتی ہے سب احرام کی حالت میں ممنوع ہے۔ حتیٰ کہ خادم کو ڈانٹنا تک جائز نہیں۔

اور عبادت میں طہارت و پاکیزگی کا اسلام کا قائم کیا ہوا یہ وہ معیار ہے جو آپ اپنا جواب ہے اور جس نے اپنوں ہی کو نہیں بیگانوں کو بھی متاثر کیا ہے۔

حج کی اصطلاحات کا فقہی مفہوم:

ا۔ احرام: وہ بغیر سلا لباس جس کے بغیر آدمی میقات سے نہیں گزر سکتا یعنی ایک چادر نئی یا دھلی اوڑھنے کے لیے اور ایسا ہی ایک تہ بند کمر پر لپیٹنے کے لیے، یہ کپڑے سفید اور نئے بہتر ہیں یہ گویا رب العالمین جل جلالہ کی بارگاہ میں حاضری کی ایک وردی ہے، صاف ستھری، سادہ، تکلف اور زیبائش سے خالی۔

۲۔ میقات: وہ جگہ کہ مکۂ معظمہ کو جانے والے کو احرام کے بغیر وہاں سے آگے بڑھنا جائز نہیں اگرچہ تجارت وغیرہ کسی اور غرض سے جاتا ہو۔

۳۔ تلبیہ: یعنی لبیک کہنا، لبیک یہ ہے: لبيك اللهم لبيك ٥ لبيك لا شريك لك لبيك ٥ ان الحمد والنعمة لك ٥ والملك ٥ لا شريك لك ٥

۴۔ احرام کے ایک مرتبہ زبان سے لبیک کہنا ضروری ہے اور نیت شرط۔

۵۔ حرمِ کعبہ: مکۂ معظمہ کے گردا گرد کئی کوس کا جنگل ہے ہر طرف حدیں بنی ہوئی ہیں ان حدود کے اندر وہاں کے وحشی جانوروں حتیٰ کہ جنگلی کبوتروں کو تکلیف وایذا، دنیا بلکہ تر گھاس اکھیڑنا تک حرام ہے۔ تمام مکۂ مکرمہ، منیٰ، مزدلفہ یہ سب حدود حرم میں ہیں البتہ عرفات داخلِ حرم نہیں۔

۶۔ حِل: حدودِ حرم کے بعد جو زمین میقات تک ہے اسے حِل کہتے ہیں۔

۷۔ طواف: مسجد الحرام میں خانۂ کعبہ کے اردگرد بطریق خاص چکر لگانے کا نام طواف ہے۔

۸۔ مطاف: مسجدِ الحرام ایک گول وسیع احاطہ ہے جس کے کنارے کنارے بکثرت دالان اور آنے جانے کے راستے ہیں۔ بیچ میں خانۂ کعبہ کے اردگرد ایک دائرہ ہے یہی مطاف ہے یعنی طواف کرنے کی جگہ۔

۹۔ رکن: خانۂ کعبہ کا گوشہ جہاں اس کی دو دیواریں ملتی ہیں جسے زاویہ کہتے ہے۔ کعبۂ معظمہ کے چار رکن ہیں۔

(۱) رکنِ اسود: جنوب ومشرق کے گوشہ میں، اسی میں زمین سے اونچا سنگ اسود نصب ہے۔ (۲) رکن عراقی: شمال ومشرق کے گوشہ میں، دروازۂ کعبہ انہیں دو رکنوں کے بیچ کی شرقی دیوار میں زمین سے بہت بلند ہے۔ (۳) رکنِ شامی: شمال ومغرب کے گوشہ میں، سنگ اسود کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں تو بیت المقدس سامنے پڑے گا۔ (۴) رکنِ یمانی: مغرب اور جنوب کے گوشہ میں۔

۱۰۔ ملتزم: مشرقی دیوار کا وہ ٹکڑا جو رکنِ اسود سے دروازۂ کعبہ تک ہے۔ طواف کے بعد مقامِ ابراہیم پر نماز ودعا سے فارغ ہو کر حاجی یہاں آتے اور اس سے لپٹتے اور اپنا سینہ و پیٹ اور رخسار اس پر رکھتے اور ہاتھ اونچے کر کے دیوار پر پھیلاتے ہیں۔

۱۱۔ میزابِ رحمت: سونے کا پرنالہ کہ رکنِ عراقی شامی کی بیچ کی شمالی دیوار پر کی چھت پر نصب ہے۔

۱۲۔ حطیم: اسی شمالی دیوار کی طرف زمین کا ایک حصہ جس کے گردا گرد ایک قوسی رکمان کے انداز کی چھوٹی سی دیوار دی گئی ہے اور دونوں طرف آمد ورفت کا دروازہ ہے۔

۱۳۔ مستجار: رکن یمانی اور رکنِ اسود کے بیچ میں غربی دیوار کا وہ ٹکڑا جو ملتزم کے متابل ہے۔

۱۴۔ مستجاب: رکن یمانی اور رکن اسود کے بیچ میں جنوبی دیوار یہاں ستر ہزار فرشتے دعا پر آمین کہنے کے لیے مقرر ہیں اس لیے اس کا نام مستجاب رکھا گیا ہے۔

۱۵۔ اضطباع: شروع طواف سے پہلے چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر دونوں کنارے بائیں مونڈھے پر اس طرح ڈال دینا کہ داہنا مونڈھا کھلا رہے۔

۱۶۔ رمل: طواف کے پہلے تین پھیروں میں جلد جلد چھوٹے قدم رکھنا اور شانے ہلانا جیسے کہ قوی و بہادر لوگ چلتے ہیں نہ کودنا نہ دوڑنا۔

۱۷۔ استلام: دونوں ہتھیلیاں اوران کے بیچ میں منہ رکھ کر حجرِ اسود کو بوسہ دینا یا ہاتھ یا لکڑی سے چھو کر چوم لینے کا اشارہ کر کے ہاتھوں کو بوسہ دینا۔

۱۸۔ حجرِ اسود: یہ کالے رنگ کا ایک پتھر ہے حدیث میں ہے کہ حجرِ اسود جب جنت سے نازل ہوا دودھ سے زیادہ سفید تھا بنی آدم کی خطاؤں نے اسے سیاہ کر دیا (ترمذی) خانۂ کعبہ کے طواف کے شروع اور ختم کرنے کے لیے وہ ایک نشان کا کام دیتا ہے۔

۱۹۔ مقامِ ابراہیم: دروازۂ کعبہ کے سامنے ایک قبہ میں وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کعبہ بنایا تھا ان کے قدمِ پاک کا اس پر نشان ہو گیا جو اب تک موجود ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آیاتِ بنیات میں شمار فرمایا۔

۲۰۔ قبہّ زمزم شریف: یہ قبہّ مقامِ ابراہیم سے جنوب کو مسجد شریف ہی میں واقع ہے اور اس قبہّ کے اندر زمزم کا چشمہ ہے۔

۲۱۔ باب الصّفاء: مسجد شریف کے جنوبی دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس سے نکل کر سامنے کوہ صفا ہے۔

۲۲۔ صفا: کعبۂ معظّمہ سے جنوب کو ہے یہاں زمانۂ قدیم میں ایک پہاڑی تھی کہ زمین میں چھپ گئی ہے اب وہاں قبلہ رخ ایک دالان سا بنا ہے اور چڑھنے کی سیڑھیاں۔

۲۳۔ مَروہ: دوسری پہاڑی صفا سے جانبِ شرق تھی یہاں بھی اب قبلہ رخ دالان سا بنا ہے اور سیڑھیاں صفا سے مروہ تک جو فاصلہ ہے اب یہاں بازار ہے صفا سے چلتے ہوئے داہنے ہاتھ کو دکانیں اور بائیں ہاتھ کو احاطۂ مسجد حرام ہے۔

۲۴۔ مِیلَینِ اخضرَین: اس فاصلہ کے وسط میں جو صفا سے مروہ تک ہے۔ دیوارِ حرم شریف ہیں دو سبز میل نصب ہیں جیسے میل کے شروع میں پتھر لگا ہوتا ہے۔ اب تو وہاں سبز رنگ کے ٹیوب بجلی کے ہمیشہ شب و روز روشن رہتے ہیں۔

۲۵۔ مَسعیٰ: وہ فاصلہ کہ ان دونوں نشانوں کے درمیان ہے اس فاصلہ کو دوڑ کر طے کیا جاتا ہے مگر نہ حد سے زائد دوڑتے نہ کسی کو ایذائے دیتے۔

۲۶۔ سعی: صفا سے مروہ اور پھر مروہ سے صفا کی طرف جانا آنا اور میلینِ اخضرین کے درمیان دوڑنا سعی ہے۔

۲۷۔ حَلق: سارا سر منڈانا اور یہ افضل ہے۔۔ تقصیر: بال کتروان کہ اس کی اجازت ہے۔

۲۸۔ موقف: عرفات میں وہ جگہ کہ نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک وہاں کھڑے ہو کر ذکر و دعا کا حکم ہے۔

۲۹۔ بَطنِ عَرفہ: عرفات میں حرم کے نالوں میں سے ایک نالہ ہے مسجد نمرہ کے مغرب کی طرف یعنی کعبہ معظّمہ کی طرف، یہاں جائز نہیں یہاں قیام یا وقوف کیا تو حج ادا نہ ہوگا۔

۳۰۔ مسجدِ نمرہ: میدانِ عرفات کے بالکل کنارہ پر ایک عظیم مسجد ہے اس کی مغربی دیوار اگر گرے تو بطن میں گرے گی۔

۳۱۔ جبلِ رحمت: عرفات کا ایک پہاڑ زمین سے تقریباً ۳۰۰ فت اونچا اور سطحِ سمندر سے ۰۰ فٹ اونچا ہے اسے موقفِ اعظم بھی کہتے ہیں اسی کے قریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف ہے جہاں سیاہ پتھروں کا فرش ہے۔

۳۲۔ مُزدَلفہ: عرفات اور منیٰ کے درمیان ایک کشادہ میدان ہے عرفات سے تقریباً تین میل دور یہاں سے منیٰ کا فاصلہ بھی

تقریباً اتنا ہی ہے کہتے ہیں کہ عرفات میں قبولِ توبہ کے بعد حضرت آدم اور اماں حوا علیہما السلام مزدلفہ ہی میں ملے تھے۔

۳۳۔ مازنین: عرفات اور مزدلفہ کے پہاڑوں کے درمیان ایک تنگ راستہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے مزدلفہ اسی راستے تشریف لائے تھے۔

۳۴۔ مشعرِ حرام: اس خاص مقام کا نام ہے جو مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے اور خود سارے مزدلفہ کو بھی مشعرِ حرام کہتے ہیں۔ مزدلفہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقوف کی جگہ گنبد بنا دیا گیا تھا آج کل یہاں ایک مسجد بھی ہے جسے مسجد مشعر الحرام کہا جاتا ہے مشعر حرام کو قزح بھی کہتے ہیں۔

۳۵۔ وادی محسّر: یہ وہی مقام ہے جہاں اصحابِ فیل کے ہاتھی تھک کر رہ گئے اور مکہّ معظّمہ کی طرف آگے نہ بڑھ سکے اور سب ہلاک ہو گئے۔

۳۶۔ منیٰ: ایک وسیع اور کشادہ میدان جو پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے مزدلفہ سے یہاں آ کر رمی جمار، قربانی وغیرہ افعال ادا کئے جاتے ہیں۔

۳۷۔ مسجدِ خَیف: منیٰ کی مشہور اور بڑی مسجد کا نام ہے خیف وادی کو کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس مسجد میں 70)) ستر نبی آرام فرما رہے ہیں مسجدِ خیف پر ہشت پہلو قبہّ ہے اس قبہّ کی جگہ سے متعلق کہا جاتا ہے کہ بہت سے پیغمبروں نے نمازیں یہاں ادا فرمائی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ بھی یہاں نصب کیا گیا تھا۔

۳۸۔ رمی: منیٰ میں واقع تین جمروں پر کنکریاں مارنے کو کہتے ہیں۔

۳۹۔ جِمار: منیٰ کے میدان میں پتھر کے تین ستون کھڑے ہیں ان ہی کا نام جمار ہے ان میں سے پہلے کا نام جمرۂ اولیٰ، دوسرے کا نام جمرۂ وسطیٰ اور تیسرے کا نام جمرۂ عقبیٰ ہے یہ مکہّ معظّمہ سے منیٰ آتے ہوئے پہلا منارہ ہے۔

۴۰۔ وقوفِ عرفہ: نویں ذی الحجہ کو عرفات میں ٹھہرنا اور اللہ کے حضور زاری اور خالص نیت سے ذکر و لبیک و دعا و درود و استغفار اور کلمہ توحید میں مشغول رہنا اور نماز ظہر و عصر ادا کرنا اور نماز سے فراغت کے بعد بالخصوص غروبِ آفتاب تک دعا میں اپنا وقت گزارنا۔ (فقہی کتب و شروحات)

حج کی فرضیت کی تاریخ:

فرضیت حج کی سعادت عظمیٰ ہمارے آقا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے ساتھ مختص ہے گو کہنے کو تو حج کا رواج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے ہے مگر اس وقت اس کی فرضیت کا حکم نہ تھا۔ چنانچہ صحیح مسلک یہی ہے کہ حج صرف امت محمدیہ پر فرض ہوا ہے۔

حج کب فرض ہوا؟ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، کچھ حضرات کہتے ہیں سن ۵ ھجری میں فرض ہوا، اکثر علما سن ۶ ھجری میں فرضیت کے قائل ہیں لیکن زیادہ صحیح قول ان علماء کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حج سن ۹ ھ کے آخر میں فرض ہوا ہے جب کہ اللہ

تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا آیت (وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا)۔یعنی اللہ کی خوشنودی کے لئے لوگوں پر کعبہ کا حج (ضروری) ہے اور یہ اس شخص پر جو وہاں تک جا سکے۔

چونکہ یہ حکم سال کے آخر میں نازل ہوا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فعال حج کی تعلیم میں مشغولیت اور آئندہ سال کے لئے سفر حج کے اسباب کی تیاری میں مصروفیت کی وجہ سے خود حج کے لئے تشریف نہیں لے جا سکے، بلکہ اس سال یعنی سن ۹ ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاجیوں کا امیر مقرر فرما کر مکہ بھیج دیا تا کہ وہ لوگوں کو حج کرا دیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود سال آئندہ یعنی سن ۱۰ھ میں اس حکم الٰہی کی تعمیل میں حج کے لئے تشریف لے گئے یہ عجیب اتفاق ہے کہ فرضیت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی پہلا حج کیا جو آخری حج بھی ثابت ہوا۔ چنانچہ یہی حج حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے اسی حج کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ عالم تاب اور وجود پرنور نے اس دنیا سے پردہ کیا۔

حج کی فرضیت کی حکمتوں کا بیان:

انسان فائدے کا حریص ہے، فائدہ دیکھ کر مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے، حج کی خوبیاں وفضائل تو بہت زیادہ ہیں، یہاں بعض کو بطور تذکرہ ذکر کیا جاتا ہے تا کہ حج کا داعیہ اور شوق پیدا ہو۔

صحیحین میں ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے حج کرے اور (دوران حج) نہ اپنی اہلیہ سے ہم بستری کرے اور نہ فسق میں مبتلا ہو تو وہ اس طرح (بے گناہ ہو کر) لوٹتا ہے جیسے (اس دن بے گناہ تھا) جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا۔ شراح حدیث نے رفث سے اگرچہ جماع مراد لیا ہے، لیکن معنی عام مراد لینے سے دیگر معانی جیسے تعریض بالجماع فحش گوئی وغیرہ بھی اس میں شامل ہو جائیں گے، امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حج اور عمرہ ساتھ ساتھ کرو، دونوں فقر ومحتاجی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں، جس طرح لوہار اور سنار کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے اور حج مبرور کا صلہ اور ثواب تو بس جنت ہی ہے۔

طبرانی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حج اور عمرہ کے لیے جانے والے خدا کے خصوصی مہمان ہیں، وہ خدا سے دعا کریں تو خدا قبول فرماتا ہے اور مغفرت طلب کریں تو بخش دیتا ہے!

حضرت عبداللہ بن جراد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فریضہ حج ادا کرو، اس لیے کہ حج گناہوں کو ایسے دھو دیتا ہے، جیسے پانی میل کو دھو دیتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج کرنے والے کی مغفرت کی جاتی ہے اور جس کے لیے حاجی مغفرت کی دعا کرے اس کی بھی مغفرت کی جاتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اے اللہ! مغفرت فرما حاجی کی اور جس کے لیے وہ مغفرت طلب کرے۔

حج کی فرضیت کا بیان:

(الْحَجُّ وَاجِبٌ عَلَى الْأَحْرَارِ الْبَالِغِينَ الْعُقَلَاءِ الْأَصِحَّاءِ إذَا قَدَرُوا عَلَى الزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ فَاضِلًا عَنْ الْمَسْكَنِ وَمَا لَا بُدَّ مِنْهُ ، وَعَنْ نَفَقَةِ عِيَالِهِ إلَى حِينِ عَوْدِهِ وَكَانَ الطَّرِيقُ آمِنًا .وصفه بالوجوب وهو فريضة لحكمه ثبتت بالكتاب وهو قوله تعالى: ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا .

(وَلَا يَجِبُ فِي الْعُمُرِ إلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قِيلَ لَهُ (الْحَجُّ فِي كُلِّ عَامٍ أَوْ مَرَّةً وَاحِدَةً ؟ فَقَالَ لَا بَلْ مَرَّةً وَاحِدَةً فَمَا زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ) وَلِأَنَّ سَبَبَهُ الْبَيْتُ وَأَنَّهُ لَا يَتَعَدَّدُ فَلَا يَتَكَرَّرُ الْوُجُوبُ ثُمَّ هُوَ وَاجِبٌ عَلَى الْفَوْرِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ .وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ .وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ عَلَى التَّرَاخِي لِأَنَّهُ وَظِيفَةُ الْعُمُرِ فَكَانَ الْعُمُرُ فِيهِ كَالْوَقْتِ فِي الصَّلَاةِ .

وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ يَخْتَصُّ بِوَقْتٍ خَاصٍّ ، وَالْمَوْتُ فِي سَنَةٍ وَاحِدَةٍ غَيْرُ نَادِرٍ فَيَتَضَيَّقُ احْتِيَاطًا وَلِهَذَا كَانَ التَّعْجِيلُ أَفْضَلَ ، بِخِلَافِ وَقْتِ الصَّلَاةِ لِأَنَّ الْمَوْتَ فِي مِثْلِهِ نَادِرٌ .

ترجمہ جو لوگ آزاد، عاقل، بالغ، تندرست اور زاد راہ وسواری پر قادر ہوں تو ان پر حج فرض ہے۔ اس شرط کے ساتھ وہ (سواری) ٹھہرنے سے فارغ ہو۔ اور وہ شخص ضرورت کی چیزوں اور واپسی تک اہل وعیال کے نفقہ سے فارغ ہو۔ اور راستے میں امن ہو۔ مصنف نے حج کو وجوب کے ساتھ موصوف کیا ہے حالانکہ حج فرض محکم ہے۔ اس کی فرضیت کتاب اللہ سے ثابت ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا'' ہے۔

اور حج عمر میں صرف ایک مرتبہ واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ حج ہر سال فرض ہے یا ایک مرتبہ فرض ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ ایک مرتبہ فرض ہے۔ لہذا جو زیادہ کرے وہ نفل ہوگا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دار قطنی) اور یہ دلیل بھی ہے کہ اس کا سبب بیت (بیت اللہ) ہے اور بیت میں تعدد نہیں ہے۔ لہذا اس کے وجوب میں بھی تعدد وتکرار نہ ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک حج فوری طور پر واجب ہے۔ اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے بھی ایسی روایت بیان کی گئی ہے جس کی دلالت بھی یہی ہے۔ جبکہ امام شافعی اور امام محمد علیہما الرحمہ کے نزدیک تاخیر سے واجب ہے۔ کیونکہ حج پوری عمر کو اسی طرح گھیرے ہوئے ہے۔ جس طرح نماز میں وقت ہے۔ اور اول کی دلیل یہ ہے کہ حج خاص وقت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور موت کا ایک سال میں آنا غیر نادر ہے۔ لہذا بطور احتیاط وقت میں کمی کی گئی ہے۔ اور اسی دلیل کی بنیاد پر حج کو جلدی ادا کرنا افضل ہے۔ جبکہ نماز کے وقت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اتنے وقت میں موت کا آنا نادر ہے۔

فرضیت حج میں افراد کی بہ جائے جمع کی طرف عدول کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف نے حج کی فرضیت میں آزاد و بالغین وغیرہ کے صیغے بیان فرمائے ہیں۔ مصنف کی غرض افراد سے جمع کی طرف جانے میں یہ ہے کہ حج لوگوں سے جدا نہیں ہوتا مگر جبکہ وہ اس کو ادا کرلیں۔

(عنایہ شرح الہدایہ،۳،ص ۳۸۷، بیروت)

حج کے فرض ہونے کی شرائط کی وضاحت:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کون سی چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زادراہ اور سواری۔(ترمذی،ابن ماجہ)

سوال کون سی چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ کا مطلب یہ ہے کہ حج واجب ہونے کی شرط کیا ہے؟ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چیز تو زادراہ بتایا جس کی مراد یہ ہے کہ اتنا مال وزر جو سفر حج میں جانے اور آنے کے اخراجات اور تا واپسی اہل وعیال کی ضروریات کے لئے کافی ہو اور دوسری چیز سواری بتائی جس پر سوار ہو کر بیت اللہ تک پہنچا جاسکے اگرچہ حج کے واجب ہونے کی شرطیں اور بھی ہیں مگر یہاں بطور خاص ان ہی دونوں چیزوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اصل میں یہی دو شرائط ایسی ہیں جو حج کے لئے بنیادی اور ضروری اسباب کا درجہ رکھتے ہیں۔

یہ حدیث حضرت امام مالک کے مسلک کی تردید کرتی ہے ان کے ہاں اس شخص پر بھی حج واجب ہوتا ہے جو پیادہ چلنے پر قادر ہو اور تجارت یا محنت مزدوری کے ذریعہ سفر حج کے اخراجات کے بقدر روپے پیسے حاصل کرسکتا ہو۔

حج ان شرائط کے پائے جانے کے بعد فرض ہوتا ہے۔(۱) مسلمان ہونا، کافر پر حج فرض نہیں ہے (۲) آزاد ہونا، لونڈی غلام پر حج فرض نہیں ہے۔(۳) عاقل ہونا، مجنون، مست اور بے ہوش پر حج فرض نہیں۔(۴) بالغ ہونا، نابالغ بچوں پر حج فرض نہیں۔(۵) صحت مند و تندرست ہونا، بیمار، اندھے، لنگڑے، اپاہج پر حج فرض نہیں (۶) قادر ہونا یعنی اس قدر مال کا مالک ہونا جو ضرورت اصلیہ اور قرض سے زائد ہو اور اس کے زادراہ اور سواری کے کرایہ وخرچ کے لئے کافی ہوجائے نیز جن لوگوں کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے ان کے لئے بھی اس میں سے اس قدر چھوڑ جائے جو اس کی واپسی تک ان لوگوں کو کفایت کرسکے۔ (۷) راستے میں امن ہونا، اس بارے میں اکثر کا اعتبار ہے یعنی اگر اکثر لوگ امن وامان سے پہنچ جاتے ہوں تو حج فرض ہوگا، مثلاً اگر اکثر لوگ راستے میں ڈاکہ زنی وغیرہ سے لٹ جاتے ہوں یا کوئی ایسا دریا اور سمندر حائل ہو جس میں بکثرت جہاز ڈوب جاتے ہوں اور اکثر ہلاک ہوجاتے ہوں یا راستے میں اور کسی قسم کا خوف ہو تو ایسی حالت میں حج فرض نہیں ہوگا، ہاں اگر یہ حادثات کبھی کبھی اتفاقی طور پر ہوجاتے ہیں تو پھر حج کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی (۸) عورت کے لئے ہمراہی میں شوہر یا کسی اور محرم کا موجود ہونا جب کہ اس کے یہاں سے مکہ کی دوری بقدر مسافت سفر یعنی تین دن کی ہو۔ اگر شوہر یا محرم ہمراہی میں نہ ہوں۔ تو پھر عورت کے لئے سفر حج اختیار کرنا جائز نہیں ہے اور محرم کا عاقل بالغ ہونا اور مجوسی وفاسق نہ ہونا بھی شرط ہے۔ محرم کا نفقہ اس عورت پر ہوگا جو اپنے ساتھ حج میں لے

جائے گی۔ نیز جس عورت پر حج فرض ہو وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر بھی محرم کے ساتھ حج کے لئے جاسکتی ہے۔

اگر کوئی نابالغ لڑکا یا غلام احرام باندھنے کے بعد بالغ ہوجائے یا آزاد ہوجائے اور پھر وہ حج پورا کرے تو اس صورت میں فرض ادا نہیں ہوگا ہاں اگر لڑکا فرض حج کے لئے از سرنو احرام باندھے گا تو صحیح ہوجائے گا۔ لیکن غلام کا احرام فرض حج کے لئے اس صورت میں بھی درست نہیں ہوگا۔

قرآن کے مطابق فرضیت حج کا بیان:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۔(البقرہ) اور تم اللہ کیلئے حج وعمرہ مکمل کرو۔

(۲) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (ال عمران،۹۷) اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔(کنزالایمان)

اس آیت میں حج کی فرضیت کا بیان ہے اور اس کا کہ استطاعت شرط ہے حدیث شریف میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تفسیر زاد وراحلہ سے فرمائی زاد یعنی توشہ کھانے پینے کا انتظام اس قدر ہونا چاہئے کہ جا کر واپس آنے تک کے لئے کافی ہو اور یہ واپسی کے وقت تک اہل وعیال کے نفقہ کے علاوہ ہونا چاہئے راہ کا امن بھی ضروری ہے کیونکہ بغیر اس کے استطاعت ثابت نہیں ہوتی۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی ظاہر ہوتی ہے اور یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فرض قطعی کا منکر کافر ہے۔

(۳) وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ (الحج،۲۷)

اور لوگوں میں حج کی عام ندا کردے۔ وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔

(۴) فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ (البقرہ،۱۵۸)

تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے پھیرے کرے۔ اور جو کوئی بھلی بات اپنی طرف سے کرے تو اللہ نیکی کا صلہ دینے والا خبردار ہے۔

(۵) وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔(التوبہ،۳)

اور منادی پکار دینا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن۔ کہ اللہ بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول تو اگر تم توبہ کرو۔ تو تمہارا بھلا ہے اور اگر منہ پھیرو۔ تو جان لو کہ تم اللہ کو نہ تھکا سکو گے۔ اور کافروں کو خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی۔(کنزالایمان)

ان آیات میں حج کا بیان ہے اور ان میں جو آیت کا استدلال صاحب ہدایہ نے بیان کیا ہے وہ اور دیگر کئی آیات سے حج کی فرضیت ثابت ہے۔ لہذا اس کے ثبوت قطعیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس لئے حج فرض ہے اور اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

احادیث کے مطابق فرضیت حج کا بیان:

(۱) حضرت امام بخاری رحمہ اللہ آیت قرآنی لانے کے بعد وہ حدیث لائے جس میں صاف صاف "ان فریضة الله علی عباده فی الحج ادرکت ابی الخ" کے الفاظ موجود ہیں۔ اگرچہ یہ ایک قبیلہ خثعم کی مسلمان عورت کے الفاظ ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔ اس لحاظ سے یہ حدیث تقریری ہوگئی اور اس سے فرضیت حج کا واضح لفظوں میں ثبوت ہوا۔

(۲) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من ملك زاداً وراحلة تبلغه الی بیت الله ونم یحج فلا علیه ان یموت یهودیاً اونصرانیا۔

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔

(۳) مسلم شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے وعظ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، پس تم حج کرو۔

(۴) صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اور نماز پڑھنا، اور زکوٰۃ دینا، اور بیت اللہ کا حج کرنا، اور رمضان کے روزے رکھنا۔

(۵) امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس شخص کو خرچ اخراجات سواری وغیرہ سفر بیت اللہ کے لیے روپیہ میسر ہو (اور وہ تندرست بھی ہو) پھر اس نے حج نہ کیا تو اس کو اختیار ہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ (ترمذی شریف باب ماجاء من التعليظ فی ترك الحج)

یہ بڑی سے بڑی وعید ہے جو ایک سچے مرد مسلمان کے لیے ہو سکتی ہے۔ پس جو لوگ باوجود استطاعت کے مکہ شریف کا رخ نہیں کرتے بلکہ یورپ اور دیگر ممالک کی سیر و سیاحت میں ہزارہا روپیہ برباد کر دیتے ہیں مگر حج کے نام سے ان کی روح خشک ہو جاتی ہے، ایسے لوگوں کو اپنے ایمان واسلام کی خیر مانگنی چاہیے۔ اسی طرح جو لوگ دن رات دنیاوی دھندوں میں منہمک رہتے ہیں اور اس پاک سفر کے لیے ان کو فرصت نہیں ہوتی ان کا بھی دین ایمان سخت خطرے میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہو جائے اس کو اس کی ادائیگی میں حتیٰ الامکان جلدی کرنی چاہیے۔ اور لیت ولعل میں وقت نہ ٹالنا چاہیے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ممالک محروسہ میں مندرجہ ذیل پیغام شائع کرایا تھا۔ لقد هممت ان ابعث رجالا الی هذه الامصار فینظروا کل من کان له جدة ولا یحج فیضربوا علیهم الجزیة ماهم بمسلمین ماهم بمسلمین (نیل الاوطار ج4 ص165) میری دلی خواہش ہے کہ میں کچھ آدمیوں کو شہروں اور دیہاتوں میں تفتیش کے لیے روانہ کروں جو ان لوگوں کی فہرست تیار کریں جو استطاعت کے باوجود اجتماع حج میں شرکت نہیں کرتے، ان پر کفار کی طرح جزیہ مقرر کر دیں۔ کیونکہ ان کا دعویٰ اسلام فضول وبیکار ہے وہ مسلمان نہیں ہیں۔

وہ مسلمان نہیں ہیں۔ اس سے زیادہ بدنصیبی کیا ہوگی کہ بیت اللہ شریف جیسا بزرگ اور مقدس مقام اس دنیا میں موجود ہو اور وہاں تک جانے کی ہر طرح سے آدمی طاقت بھی رکھتا ہو اور پھر کوئی مسلمان اس کی زیارت کو نہ جائے جس کی زیارت کے لیے بابا آدم علیہ السلام سینکڑوں مرتبہ پیدل سفر کر کے گئے۔

(۶) اخرج ابن خزيمة وابوالشيخ فی العظمة والديلمی عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ان ادم اتی هذا البیت الف اتية لم یرکب قط فیهن من الهند علی رجلیه۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کا ملک ہند سے ایک ہزار مرتبہ پیدل چل کر حج کیا۔ ان حجوں میں آپ کبھی سواری پر سوار ہو کر نہیں گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کافروں کے مظالم سے تنگ آ کر مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو رخصتی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو چوما اور آپ وسط مسجد میں کھڑے ہو کر بیت اللہ شریف کی طرف متوجہ ہوئے اور آبدیدہ ہو کر آپ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! تو اللہ کے نزدیک تمام جہاں سے پیارا اور بہتر گھر ہے اور یہ شہر بھی اللہ کے نزدیک احب البلاد ہے۔ اگر کفار قریش مجھ کو ہجرت پر مجبور نہ کرتے تو میں تیری جدائی ہرگز اختیار نہ کرتا۔ (ترمذی)

(۷) جب آپ مکہ شریف سے باہر نکلے تو پھر آپ نے اپنی سواری کا منہ مکہ شریف کی طرف کر کے فرمایا: والله انك لخير ارض الله واحب ارض الله الی الله ولولا اخرجت منك ماخرجت (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

قسم اللہ کی! اے شہر مکہ تو اللہ کے نزدیک بہترین شہر ہے، تیری زمین اللہ کو تمام روئے زمین سے پیاری ہے۔ اگر میں یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کیا جاتا تو کبھی یہاں سے نہ نکلتا۔

(۸) امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من حج هذا البیت فلم یرفث ولم یفسق رجع کما ولدته امه (ابن ماجہ ص 213)

جس نے پورے آداب وشرائط کے ساتھ بیت اللہ شریف کا حج کیا۔ نہ جماع کے قریب گیا اور نہ کوئی بے ہودہ حرکت کی وہ شخص گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو کر لوٹتا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن پاک صاف تھا۔

(۹) حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی حج بیت اللہ کے ارادے سے روانہ ہوتا ہے۔ اس شخص کی سواری جتنے قدم چلتی ہے ہر قدم کے عوض اللہ تعالیٰ اس کا ایک گناہ مٹاتا ہے۔ اس کے لیے ایک نیکی لکھتا ہے۔ اور ایک درجہ جنت میں اس کے لیے بلند کرتا ہے۔ جب وہ شخص بیت اللہ شریف میں پہنچ جاتا ہے اور وہاں طواف بیت اللہ صفا ومروہ کی سعی کرتا ہے پھر بال منڈواتا یا کترواتا ہے تو گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن تھا۔ (ترغیب وترہیب ص 224)

(۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ابن خزیمہ کی روایت ہے کہ جو شخص مکہ معظمہ سے حج کے واسطے نکلا اور پیدل عرفات گیا پھر واپس بھی وہاں سے پیدل ہی آیا تو اس کو ہر قدم کے بدلے کروڑوں نیکیاں ملتی ہیں۔

(۱۱) امام بیہقی نے عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حج وعمرہ ساتھ ساتھ ادا کرو۔ اس پاک عمل سے فقر کو اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اور گناہوں سے اس طرح پاک کر دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کو میل سے پاک کر دیتی ہے۔

(۱۲) حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس مسلمان پر حج فرض ہو جائے اس کو ادائیگی میں جلدی کرنی چاہیے۔ اور فرصت کو غنیمت جاننا چاہیے۔ نہ معلوم کل کیا پیش آئے اے زفرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش۔ میدان عرفات میں جب حاجی صاحبان اپنے رب کے سامنے ہاتھ پھیلا کر دین ودنیا کی بھلائی کے لیے دعا مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آسمانوں پر فرشتوں میں ان کی تعریف فرماتا ہے۔ (مسند احمد)

ابویعلیٰ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جو حاجی راستے میں انتقال کر جائے اس کے لیے قیامت تک ہر سال حج کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

تفاسیر قرآنی کے مطابق فرضیت حج کا بیان:

وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ (الحج،۲۷)

اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے۔ وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔

(۱) صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جو اس کی حرمت وفضیلت پر دلالت کرتی ہیں ان نشانیوں میں سے بعض یہ ہیں کہ پرندے کعبہ شریف کے اوپر نہیں بیٹھتے اور اس کے اوپر سے پرواز نہیں کرتے بلکہ پرواز کرتے ہوئے آتے ہیں تو اِدھر اُدھر ہٹ جاتے ہیں اور جو پرند بیمار ہو جاتے ہیں وہ اپنا علاج یہی کرتے ہیں کہ ہوائے کعبہ میں ہو کر گزر جائیں اسی سے انہیں شفا ہوتی ہے اور وحوش ایک دوسرے کو حرم میں ایذا نہیں دیتے حتی کہ کتے اس سرزمین میں ہرن پر نہیں دوڑتے اور وہاں شکار نہیں کرتے اور لوگوں کے دل کعبہ معظمہ کی طرف کھچتے ہیں اور اس کی طرف نظر کرنے سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔

اور ہر شب جمعہ کو ارواحِ اَولیاء اس کے گرد حاضر ہوتی ہیں اور جو کوئی اس کی بے حرمتی کا قصد کرتا ہے برباد ہو جاتا ہے انہیں آیات میں سے مقام ابراہیم وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن کا آیت میں بیان فرمایا گیا (مدارک وخازن واحمدی)

(۲) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

اور یہ حکم ملا کہ اس گھر کے حج کی طرف تمام انسانوں کو بلا۔ مذکور ہے کہ آپ نے اس وقت عرض کی کہ باری تعالیٰ میری آواز ان تک کیسے پہنچے گی؟ جواب ملا کہ آپ کے ذمہ صرف پکارنا ہے آواز پہنچانا میرے ذمہ ہے۔ آپ نے مقام ابراہیم پر یا صفا پہاڑی پر ابوقبیس پہاڑ پر کھڑے ہو کر ندا کی کہ لوگو! تمہارے رب نے اپنا ایک گھر بنایا ہے پس تم اس کا حج کرو۔ پہاڑ جھک گئے اور آپ کی

آواز ساری دنیا میں گونج گئی۔ یہاں تک کہ باپ کی پیٹھ میں اور ماں کے پیٹ میں جو تھے انہیں بھی سنائی دی۔ ہر پتھر درخت اور ہر اس شخص نے جس کی قسمت میں حج کرنا لکھا تھا با آواز لبیک پکارا۔ بہت سے سلف سے یہ منقول ہے، پھر فرمایا پیدل لوگ بھی آئیں گے اور سواریوں پر سوار بھی آئیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، حج ۲۷)

اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ جسے طاقت ہو اس کے لئے پیدل حج کرنا سواری پر حج کرنے سے افضل ہے اس لئے کہ پہلے پیدل والوں کا ذکر ہے پھر سواروں کا۔ تو ان کی طرف توجہ زیادہ ہوئی اور ان کی ہمت کی قدر دانی کی گئی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میری یہ تمنا رہ گئی کہ کاش کہ میں پیدل حج کرتا۔ اس لئے کہ فرمان الٰہی میں پیدل والوں کا ذکر ہے۔

لیکن اکثر بزرگوں کا قول ہے کہ سواری پر افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود کمال قدرت وقوت کے پاپیادہ حج نہیں کیا تو سواری پر حج کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اقتدا ہے پھر فرمایا دور دراز سے حج کے لئے آئیں گے خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا بھی یہی تھی کہ آیت (فاجعل افئدة من الناس تهوى اليهم) لوگوں کے دلوں کو اے اللہ تو ان کی طرف متوجہ کر دے۔

آج دیکھ لو وہ کونسا مسلمان ہے جس کا دل کعبے کی زیارت کا مشتاق نہ ہو؟ اور جس کے دل میں طواف کی تمنائیں تڑپ نہ رہی ہوں۔

اجماع امت سے فرضیت حج کا بیان:

ملک العلماء علامہ کاسانی رحمہ اللہ اپنی شہرہ ءآفاق تصنیف بدائع الصنائع میں حج کی فرضیت پر اجماع کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں۔

"وأما الإجماع: فلأن الأمة أجمعت على فرضيته "یعنی تمام امت نے حج کی فرضیت پر اجماع کیا ہے۔

ائمہ مذاہب اربعہ کے مطابق فرضیت حج کا بیان:

علامہ علی بن سلطان ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

حج کی فرضیت قرآن وسنت اور اجماع سے محکم ہے۔ قرآن میں اس کی دلیل یہ ہے کہ لوگوں پر بیت اللہ کا حج لازم ہے جو اس کی اس راہ کی طاقت رکھتا ہو" اس آیت میں کلمہ "علی" جو ایجاب کیلئے آیا ہے۔ لہذا حج فرض ہے۔

جبکہ احادیث میں اس کی فرضیت میں کثیر احادیث موجود ہیں۔ جس طرح یہ حدیث ہے۔ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات پر کہ اللہ کو ایک مانا جائے، نماز کے اہتمام پر، زکوٰۃ کی ادائیگی پر، رمضان کے روزوں پر اور حج پر۔ ایک آدمی نے پوچھا: حج اور رمضان کے روزے؟ انہوں نے کہا: نہیں، رمضان کے روزے اور حج۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی سنا ہے۔" (صحیح مسلم، رقم، ۱۶)

(شرح الوقایہ، ج ۱، ص ۴۵۰، بیروت)

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حج کی فرضیت قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن سے اس طرح ثابت ہے کہ "لوگوں پر بیت اللہ کا حج لازم ہے" حدیث کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ جن میں حج کو بیان کیا گیا ہے۔ اور اسی

طرح کثیر احادیث ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔
(المغنی، ج ۳، ص ۱۶۳، بیروت)

علامہ شرف الدین نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حج ارکان اسلام میں سے رکن ہے اور اس کے فرائض میں سے فرض ہے۔ اور اس آیت ''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا'' میں واؤ ترتیب کا تقاضہ نہیں کرتی کیونکہ انہوں نے اس سے حج کے رکن ہونے کا استدلال کیا ہے۔ اور احادیث سے جو استدلال ہے اس کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ حج فرض ہے۔
(المجموع، ج ۴، ص ۷، بیروت)

علامہ شہاب الدین قرافی مالکی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا'' اس آیت میں حکم کا وصفیت کے طریقے پر بیان ہونا اس کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا حج فرض ہے۔ اور باقی دلائل اسی طرح ہیں جس طرح پہلے فقہاء مذاہب ثلاثہ کے ہیں۔ (ذخیرہ، ج ۳، ص ۱۶۷، بیروت)

عمر میں ایک مرتبہ فرضیت حج کا بیان:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے لہذا تم حج کرو یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم ہر سال حج کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی بات کہی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا ہوں تو یقیناً حج ہر سال کے لئے فرض ہو جاتا اور تم ہر سال حج کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے تھے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تک میں تمہیں چھوڑوں تم مجھے چھوڑ دو (یعنی جو کچھ میں نہ کہا کروں مجھ سے مت پوچھا کرو) کیونکہ جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ وہ اسی سبب سے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے انبیاء سے پوچھتے اور ان سے اختلاف کرتے تھے (جیسا کہ بنی اسرائیل کے بارے میں منقول ہے) لہذا جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو اس میں سے جو کچھ تم کرنے کی طاقت رکھتے ہو کرو اور جب میں تمہیں کسی بات سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔ (مسلم، ترمذی، حاکم، ابن ماجہ)

اللہ تعالیٰ نے جب حج کی فرضیت کا فرمان نازل فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو امت کے اوپر نافذ کرنے کے لئے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ حج کریں چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے سامنے حج کی فرضیت بیان فرما رہے تھے اور انہیں حج کرنے کا حکم دے رہے تھے تو ایک صحابی جن کا نام اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ تھا پوچھ بیٹھے کہ حج ہر سال کیا جائے گا؟ وہ یہ سمجھے کہ جس طرح دیگر عبادتیں یعنی نماز، روزہ، زکوۃ بار بار ادا کی جاتی ہیں اسی طرح یہ حج بھی مکرر ہی ہوگا اسی لئے انہوں نے یہ سوال کیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات ناگوار ہوئی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے تو تنہا سکوت اختیار فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا۔ جب انہوں نے کئی بار پوچھا تو آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر میں

اس سوال کے جواب میں ہاں کہہ دیتا تو یقیناً ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا کیونکہ میں یہ جواب اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب دیتا بغیر اس کے حکم سے میری زبان سے کوئی تشریعی بات نہیں نکلتی، اور اگر ہر سال حج فرض ہو جاتا تو تم میں اتنی طاقت نہ ہوتی کہ ہر سال اس کی ادائیگی پر قادر نہ ہوتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متنبہ فرمایا کہ کسی بھی دینی حکم کو مجھ پر چھوڑ دو، جب میں کسی فعل کا حکم دوں تو مجھ سے یہ نہ پوچھوں کہ یہ فعل کتنا ہے اور کیسا ہے جب تک میں خود یہ بیان نہ کروں کہ یہ فعل کتنا کیا جائے اور کس طرح کیا جائے۔ میں جس طرح کہوں تم اسی طرح ادا کرو۔ اگر کسی فعل کے بارے میں بلا قید و تعین اعداد کے مطلق حکم کروں تو اس حکم کی اسی طرح بجا آوری کرو اور اگر یہ بیان کروں کہ اس فعل کو اتنی بار اور اس طرح کرو تو اسے اتنی ہی بار اور اسی طرح کرو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ میں دنیا میں اسی ملئے آیا ہوں کہ تم تک اسلام کے احکام پوری وضاحت کے ساتھ پہنچا دوں اور شریعت کو بیان کر دوں جو بات جس طرح ہوتی ہے اسے اسی طرح بیان کر دیتا ہوں۔ تمہارے سوال کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

پھر آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احکام کی بجا آوری کے سلسلے میں تائید و مبالغہ کے طور پر فرمایا کہ فاتوا منه مااستطعتم (اس میں سے جو کچھ تم کرنے کی طاقت رکھتے ہو کرو) یعنی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام پر عمل کرنے کی تم جتنی بھی طاقت رکھتے ہو اس کے مطابق عمل کر و یا پھر یہ کہ اس جملے کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رفع حرج پر اشارہ فرمایا کہ مثلاً نماز کے بعض شرائط و ارکان ادائیگی سے تم اگر عاجز ہو تو جس قدر ہو سکے اسی قدر کرو، جو تم سے نہ ہو سکے اسے چھوڑ دو جیسے اگر تم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکو تو بیٹھ کر نماز پڑھو، اگر بیٹھ کر پڑھنے سے بھی عاجز ہو تو لیٹے ہی لیٹے پڑھو مگر پڑھو ضرور، اسی پر دوسرے احکام و اعمال کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

حج کی فوری یا تاخیر سے ادائیگی میں مذاہب اربعہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص حج کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ جلدی کرے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص حج کرنے پر قادر ہو اور حج کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ جلدی کرے اور اس فرض کو ادا کرنے کے لئے ملے ہوئے موقع کو غنیمت جانے کیونکہ تاخیر کرنے کی صورت میں نہ معلوم کتنی رکاوٹیں پیدا ہو جائیں اور مآل کار اس نعمت عظمی سے محرومی رہے۔

اس بارے میں کہ حج علی الفور واجب ہے یا علی التراخی؟ حنفیہ کے ہاں سب سے صحیح قول یہ ہے کہ جب حج واجب ہو یعنی شرائط حج پائے جائیں اور حج کا وقت آ جائے نیز قافلہ مل جائے (بشرطیکہ قافلے کی ضرورت ہو جیسا کہ پہلے زمانے میں بغیر قافلہ کے سفر کرنا تقریباً ناممکن ہوتا تھا) تو اسی سال حج کرے دوسرے سال تک تاخیر نہ کرے، اگر کوئی شخص بلا عذر کئی سال تاخیر کرتا رہے گا تو وہ فاسق کہلائے گا اور شرعی نقطہ نظر سے اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ یعنی وہ شریعت کی نظر میں نا قابل اعتبار قرار پائے گا یہاں تک کہ اس عرصے میں اگر اسباب حج (کہ جن کی وجہ سے اس پر حج واجب ہوا تھا) جاتا رہے گا تو اس کے ذمہ سے فرض ساقط نہیں ہوگا بلکہ باقی

رہے گا (جس کی وجہ سے حج نہ کر سکنے کی صورت میں گنہگار رہو گا) حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد رحمہما اللہ کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے ہاں واجب علی التراخی ہے یعنی آخر عمر تک حج میں تاخیر جائز ہے جیسا کہ نماز میں آخر وقت تک تاخیر جائز ہے، حضرت امام محمد رحمۃ اللہ کا بھی یہی قول ہے لیکن اس سلسلے میں دونوں یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تاخیر اسی وقت جائز ہو گی جب کہ حج کے فوت ہو جانے کا گمان نہ ہو، اگر یہ گمان ہو کہ تاخیر کرنے میں حج فوت ہو جائے گا (یعنی کبھی حج نہیں کر سکے گا) تو پھر تاخیر نہ کرے، اس صورت میں اگر کوئی شخص حج فرض ہونے کے باوجود بغیر حج کے مرے گا تو تمام ہی علماء کے نزدیک گنہگار مرے گا چنانچہ حج نہ کرنے کا اس سے مواخذہ ہو گا۔

حنفی علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے شرائط حج پائے جانے کے بعد حج میں تاخیر کی اور اس عرصے میں اس کا مال وزر تلف ہو گیا تو وہ قرض لے کر حج کرے اگر چہ اس قرض کی ادائیگی پر وہ قادر نہ ہو اور اس بات کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قرض کی عدم ادائیگی پر مواخذہ نہیں کرے گا بشرطیکہ اس کی نیت یہ ہو کہ میرے پاس جب بھی مال آ جائے گا میں یہ قرض ضرور ادا کروں گا۔ (شرح الوقایہ فی مسائل الہدایہ، ج ۲، ص، ۲۰، بیروت)

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جو شخص حج کی استطاعت رکھتا ہو اور حج کے فرض ہونے کی تمام شروط متوفر ہوں تو اس پر فوراً حج فرض ہو جاتا ہے اس لیے اس کی ادائیگی میں تاخیر کرنی جائز نہیں۔

"جس پر حج واجب ہو چکا ہو اور وہ اس کے لیے حج کرنا ممکن بھی ہو تو اس پر حج کی فوری ادائیگی واجب ہو گی، اور اس کے لیے حج کی ادائیگی میں تاخیر کرنی جائز نہیں، امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا قول یہی ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض کیا ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھے، اور جو کوئی کفر کرے۔ تو اللہ تعالیٰ (اس سے) اور سارے جہان والوں سے بے پرواہ ہے (آل عمران 97)

امر فوراً پر دلالت کرتا ہے، اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مروی ہے: جو حج کرنا چاہتا ہے وہ جلدی کرے" مسند احمد، ابوداود، اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا ہے، اور مسند احمد اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ۔ ہو سکتا ہے مریض بیمار ہو جائے، اور سواری گم ہو جائے اور کوئی ضرورت پیش آ جائے" اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

امر فوراً پر دلالت کرتا ہے کا معنی یہ ہے کہ: مکلّف پر واجب ہے کہ اسے جس کام کا حکم دیا جا رہا ہے جیسے ہی اس کا کرنا ممکن ہو اسے فوری طور پر سر انجام دے، اور اس میں بغیر کسی عذر کے تاخیر کرنی جائز نہیں ہے۔ (المغنی، کتاب الحج)

حج میں زادراہ خود لے جانے کا بیان:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یمن والے جب حج کرنے آئے تو زادراہ ساتھ نہیں لائے تھے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو توکل کرنے والے ہیں اور پھر جب وہ مکہ میں آتے تو لوگوں سے مانگتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کرنے کے لئے یہ

آیت نازل فرمائی (وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیرَ الزَّادِ التَّقْوٰی)2۔البقرۃ197 :) اور جب حج کو جانے لگو تو زادراہ ضرور ساتھ لے لیا کرو کیونکہ سب سے بڑی بات اور خوبی زادراہ میں گداگری سے بچنا ہے۔ (بخاری)

ان لوگوں نے توکل کو زادراہ کا درجہ دے دیا تھا اور یہ سمجھتے تھے کہ حج کے ضروری اخراجات کی فراہمی سے قطع نظر توکل بہترین چیز ہے لیکن حقیقت میں نہ تو وہ توکل تھا اور نہ یہ کوئی اچھی بات تھی کہ حج کے لئے مکہ مکرمہ پہنچ کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے جائیں جو انسانی شرف وعظمت کے خلاف ہے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ سب سے بڑی بات اور خوبی یہ ہے کہ زادراہ اپنے ساتھ رکھو اور گداگری سے بچو۔

اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ حج کے ضروری اخراجات ساتھ رکھے بغیر اس شخص کے لیے جانا درست نہیں ہے جس کے نفس میں توکل کی قوت نہ ہو اور اس کو غالب گمان ہو کہ میں شکایت و بے صبری اور گداگری میں مبتلا ہو کر خود بھی پوری طمانیت اور سکون کے ساتھ افعال حج ادا نہ کر سکوں گا اور دوسروں کو بھی پریشانی میں مبتلا کروں گا۔

آیت اور حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اتنا وسائل اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے چنانچہ کاملین کے نزدیک یہ افضل ہے کہ ہاں اگر کوئی بغیر اسباب کے صرف توکل ہی کو اختیار کرے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ اپنے عزم وارادہ پر مستحکم ومضبوط رہ کر صبر کر سکے اور ایسا کوئی بھی کام نہ کرے جو حقیقی توکل کے منافی ہو۔

حج کی تاکید اور تارک کے لیے وعید کا بیان:

حج فرض ہو جانے کے بعد بلا عذر اس میں تاخیر نہ کی جائے، جلد از جلد ادائیگی کی کوشش کرے، حج کے بارے میں احادیث میں بہت تاکید اور باوجود قدرت واستطاعت کے نہ کرنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن کے کتاب المناسک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حج کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ جلدی کرے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن کے ابواب الحج، میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص زادراہ اور سواری کا مالک ہو کہ وہ اسے بیت اللہ تک پہنچا دے تو اس کے یہودی، یا نصرانی مرجانے میں (اور بغیر حج کیے مرجانے میں) کوئی فرق نہیں اور یہ (وعید) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی خوشنودی کے لیے لوگوں پر کعبہ کا حج ضروری ہے، جو وہاں تک جا سکتا ہو۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ استطاعت کے باوجود فرضیت کا منکر ہونے کی وجہ سے حج نہیں کیا تو یہود ونصاری کے ساتھ کفر میں مشابہت ہو گی اور اگر کاہلی وسستی کی وجہ سے بغیر عذر کے حج نہیں کیا تو مشابہت گناہ میں ہو گی۔

حدیث بالا کا مضمون ایک اور حدیث میں بھی وارد ہوا ہے، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو حج کرنے سے کوئی کھلی ہوئی ضرورت، یا کوئی ظالم بادشاہ، یا کوئی معذور کر دینے والا مرض نہ روکے اور وہ بغیر حج

کیے مرجائے تو اسے اختیار ہے، چاہے یہودی مرے، چاہے نصرانی مرے۔

یہود ونصاری کے ساتھ تشبیہ کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ تارک حج کو یہودی اور نصرانی کے ساتھ مشابہ قرار دینے میں نکتہ یہ ہے کہ یہود ونصاری نماز تو پڑھتے تھے لیکن حج نہیں کرتے تھے۔

حج کی شرائط کے دلائل کا بیان:

وَإِنَّمَا شَرَطَ الْحُرِّيَّةَ وَالْبُلُوغَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَيُّمَا عَبْدٍ حَجَّ عَشْرَ حِجَجٍ ثُمَّ أُعْتِقَ فَعَلَيْهِ حَجَّةُ الْإِسْلَامِ ، وَأَيُّمَا صَبِيٍّ حَجَّ عَشْرَ حِجَجٍ ثُمَّ بَلَغَ فَعَلَيْهِ حَجَّةُ الْإِسْلَامِ) وَلِأَنَّهُ عِبَادَةٌ وَالْعِبَادَاتُ بِأَسْرِهَا مَوْضُوعَةٌ عَنْ الصِّبْيَانِ

وَالْعَقْلُ شَرْطٌ لِصِحَّةِ التَّكْلِيفِ .وَكَذَا صِحَّةُ الْجَوَارِحِ لِأَنَّ الْعَجْزَ دُونَهَا لَازِمٌ .وَالْأَعْمَى إذَا وَجَدَ مَنْ يَكْفِيهِ مُؤْنَةَ سَفَرِهِ وَوَجَدَ زَادًا وَرَاحِلَةً لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْحَجُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ خِلَافًا لَهُمَا ، وَقَدْ مَرَّ فِي كِتَابِ الصَّلَاةِ .وَأَمَّا الْمُقْعَدُ ، فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ .أَنَّهُ يَجِبُ لِأَنَّهُ مُسْتَطِيعٌ بِغَيْرِهِ فَأَشْبَهَ الْمُسْتَطِيعَ بِالرَّاحِلَةِ.

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ لَا يَجِبُ لِأَنَّهُ غَيْرُ قَادِرٍ عَلَى الْأَدَاءِ بِنَفْسِهِ ، بِخِلَافِ الْأَعْمَى لِأَنَّهُ لَوْ هُدِيَ يُؤَدِّي بِنَفْسِهِ فَأَشْبَهَ الضَّالَّ عَنْهُ ، وَلَا بُدَّ مِنْ الْقُدْرَةِ عَلَى الزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ ، وَهُوَ قَدْرُ مَا يَكْتَرِي بِهِ شِقَّ مَحْمَلٍ أَوْ رَأْسَ زَامِلَةٍ ، وَقَدْرَ النَّفَقَةِ ذَاهِبًا وَجَائِيًا ، (لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سُئِلَ عَنْ السَّبِيلِ إلَيْهِ فَقَالَ : الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ) وَإِنْ أَمْكَنَهُ أَنْ يَكْتَرِيَ عُقْبَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ ، لِأَنَّهُمَا إذَا كَانَا يَتَعَاقَبَانِ لَمْ تُوجَدْ الرَّاحِلَةُ فِي جَمِيعِ السَّفَرِ .

ترجمہ:

اور آزادی وبلوغ کی شرط اس وجہ سے لگائی گئی ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر کسی غلام نے دس حج کیے پھر وہ آزاد ہوگیا تو اس پر اسلام کا حج فرض ہے۔ اور جس بچے نے دس حج کیے پھر وہ بالغ ہوگیا تو اس پر اسلام کا حج فرض ہے۔ کیونکہ حج ایک عبادت ہے۔ اور بچوں سے تمام عبادات کو اٹھالیا گیا ہے۔ اور صحت مکلّف کیلئے عقل شرط ہے۔ اور اسی طرح اعضاء کو تندرست ہونا شرط ہے کیونکہ اعضاء کی سلامتی کے بغیر عجز لازم آئے گا۔

اور نابینا جب ایسے بندے کو پائے جو اس کی سفری مشقت کو دور کرنے والا ہو اور زادِ راہ اور سواری بھی پائے تب بھی امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر حج فرض نہیں ہے۔ جبکہ صاحبین نے اختلاف کیا ہے جو کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکا ہے۔

مفلوج الرجل کے بارے میں حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اس پر واجب ہے کیونکہ وہ دوسرے کے ساتھ استطاعت رکھتا ہے۔ لہذا وہ راحلہ کے ساتھ استطاعت رکھنے والے کی طرح ہوگیا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ مفلوج الرجل پر حج فرض نہیں ہے کیونکہ وہ خود بہ خود اس پر قادر نہیں ہے بہ خلاف نابینا کے کیونکہ اگر اس کی کوئی مدد کرنے والا ہو تو وہ بالذات خود ادا کرنے والا ہے لہذا وہ مقام حج سے بھٹکنے والے کے مشابہ ہوگیا۔

اور زادراہ اور سواری پر قادر ہونا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اتنا مال ہو جس سے سواری ایک شق یا ایک رأس زاملہ کرائے پر لے سکے۔ اور آنے جانے کے نفقہ پر قدرت رکھنے والا ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے راہ حج سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ وہ زادراہ اور سواری ہے۔ (حاکم) اور اگر عقبہ (باری) کرائے پر حاصل کرنے کی طاقت ہو تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اشخاص جب باری سے سواری کرتے ہیں تو تمام سفر میں راحلہ نہ پایا گیا۔

حج کیلئے تندرستی کے لزوم کا بیان:

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حج ہر مسلم آزاد بالغ صحت مند پر لازم ہے (یعنی ہر اس آفت سے محفوظ ہو جس کے باوجود سفر نہیں کیا جاسکتا، پس لولے، فالج زدہ اور ایسے بڑے بوڑھے پر حج فرض نہیں جو سواری پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح نابینا پر بھی فرض نہیں اگرچہ کوئی اس کا معاون ہو، امام صاحب کے ظاہر مذہب کے مطابق نہ ان کی ذوات پر لازم اور نہ ان پر نائب بنانا لازم ہے، اور ایک روایت صاحبین سے یہی ہے۔ ظاہر الروایۃ صاحبین سے یہ ہے کہ ان پر حج بدل کروانا لازم ہے، تحفہ سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین کا قول مختار ہے،

علامہ اسبیجابی میں اسی طرح ہے فتح میں اس کو قوی کہا۔ اللباب میں تصحیح اقوال میں اختلاف منقول ہے، اسی کی شرح میں ہے کہ نہایہ میں پہلے قول کو لیا گیا ہے، بحرالعمیق میں ہے کہ یہی مذہب صحیح ہے، قاضیخان نے شرح الجامع میں دوسرے قول کو صحیح کہا ہے، اور اسے کثیر المشائخ نے اختیار کیا۔ (درمختار، ج ص، کتاب الحج، مطبع مجتبائی دہلی)

سواری اور زادہ راہ کی شرط کا بیان:

علامہ شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ایسے زادراہ اور سواری پر قادر ہو جو اس کی ضرویات سے زائد ہو، ان میں اس کی رہائش اور اس کی مرمت بھی ہے، اگر اس کے پاس مال ہے کہ وہ رہائش اور خادم خریدتا ہے اور باقی اتنا مال نہیں بچتا جو حج کے لیے کافی ہو اس پر حج فرض نہیں ہوگا، خلاصہ۔ اور نھر میں ہے اگر وہ کسی کاروبار کا محتاج ہے تو اس کے لیے سرمایہ کا باقی رہنا بھی شرط ہے اور اگر محتاج نہیں تو پھر یہ شرط نہ ہوگی، مختلف لوگوں کے اعتبار سے سرمایہ مختلف ہوسکتا ہے،، بحر۔ اور کاروبار سے مراد اتنا ہے جس سے اپنی اور اپنے عیال کے لیے بقدر کفایت روزی حاصل ہوسکے۔ (رد المحتار، ج۲، ص۱۵۶، مطبع مجتبائی دہلی)

نابالغ کو بھی حج کا ثواب ملتا ہے جبکہ بعد بلوغت حج فرض ساقط نہ ہوگا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفرحج کے دوران روحاء میں جو مدینہ سے ٣٦ کوس کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام تھا ایک قافلے سے ملے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ تم کون قوم ہو؟ قافلے والوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں پھر قافلے والوں نے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ہوں یہ سن کر ایک عورت نے ایک لڑکے کو ہاتھ میں لے کر کجاوے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پکڑ کر بلند کیا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھلایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اس کے لئے حج کا ثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! اور تمہارے لئے بھی ثواب ہے۔ (مسلم، ابوداؤد)

عورت کے سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں کا مطلب یہ تھا کہ لڑکا اگرچہ نابالغ ہے اور اس پر حج فرض نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ حج میں جائے گا تو اسے نفلی حج کا ثواب ملے گا اور چونکہ تم اس بچے کو افعال حج سکھلاؤ گی، اس کی خبرگیری کرو گی اور پھر یہ کہ تم ہی اس کے حج کا باعث بنو گی اس لئے تمہیں بھی ثواب ملے گا۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی نابالغ حج کرے تو اس کے ذمہ سے فرض ساقط نہیں ہوگا اگر بالغ ہونے کے بعد فرضیت حج کے شرائط پائے جائیں گے تو اسے دوبارہ پھر کرنا ہوگا، اسی طرح اگر غلام حج کرے تو اس کے ذمہ سے بھی فرض ساقط نہیں ہوتا، آزاد ہونے کے بعد فرضیت حج کے شرائط پائے جانے کی صورت میں اس کے لئے دوبارہ حج کرنا ضروری ہوگا۔ ان کے برخلاف اگر کوئی مفلس حج کرے تو اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہوجائے گا۔ مال دار ہونے کے بعد اس پر دوبارہ حج کرنا واجب نہیں ہوگا۔

نابالغ سے فرض حج اس لئے بھی ساقط نہ ہوگا کیونکہ وہ فرض کی نیت کا اہل نہیں ہے۔ اور یہی دلیل غلام وغیرہ کے بارے میں بھی ہے۔

زادراہ اور راحلہ گھریلو ضروریات سے زائد ہو:

وَيُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ فَاضِلًا عَنِ الْمَسْكَنِ وَعَمَّا لَا بُدَّ مِنْهُ كَالْخَادِمِ وَأَثَاثِ الْبَيْتِ وَثِيَابِهِ، لِأَنَّ هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ مَشْغُولَةٌ بِالْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ، وَيُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ فَاضِلًا عَنْ نَفَقَةِ عِيَالِهِ إِلٰى حِينِ عَوْدِهِ، لِأَنَّ النَّفَقَةَ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ لِلْمَرْأَةِ، وَحَقُّ الْعَبْدِ مُقَدَّمٌ عَلٰى حَقِّ الشَّرْعِ بِأَمْرِهِ.

وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِ الْوُجُوبِ عَلٰى أَهْلِ مَكَّةَ وَمَنْ حَوْلَهُمُ الرَّاحِلَةُ، لِأَنَّهُ لَا تَلْحَقُهُمْ مَشَقَّةٌ زَائِدَةٌ فِي الْأَدَاءِ فَأَشْبَهَ السَّعْيَ إِلَى الْجُمُعَةِ وَلَا بُدَّ مِنْ أَمْنِ الطَّرِيقِ لِأَنَّ الِاسْتِطَاعَةَ لَا تَثْبُتُ دُونَهُ.

ثُمَّ قِيلَ: هُوَ شَرْطُ الْوُجُوبِ حَتّٰى لَا يَجِبَ عَلَيْهِ الْإِيصَاءُ وَهُوَ مَرْوِيٌّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ. وَقِيلَ: هُوَ شَرْطُ الْأَدَاءِ دُونَ الْوُجُوبِ، لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَسَّرَ الِاسْتِطَاعَةَ بِالزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ لَا غَيْرُ.

ترجمہ:

اور یہ بھی شرط لگائی گئی ہے کہ اس کا یہ مال رہنے کی جگہ اور ضروریات زندگی سے زائد ہو جس طرح خادم، گھریلو اثاثہ جات اور کپڑے ہیں۔ کیونکہ یہ اشیاء حاجت اصلیہ کے ساتھ ملنے والی ہیں اور یہ بھی شرط ہے کہ اس شخص کے لوٹنے تک اس کے عیال سے نفقہ زائد ہو۔ کیونکہ نفقہ عورت حق واجب رکھتا ہے۔ اور حکم شریعت کے مطابق بندے کا حق شریعت کے حق پر مقدم ہوتا ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) اور مکہ والوں کیلئے اور ان کے گردونواح والوں کیلئے وجوب حج کیلئے راحلہ شرط نہیں ہے کیونکہ انہیں حج کرنے کیلئے کوئی زائد مشقت ملنے والی نہیں ہے۔ لہذا یہ جمعہ والی سعی کے مشابہ ہوگیا اور راستے کا پرامن ہونا بھی لازم ہے کیونکہ راستے کے پرامن نہ ہونے کی صورت استطاعت ثابت نہ ہوگی۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ راستے کا پرامن ہونا یہ وجوب کی شرط ہے یہاں تک کہ اس پر وصیت کرنا واجب نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ یہ شرط ادا ہے شرط وجوب نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے استطاعت کی وضاحت صرف زادراہ اور راحلہ کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔

زادراہ اور سواری کی وجہ سے وجوب حج کا بیان:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! کون سی چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زادراہ اور سواری۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

سوال کون سی چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ کا مطلب یہ ہے کہ حج واجب ہونے کی شرط کیا ہے؟ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چیز تو زادراہ بتایا جس کی مراد یہ ہے کہ اتنا مال وزر جو سفرحج میں جانے اور آنے کے اخراجات اور تاواپسی اہل وعیال کی ضروریات کے لئے کافی ہو اور دوسری چیز سواری بتائی جس پر سوار ہو کر بیت اللہ تک پہنچا جاسکے اگرچہ حج کے واجب ہونے کی شرطیں اور بھی ہیں مگر یہاں بطور خاص ان ہی دونوں چیزوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اصل میں یہی دو شرائط ایسی ہیں جو حج کے لئے بنیادی اور ضروری اسباب کا درجہ رکھتے ہیں۔

یہ حدیث حضرت امام مالک کے مسلک کی تردید کرتی ہے ان کے ہاں اس شخص پر بھی حج واجب ہوتا ہے جو پیادہ چلنے پر قادر ہو اور تجارت یا محنت مزدوری کے ذریعہ سفرحج کے اخراجات کے بقدر روپے پیسے حاصل کرسکتا ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ

حاجی کی صفت وکیفیت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔غبار آلود سر، پراگندہ بال اور پسینہ ومیل کی وجہ سے بو آتی ہو (یعنی زیب وزینت سے مکمل اجتناب جیسا کہ کسی عاشق صادق اور محبّ مخلص کی علامت ہوتی ہے) پھر ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ﷺ حج میں (ارکان کے بعد) کون سی چیزیں بہت زیادہ ثواب کی حامل ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لبیک کے ساتھ آواز بلند کرنا اور قربانی یا ہدی کے جانور کا خون بہانا۔اس کے بعد ایک اور شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ سبیل کیا ہے؟ یعنی قرآن کریم میں حج کے سلسلہ میں جو یہ فرمایا گیا ہے آیت (من استطاع الیہ سبیلا) تو اس آیت میں سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زادراہ اور سواری۔(شرح السنۃ)

نیز اس روایت کو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے لیکن انہوں نے حدیث کا آخری حصہ یعنی فقام آخر (اس کے بعد ایک اور شخص کھڑا ہوا) سے آخر تک ذکر نہیں کیا ہے۔

بیماری سے تندرست ہونے والے کے حج کا بیان:

تندرست ہو کہ حج کو جا سکے، اعضا سلامت ہوں، انکھیارا ہو، اپاہج اور فالج والے اور جس کے پاؤں کٹے ہوں اور بوڑھے پر کہ سواری پر خود نہ بیٹھ سکتا ہو حج فرض نہیں۔یوہیں اندھے پر بھی واجب نہیں اگر چہ ہاتھ پکڑ کر لے چلنے والا اُسے ملے۔ان سب پر یہ بھی واجب نہیں کہ کسی کو بھیج کر اپنی طرف سے حج کرا دیں یا وصیت کر جائیں اور اگر تکلیف اُٹھا کر حج کر لیا تو صحیح ہو گیا اور حجۃ الاسلام ادا ہوا یعنی اس کے بعد اگر اعضا درست ہو گئے تو اب دوبارہ حج فرض نہ ہو گا وہی پہلا حج کافی ہے۔

اگر پہلے تندرست تھا اور دیگر شرائط بھی پائے جاتے تھے اور حج نہ کیا پھر اپاہج وغیرہ ہو گیا کہ حج نہیں کر سکتا تو اس پر وہ حج فرض باقی ہے۔خود نہ کر سکے تو حجِ بدل کرائے۔خواہ سواری اس کی مِلک ہو یا اس کے پاس اتنا مال ہو کہ کرایہ پر لے سکے۔

کسی نے حج کے لیے اس کو اتنا مال مُباح کر دیا کہ حج کر لے تو حج فرض نہ ہوا کہ اِباحت سے مِلک نہیں ہوتی اور فرض ہونے کے لیے مِلک درکار ہے، خواہ مباح کرنے والے کا اس پر احسان ہو جیسے غیر لوگ یا نہ ہو جیسے ماں، باپ اولاد۔یوہیں اگر عاریۃ لی ہو۔سواری مِل جائے گی جب بھی فرض نہیں۔(فتاویٰ عالمگیری، ۱، ص ۲۳۰)

عورت کیلئے بغیر محرم کے حج پر جانے کی ممانعت کا بیان:

قَالَ (وَيُعْتَبَرُ فِي الْمَرْأَةِ أَنْ يَكُونَ لَهَا مَحْرَمٌ تَحُجُّ بِهِ أَوْ زَوْجٌ ، وَلَا يَجُوزُ لَهَا أَنْ تَحُجَّ بِغَيْرِهِمَا إذَا كَانَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ مَكَّةَ مَسِيرَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يَجُوزُ لَهَا الْحَجُّ إذَا خَرَجَتْ فِي رُفْقَةٍ وَمَعَهَا نِسَاءٌ ثِقَاتٌ لِحُصُولِ الْأَمْنِ بِالْمُرَافَقَةِ .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تَحُجَّنَّ امْرَأَةٌ إلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ) وَلِأَنَّهَا بِدُونِ الْمَحْرَمِ يُخَافُ عَلَيْهَا الْفِتْنَةُ وَتَزْدَادُ بِانْضِمَامِ غَيْرِهَا إلَيْهَا ، وَلِهَذَا تَحْرُمُ الْخَلْوَةُ

بِالْأَجْنَبِيَّةِ وَإِنْ كَانَ مَعَهَا غَيْرُهَا ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ مَكَّةَ أَقَلُّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ، لِأَنَّهُ يُبَاحُ لَهَا الْخُرُوجُ إلَى مَا دُونَ السَّفَرِ بِغَيْرِ مَحْرَمٍ .

ترجمہ:

فرمایا: اور عورت کیلئے حکم دیا جائے گا کہ اس کیلئے محرم ہو جس کے ساتھ وہ حج کرے۔یا اس کا خاوند ہو۔اور ان دونوں کے سوا عورت کیلئے حج پر جانا جائز نہیں ہے۔جب اس عورت اور مکہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہو۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عورت کیلئے حج کو جانا جائز ہے جبکہ وہ ساتھ والیوں کے ساتھ نکلے اور اسکے ساتھ ثقہ عورتیں ہوں کیونکہ ان کے ساتھ سے امن حاصل ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ کوئی عورت محرم کے بغیر حج پر نہ جائے۔(سنن دار قطنی) کیونکہ بغیر محرم کے فتنے کا اندیشہ ہے اور اس کے ساتھ اس کے سوا (محرم) ملنے سے فتنے میں اضافہ ہوگا۔اسی دلیل کی بنیاد پر اجنبی عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے۔اگرچہ اس کے ساتھ اس کے سوا بھی ہو۔بہ خلاف اس کے کہ جب اس کے درمیان اور مکہ کے درمیان تین ون سے کم مسافت ہو۔کیونکہ یہ سفر (شرعی حکم کے اطلاق والے) بغیر محرم عورت کیلئے جائز ہے۔

عورت کیلئے محرم کے بغیر حج پر جانے کی ممانعت کا بیان:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے (یعنی اجنبی مرد وعورت کسی جگہ تنہا جمع نہ ہوں) اور کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! فلاں غزوہ میں میرا نام لکھا جا چکا ہے (یعنی فلاں جہاد جو درپیش ہے اور وہاں جو لشکر جانے والا ہے اس میں میرا نام بھی لکھا جا چکا ہے کہ میں بھی لشکر کے ہمراہ جاؤں) اور حالانکہ میری بیوی نے سفر حج کا ارادہ کر لیا ہے؟ تو کیا کروں؟ آیا جہاد کو جاؤں اور بیوی کو اکیلا حج کے لئے جانے دوں یا بیوی کے ساتھ جاؤں اور جہاد میں نہ جاؤں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔(کیونکہ جہاد میں جانے والے تو بہت ہیں لیکن تمہاری بیوی کے ساتھ جانے والا تمہارے علاوہ اور کوئی محرم نہیں ہے۔(بخاری ومسلم)

اجنبی عورت ومرد کے لئے حرام ہے کہ وہ تنہائی میں یک جا ہوں۔اسی طرح عورت کو بقدر مسافت سفر (یعنی ۴۸ میل یا ۷۸ کلو میٹر) یا اس سے زائد مسافت میں خاوند یا محرم کے بغیر سفر کرنا حرام ہے حتی کہ سفر حج میں بھی عورت کے لئے اس کے خاوند یا کسی محرم کا ساتھ ہونا وجوب حج کے لئے شرط ہے یعنی عورت پر حج اسی وقت فرض ہوتا ہے جب کہ اس کے ساتھ خاوند یا محرم ہو۔

جمہور علماء کا اتّفاق یہ ہے کہ عورت پر حجّ کے وجوب کے لئے اصل قاعدہ یہ ہے کہ اُس کے ساتھ کوئی محرم ہو۔یہ عورت کی عزّت افزائی کے لئے ہے تا کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا شخص رہے جو اس کی نگہداشت، تحفّظ، اور خدمت کی ذمہ داری انجام دے سکے

عورت کیلئے شرط محرم میں فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف:

علامہ نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ عورت کا محرم کے بغیر حج پر جانے کی دوصورتیں ہیں ایک یہ ہے ایک شخص کے ساتھ بہت ساری عورتیں ہوں وہ ان سب کا محرم ہو تو یہ جائز ہے۔ اور اگر اس عورت کے ساتھ بہت ساری ثقہ عورتیں ہوں تو اس کے بارے میں دو روایات ہیں۔ جس کو امام بغوی اور دیگر ائمہ نے روایت کیا ہے۔ کہ سفر حج کیلئے جائز ہے۔ جبکہ دوسری روایت جس میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ سے نص بیان کی گئی ہے اس میں یہ ہے بہ اتفاق یہ سفر جائز نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے استدلال کا تقاضہ یہی ہے۔ (مجموع، ج ۷، ص ۵۶، بیروت)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ جب کوئی اجنبی شخص اجنبی عورت سے تیسرے کے بغیر خلوت کرے تو علماء کرام اس کی حرمت پر متفق ہیں، اور اسی طرح اگر اس کے ساتھ چھوٹی عمر کا بچہ ہو جس سے شرم نہ آتی ہو تو حرام خلوت زائل نہیں ہوتی۔

اور شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ کہ جس شخص سے خلوت زائل ہو سکتی ہے اسے بڑی عمر کا ہونا ضروری ہے لہٰذا بچہ کی موجودگی کافی نہیں ہوگی، اور بعض عورتیں جو یہ گمان کرتی ہیں کہ جب ان کے ساتھ کوئی بچہ ہو تو خلوت زائل ہو جاتی ہے ان کا یہ گمان غلط ہے۔ (مجموع الفتاوی ۱۰/۵۲)

علامہ محمد امین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ یہ دونوں اس بنا پر ہیں کہ خاوند یا محرم کا ہونا نفس وجوب کے لیے شرط ہے یا وجوب ادا کے لیے، فتح میں جو مختار ہے وہ یہ ہے کہ صحت اور راہ پر امن ہو تو وجوب ادا کے لیے شرط ہے، اگر مرض یا راستہ کا خوف مانع ہے تو حج کے بارے میں وصیت لازم ہوگی یا خاوند اور محرم نہیں تو محرم کی عدم موجودگی میں نکاح کرنا ضروری ہوگا، اور پہلے قول پر ان میں سے کوئی چیز بھی واجب نہیں جیسا کہ بحر اور نہر میں ہے، بدائع نے اول کو صحیح بتایا اور نہایہ نے قاضی خاں کی اتباع میں دوسرے کو ترجیح دی ہے، اور فتح میں بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (ردالمحتار، ج ۲ ص، ۱۵۸، مجتبائے دہلی)

اگر کسی عورت کا محرم نہ ہو تو اس کے بارے فقہی مذاہب اربعہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے شیخین کی یہ روایت بھی ہے۔ جس میں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ: " کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ ہرگز تنہائی میں نہ رہے، اور کوئی عورت ہرگز محرم کے بغیر سفر نہ کرے " پس ایک شخص کھڑا ہوا اور اُس نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم میں نے فلاں غزوہ میں شرکت کا ارادہ کیا ہے، اور میری بیوی حج کے لئے نکلی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو"۔

لیکن علماء کے درمیان اُس عورت کے سلسلہ میں اختلاف ہوا ہے جس کا شوہر نہ ہو اور اُس کا کوئی محرم اُس کے ساتھ نکلنے کے لئے آمادہ نہ ہو۔ ایک جماعت کی یہ رائے نقل کی گئی ہے کہ وہ عورت حج نہیں کرے گی، احناف کا یہی فتویٰ ہے، مالک، شافعی اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ وہ پُر امن والی رفاقت کے ساتھ سفر کرے گی جیسا کہ شیخ جیطالی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

امام بخاری اور مسلم رحمہم اللہ بیان کرتے ہیں کہ: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے

سنا۔ کوئی شخص بھی کسی عورت سے محرم کے بغیر خلوت نہ کرے، اور محرم کے بغیر کوئی عورت بھی سفر نہ کرے، تو ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری بیوی حج کے لیے جا رہی ہے اور میں نے فلاں غزوہ میں اپنا نام لکھوا رکھا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: جاؤ اپنی بیوی کے ساتھ جا کر حج کرو۔

امام حسن، امام نخعی، امام احمد، اسحاق، ابن منذر، اور دیگر فقہاء کا بھی یہی قول ہے، اور مندرجہ بالا آیت اور عورت کو بغیر محرم اور خاوند سے سفر کی نہی والی احادیث کے عموم کی بنا پر صحیح قول بھی یہی ہے۔

اور امام شافعی، امام مالک، اوزاعی رحمہم اللہ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور ہر ایک نے ایک شرط رکھی ہے۔

شرط محرم میں فقہ حنفی کی ترجیح میں دلائل کا بیان:

امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا إِلَّا وَمَعَهَا أَبُوهَا أَوْ أَخُوهَا أَوْ زَوْجُهَا أَوْ ابْنُهَا أَوْ ذُو مَحْرَمٍ مِنْهَا"

اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے باپ یا اپنے بھائی یا اپنے شوہر یا اپنے بیٹے یا کسی محرم کے بغیر تین دن یا اس سے زیادہ سفر کرے۔

انہوں نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ غزوے میں شریک ہے اور اسکی بیوی حج کے لئے چلی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہ فرمایا "حج مع امرأتك "، اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

ان دونوں اور دیگر نصوص کی روشنی میں عورت کے لئے حج فرض ہونے کی محرم کی شرط کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک شوہر یا محرم کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کی شرط نہیں بلکہ اسکی حفاظت شرط ہے۔ اور آپکے ساتھیوں نے کہا کہ شوہر یا محرم یا قابل اعتماد عورتوں کے ساتھ ہونے سے تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اگر عورت بھی ساتھ ہو تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ اور کبھی اتنا امن اور حفاظت ہوتی ہے کہ کسی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ خود قافلے کے ساتھ اکیلی ہی محفوظ ہوتی ہے۔

اور مالکیوں کے نزدیک اگر امن یقینی ہو تو عموماً سفر کے لئے محرم کی شرط نہیں، اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے نزدیک عورت پر حج فرض ہونے کے لئے شوہر اور محرم کا ہونا شرط ہے۔ اور انہی سے ایک روایت میں ہے کہ فریضۂ حج کے لئے یہ شرط نہیں۔

ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی میں اسکو ترجیح دی کہ سفر حج میں شوہر اور محرم کی موجودگی واجب نہیں ہے۔ اور اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی اسے نہ ملے تو وہ حج کرلے اس پر کوئی گناہ نہیں۔

اور جنہوں نے شوہر اور محرم کی موجودگی کی شرط رکھی وہ صرف عورت کو انکے بغیر سفر کرنے کی وجہ سے گناہ اور حرج کو ختم کرنے کے لئے ہے۔ لیکن اگر وہ انکے بغیر حج کے لئے گئی تو اگر (حج) کے ارکان اور شروط پوری ہوں تو اسکا حج صحیح ہے اور اس سے

فرض ساقط ہو جاتا ہے اور محرم کے ساتھ اسے لوٹانا ضروری نہیں ہے اگر چہ شرط لگانے والوں کے نزدیک وہ شوہر یا محرم یا ان دونوں کے قائم مقام کے بغیر نکلنے کی وجہ سے گنہگار رہے۔

سفر میں عورت کیلئے شوہر یا محرم کی موجودگی کی شرط میں حکمت یہ ہے کہ اسے دوران سفر تحفظ فراہم ہو۔ اور ان امور کے پورا کرنے میں اسے مدد حاصل ہو جن میں اختلاط یا تھکن کی وجہ سے اسے ضرورت ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اب وسائل سفر میں ترقی، وطن سے دوری کی مدت میں کمی، آرام آسائش کی فراہمی اور امن امان قائم ہونے کی وجہ سے اس زمانے میں ماضی کے مقابلے میں شعائر حج آسانی سے ادا کئے جاتے ہیں . اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت کے اکیلے سفر سے متعلق، خاص حدیث مبارکہ سمجھنے میں ان تمام چیزوں کا اثر ہونا چاہئے۔

صحیح بخاری میں عدی بن حاتم کی صحیح حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیان فرمایا: "يستتب الأمن حتى ترتحل الظعينة من الحيرة وتطوف بالكعبة لا تخاف إلا الله" .

" کہ اس طرح امن قائم کرے یہاں تک کہ عورت پالکی میں سفر کرے، وہ خانہ کعبہ کا طواف کرے۔ اور اللہ تعالی کے سوا کسی سے نہ ڈرے"۔

ائمہ اربعہ کے فقہی دلائل کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ فقہ حنفی نے عورت کیلئے یہ شرط اس کی ناموس کی خاطر سخت کی ہے۔ اور یقیناً اس میں نرمی کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ اسی وجہ سے عورت نماز باجماعت کی بہ جائے گھر میں، جمعہ وعیدین کا عدم وجوب، جہاد کی عدم فرضیت، اشاعت وتبلیغ کے ذرائع مسدود ومحدود وغیرہ بہت سے احکام ہیں، جس طرح نماز جنازہ کا واجب نہ ہونا ہے۔ لہذا ان تمام احکام کے موافقت ومطابقت فقہ حنفی کے دلائل زیادہ رکھنے والے ہیں۔ اسی لئے ہم نے اس کی ترجیح کو بیان کیا ہے۔

نذری حج میں عورت کیلئے شوہر کی اجازت میں اہل تشیع کا نظریہ:

مسئلہ ۔ جو شخص عاقل وبالغ ہو اور از روئے قصد واختیار حج بجالانے کی نذر کرے تو اس پر حج واجب ہے لیکن زوجہ کی نذر بغیر شوہر کی اجازت کے اگر اس کے حق سے منافات رکھتی ہے تو صحیح نہیں ہے مثلا یہ کہ بیوی شوہر کی ہم سفر ہو۔

مسئلہ ۔ اگر کسی عورت نے شادی سے پہلے حج بجالانے کی نذر کی ہو تو شادی کے بعد فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے شوہر کی اجازت لازم ہے اور شوہر کو حق ممانعت حاصل ہے۔

مسئلہ ۔ اگر نذر حج کرے اور اس کے لئے زمانہ کی تعیین نہ کرے تو اس کو تاخیر میں ڈال سکتا ہے (لیکن احتیاط یہ ہے کہ زیادہ تاخیر میں نہ ڈالے) اور اگر اس کے لئے زمانہ معین کیا ہے تو واجب ہے اسی میں انجام دے اور اگر عمداً انجام نہ دے تو کفارہ دینا لازم ہے اور احتیاط یہ ہے کہ حج کی بھی قضا کرے ( ) کفارہ نذر مانند کفارہ روزہ ماہ رمضان است۔

مسئلہ۔ جب کوئی شخص نذر کرے کہ اگر اس کی فلاں حاجت پوری ہوگئی تو حج بجالائے گا اور حاجت روا ہونے سے پہلے دنیا سے چلا جائے تو نذر کی قضا لازم نہیں ہے، لیکن اگر حاجت روا ہونے کے بعد دنیا سے چلا جائے، تو اس کے ورثہ قضا کریں یا اس کے

لئے اجیر کریں اور احتیاط یہ ہے کہ اس کے پیسے کو ورثہ کی رضایت سے (اگر سارے بڑے ہوں) اصل ترکہ سے ادا کریں۔

(توضیح المسائل، حج مستحب)

بغیر محرم کے حج پر جانے میں گمراہ کن سکالری نظریہ:

جاوید غامدی لکھتا ہے۔ اصل میں حج اور غیر حج کا کوئی مسلہ نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان فرمائی کہ خواتین جب بھی لمبے سفر پر جائیں تو ان کو ایک محفوظ ماحول کے اندر رہنا چاہیے اور وہ اپنے کسی محرم، عزیز کو ساتھ لے لیں تاکہ ان کے بارے میں کوئی فتنہ نہ پیدا ہو جائے۔ اسلام چونکہ خاندانی معاشرت کا داعی ہے اور خاندانی معاشرت اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک عفت وعصمت کے بارے میں سوسائٹی حساس نہ ہو۔ اس وجہ سے یہ تاکید آپ نے فرمائی۔ قدیم زمانے میں تو سفر اونٹوں پر ہوتا تھا، جنگلوں میں ہوتا تھا، صحراؤں میں ہوتا تھا، رات کو اکیلے لیٹنا بھی ہے، موجودہ زمانے میں سفر کی نوعیت بدل گئی ہے تو ظاہر ہے احکام کی نوعیت بھی تبدیل ہو جائے گی۔ آپ محسوس کرتے ہیں کہ ایک محفوظ صورتحال ہے، اس میں کسی فتنے کا اندیشہ نہیں تو جایا جاسکتا ہے۔ یہ کوئی قانونی چیز نہیں ہے بلکہ فتنے سے بچانے کے لیے ایک ہدایت اور ایک نصیحت ہے، جس کا جس حد تک ممکن ہو خیال رکھنا چاہیے۔ (المورد)

جاوید غامدی کو شاید احادیث نبوی ﷺ میں لکھے ہوئے الفاظ "لَا تَحُجَّنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ" کا علم نہیں ہے اسلئے وہ لکھتا ہے کہ اس میں حج وغیر حج کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر حج وغیر حج کی تخصیص سے غامدی صاحب جاہل ہیں۔ کیونکہ الفاظ احادیث میں نہی اور پھر نہی بھی حصر کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اس کا غامدی کو علم نہیں ہے۔ تو ان کو اپنی جہالت کا علاج کروانا چاہیے احادیث کو بدلنے اور احکام شرعیہ میں تخریب کاری سے بچنا ان پر ضروری ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس قسم کے گمراہ کن لوگوں کا محاسبہ کریں اور ان کے ارتداد و شر سے لوگوں کو بچنا چاہیے۔

وہ لوگ جن کو شریعت نے محرم قرار دیا ہے:

اور عورت کا محرم وہ ہے جس سے اس کا نکاح قرابت داری کی وجہ سے ہمیشہ کیلیے حرام ہو (مثلا باپ دادا اور اس سے بھی اوپر والے، بیٹا پوتا اور ان کی نسل، چچا، ماموں، بھائی، بھتیجا، بھانجا) یا پھر رضاعت کے سبب سے نکاح حرام ہو (مثلا رضاعی بھائی، اور رضاعی باپ) یا پھر مصاہرت (شادی) کی وجہ سے نکاح حرام ہو جائے (مثلا والدہ کا خاوند، سسر، اگر چہ اس سے بھی اوپر والی نسل کے ہوں، اور خاوند کا بیٹا اور اس کی نسل)۔

نسبی محرم: نسبی طور پر عورت کے محرم کی تفصیل کا بیان سورۃ النور کی مندرجہ ذیل آیت میں بیان ہے :

فرمان باری تعالی ہے:

(اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کچھ ظاہر ہے، اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں، اور اپنی زیب وآرائش کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے والد کے یا اپنے سسر کے یا اپنے لڑکوں کے یا اپنے خاوند

کے لڑکوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنے میل جول کی عورتوں کے یا غلاموں کے یا ایسے نوکر چاکر مردوں سے جو شہوت والے نہ ہوں، یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہیں۔۔۔) النور (31)۔

مفسرین حضرات کا کہنا ہے کہ نسب کی بنا پر عورت کے لیے جو محرم اشخاص ہیں اس کی صراحت اس آیت میں بیان ہوئی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

اول: آباء واجداد یعنی عورتوں کے والدین کے آباء اور اوپر کی نسل مثلا والد، دادا، نانا اور اس کا والد اور ان سے اوپر والی نسل، اور سسر اس میں شامل نہیں کیونکہ وہ محرم مصاہرت میں شامل ہے نہ کہ نسبی میں ہم اسے آگے بیان کریں گے۔

دوم: بیٹے: یعنی عورتوں کے بیٹے جس میں بیٹے، پوتے، اور اسی طرح دھوتے یعنی بیٹی کے بیٹے اور ان کی نسل، اور آیت کریمہ میں جو (خاوند کے بیٹوں) کا ذکر ہے وہ خاوند کی دوسری بیوی کے بیٹے ہیں جو کہ محرم مصاہرت میں شامل ہے، اور اسی طرح سسر بھی محرم مصاہرت میں شامل ہے نہ کہ محرم نسبی میں ہم اسے بھی آگے چل کر بیان کریں گے۔

سوم: عورتوں کے بھائی۔ چاہے وہ سگے بھائی ہوں یا پھر والد کی طرف سے یا والدہ کی طرف سے ہوں۔ چہارم: بھانجے اور بھتیجے یعنی بھائی اور بہن کے بیٹے اور ان کی نسلیں۔ پنجم: چچا اور ماموں:

یہ دونوں بھی نسبی محرم میں سے ہیں ان کا آیت میں ذکر نہیں اس لیے کہ انہیں والدین کا قائم مقام رکھا گیا ہے، اور لوگوں میں بھی والدین کی جگہ پر شمار ہوتے ہیں، اور بعض اوقات چچا کو بھی والد کہا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

(کیا تم یعقوب (علیہ السلام) کی موت کے وقت موجود تھے؟ جب انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟

تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے آباء واجداد ابراہیم اور سماعیل، اور اسحاق (علیھم السلام) کے معبود کی جو معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے) البقرۃ (133)۔ اور اسماعیل علیہ السلام تو یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے چچا تھے۔ (تفسیر الرازی (206/23) تفسیر القرطبی (12/32 233) تفسیر الآلوسی، 52)

رضاعت کی بنا پر محرم:

عورت کے لیے رضاعت کی وجہ سے بھی محرم بن جاتے ہیں، تفسیر الآلوسی میں ہے: (جس طرح نسبی محرم کے سامنے عورت کے لیے پردہ نہ کرنا مباح ہے اسی طرح رضاعت کی وجہ سے محرم بننے والے شخص کے سامنے بھی اس کے لیے پردہ نہ کرنا مباح ہے، اسی اس طرح عورت کے لیے اس کے رضاعی بھائی اور والد سے بھی پردہ نہ کرنا جائز ہے) تفسیر الآلوسی (143/18)

اس لیے کہ رضاعت کی وجہ سے محرم ہونا بھی نسبی محرم کی طرح ہی ہے جو کہ ابدی طور پر نکاح حرام کر دیتا ہے۔ امام جصاص رحمہ اللہ تعالی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

(جب اللہ تعالی نے آباء کے ساتھ ان محارم کا ذکر کیا جن سے ان کا نکاح ابدی طور پر حرام ہے، جو کہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ

جو بھی اس طرح کی حرمت والا ہوگا اس کا حکم بھی یہی حکم ہے مثلا عورت کی ماں، اور رضاعی محرم وغیرہ) دیکھیں احکام القرآن للجصاص (317/3)۔ اور سنت نبویہ شریفہ میں بھی اس کی دلیل ملتی ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (رضاعت بھی وہی حرام کرتی ہے جو نسب کرتا ہے)

تو اس کا معنی یہ ہوا کہ جس طرح عورت کے نسبی محرم ہوں گے اسی طرح رضاعت کے سبب سے بھی محرم ہوں گے۔

صحیح بخاری میں مندرجہ ذیل حدیث وارد ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ: (ابو قعیس کے بھائی افلح نے پردہ نازل ہونے کے بعد آ کر اندر آنے کی اجازت طلب کی جو کہ ان کا رضاعی چچا تھا تو میں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا، اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو میں نے جو کچھ کیا تھا انہیں بتایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اسے اپنے پاس آنے کی اجازت دے دوں) صحیح بخاری مع الفتح الباری لابن حجر (150/9)۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: عروۃ رحمہ اللہ تعالی بیان کرتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے انہیں بتایا کہ ان کے رضاعی چچا جس کا نام افلح تھا نے میرے پاس اندر آنے کی اجازت طلب کی تو میں نے انہیں اجازت نہ دی، اور پردہ کر لیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بارہ میں بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے پردہ نہ کرو، اس لیے کہ رضاعت سے بھی وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے۔ دیکھیں صحیح مسلم بشرح نووی (22/10)۔ عورت کے رضاعی محرم بھی اس کے نسبی محرم کی طرح ہی ہیں:

فقہاء کرام نے جو کچھ قرآن مجید اور سنت نبویہ سے ثابت ہے پر عمل کرتے ہوئے اس بات کی صراحت کی ہے کہ عورت کے رضاعی محرم بھی اس کے نسبی محرم کی طرح ہی ہیں، لھذا اس کے لیے رضاعی محرم کے سامنے زینت کی چیزیں ظاہر کرنا جائز ہیں جس طرح کہ نسبی محرم کے سامنے کرنا جائز ہے، اور ان کے لیے بھی عورت کے بدن کی وہ جگہیں دیکھنی حلال ہیں جو نسبی محرم کیلیے دیکھنی حلال ہیں۔

مصاہرت کی وجہ سے محرم: (یعنی نکاح کی وجہ سے) عورت کیلیے مصاہرت کے محرم وہ ہیں جن کا اس سے نکاح ابدی طور پر حرام ہو جاتا ہے، مثلا، والد کی بیوی، بیٹے کی بیوی، ساس یعنی بیوی کی والدہ۔ دیکھیں: شرح المنتھی (7/3)۔

تو اس طرح والد کی بیوی کے لیے محرم مصاہرت وہ بیٹا ہوگا جو اس کی دوسری بیوی سے ہو، اور بہو یعنی بیٹے کی بیوی کے لیے اس کا باپ یعنی سسر ہوگا، اور ساس یعنی بیوی کی ماں کے لیے خاوند یعنی داماد محرم ہوگا۔

اللہ عزوجل نے سورۃ النور کی مندرجہ ذیل آیت میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: (اور اپنی زیب وآرائش کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے والد کے یا اپنے سسر کے یا اپنے لڑکوں کے یا اپنے خاوند کے لڑکوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنے میل جول کی عورتوں کے یا غلاموں کے یا ایسے نوکر چاکر مردوں سے جو شہوت والے نہ ہوں، یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہیں۔۔۔) النور (31)۔

تو اس میں سسر اور خاوند کے بیٹے عورت کے لیے مصاہرت کی وجہ سے محرم ہیں، اور اللہ تعالی نے انہیں ان کے باپوں اور بیٹوں

کے ساتھ ذکر کیا ہے اور انہیں حکم میں بھی برابر قرار دیا ہے کہ ان سے پردہ نہیں کیا جائے گا۔ (المغنی، ج ۶ ص ۵۵۵، بیروت)

محرم کی تعریف:

محرم اصطلاح شریعت میں اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو خواہ قرابت کے لحاظ سے ہو یا دودھ کے رشتے سے یا سسرال کے ناتے سے، نیز محرم کا عاقل و بالغ ہونا اور مجوسی و فاسق نہ ہونا بھی شرط ہے۔

محرم کے ہوتے ہوئے شوہر ممانعت کا حق نہیں رکھتا:

(وَإِذَا وَجَدَتْ مَحْرَمًا لَمْ يَكُنْ لِلزَّوْجِ مَنْعُهَا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَهُ أَنْ يَمْنَعَهَا لِأَنَّ فِي الْخُرُوجِ تَفْوِيتَ حَقِّهِ .

وَلَنَا أَنَّ حَقَّ الزَّوْجِ لَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الْفَرَائِضِ وَالْحَجُّ مِنْهَا ، حَتَّى لَوْ كَانَ الْحَجُّ نَفْلًا لَهُ أَنْ يَمْنَعَهَا ، وَلَوْ كَانَ الْمَحْرَمُ فَاسِقًا قَالُوا : لَا يَجِبُ عَلَيْهَا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ لَا يَحْصُلُ بِهِ (وَلَهَا أَنْ تَخْرُجَ مَعَ كُلِّ مَحْرَمٍ إلَّا أَنْ يَكُونَ مَجُوسِيًّا) لِأَنَّهُ يَعْتَقِدُ إبَاحَةَ مُنَاكَحَتِهَا ، وَلَا عِبْرَةَ بِالصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ لِأَنَّهُ لَا تَتَأَتَّى مِنْهُمَا الصِّيَانَةُ ، وَالصَّبِيَّةُ الَّتِي بَلَغَتْ حَدَّ الشَّهْوَةِ بِمَنْزِلَةِ الْبَالِغَةِ حَتَّى لَا يُسَافِرَ بِهَا مِنْ غَيْرِ مَحْرَمٍ ، وَنَفَقَةُ الْمَحْرَمِ عَلَيْهَا لِأَنَّهَا تَتَوَسَّلُ بِهِ إلَى أَدَاءِ الْحَجِّ .

وَاخْتَلَفُوا فِي أَنَّ الْمَحْرَمَ شَرْطُ الْوُجُوبِ أَوْ شَرْطُ الْأَدَاءِ عَلَى حَسَبِ اخْتِلَافِهِمْ فِي أَمْنِ الطَّرِيقِ

ترجمہ:

جب عورت کا کوئی محرم ہو تو اس کے خاوند کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس کو منع کرے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ خاوند اس کو منع کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے خروج کی وجہ سے اس کا حق فوت ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ خاوند کا حق فرائض کے حقوق میں ظاہر (قبضہ کرنے والا) نہ ہوگا اور حج بھی ایسے ہی فرائض میں سے ہے ہاں البتہ نفلی ہو تو شوہر کو اختیار ہے۔ کہ وہ عورت کو جانے سے روک سکتا ہے۔ اور اگر عورت کا محرم بدکار ہے تو فقہاء نے فرمایا ہے کہ اس پر حج فرض نہیں کیونکہ اس طرح کے محرم سے مقصد حاصل نہ ہوتا۔

اور عورت ہر قسم کے محرم کے ساتھ حج پر جا سکتی ہے سوائے اس مجوسی کے کیونکہ وہ اس عورت نکاح جائز سمجھتا ہے اور بچے اور مجنو کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان دونوں سے حفاظت نہیں کی جا سکتی۔ اور وہ بچی جو حد شہوت کو پہنچ گئی وہ بالغہ کے مرتبے میں ہے

حتیٰ کہ اس کے محرم سفر نہ کرے اور محرم کا نفقہ عورت پر ہے۔ کیونکہ عورت اس کو حج ادا کرنے کا وسیلہ بنانے والی ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ محرم وجوب کی شرط ہے یا ادا کی شرط ہے۔ اور اختلاف بھی راستے کے امن والے کی طرح ہے۔

عبادات فرضیہ میں حقوق اللہ کی ترجیح کا بیان:

مرد کی طرح عورت پر بھی حج فرض ہے، اس لئے حج کی ادائیگی کے لئے شوہر کی اجازت ضروری نہیں۔ یہی درست ہے کہ یہ فریضہ فوراً ادا کیا جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا طَاعَةَ بَشَرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الله. اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ (ابن ابی شیبہ، المصنف، کتاب الجہاد، رقم (33046)

لہٰذا عورت کو چاہیے کہ جب اَسباب و وسائل موجود ہوں تو فریضہ حج ادا کرے۔

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور اس پر ایک شخص کو حاکم (امیر) بنایا۔ اس نے آگ جلائی اور لوگوں سے کہا کہ اس میں داخل ہو جاؤ۔ بعض لوگوں نے چاہا کہ اس میں داخل ہو جائیں اور بعض نے کہا کہ ہم آگ سے بھاگ کر تو مسلمان ہوئے (اور جہنم سے ڈر کر کفر چھوڑا تو اب پھر آگ ہی میں گھسیں تو یہ ہم سے نہ ہوگا)۔ پھر اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے جنہوں نے داخل ہونے کا ارادہ کیا تھا یہ فرمایا کہ اگر تم داخل ہو جاتے تو قیامت تک ہمیشہ اسی میں رہتے (کیونکہ یہ خودکشی ہے اور شریعت میں حرام ہے) اور جو لوگ داخل ہونے پر راضی نہ ہوئے، ان کی تعریف کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں ہے بلکہ اطاعت اسی میں ہے جو جائز بات ہے۔ (صحیح مسلم، رقم ۱۲۲۵)

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہی درست ہے کہ فریضہ حج فوراً ادا کیا جائے، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج ۵ ص ۶۷، بیروت)

احرام کے بعد بچہ کی بلوغت ہوئی تو حج کا حکم:

(وَإِذَا بَلَغَ الصَّبِيُّ بَعْدَمَا أَحْرَمَ أَوْ عَتَقَ الْعَبْدُ فَمَضَيَا لَمْ يُجْزِهِمَا عَنْ حَجَّةِ الْإِسْلَامِ) لِأَنَّ إحْرَامَهُمَا انْعَقَدَ لِأَدَاءِ النَّفْلِ فَلَا يَنْقَلِبُ لِأَدَاءِ الْفَرْضِ (وَلَوْ جَدَّدَ الصَّبِيُّ الْإِحْرَامَ قَبْلَ الْوُقُوفِ وَنَوَى حَجَّةَ الْإِسْلَامِ جَازَ ، وَالْعَبْدُ لَوْ فَعَلَ ذَلِكَ لَمْ يَجُزْ) لِأَنَّ إحْرَامَ الصَّبِيِّ غَيْرُ لَازِمٍ لِعَدَمِ الْأَهْلِيَّةِ ، أَمَّا إحْرَامُ الْعَبْدِ لَازِمٌ فَلَا يُمْكِنُهُ الْخُرُوجُ عَنْهُ بِالشُّرُوعِ فِي غَيْرِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

اور اگر بچہ احرام باندھنے کے بعد بالغ ہوا یا غلام آزاد ہوا اور ان دونوں نے حج مکمل کیا تو ان کا وہ حج فرض حج کیلئے کافی نہ ہوگا

کیونکہ ان دونوں کا احرام نفل کی ادائیگی کیلئے منعقد ہوا ہے تو اسے بدل بناتے ادائے فرض کیلئے نہ ہوگا۔

اور اگر بچے نے وقوف عرفہ پہلے نئے سرے سے احرام باندھا تو فرض حج کی نیت تو جائز ہے اور اگر یہی کام غلام نے کیا تو جائز نہیں۔ کیونکہ بچے کا احرام اس کی عدم اہلیت کے پیش نظر ضروری نہ تھا اور غلام کا احرام ضروری ہے۔ لہذا وہ اپنے غیر میں شروع ہونے وجہ سے اس کا نکلنا ممکن نہیں ہے۔

نابالغ ومجنون کے انعقاد حج کا فقہی بیان:

نابالغ نے حج کا احرام باندھا اور وقوفِ عرفہ سے پیشتر بالغ ہوگیا تو اگر اسی پہلے احرام پر رہ گیا حج نفل ہوا حجۃ الاسلام نہ ہوا اور اگر سرے سے احرام باندھ کر وقوفِ عرفہ کیا تو حجۃ الاسلام ہوا۔

مجنون تھا اور وقوفِ عرفہ سے پہلے جنون جاتا رہا اور نیا احرام باندھ کر حج کیا تو یہ حج حجۃ الاسلام ہوگیا ورنہ نہیں۔ بوہرا بھی مجنون کے حکم میں ہے۔

حج کرنے کے بعد مجنون ہوا پھر اچھا ہوا تو اس جنون کا حج پر کوئی اثر نہیں یعنی اب اسے دوبارہ حج کرنے کی ضرورت نہیں، اگر احرام کے وقت اچھا تھا پھر مجنون ہوگیا اور اسی حالت میں افعال ادا کیے پھر برسوں کے بعد ہوش میں آیا تو حج فرض ادا ہوگیا۔ (منسک) (عالمگیری، کتاب المناسک، ج۱، ص۲۱۷)

بچے کے حج کا ثواب والدین کیلئے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک صحابیہ اپنے بچہ کو لے کر حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس بچہ کا بھی حج ادا ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں اس کا بھی حج ادا ہوگا اور اس کا اجر وثواب تمہارے لئے بھی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لَقِيَ رَكْبًا بِالرَّوْحَاءِ فَقَالَ : مَنِ الْقَوْمُ. قَالُوا الْمُسْلِمُونَ. فَقَالُوا مَنْ أَنْتَ قَالَ :رَسُولُ اللَّهِ. فَرَفَعَتْ إِلَيْهِ امْرَأَةٌ صَبِيًّا فَقَالَتْ أَلِهَذَا حَجٌّ قَالَ : نَعَمْ وَلَكِ أَجْرٌ.

(صحیح مسلم شریف، باب صِحَّةِ حَجِّ الصَّبِيِّ وَأَجْرِ مَنْ حَجَّ بِهِ. حدیث نمبر: 3317)

نابالغ لڑکا اگر حج کرلے تو وہ نفل ہوگا بلوغ کے بعد اگر اس پر حج فرض ہوجائے تو دوبارہ حج کرنا اس پر ضروری ہوگا۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

وَقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنَّ الصَّبِيَّ إِذَا حَجَّ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَ فَعَلَيْهِ الْحَجُّ إِذَا أَدْرَكَ لاَ تُجْزِءُ عَنْهُ تِلْكَ الْحَجَّةُ عَنْ حَجَّةِ الإِسْلاَمِ-(جامع ترمذی شریف)

نابالغ لڑکا اگر سمجھدار ہو عقل وتمیز رکھتا ہو تو وہ خود احرام باندھے اور پاکی وطہارت کا لحاظ رکھے اور ان تمام امور کو پیش نظر رکھے جو حالت احرام میں لازم وضروری ہیں اور مناسک حج سے از خود جو ادا کرسکتا ہو وہ ادا کرے اور جو ادا نہیں کرسکتا اس کو ولی ادا

کردے۔

بچہ اس قدر چھوٹا ہو جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتا اور عقل وتمیز سے عاری ہو تو اس کی طرف سے اس کا ولی احرام باندھے اور اس کی طرف سے مناسک ادا کرے طواف وسعی کے موقع پر اس کو گود میں لے کر طواف وسعی کرے تو ہر دو کا طواف وسعی ہوجائے گی اسی طرح سے دیگر مناسک جیسے وقوف عرفہ وغیرہ میں اس کی طرف سے بھی نیت کرلے حتی المقدور اس کو ممنوعات احرام سے بچانے کی کوشش کرے اگر کوئی قصور وجنایت اس سے سرزد ہو تو اس پر یا اس کے ولی پر کوئی جزا واجب نہیں ہوگی۔

اگر وہ بچی بالغ نہیں ہوئی تھی تو بعض اہل علم نے یہ اختیار کیا ہے کہ: نہ تو آپ پر اور نہ ہی اس پر کچھ لازم آتا ہے، اور وہ بچے کے احرام کو پورا کرنے کی عدم تکمیل کی طرف گئے ہیں، وہ اس لئے کہ بچہ اہل التزام میں سے نہیں اور اس لئے بھی کہ وہ سب لوگوں کیلئے نرمی اور شفقت کا باعث ہے، جبکہ یہ ہوسکتا ہے کہ بچے کا ولی یہ خیال کرتا ہو کہ اس کا احرام باندھنا آسان سا کام ہے لیکن بعد میں اسے یہ علم ہو کہ معاملہ تو اس کے خلاف ہے۔ احناف، اور ابن حزم کا قول یہی ہے،

اہل تشیع کے نزدیک بچے کے حج کا بیان:

جب ایک بچہ گھر حج کرنے کے لیے نکلے اور میقات پر احرام باندھے سے پہلے بالغ ہوجائے اور مستطیع بھی ہوجائے چاہے استطاعت اسی جگہ حاصل ہوئی ہو تو بلا اشکال اس کا حج، حج الاسلام شمار ہوگا اسی طرح اگر احرام باندھے سے پہلے مزدلفہ وقوف سے پہلے بالغ ہوجائے تو اپنے حج کو تمام کرے اور اقوی یہ ہے کہ یہ حج بھی حج الاسلام شمار ہوگا۔

(۱) اگر کوئی اپنے آپ کو نابالغ سمجھتے ہوئے مستحب حج کرے اور حج کے بعد یا حج کے درمیان پتہ چلے کہ وہ بالغ ہے تو یہ حج، حج الاسلام شمار ہوگا لہذا اسی کو کافی سمجھے۔

(۲) ممیز بچے پر حج کرنا مستحب ہے لیکن بعید نہیں کہ اسکی حج صحیح ہونے میں اسکے ولی کی اجازت شرط ہو جیسا کہ فقہاء کے درمیان مشہور ہے۔

اہل تشیع کے اس موقف میں انعقاد احرام کے بعد وقبل کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لہذا یہ درست نہیں ہے کیونکہ جب اس بچے نے احرام نفل پر باندھا تو اس پر فرض کی بناء کیسے جائز ہوسکتی ہے۔ اور یہاں یہ مسئلہ نماز پر بھی قیاس کریں تب بھی بچے کا حج ادا نہ ہوگا کیونکہ نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض کی ادائیگی نہیں ہوتی۔ (توضیح المسائل)

فصل

﴿یہ فصل میقات حج کے بیان میں ہے﴾

میقات حج والی فصل کی فقہی مطابقت کا بیان:

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف جب حج کے وجوب اور اس کی شرائط سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے حج کے مناسک کو بیان کرنا شروع کیا ہے۔حج کے مناسک کیلئے میقات سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔لہذا اسی وجہ سے انہوں نے میقات کے بیان کو مقدم کیا ہے۔اور مواقیت وہ جگہیں ہیں جہاں سے انسان بغیر احرام کے آگے نہیں جاسکتا۔اور مصنف کی عبارت میں مواقیت مبتدا ہے اس لئے مرفوع ہے اور خمسة اس کی خبر ہے لہذا وہ بھی مرفوع ہوگی۔

(البنایہ شرح الہدایہ، ج ۵،ص ۲۱،حقانیہ ملتان)

مواقیت حج اور اس کے احکام:

: (وَالْمَوَاقِيتُ الَّتِي لَا يَجُوزُ أَنْ يُجَاوِزَهَا الْإِنْسَانُ إلَّا مُحْرِمًا خَمْسَةٌ : لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذُو الْحُلَيْفَةِ ، وَلِأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتُ عِرْقٍ . وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةُ ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ) هَكَذَا وَقَّتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الْمَوَاقِيتَ لِهَؤُلَاءِ .

وَفَائِدَةُ التَّأْقِيتِ الْمَنْعُ عَنْ تَأْخِيرِ الْإِحْرَامِ عَنْهَا ، لِأَنَّهُ يَجُوزُ التَّقْدِيمُ عَلَيْهَا بِالِاتِّفَاقِ ، ثُمَّ الْآفَاقِيُّ إذَا انْتَهَى إلَيْهَا عَلَى قَصْدِ دُخُولِ مَكَّةَ عَلَيْهِ أَنْ يُحْرِمَ قَصَدَ الْحَجَّ أَوْ الْعُمْرَةَ أَوْ لَمْ يَقْصِدْ عِنْدَنَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا يُجَاوِزُ أَحَدٌ الْمِيقَاتَ إلَّا مُحْرِمًا) وَلِأَنَّ وُجُوبَ الْإِحْرَامِ لِتَعْظِيمِ هَذِهِ الْبُقْعَةِ الشَّرِيفَةِ فَيَسْتَوِي فِيهِ الْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ وَغَيْرُهُمَا .

ترجمہ:

اور مواقیت وہ جگہیں ہیں جہاں سے انسان احرام کے بغیر آگے نہیں جاسکتا ہے۔وہ پانچ ہیں۔اہل مدینہ کیلئے ذوالحلیفہ ہے اور اہل عراق کیلئے ذات عرق ہے اور اہل شام کیلئے جحفہ ہے اور اہل نجد کیلئے قرن ہے۔اور اہل یمن کیلئے یلملم ہے۔نبی کریم ﷺ نے لوگوں کیلئے اسی طرح مقرر فرمائے ہیں۔اور میقات کو مقرر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ احرام میں تاخیر سے بچنا ہے۔ان

مواقیت سے احرام کو مقدم کرنا جائز ہے۔

آفاقی آدمی جب مکہ میں داخل ہونے کے ارادے کیلئے میقات پر پہنچے تو ہمارے نزدیک اس پر احرام باندھنا واجب ہے خواہ وہ حج کا ارادہ کرے یا عمرے کا ارادہ کرے یا کچھ بھی ارادہ نہ کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص میقات سے آگے نہ بڑھے حتی کہ احرام باندھ لے۔(ابن ابیہ شیبہ،طبرانی) کیونکہ احرام کا وجوب اس بقعہ مبارکہ کے ادب کیلئے ہے۔اس لئے اس میں حج یا عمرہ کرنے کا ارادہ کرنے والا اور ان دونوں کے سواسب (احرام باندھنے میں) برابر ہیں۔

میقات حرم حدود کا تعین ہے:

حدود حرم میں رہنے والے افراد حرمی کہلاتے ہیں۔حدود حرم میں رہنے والے شخص کا میقات، حج کے لئے حرم ہے اور عمرہ کے لئے حل یعنی حدود حرم کے باہر کا حصہ مثلا: مسجد عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا، جعرانہ وغیرہ

حدود حرم کے باہر کا وہ حصہ جو میقات تک پھیلا ہوا ہے اسے حل کہتے ہیں، میقات اور حل کے درمیان میں رہنے والے افراد کو حلی کہتے ہیں مثلا ساکنان جدہ وغیرہ، ان کی میقات حل ہے، اگر وہ حج یا عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ آئیں تو وہ اپنے مقام ہی سے احرام باندھ لیں

میقات سے باہر رہنے والے افراد جو حج وعمرہ کا قصد کرکے آئیں ان کو آفاقی کہتے ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اقطاع عالم سے حج وعمرہ کے لئے آنے والوں کے مواقیت مقرر فرمائے ہیں، کہ وہ ان مقامات سے احرام باندھ کر آئیں۔صحیح بخاری شریف میں حدیث مبارک ہے*:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما قَالَ وَقَّتَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم لأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ ، وَلأَهْلِ الشَّأْمِ الْجُحْفَةَ ، وَلأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ ، وَلأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ-

حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اہل مدینہ منورہ کے لئے ذوالحلیفہ میقات مقرر فرمائی اور اہل شام کے لئے جحفہ اور اہل نجد کے لئے قرن المنازل اور اہل یمن کے لئے یلملم مقرر فرمایا۔

(صحیح بخاری شریف، باب مهل أهل الشأم . حدیث نمبر:1526) اور صحیح مسلم شریف میں حدیث مبارک ہے:

وَمُهَلُّ أَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ-اہل عراق کے لئے میقات ذات عرق ہے۔(صحیح مسلم شریف، باب مواقیت الحج والعمرة، حدیث نمبر:2867) کعبۃ اللہ شریف کے چاروں جانب مندرجہ ذیل مواقیت ہیں۔

"(1) ذوالحلیفہ "مدینہ طیبہ سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔(۲) "جحفہ" مصر اور شام سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔(۳) قرن "نجد سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔(۴) "یلملم "یمن، تہامہ، ہندوستان، پاکستان اور اس کے محاذات سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔(۵) "ذات عرق "عراق وغیرہ سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔

برصغیر والوں کیلئے میقات حرم کا بیان:

برصغیر میں رہنے والے حضرات کی میقات **یلملم** ہے جو یمن سے مکہ کے راستے پر ایک پہاڑ کا نام ہے، اسے آج کل سعدیہ کہا جاتا ہے، اگر کوئی انسان حج یا عمرہ کی نیت سے بذریعہ ہوائی جہاز مکہ مکرمہ آ رہا ہو تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ جب میقات کے اوپر سے گزرے تو وہاں سے عمرہ وغیرہ کی نیت کر کے تلبیہ کہنا شروع کر دے۔ اسے جدہ پہنچنے تک احرام مؤخر کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جدہ میقات سے آگے ہے، اس کے بالمقابل نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ اہل کوفہ اور بصرہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اے امیر المومنین! رسول اللہ ﷺ نے اہل نجد کے لئے قرن منازل کو میقات قرار دیا ہے اور یہ میقات ہمارے راستے سے بہت دور ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم دیکھو کہ اس کے بالمقابل تمہارے راستہ میں کونسا مقام ہے، چنانچہ آپ نے ان کیلئے ذاتِ عرق میقات مقرر کر دی۔ (صحیح بخاری، الحج)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے معلوم ہوا کہ میقات کے بالمقابل جگہ کا وہی حکم ہے جو میقات کا ہے اس بناء پر اگر کوئی میقات کے اوپر سے گزر رہا ہو تو اس کے بالمقابل اوپر والے مقام سے تلبیہ شروع کر دے کیونکہ اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ عمرہ کرنے والا میقات کے بالمقابل خشکی میں ہو یا ہوا میں، یا سمندر میں یہی وجہ ہے کہ بحری جہاز سے آنے والے حضرات جب یلملم یا رابغ کے بالمقابل آتے ہیں تو احرام باندھ لیتے ہیں بہر حال بذریعہ ہوائی جہاز سفر کرنے والے کے احرام کی درج ذیل چار صورتیں ہیں۔

(۱) گھر میں غسل کر کے اپنے معمول کے کپڑے زیب تن کرے اور اگر چاہے تو وہ گھر ہی سے احرام پہن لے۔

(۲) اگر گھر میں احرام نہ باندھا ہو تو ہوائی جہاز میں اس وقت احرام باندھ لے جب ہوائی جہاز کا عملہ اس کے متعلق اعلان کرتا ہے، وہ تقریباً بالمقابل پہنچنے سے پندرہ منٹ پہلے اعلان کرتا ہے۔

(۳) جب ہوائی جہاز میقات کے بالمقابل پہنچے اور عملہ اس امر کا اعلان کر دے تو حج یا عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ کہنا شروع کر دے۔

(۴) اگر کوئی شخص غفلت یا بھول کے اندیشے کے پیش نظر از راہ احتیاط میقات پر آنے سے پہلے احرام باندھ لے اور اس کی نیت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بہر حال عمرہ کرنے والے کو خبردار رہنا چاہئے کہ جب بھی ہوائی جہاز کا عملہ اعلان کرے کہ ہم پندرہ منٹ بعد میقات کے بالمقابل پہنچ جائیں گے تو اسے بروقت حج یا عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ شروع کر دینا چاہئے بہتر ہے سوار ہوتے وقت ہی احرام کی نیت کرے اور تلبیہ کہنا شروع کر دے۔

مکہ میں رہنے والوں کیلئے بغیر احرام کے دخول کی اجازت کا بیان:

(وَمَنْ كَانَ دَاخِلَ الْمِيقَاتِ لَهُ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ لِحَاجَتِهِ) لِأَنَّهُ يَكْثُرُ دُخُولُهُ

مَكَّةَ ، وَفِي إِيجَابِ الْإِحْرَامِ فِي كُلِّ مَرَّةٍ حَرَجٌ بَيِّنٌ فَصَارَ كَأَهْلِ مَكَّةَ حَيْثُ يُبَاحُ لَهُمْ الْخُرُوجُ مِنْهَا ثُمَّ دُخُولُهَا بِغَيْرِ إِحْرَامٍ لِحَاجَتِهِمْ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَصَدَ أَدَاءَ النُّسُكِ لِأَنَّهُ يَتَحَقَّقُ أَحْيَانًا فَلَا حَرَجَ .

ترجمہ:

اور جو شخص میقات کے اندر رہتا ہے اسے اپنی ضرورت کیلئے بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا جائز ہے۔ کیونکہ اس کا دخول مکہ کثرت سے ہوتا ہے اور ہر مرتبہ احرام باندھنے میں واضح حرج واقع ہوگا۔ بہ خلاف اس کے کہ جب اس نے حج کا ارادہ کیا ہو کیونکہ یہ ارادہ کبھی کبھی ثابت ہوتا ہے جس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ام القریٰ مکہ مکرمہ کے نام کی وجہ تسمیہ و بیان عظمت:

حافظ عمادالدین ابن کثیر لکھتے ہیں۔ مکہ " مکہ شریف کا مشہور نام ہے چونکہ بڑے بڑے جابر شخصوں کی گردنیں یہاں ٹوٹ جاتی تھیں ہر بڑائی والا یہاں پست ہو جاتا تھا، اس لئے اسے مکہ کہا گیا اور اس لئے بھی کہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ یہاں ہوتی ہے اور ہر وقت کھچا کھچ بھرا رہتا ہے اور اس لئے بھی کہ یہاں لوگ خلط ملط ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ کبھی عورتیں آگے نماز پڑھتی ہوتی ہیں اور مردان کے پیچھے ہوتے ہیں جو اور کہیں نہیں ہوتا، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں "فج" سے "تنعیم" تک مکہ ہے بیت اللہ سے بطحا تک بکہ ہے بیت اللہ اور مسجد کو بکہ کہا گیا ہے، بیت اللہ اور اس آس پاس کی جگہ کو بکہ اور باقی شہر کو مکہ بھی کہا گیا ہے، اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں مثلاً **بیت العتیق، بیت الحرام، بلد الامین، بلد المامون، ام رحم، ام القری، صلاح، عرش، قادس، مقدس، ناسبہ، ناسسہ، حاطمہ، راس، کوثا البلدہ البینۃ العکبہ**۔ اس میں ظاہر نشانیاں ہیں جو اس کی عظمت و شرافت کی دلیل ہیں۔ (ابن کثیر، آل عمران، ۹۶)

معروف مؤرخ ابن خلدون کے مطابق مکہ پہلے بکہ کے نام سے جانا جاتا تھا تاہم مؤرخین کے درمیان اس امر پر اختلاف ہے: ابراہیم النخعی نے بکہ کو کعبہ اور مکہ کو شہر سے منسوب کیا جبکہ امام زہری بھی اسی کے حامی ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ بکہ میں استعمال ہونے والا ب دونوں آوازوں کے درمیان قربت کے باعث بعد ازاں م میں تبدیل ہو گیا۔ مکہ کو ام القریٰ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

تاریخ مسجد حرام کے اندر قائم خانہ کعبہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے تعمیر کیا۔ مؤرخین کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل ہی مکہ عبادت اور کاروبار کا مرکز تھا۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ مکہ جنوبی عرب سے شمال میں رومی و بازنطینی سلطنتوں کے لیے زمینی راستے پر تھا اور ہندوستان کے مصالحہ جات بحیرہ عرب اور بحر ہند کے راستے سے یہیں سے گزرتے تھے۔

کعبۃ اللہ کی تعمیری تاریخ عہد ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام سے تعلق رکھتی ہے اور اسی شہر میں نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پیدا ہوئے اور اسی شہر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی ابتدا ہوئی۔ یہی وہ شہر ہے جس سے اسلام کا نور پھیلا اور یہاں پر ہی مسجد حرام واقع ہے جو کہ لوگوں کی عبادت کے لیے بنائی گئی جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

اللہ تعالی کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ وہی ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے جو تمام دنیا کے لئے برکت وہدایت والا ہے۔

(آل عمران 96)

مکہ مکرمہ کی تاریخی اہمیت کا بیان:

جہاں بیت اللہ شریف واقع ہے مملکت سعودی عرب کے علاقہ حجاز کا ایک شہر ہے جو وادی ابراہیم میں آباد ہے سطح سمندر سے اس کی بلندی تقریباً ساڑھے تین سوفٹ بتائی جاتی ہے اس کا عرض البلد اکیس درجہ شمالی اور طول البلد ساڑھے انتالیس درجہ مشرقی ہے، آبادی چار لاکھ یا اس سے متجاوز ہے اس کا محل وقوع ساحل سمندر سے تقریباً اڑتالیس میل (۷۸ کلومیٹر) کے فاصلہ پر ہے۔

مکہ کے علاوہ بکہ، ام القرای اور بلد الامین اسی شہر کے نام ہیں مشہور اور متعارف نام مکہ ہی ہے یہ جس جگہ واقع ہے وہ نا قابل کاشت، تنگ اور گہری وادی ہے جو کسی زمانہ میں بالکل جنگل اور بے آب وگیاہ ریگستان ہونے کے سبب لوگوں کی آبادی کا مرکز نہیں بنتی تھی اس وادی میں شہر مکہ مکرمہ مشرق سے مغرب تک پانچ میل سے زائد حصہ میں پھیلا ہوا ہے اس کا عرض دو میل سے زائد ہے اس کی زمین سیلاب کی گزرگاہ ہونے کے باعث بطحا بھی کہی جاتی ہے مکہ کی وادی دو پہاڑی سلسلوں میں گھری ہوئی ہے جو مغرب سے شروع ہو کر مشرق تک چلے گئے ہیں ان میں ایک سلسلہ شمالی ہے اور ایک جنوبی ان دونوں سلسلوں کو اخشیان کہتے ہیں ان پہاڑوں کو توریت میں جبال فاران کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

تقریباً چار ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو اس جنگل اور بے آب وگیاہ وادی میں لا کر آباد کیا اور اسی وقت کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی نیز انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس جنگل کو آباد کر دے۔ جب ہی سے یہ بے آب وگیاہ میدان قرب وجوار بلکہ ساری دنیا کا مرکز بنا، اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے اسی کا رخ بنا کر پانچ وقت اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

حضرت اسماعیل کی نسلیں یہاں مقیم ہوئی اور کچھ نسلیں قرب وجوار میں بھی پھیلیں آخر میں قریش یہاں کے متولی اور باشندے ہوئے اور پھر یہاں قریش میں دنیا کے سب سے عظیم رہنما اور خدا کے سب سے آخری پیغمبر ورسول سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مبعوث ہونے کے بعد اسی مقدس شہر سے خدا کے آخری دین اسلام کا پیغام دنیا کو سنایا اور یہیں سے اسلام کی تبلیغ واشاعت کی تمام تر جدوجہد کا آغاز ہوا۔

مکہ کی آبادی پہلے صرف خیموں میں رہتی تھی ہجرت سے صرف دو صدی پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جد قصی ابن کلاب جب شام سے آئے تو ان کے مشورہ سے مکانات کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا، پھر اسلام کے آنے کے بعد اس شہر کو برابر ترقی

ہوتی رہی، اب یہ اپنے قرب وجوار میں دور دور تک سب سے بڑا اور پورے عالم اسلام کا سب سے اہم اور مرکزی شہر ہے۔ شہر میں پانی کا ایک ہی چشمہ ہے جسے زمزم کہتے ہیں اس کے علاوہ یہاں پانی کا اور کوئی کنواں نہیں ہے پانی کی کمی کی وجہ سے یہاں کی زمین میں کچھ کاشت نہیں ہو سکتی تھی، اب پانی کی افراط کی وجہ سے کچھ گھاس اور پودے لگائے گئے ہیں پہلے شہر میں پانی کی بہت قلت ہونے کی وجہ سے طائف کے قریب یہاں ایک نہر لائی گئی ہے جس کا نام نہر زبیدہ ہے۔ یہ نہر امین الرشید کی والدہ زبیدہ نے بنوائی تھی بعد میں اس کو ترقی دی جاتی رہی اس کے لیے پانی پہنچانے کے دوسرے ذرائع بھی اختیار کیے گئے اب موجودہ حکومت میں پانی کی سپلائی کا بہت معقول انتظام اور عمدہ ہونے کی وجہ سے یہ قلت بالکل جاتی رہی ہے۔

پہاڑوں کے درمیان گھرے ہونے کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں گرمی زیادہ اور سردی کم ہوتی ہے شہر کا موسم گرمیوں میں بڑا سخت ہوتا ہے اور بارش صرف جاڑوں میں ہوتی ہے جس کی سالانہ مقدار چار پانچ انچ سے زیادہ نہیں ہوتی لہٰذا گرمی کا موسم مارچ میں شروع ہو کر آخر اکتوبر تک رہتا ہے موسم سرما میں سردی کم ہوتی ہے۔

میقات سے تقدیم احرام کے جواز کا بیان:

(فَإِنْ قَدَّمَ الْإِحْرَامَ عَلَى هَذِهِ الْمَوَاقِيتِ جَازَ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ) وَإِتْمَامُهُمَا أَنْ يُحْرِمَ بِهِمَا مِنْ دُوَيْرَةِ أَهْلِهِ ، كَذَا قَالَهُ عَلِيٌّ وَابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا .

وَالْأَفْضَلُ التَّقْدِيمُ عَلَيْهَا لِأَنَّ إتْمَامَ الْحَجِّ مُفَسَّرٌ بِهِ وَالْمَشَقَّةُ فِيهِ أَكْثَرُ وَالتَّعْظِيمُ أَوْفَرُ ، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إنَّمَا يَكُونُ أَفْضَلَ إذَا كَانَ يَمْلِكُ نَفْسَهُ أَنْ لَا يَقَعَ فِي مَحْظُورٍ

ترجمہ:

اگر اس نے میقات سے احرام کو مقدم کیا تو اس کیلئے ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے اور تم اللہ کیلئے حج وعمرے کو پورا کرو اور ان دونوں کو پورا کرنا یہ ہے کہ ان دونوں کا احرام اپنے لوگوں کے گروہ کے ساتھ باندھ کر نکلے۔ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے اسی طرح فرمایا ہے۔ اور فضیلت میقات پر تقدم ہی ہے کیونکہ حج کو مکمل کرنے کی تفسیر اسی کے بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ اس میں مشقت زیادہ ہے اور ادب بھی زیادہ ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ میقات پر احرام کو مقدم کرنا تب افضل ہے جب اس کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ ممنوع چیز کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

میقات سے پہلے احرام باندھنے میں فقہی مذاہب اربعہ کا بیان.

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص حج یا عمرہ کے لئے مسجد اقصی (ہی سے احرام باندھ کر چلے) تو اس کے وہ تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے ہوں گے اور جو بعد میں کرے گا یا فرمایا کہ اس شخص کے لئے ابتداء ہی میں جنت واجب ہو جائے گی (یعنی وہ شروع ہی میں جنت میں داخل ہوگا۔ (ابوداؤد ابن ماجہ)

جب کوئی شخص بیت المقدس سے مکہ کے لئے چلتا ہے تو وہ راستہ میں مدینہ منورہ سے گزرتا ہے، اس طرح وہ شخص اپنے راستہ میں تینوں افضل ترین مقامات سے مشرف ہوتا ہے بایں طور کہ اس راستہ کے سفر کی ابتداء بیت المقدس سے ہوتی ہے درمیان میں مدینہ منورہ آتا ہے اور آخر میں مکہ مکرمہ پہنچتا ہے لہٰذا اس شخص کی خوش بختی کا اندازہ لگائیے جو اپنے سفر حج کی ابتداء بیت المقدس سے کرے کہ اول تو خود سفر مقدس و باعظمت پھر سفر کی ابتداء بیت المقدس سے درمیان میں مدینہ منورہ اور سفر کی انتہاء حرم محترم پر اس سبب سے مذکورہ بالا شخص یہ عظیم ثواب پاتا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ احرام باندھنے کی جگہ حرم محترم سے جتنی دور ہوگی ثواب بھی اتنا زیادہ ہوگا۔

حضرت امام اعظم کے نزدیک مواقیت سے احرام کی تقدیم یعنی احرام باندھنے کی جگہوں سے پہلے ہی احرام باندھ لینا یا اپنے گھر ہی سے احرام باندھ کر چلنا افضل ہے۔

حضرت امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ ممنوعات احرام سے بچ سکے، ورنہ اگر یہ جانے کہ اس صورت میں ممنوعات احرام سے اجتناب ممکن نہیں ہوگا تو پھر میقات ہی سے احرام باندھنا افضل ہوگا۔

اسی طرح حج کے مہینوں میں (یعنی شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن) سے پہلے احرام باندھنے کے بارے میں حنفیہ کے ہاں جواز کا قول بھی ہے اور مکروہ کہا گیا ہے۔

حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بھی کراہت ہی کے قائل ہیں۔ حضرت امام شافعی کا ایک قول اگرچہ یہ بھی ہے کہ حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھنے والوں کا احرام درست نہیں ہوگا لیکن ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھے گا تو اس کا وہ احرام حج کی بجائے عمرہ کا ہو جائے گا۔

میقات سے پہلے احرام باندھنے کی اجازت شرعی کا بیان:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیداء وہ جگہ ہے (مسجد ذی الحلیفہ سے آگے مکہ کی طرف) جس کے بارے میں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت غلط بات کرتے ہو (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداء سے احرام باندھا حالانکہ) آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ذی الحلیفہ کے نزدیک (احرام باندھ کر) لبیک پکارنا شروع کیا۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّه اَهَلَّ مِنْ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ .رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس سے احرام باندھا۔ اسے شافعی نے روایت کیا ہے۔

میقات میں رہنے والوں کیلئے مقام حل کا میقات ہونا:

(وَمَنْ كَانَ دَاخِلَ الْمِيقَاتِ فَوَقْتُهُ الْحِلُّ) مَعْنَاهُ الْحِلُّ الَّذِی بَيْنَ الْمَوَاقِيتِ وَبَيْنَ الْحَرَمِ لِأَنَّـهُ يَجُوزُ إحْرَامُهُ مِنْ دُوَيْرَةِ أَهْلِهِ ، وَمَا وَرَاءَ الْمِيقَاتِ إلَی الْحَرَمِ مَكَانٌ وَاحِدٌ (وَمَنْ كَانَ بِمَكَّةَ فَوَقْتُهُ فِی الْحَجِّ الْحَرَمُ وَفِی الْعُمْرَةِ الْحِلُّ) لِأَنَّ النَّبِیَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَمَـرَ أَصْـحَـابَـهُ رَضِـیَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَنْ يُحْرِمُوا بِالْحَجِّ مِنْ جَوْفِ مَكَّةَ ، وَأَمَرَ أَخَا عَائِشَةَ رَضِـیَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنْ يُعْمِرَهَا مِنْ التَّنْعِيمِ وَهُوَ فِی الْحِلِّ ، وَلِأَنَّ أَدَاءَ الْحَجِّ فِی عَرَ وَهِیَ فِی الْـحِـلِّ فَيَـكُـونُ الْـإِحْرَامُ مِنْ الْحَرَمِ لِيَتَحَقَّقَ نَوْعُ سَفَرٍ ، وَأَدَاءُ الْعُمْرَةِ فِی الْحَرَمِ فَيَـكُـونُ الْـإِحْـرَامُ مِـنْ الْـحِـلِّ لِهَذَا ، إلَّا أَنَّ التَّنْعِيمَ أَفْضَلُ لِوُرُودِ الْأَثَرِ بِهِ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ترجمہ:

اور جو بندہ میقات میں رہتا ہے اس کا میقات حل ہے حل وہ ہے جو مواقیت اور حرم کے درمیان ہے کیونکہ اس کو اپنے لوگوں کے گروپ کے ساتھ احرام باندھنا جائز ہے۔ میقات کے اندر سے مکہ کے حرم تک جگہ ایک ہی ہے۔

اور مکہ میں رہنے والے شخص کا میقات حج کی صورت میں حرم ہے جبکہ عمرہ کی صورت میں حل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ احرام حج جوف مکہ سے باندھیں اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کو حکم دیا کہ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مقام تنعیم سے عمرہ کرائیں۔ (مسلم) اور تنعیم حرم کی حدود سے باہر حل میں ہے۔ کیونکہ حج کا ادا کرنا عرفات میں ہوتا ہے۔ لہذا حج کا احرام حرم سے ہوگا اس لئے کہ ایک طرح کا سفر ثابت ہو جائے۔ جبکہ عمرہ کی ادائیگی حرم میں ہوتی ہے اسی وجہ سے عمرے کا احرام حل سے ہوگا۔ البتہ تنعیم افضل ہے کیونکہ تنعیم کے ساتھ اثر وارد ہے۔

حرم میں رہنے والوں کے میقات کا بیان:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے حدیث مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ

اوراہل شام کے لیے جحفہ، اوراہل نجد کیلیے قرن منازل، اوراہل یمن کے لیے یلملم میقات مقرر کیا اور فرمایا:

(یہ اہل میقات کے لیے اوران کے علاوہ جوحج اور عمرہ کرنے کے لیے یہاں سے گزریں ان کے لیے بھی میقات ہیں اور جوان کے اندر ہیں اس کے احرام باندھنے کی جگہ اس کا گھر ہے اوراسی طرح اہل مکہ مکہ سے) صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔

اور عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (وادی) محصب (ایک جگہ کا نام ہے) میں ٹھرے اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہما کو بلایا اور فرمانے لگے: (اپنی بہن کو حرم سے باہر لے جاؤ (اور ایک روایت میں ہے کہ تنعیم لے جاؤ) تا کہ وہ عمرے کا احرام باندھ لے اور پھر بیت اللہ کا طواف کرے، اور میں تم دونوں کا یہاں انتظار کر رہا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں: لھذا ہم نکلے اور میں نے احرام باندھا اور پھر بیت اللہ کا طواف کیا اور صفامروہ کی سعی کی اور رات کے وقت ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو وہ اپنی جگہ پر ہی تھے اور وہ فرمانے لگے: کیا تم فارغ ہوگئی ہو؟ تو میں نے عرض کی جی ہاں، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کے مابین کوچ کرنے کا اعلان کر دیا، اور آپ نکلے اور نماز فجر سے قبل بیت اللہ کا طواف کیا اور پھر مدینہ روانہ ہوگئے) صحیح بخاری اور مسلم۔

تو اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ: ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیث عام ہے کہ اہل مکہ صرف حج یا صرف عمرہ یا حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام مکہ سے ہی باندھیں گے، اور عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث جس میں ہے کہ وہ اپنے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تنعیم گئیں خاص ہے۔

حج وعمرے کے میقات حرم کے فرق کا بیان:

اور علماء کرام کے ہاں یہ قاعدہ معروف اور مسلمہ ہے کہ جب عام اور خاص کا آپس میں تعارض ہو تو عام کو خاص پر محمول کرتے ہوئے خاص پر عمل کیا جائیگا، اور یہاں بھی وہی ہے کہ تنعیم یا حل کی کسی دوسری جگہ سے عمرہ کا احرام باندھنا، تو (حتی کہ اہل مکہ مکہ ہی سے) اس کا معنی یہ ہوگا کہ اہل مکہ حج مفرد یا حج اور عمرہ کا اکٹھا ہی احرام مکہ سے ہی باندھیں گے اور انہیں حل یا حدیث میں مذکور دوسرے میقات کی طرف نکلنے کی ضرورت نہیں تا کہ وہ وہاں سے احرام باندھ سکیں۔

لیکن صرف عمرہ کے لیے یہ ہے کہ جو کوئی بھی صرف عمرہ کا احرام باندھنا چاہے اور وہ مکہ کا رہائیشی ہو یا حرم کی حدود میں رہتا ہو تو اسے حل کی جانب نکلنا ہوگا یعنی تنعیم وغیرہ کی طرف تا کہ وہ وہاں سے احرام باندھے، جمہور علماء کرام کا یہی کہنا ہے، بلکہ المحب طبری کا کہنا ہے کہ: مجھے کسی کے بارہ میں علم نہیں کہ اس نے مکہ کو عمرہ کے لیے میقات مقرر کیا ہو۔

تو اس طرح ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان (حتی کہ اہل مکہ مکہ سے ہی) کو حج مفرد اور قران والے متعین کیا جائے گا، نہ کہ صرف عمرہ کرنے والے کے لیے۔

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کسی دو معاملوں میں اختیار دیا جاتا تو آپ اگر وہ گناہ نہ ہوتا تو اس میں سے آسان کو اختیار کرتے تھے، لھذا اگر صرف عمرہ کا احرام حرم کی حدود سے باندھے کی اجازت ہوتی

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے لیے اختیار کر لیتے، کیونکہ یہ ان کے لیے بھی اور عائشہ اوران کے بھائی کے لیے بھی آسان تھا اوراس میں تکلیف اور مشقت بھی کم تھی، لھذا آپ ﷺ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو تنعیم یا حل جا کر احرام باندھنے کا حکم نہ دیتے۔

لھذا ان کا حرم کی حدود سے احرام باندھنے سے احتراز کرنا جو کہ حل میں جا کر احرام باندھنے سے سب کے لیے آسان اور سہل ہے حالانکہ حل جانے میں مشقت اور تکلیف ہے اور پہلے معاملے یعنی حرم سے احرام باندھنے میں کوئی مشقت نہیں اس بات کی دلیل ہے کہ صرف عمرے کا احرام حرم کی حدود کی بجائے حل سے باندھنا شرعی مقصود ہے اور شرعی طور پر مامور ہے کہ جو حرم میں رہتے ہوئے صرف عمرہ کرنا چاہے وہ حل جا کر احرام باندھے۔

مکہ کے قریب رہائشی کے میقات میں مذاہب اربعہ کا بیان:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

إذا كان مسكنه أقرب إلى مكة من الميقات كان ميقاته مسكنه هذا قول أكثر أهل العلم وبه يقول مالك و طاوس و الشافعي و أبو ثور وأصحاب الرأى وعن مجاهد قال: يهل من مكة ولا يصح فإن النبى صلى الله عليه و سلم قال في حديث ابن عباس: (فمن كان دونهن مهله من أهله) وهذا صريح والعمل به أولى (المغنى، ج۳، ص ۲۱۹، بيروت)

غیر مقلدین کے نزدیک میقات حل حج وعمرہ دونوں کیلئے ہے:

اہل مکہ کے لئے عمرہ کا میقات حل ہے۔ جیسا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ وہ اپنی بہن عائشہ کو تنعیم لے جائیں اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر آئیں اور جن علماء نے یہ کہا کہ عمرہ کا میقات اپنا گھر اور مکہ ہی ہے، انہوں نے اس حدیث کے بارے میں جواب دیا کہ یہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دل جوئی کے لئے فرمایا تھا تا کہ وہ حل سے کر آئیں جیسا کہ دیگر ازواج مطہرات نے کیا تھا اور یہ جواب ظاہر کے خلاف ہے، حاصل یہ کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کے لیے میقات کا تعیین واقع نہیں ہوا اور میقات حج کا تعیین ہر جہت والوں کے لئے ثابت ہوا ہے۔ پس اگر عمرہ ان مواقیت میں حج کی مانند ہو تو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث صحیح میں فرمایا ہے کہ جو لوگ میقات کے اندر ہوں ان کا میقات ان کا گھر ہے وہ اپنے گھروں سے احرام باندھیں اسی طرح مکہ والے بھی مکہ ہی سے احرام باندھیں اور یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ بلکہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ میں ہر جگہ کی میقات کا ذکر کرنے کے بعد صراحتاً آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس یہ میقات ان لوگوں کے لئے ہیں جو ان کے اہل ہیں اور جو بھی ادھر سے گزریں حالانکہ وہ یہاں کے باشندے نہ ہوں۔ پھر ان کے لئے میقات یہی مقامات ہیں جو بھی حج اور عمرے کا ارادہ کر کے آئیں۔ پس اس حدیث میں صراحتاً

عمرہ کا لفظ موجود ہے۔

یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب حج کا احرام مکہ والے مکہ ہی سے باندھیں گے اوران کے گھر ہی ان کے میقات ہیں تو عمرہ کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ حدیث ہذا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ کا ایک ہی جگہ ذکر فرمایا ہے۔ یہ سلسلہ میقات جس قدر احکامات حج کے لئے ہیں وہی سب عمرہ کے لئے ہیں۔ ان کی بنا پر صرف مکہ شریف سے عمرہ کا احرام باندھنے والوں کے لئے تنعیم جانا ضروری نہیں ہے۔ (بدور الاہلہ ،ص،۱۵۲)

غیر مقلدین کو یہاں تخصیص وتعمیم کی سمجھ نہیں آئی اور بڑی وضاحت اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا جس میں عمرے کا احرام مقام حل سے باندھنے کا حکم ہے۔ اور دوسری حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جوف مکہ سے احرام باندھنے کا حکم احرام حج کے ساتھ ہے۔ حدیث کا ادنیٰ خادم بھی یہاں تطبیق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جبکہ غیر مقلدین کے شیخ الکل یہ اصول سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔

بَابُ الْإِحْرَامِ

﴿یہ باب احرام کے بیان میں ہے﴾

باب الاحرام کی فقہی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے میقات کے بعد احرام کے باب کو شروع کیا ہے کیونکہ اس میں احرام باندھنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ احرام مصدر ہے۔ جب کوئی شخص حرمت میں داخل ہوتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے ''احرم الرجل'' جبکہ فقہاء کے عرف میں احرام یہ ہے کہ انسان اس عبادت کی ادائیگی کی وجہ سے اپنے آپ پر مباح چیزوں کو حرام کر لیتا ہے اور عبادات ایسی ہی ہیں جو تحریم ثابت کرتی ہیں۔ جس طرح نماز اور حج ہے۔ جبکہ بعض اس طرح نہیں ہیں جس طرح روزہ اور زکوۃ ہے۔ اور اس میں ایسے امور ہیں جن تک عقل کی رسائی نہیں ہے جس طرح غیر سلا ہوا کپڑا ہے خوشبو کو چھوڑنا ہے صفائی کو ترک کرنا ہے گنتی کی کنکریاں مارنا ہے اور ان تمام کی تشبیہ مردہ سے ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۵،ص ۳۵، حقانیہ ملتان)

احرام باندھتے وقت غسل یا وضو کی فضیلت کا بیان:

(وَإِذَا أَرَادَ الْإِحْرَامَ اغْتَسَلَ أَوْ تَوَضَّأَ وَالْغُسْلُ أَفْضَلُ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اغْتَسَلَ لِإِحْرَامِهِ) إلَّا أَنَّهُ لِلتَّنْظِيفِ حَتَّى تُؤْمَرَ بِهِ الْحَائِضُ ، وَإِنْ لَمْ يَقَعْ فَرْضًا عَنْهَا فَيَقُومَ الْوُضُوءُ مَقَامَهُ كَمَا فِي الْجُمُعَةِ ، لَكِنَّ الْغُسْلَ أَفْضَلُ لِأَنَّ مَعْنَى النَّظَافَةِ فِيهِ أَتَمُّ ، وَلِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اخْتَارَهُ .

ترجمہ:

اور جب وہ احرام باندھنے کا قصد کرے تو وہ غسل کرے یا وضو کرے البتہ غسل کرنا افضل ہے۔ کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کیلئے کیا ہے۔ (ترمذی ،طبرانی ،دار قطنی) لیکن یہ پاکیزگی حاصل کرنے کیلئے ہے۔ یہاں تک کہ حائضہ کو حکم دیا جائے گا چاہے اس سے فرض واقع نہ ہو۔ لہذا وضو اس غسل کے قائم مقام ہو جائے گا جس طرح جمعہ میں ہوتا ہے۔ لیکن غسل کرنا افضل ہے کیونکہ صحیح معنوں میں پاکیزگی کا مفہوم غسل میں ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار کیا ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک غسل احرام کے استحباب کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام طبرانی نے اپنی معجم میں اور امام دار قطنی نے اپنی سنن میں حدیث نقل فرمائی ہے اور ان دونوں روایت میں یہ لفظ ہے۔ احرام کیلئے غسل کیا جائے گا۔ اور مسئلہ میں تمام احادیث قولی ہیں فعلی کوئی حدیث نہیں ہے

لہٰذا ان احادیث کی مطابقت صاحب ہدایہ والی روایت کے ساتھ نہیں ہے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث کے مطابق ہے اور اس میں یہ ہے کہ غسل صفائی کو زیادہ کرتا ہے۔اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ غسل واجب نہیں ہے جبکہ داؤد ظاہری نے اختلاف کیا ہے۔کیونکہ اس کے نزدیک واجب ہے۔

امام حسن بصری علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر وہ یہ غسل بھول جائے تو جب اس کو یاد آئے وہ کرے۔اور بعض اہل مدینہ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ اس کے ترک پر دم واجب ہے۔جمہور فقہاء کا مؤقف یہ ہے کہ یہ غسل احرام کیلئے مستحب ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۳۵، حقانیہ ملتان)

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسلمہ، مالک، زید بن اسلم، ابراہیم بن عبداللہ بن حسنین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (محرم کے سر دھونے کے متعلق) مقام ابواء میں عبداللہ بن عباس اور مسور بن مخرمہ کے درمیان اختلاف ہوا ابن عباس کا کہنا تھا کہ محرم اپنا سر دھو سکتا ہے اور مسور کہتے ہیں کہ محرم سر نہیں دھو سکتا پس مسئلہ دریافت کرنے کے لیے عبداللہ نے عبداللہ بن حسنین کو حضرت ایوب انصاری کے پاس بھیجا عبداللہ بن حسنین نے ابوایوب انصاری کو کنوئیں پر لگی ہوئی دو لکڑیوں کے بیچ میں ایک کپڑے کی آڑ میں غسل کرتے ہوئے پایا عبداللہ بن حسنین کہتے ہیں کہ میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے کہا میں عبداللہ بن حسنین ہیں مجھے عبداللہ بن عباس نے آپ سے یہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام کی حالت میں اپنا سر کس طرح دھوتے تھے؟ (یہ سن کر) ابوایوب نے کپڑے پر ہاتھ رکھا اور سر اٹھایا یہاں تک کہ مجھے ان کا سر نظر آنے لگا پھر انہوں نے اسی شخص سے جو ان پر پانی ڈال رہا تھا کہا تو پانی ڈال پس اس نے ان کے سر پر پانی ڈالا اور انہوں نے اپنے سر کو ہاتھوں سے ملا اور ہاتھ آگے سے پیچھے کی طرف اور پیچھے سے آگے کی طرف لائے پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔(سنن ابوداؤد)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حج کا احرام باندھتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا۔(جامع الترمذی"، أبواب الحج، باب ماجاء فی الإغتسال عند الاحرام، الحدیث،۸۳۱)

احرام میں استعمال ہونے والے کپڑوں کا بیان:

قَالَ (وَلَبِسَ ثَوْبَيْنِ جَدِيدَيْنِ أَوْ غَسِيلَيْنِ إزَارًا وَرِدَاءً) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ائْتَزَرَ وَارْتَدَى عِنْدَ إحْرَامِهِ ، وَلِأَنَّهُ مَمْنُوعٌ عَنْ لُبْسِ الْمَخِيطِ وَلَا بُدَّ مِنْ سَتْرِ الْعَوْرَةِ وَدَفْعِ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ ، وَذَلِكَ فِيمَا عَيَّنَّاهُ ، وَالْجَدِيدُ أَفْضَلُ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إلَى الطَّهَارَةِ .

ترجمہ:

فرمایا: اور وہ دو نئے کپڑے یا دھلے ہوئے پہنے، (۱) ازار (۲) چادر۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے احرام کے وقت ازار پہنا

اور ایک چادر اوڑھی۔(بخاری) کیونکہ احرام والے کو سلے ہوئے کپڑوں سے منع کیا گیا ہے۔ستر کو چھپانا اور گرمی وسردی سے بچنا ضروری ہے اور اس کا حصول اسی تعین سے ہوگا۔البتہ نئے کپڑے پہننا افضل ہے کیونکہ پاکیزگی کے زیادہ قریب یہی ہے۔

احرام باندھنے کا مستحب طریقہ:

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ احرام کا مسنون ومستحب طریقہ یہ ہے کہ غسل کرے، بدن سے مَیل اتارے، ناخن ترشوائے، خط بنوائے، موئے بغل وزیرناف دُور کرے، سر مُنڈانے کی عادت ہوتو منڈائے ورنہ کنگھی کرے، تیل ڈالے، بدن میں خوشبو لگائے، پھر جامہ احرام پہن کر دو رکعت نماز بہ نیت سنت احرام پڑھے۔پھر وہیں قبلہ رو بیٹھا دل وزبان سے نیت کرے۔بآواز تین بار لبیک کہے۔آسانی وقبول کی دعا مانگے۔نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔

(فتاویٰ رضویہ، کتاب الحج، ج ۱۰)

کندھے سے چادر باندھنے پر محرم کے فدیے میں فقہی مذاہب کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ محرم چادر اپنے کندھے سے نہ باندھے اور اگر اس نے اس طرح کیا ہے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔اور علامہ قرطبی علیہ الرحمہ نے کہا ہے امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر فدیہ واجب ہے۔ابونصر عراقی نے کہا ہے مکروہ ہے لیکن اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔اسی طرح ابوثور، ابن منذر نے کہا ہے۔

علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ ان کا قول شاذ ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔کیونکہ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایک محرم کو دیکھا جس نے کپڑا باندھا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو ہلاک ہو رسی کو اتار۔لیکن آپ ﷺ نے فدیے کا حکم نہیں دیا۔(البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۳۷، حقانیہ ملتان)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے احرام کے لئے سلا ہوا لباس اتارا اور غسل کیا۔(ترمذی، دارمی)

لباس اتارنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلے ہوئے کپڑے اپنے بدن سے اتار دیئے اور تہبند باندھ کر چادر اوڑھ لی جو احرام کے کپڑے ہیں چنانچہ احرام کی حالت میں سلا ہوا کپڑا مثلاً کرتا، پائجامہ، ٹوپی عبا، قبا اور موزہ وغیرہ پہننا منع ہے۔جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا احرام کے لئے غسل کرنا مسنون وافضل ہے، اگر غسل نہ ہوسکے تو پھر وضو پر اکتفا بھی جائز ہے حیض ونفاس والی عورت اور نابالغ بچوں کے لئے بھی غسل مسنون ہے۔

احرام کی وجہ تسمیہ:

احرام کے معنی ہیں حرام کر دینا چونکہ حج کرنے والے پر کئی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں لہٰذا اس اظہار کے واسطے کہ اس وقت یہ

چیزیں حرام ہوگئی ہیں ایک لباس جو صرف ایک چادر اور تہبند ہوتا ہے۔ بہ نیت حج یا عمرہ باندھا جاتا ہے جس کو احرام کہتے ہیں۔

حج اور عمرے کے لیے احرام باندھنا ضروری ہے۔ مرد کے لیے احرام کا لباس دو چادریں ہیں، وہ احرام کی حالت میں شلوار، قمیص نہیں پہن سکتا۔ اسی طرح اس کا سر بھی ننگا رہنا ضروری ہے۔ تاہم وہ ہر طرح کی جوتی اور موزے پہن سکتا ہے، اور موزوں کو ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ لے گا، جیسا کہ صحیح بخاری، حدیث: 1542 میں ہے۔ عورت کے احرام کے لیے مذکورہ چیزوں کی پابندی نہیں ہے وہ اپنے عام لباس ہی میں احرام باندھے گی، اس کے لیے سر کا اور ٹخنوں کا ننگا رکھنا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ وہ عام حالات کی طرح اس حالت میں بھی سر اور ٹخنے اور جسم کے سارے حصوں کو ڈھک کر رکھے گی۔ البتہ احرام کی حالت میں اسے چہرے پر نقاب ڈالنے سے اور ہاتھوں میں دستانے پہننے سے منع کیا گیا ہے لیکن یہ حالت اس وقت ہوگی جب مردوں کا سامنا نہ ہو۔ اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب ہمارا سامنا مردوں سے ہوتا تو ہم اپنے چہروں کو چھپا لیتیں۔

("سنن ابی داود، المناسک)

احرام باندھتے وقت خوشبو لگانے کا بیان:

قَالَ (وَمَسَّ طِيبًا إنْ كَانَ لَهُ) وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ : أَنَّهُ يُكْرَهُ إذَا تَطَيَّبَ بِمَا تَبْقَى عَيْنُهُ بَعْدَ الْإِحْرَامِ ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ ، لِأَنَّهُ مُنْتَفِعٌ بِالطِّيبِ بَعْدَ الْإِحْرَامِ .

وَوَجْهُ الْمَشْهُورِ حَدِيثُ (عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْت أُطَيِّبُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِإِحْرَامِهِ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ) " وَالْمَمْنُوعُ عَنْهُ التَّطَيُّبُ بَعْدَ الْإِحْرَامِ ، وَالْبَاقِي كَالتَّابِعِ لَهُ لِاتِّصَالِهِ بِهِ ، بِخِلَافِ الثَّوْبِ لِأَنَّهُ مُبَايِنٌ عَنْهُ.

ترجمہ:

فرمایا: اور اگر اس کے ہاں مہیا ہو تو خوشبو لگائے۔ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اس کیلئے خوشبو لگانا مکروہ ہے کیونکہ اس کی ذات احرام کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی علیہما الرحمہ کا قول بھی یہی ہے۔ کیونکہ وہ شخص احرام کے بعد بھی اس خوشبو سے فائدہ حاصل کرنے والا ہے۔ اس قول مشہور کی دلیل حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بدن مبارک کو خوشبو لگاتی تھی اور یہ آپ ﷺ کے احرام باندھنے سے پہلے لگایا کرتی تھی۔ (بخاری ومسلم) اور جس سے روکا گیا ہے وہ احرام کے بعد خوشبو لگانا ہے۔ البتہ بقیہ اس کے تابع ہونے کی طرح ہیں۔ کیونکہ بدن تو ملا ہوا ہوتا ہے بہ خلاف کپڑے کے کہ وہ ملا ہوا نہیں ہوتا۔

احرام میں خوشبو لگانے سے متعلق مذاہب اربعہ کا بیان:

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احرام کے لیے احرام باندھنے سے پہلے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احرام سے نکلنے کے لیے طواف کعبہ سے پہلے خوشبو لگاتی تھی اور ایسی خوشبو لگتی تھی جس میں مشک ہوتا تھا گویا میں اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام باندھے ہوئے ہیں یعنی وہ چمک گویا میری آنکھوں تلے پھرتی ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب احرام کا ارادہ کرتے تو احرام باندھنے سے پہلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشبو لگاتی اور وہ خوشبو ایسی ہوتی جس میں مشک بھی ہوتا تھا۔ لہٰذا اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر خوشبو احرام سے پہلے لگائی جائے اور اس کا اثر احرام کے بعد بھی باقی رہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ خوشبو کا احرام کے بعد استعمال کرنا ممنوعات احرام سے ہے نہ کہ احرام سے پہلے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے کہ احرام کے بعد خوشبو استعمال کرنا ممنوع ہے احرام سے پہلے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی کے ہاں احرام سے پہلے بھی ایسی خوشبو لگانا مکروہ ہے جس کا اثر احرام باندھنے کے بعد بھی باقی رہے۔ ولحلہ قبل ان یطوف بالبیت (اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احرام سے نکلنے کے لئے الخ) کا مفہوم سمجھنے سے پہلے یہ تفصیل جان لینی چاہیے کہ بقرعید کے روز (یعنی دسویں ذی الحجہ کو) حاجی مزدلفہ سے منیٰ میں آتے ہیں اور وہاں رمی جمرہ عقبہ (جمرہ عقبہ پر کنکر مارنے) کے بعد احرام سے نکل آتے ہیں یعنی وہ تمام باتیں جو حالت احرام میں منع تھیں اب جائز ہو جاتی ہیں البتہ رفث (جماع کرنا یا عورت کے سامنے جماع کا ذکر اور شہوت انگیز باتیں کرنا) جائز نہیں ہوتا یہاں تک کہ جب مکہ واپس آتے ہیں اور طواف افاضہ کر لیتے ہیں تو رفث بھی جائز ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس جملہ کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب احرام سے نکل آتے یعنی مزدلفہ سے منیٰ آ کر رمی جمرہ عقبہ سے فارغ ہو جاتے لیکن ابھی تک مکہ آ کر طواف افاضہ نہ کر چکے ہوتے تو میں اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشبو لگاتی تھی۔

احرام کی دو رکعات کا بیان:

قَالَ (وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ لِمَا رَوَى جَابِرٌ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّى بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ عِنْدَ إحْرَامِهِ قَالَ وَقَالَ : اللَّهُمَّ إنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِي وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي) لِأَنَّ أَدَاءَهَا فِي أَزْمِنَةٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَأَمَاكِنَ مُتَبَايِنَةٍ فَلَا يُعَرَّى عَنْ الْمَشَقَّةِ عَادَةً فَيَسْأَلُ التَّيْسِيرَ ، وَفِي الصَّلَاةِ لَمْ يَذْكُرْ مِثْلَ هَذَا الدُّعَاءِ لِأَنَّ مُدَّتَهَا

يَسِيرَةٌ وَأَدَاءُ هَا عَادَةً مُتَيَسِّرٌ . قَالَ (ثُمَّ يُلَبِّي عَقِيبَ صَلَاتِهِ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَبَّى فِي دُبُرِ صَلَاتِهِ) . وَإِنْ لَبَّى بَعْدَمَا اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ جَازَ ، وَلَكِنْ الْأَوَّلُ أَفْضَلُ لِمَا رَوَيْنَا .

ترجمہ:

فرمایا: اور دو رکعات پڑھے کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ذوالحلیفہ میں حالت احرام میں دو رکعات نماز پڑھی۔ (مسلم) صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ وہ شخص یہ کہے اے اللہ! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تو اس کو میرے لئے آسان فرمادے اور میری طرف اس کو قبول فرما۔ کیونکہ حج کی ادائیگی مختلف زمانوں میں اور مختلف جگہوں میں ہوتی ہے۔ لہذا وہ عام طور پر مشقت سے خالی نہیں ہوگا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے اس میں آسانی کیلئے دعا مانگنی چاہیے۔ جبکہ نماز میں اس طرح کی دعا کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اس کا وقت آسان ہے اور عام طور پر اس کی ادائیگی آسان ہے۔ اور صاحب قدوری نے کہا ہے پھر وہ اپنی نماز کے بعد تلبیہ کہے کیونکہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز کے بعد تلبیہ کہا۔ (ترمذی، نسائی) اور اگر وہ اپنی سواری کو صحیح کرنے کے بعد تلبیہ کہے تب بھی درست ہے۔ لیکن فضیلت پہلے طریقے کو ہے اسی حدیث کے پیش نظر جو ہم روایت کر چکے ہیں۔

احرام کے لئے دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (احرام باندھتے وقت) ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر جب ذوالحلیفہ کی مسجد کے قریب اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر کھڑی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کلمات کو (یعنی لبیک کے مشہور کلمات کو جو پہلے گزر چکے ہیں) آواز بلند کہتے اور (پھر) یہ کلمات (مزید) کہتے لبيك اللهم لبيك لبيك وسعديك والخير في يديك لبيك والرغباء اليك والعمل۔ حاضر ہوں تیری خدمت میں اے اللہ! میں تیری خدمت میں حاضر ہوں، حاضر ہوں تیری خدمت میں اور نیک بختی حاصل کرتا ہوں تیری خدمت میں اور بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے حاضر ہوں تیری خدمت میں اور رغبت وتوجہ تیری طرف ہے اور عمل تیرے ہی لئے ہے۔ اس روایت کو بخاری ومسلم نے نقل کیا ہے لیکن الفاظ مسلم کے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذوالحلیفہ پہنچتے تو وہاں پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو رکعت نماز بہ نیت نفل پڑھتے جو احرام کے لئے مسنون ہے اور ان دونوں رکعتوں میں آیت (قل یا ایھا الکافرون) اور (قل ھو اللہ احد) کی قرأت کرتے پھر نیت کرتے اس کے بعد لبیک کہتے اور پھر جب آپ مسجد ذوالحلیفہ کے پاس اونٹنی پر سوار ہوتے اور اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر کھڑی ہوتی تو اس وقت بھی پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کلمات کے ذریعہ تلبیہ کرتے جو مشہور ہیں

اور پھر لبیک کے مزید وہ کلمات کہتے جو حدیث میں نقل کئے گئے ہیں۔

احرام کی دو رکعتوں کے سنت ہونے میں منکرین احادیث کی رائے:

جاوید غامدی کے ایک لے پالک بیٹے عامر نے اس حدیث کا انکار کر دیا ہے کہ احرام کیلئے دو رکعات کا پڑھنا سنت ہے۔ جس کے بارے میں صحیح بخاری مسلم کے حوالے سے بیان کر آئے ہیں۔

چنانچہ عامر درگز رلکھتا ہے کہ حج وعمرہ کے احرام کے موقع پر پاک وہند میں عام طور پر دو رکعت نماز کی ادائیگی کو مسنون اور منجملہ مناسک سمجھا جاتا ہے۔ تحقیق کی رو سے خاص طور پر احرام سے متعلق اس طرح کی کوئی نماز شریعت میں مقرر کی گئی ہے، نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد یا آپ کے اُسوہ سے اس طرح کا کوئی عمل ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی اصلاح کر لینی چاہیے۔ آدمی اگر چاہے تو بغیر کسی نماز کے حج یا عمرہ کی نیت کر کے حالتِ احرام میں داخل ہو جائے۔ اور وہ چاہے تو اُس موقع پر اگر کسی فرض نماز کا وقت ہو تو اُس سے فارغ ہو کر تلبیہ کا آغاز کر لے؛ جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے (مسلم، رقم:)۔ تاہم حدیث وسنت کی رو سے خاص اس موقع کی کوئی نماز شریعت مناسک کی حیثیت سے پیش نہیں کیا جا سکتی۔ (المورد، عامر گز در)

کتب احادیث سے جب دو رکعت نماز پڑھنے کا ثبوت موجود ہے تو پھر عامر کو کیا سوجھی کہ وہ منت گھڑت باتیں کہہ کر لوگوں کو اللہ کی عبادت سے دور کرے۔

تلبیہ کہنے کے وقت میں مذاہب اربعہ کا بیان:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے پاؤں رکاب میں ڈالے اور اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر کھڑی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالحلیفہ کی مسجد کے قریب تلبیہ کیا (یعنی بآواز بلند لبیک کہی) (بخاری ومسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر رخت سفر باندھا اور ظہر کی نماز مدینہ میں پڑھ کر روانہ ہوئے۔ عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی جو اہل مدینہ کے لئے میقات ہے رات وہیں گزاری اور پھر صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام باندھا۔

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر اور اونٹ کے کھڑے ہو جانے کے بعد لبیک کہی جب ایک دوسری روایت میں یہ منقول ہے کہ احرام کے لیے بہ نیت نفل دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد لبیک کہی نیز ایک روایت یہ بتاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیداء پہنچ کر جو ایک بلند جگہ کا نام ہے لبیک کہی اس طرح لبیک کہنے کے وقت کے سلسلہ میں تین طرح کی روایتیں منقول ہیں۔

حضرت امام شافعی نے تو پہلی روایت پر کہ جو یہاں نقل کی گئی ہے عمل کرتے ہوئے کہا کہ اونٹ پر (یا جو بھی سواری ہو اس پر) بیٹھ کر لبیک کہی جائے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد نے دوسری روایت کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا ان تینوں ائمہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھنے کے بعد احرام کی نیت کی جائے اور پھر وہیں مصلیٰ پر بیٹھے ہی ہوئے لبیک کہے تو یہ جائز ہے لیکن نماز کے بعد ہی لبیک کہنا افضل ہے۔

اب ان تینوں روایتوں کے تضاد کو اس تطبیق کے ساتھ دور کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھ کر مصلے پر بیٹھے ہوئے لبیک کہی پھر جب اونٹنی پر بیٹھے تو اس وقت بھی لبیک کہی اور اس کے بعد جب مقام بیداء پر پہنچے تو وہاں بھی لبیک کہی چنانچہ علماء نے اسی لیے لکھا ہے کہ حالت وقت اور جگہ کے تغیرات کے وقت لبیک کا تکرار مستحب ہے۔

بہرکیف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح تین مرتبہ لبیک کہی اور جس راوی نے جہاں لبیک کہتے سنا وہ یہ سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہیں سے لبیک کہنی شروع کی ہے اس لئے ہر ایک راوی نے اپنے سننے کے مطابق ذکر کردیا۔ اس تطبیق و توجیہ کی بنیاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جسے شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں شرح کتاب خرقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

مفرد تلبیہ کرنے میں حج کی نیت کرے:

(فَإِنْ كَانَ مُفْرِدًا بِالْحَجِّ يَنْوِي بِتَلْبِيَتِهِ الْحَجَّ) لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ وَالْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (وَالتَّلْبِيَةُ أَنْ يَقُولَ : لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ ، إنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ ، لَا شَرِيكَ لَكَ) وَقَوْلُهُ إنَّ الْحَمْدَ بِكَسْرِ الْأَلِفِ لَا بِفَتْحِهَا لِيَكُونَ ابْتِدَاءً لَا بِنَاءً إذْ الْفَتْحَةُ صِفَةُ الْأُولَى ، وَهُوَ إجَابَةٌ لِدُعَاءِ الْخَلِيلِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ عَلَى مَا هُوَ الْمَعْرُوفُ فِي الْقِصَّةِ (وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُخِلَّ بِشَيْءٍ مِنْ هَذِهِ الْكَلِمَاتِ) لِأَنَّهُ هُوَ الْمَنْقُولُ بِاتِّفَاقِ الرُّوَاةِ فَلَا يَنْقُصُ عَنْهُ .

ترجمہ:

اور اگر یہ شخص صرف حج کرنے والا ہے تو تلبیہ میں صرف حج کی نیت کرے اس لئے کہ حج ایک عبادت ہے اور اعمال کا دار مدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ اور تلبیہ الفاظ یہ ہیں۔ "لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ ، إنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ ، لَا شَرِيكَ لَكَ" اس کے قول ان الحمد میں الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھے اس کو فتحہ کے ساتھ نہ پڑھے۔ تاکہ ابتداء تعریف کے ساتھ ہوجائے (پہلے والے سے) شروع نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر فتحہ پڑھا تو یہ پہلے کی صفت ہوگا۔ اور یہ جواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پکارنے کا جواب ہے۔ جس طرح واقعہ میں مشہور ہے۔ اور مذکورہ کلمات سے کم کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اہل رواۃ سے اتفاق سے یہی منقول ہے۔ اس لئے اس میں کم نہ کیا جائے ہاں البتہ اگر اس میں اضافہ کردیا تو جائز

ہے۔

فقہاء کے نزدیک تلبیہ کی شرعی حیثیت کا بیان:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلبیہ اس طرح آواز بلند کہتے سنا اور اس وقت آپ تلبید کیے ہوئے تھے۔ **لبیك اللهم لبیك لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك** ۔ یعنی حاضر ہوں میں تیری خدمت میں اے اللہ! حاضر ہوں تیری خدمت میں، میں تیری خدمت میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، حاضر ہوں میں تیری خدمت میں بے شک تمام تعریف اور ساری نعمت تیرے ہی لئے ہے اور بادشاہت بھی تیری ہی ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کلمات سے زیادہ نہیں کہتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

تلبید کرنا یہ کہ محرم (احرام باندھنے والا) اپنے سر کے بالوں میں گوند یا خطمی یا مہندی یا اور کوئی چیز لگالیتا ہے تاکہ بال آپس میں یکجا رہیں اور چپک جائیں ان میں گرد وغبار نہ بیٹھے اور جوؤں سے محفوظ رہیں۔ تلبیہ یعنی لبیک کہنے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک احرام کے صحیح ہونے کے لئے تلبیہ شرط ہے، حضرت امام مالک کہتے ہیں کہ تلبیہ واجب ہے لہٰذا تلبیہ ترک کرنے کی وجہ سے دم (جانور ذبح کرنا) لازم آتا ہے۔

حضرت امام شافعی کے ہاں تلبیہ سنت ہے اس کو ترک کرنے کی صورت میں دم لازم نہیں ہوتا۔ حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلبیہ میں اکثر اتنے ہی الفاظ کہتے تھے کیونکہ اور روایتوں میں تلبیہ کے الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ بھی منقول ہیں چنانچہ اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ تلبیہ کے جو الفاظ یہاں حدیث میں نقل کئے گئے ہیں، ان میں کمی کرنا تو مکروہ ہے زیادتی مکروہ نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

حدیث سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوگیا کہ تلبیہ آواز بلند ہونا چاہئے چنانچہ تمام علماء کے نزدیک بلند آواز سے لبیک کہنا مستحب ہے۔ (المغنی، ۳، ص ۲۴۵، بیروت)

تلبیہ کے بعد صلوٰۃ وسلام اور دعا مانگنے کا بیان:

حضرت عمارہ بن خزیمہ بن ثابت اپنے والد مکرم حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تلبیہ (یعنی لبیک کہنے) سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی خوشنودی اور جنت مانگتے اور اس کی رحمت کے ذریعہ دوزخ کی آگ سے معافی کے خواستگار ہوتے۔ (شافعی)

حنفی علماء فرماتے ہیں کہ یہ مستحب ہے کہ جو شخص تلبیہ سے فارغ ہو تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھے اور درود پڑھتے وقت اپنی آواز تلبیہ کی آواز کی بہ نسبت پست و دھیمی رکھے نیز اللہ تعالیٰ سے اس کی خوشنودی اور جنت مانگے، دوزخ کی آگ

سے اس کی پناہ چاہے اور اپنی جس دینی و دنیاوی فلاح و بھلائی کے لیے چاہے دعا مانگے۔

یہ مسئلہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ تلبیہ کرنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے ہاں اگر کوئی تلبیہ کرنے کی حالت میں سلام ہی کر لے تو اس کے سلام کو جواب دینا جائز ہے نیز حنفی علماء کے نزدیک ایک مرتبہ تلبیہ کرنا تو فرض ہے اور ایک مرتبہ سے زیادہ سنت ہے ایسی سنت کہ جس کو ترک کرنے والا برا سمجھا جاتا ہے۔

تلبیہ کے کلمات میں کمی بیشی کرنے کا بیان:

(وَلَوْ زَادَ فِيهَا جَازَ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي رِوَايَةِ الرَّبِيعِ رَحِمَهُ اللَّهُ عَنْهُ . هُوَ اعْتَبَرَهُ بِالْأَذَانِ وَالتَّشَهُّدِ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ ذِكْرٌ مَنْظُومٌ . وَلَنَا أَنَّ أَجِلَّاءَ الصَّحَابَةِ كَابْنِ مَسْعُودٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ زَادُوا عَلَى الْمَأْثُورِ ، وَلِأَنَّ الْمَقْصُودَ الثَّنَاءُ ، وَإِظْهَارُ الْعُبُودِيَّةِ فَلَا يُمْنَعُ مِنْ الزِّيَادَةِ عَلَيْهِ .

ترجمہ:

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے انہوں نے حضرت ربیع سے روایت کی ہے اور تلبیہ کو اذان اور تشہد پر قیاس کیا ہے کیونکہ ذکر بھی منظوم کلام ہے۔

جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے زیادتی نقل کی گئی ہے۔ لہذا تلبیہ کا مقصد اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اپنی بندگی کا اظہار کرنا ہے۔ اس لئے اس پر زیادتی ممنوع نہیں ہے۔

تلبیہ کے کلمات میں کمی بیشی پر فقہی مذاہب کا بیان:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ تلبیہ کے کلمات میں زیادتی کرنا نہ مستحب ہے اور نہ ہی مکروہ ہے۔ اسی طرح حضرت امام شافعی، ابن منذر نے کہا ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (فأهل رسول الله صلى الله عليه و سلم بالتوحيد لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك لبيك إن الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کلمات کے ساتھ زیادتی فرمایا کرتے تھے۔" لبيك لبيك لبيك وسعديك والخير بيديك والرغباء إليك والعمل "(متفق عليه)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کلمات کا اضافہ فرمایا کرتے تھے "لبيك ذا النعماء والفضل لبيك لبيك مرهوبا ومرغوبا إليك لبيك "

اسی طرح یہ بھی اثر وارد ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان کلمات کا اضافہ کیا کرتے تھے۔" أنسا كان يزيد

لبيك حقا حقا تعبدا ورقا"

لہذا ان آثار کی دلالت یہ ہے کہ تلبیہ کے کلمات میں زیادتی جائز ہے جس طرح احناف کا مؤقف ہے۔ اور دیگر فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کلمات کو مکرر کر دیا ہے۔ (المغنی، ۳، ص ۲۵۰، بیروت)

تلبیہ کے کلمات میں زیادتی کے جواز میں فقہ حنفی کے تائیدی دلائل:

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے تلبیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھی۔ آپ فرما رہے تھے لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ حضرت ابن عمر مزید یہ بھی پڑھتے لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ .

(سنن ابن ماجه حج)

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تلبیہ یہ تھا لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ .

حضرت ابو ہریرہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلبیہ میں یہ بھی ارشاد مبارکہ فرمایا لَبَّيْكَ إِلَهَ الْحَقِّ لَبَّيْكَ .

حضرت سہل بن سعد ساعدی بیان فرماتے ہیں کہ جو (شخص بھی) تلبیہ کہنے والا تلبیہ کہتا ہے تو اس کے دائیں بائیں زمین کے دونوں کناروں تک سب پتھر درخت اور ڈھیلے بھی (اس کے ساتھ) تلبیہ کہتے ہیں۔

حضرت سائب بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور مجھے حکم دیا کہ اپنے ساتھیوں کو تلبیہ بلند آواز سے کہنے کا حکم دوں۔

حضرت زید بن خالد جہنی فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبرا ییل علیہ السلام آئے اور فرمایا اے محمد اپنے ساتھیوں کو بلند آواز سے تلبیہ کہنے کا حکم دو کیونکہ تلبیہ حج کا شعار (اور نشانی) ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ (دوران حج) کون سا عمل سب زیادہ فضیلت والا ہے؟ ارشاد فرمایا پکار کر لبیک کہنا اور قربانی کا خون بہانا۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الحج)

لبیک کے الفاظ جو مذکور ہوئے اُن میں کمی نہ کی جائے، زیادہ کر سکتے ہیں بلکہ بہتر ہے مگر زیادتی آخر میں ہو درمیان میں نہ ہو۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب الحج)

جو شخص بلند آواز سے لبیک کہہ رہا ہے تو اُس کو اس حالت میں سلام نہ کیا جائے کہ مکروہ ہے اور اگر کر لیا تو ختم کر کے جواب دے، ہاں اگر جانتا ہو کہ ختم کرنے کے بعد جواب کا موقع نہ ملے گا تو اس وقت جواب دے سکتا ہے۔ (منسک)

احرام کے لیے ایک مرتبہ زبان سے لبیک کہنا ضروری ہے اور اگر اس کی جگہ سُبْحَانَ اللهِ، یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ

یا کوئی اور ذکرِ الٰہی کیا اور احرام کی نیت کی تو احرام ہو گیا مگر سنت لبیک کہنا ہے۔ گونگا ہو تو اُسے چاہیے کہ ہونٹ کو جنبش دے۔ (عالمگیری وغیرہ)

عمرہ یا حج کا احرام باندھنے کے بعد تلبیہ کہنے کا حکم ہے:

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ا یَقُوْلُ :یَا آلَ مُحَمَّدٍ ا مَنْ حَجَّ مِنكُمْ فَلْیُهَلِّلْ فِیْ حَجَّةٍ .رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ حَبَّانَ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والو تم میں سے جو شخص حج کرے اسے تلبیہ پکارنا چاہئے۔ اسے احمد اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

تلبیہ کہنے کی فضیلت:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِیُّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ا قَالَ)(مَا مِنْ مَلَبٍّ یُلَبِّیْ اِلَّا لَبَّی مَا عَنْ یَمِیْنِهٖ وَشِمَالِهٖ مِنْ حَجَرٍ اَوْ شَجَرٍ اَوْ مَدَرٍ حَتّٰی تَنْقَطِعَ الْاَرْضُ مِنْ هَاهُنَا وَهَاهُنَا () رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ (صحیح)

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی تلبیہ کہنے والا تلبیہ کہتا ہے تو اس کے دائیں اور بائیں زمین کے آخری کناروں تک تمام پتھر درخت اور کنکر بھی لبیک پکارتے ہیں۔ (جس کا ثواب تلبیہ کہنے والے کو ملتا ہے)۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تلبیہ کے مسنون الفاظ درج ذیل ہیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ تَلْبِیَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ا:لَبَّیْكَ اللّٰهُمَ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لاَ شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لاَ شَرِیْكَ لَكَ .رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ کے الفاظ یہ تھے۔ حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں بیشک حمد تیرے ہی لائق ہے ساری نعمتیں تیری ہی دی ہوئی ہیں۔ بادشاہی تیری ہی ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

تلبیہ کے لئے درج ذیل الفاظ کہنے بھی مسنون ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ص قَالَ کَانَ مِنْ تَلْبِیَةِ النَّبِیِّ ا لَبَّیْكَ اِلٰهَ الْحَقِّ . رَوَاهُ النِّسَائِیُّ (صحیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تلبیہ کے لئے یہ الفاظ بھی ادا فرماتے اے الٰہ الحق! میں حاضر ہوں۔ اسے نسائی نے روایت کیا ہے۔

حج کا احرام باندھنے اور تلبیہ کہنے کے بعد ایک مرتبہ ''اَللّٰهُمَّ حِجَّةٌ لاَ رِیَاءَ فِیْهَا وَلاَ سُمْعَةَ'' کہنا مسنون ہے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ص قَالَ حَجَّ النَّبِیُّ ا عَلَی رَحْلٍ رَثٍّ وَقَطِیْفَةٍ تُسَاوِیْ اَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ اَوْ لاَ تَسَاوِیْ ثُمَّ قَالَ :اَللّٰهُمَّ حِجَّةٌ لاَ رِیَاءَ فِیْهَا وَلاَ سُمْعَةَ .رَوَاهُ ابْنِ مَاجَةَ (صحیح)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی سواری پر حج کیا جس کی زین پرانی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر ایسی چادر تھی جو چار درہم یا اس سے بھی کم قیمت کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے یا اللہ! میں ایسا حج کر رہا ہوں جس میں نہ ریاء ہے نہ کسی شہرت کی طلب مقصود ہے۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

جب تلبیہ پڑھا تو محرم ہو گیا:

قَالَ (وَإِذَا لَبَّی فَقَدْ أَحْرَمَ) یَعْنِی إِذَا نَوَی لِأَنَّ الْعِبَادَةَ لَا تَتَأَدَّی إِلَّا بِالنِّیَّةِ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ یَذْکُرْهَا لِتَقْدِیمِ الْإِشَارَةِ إِلَیْهَا فِی قَوْلِهِ " اللَّهُمَّ إِنِّی أُرِیدُ الْحَجَّ " (وَلَا یَصِیرُ شَارِعًا فِی الْإِحْرَامِ بِمُجَرَّدِ النِّیَّةِ مَا لَمْ یَأْتِ بِالتَّلْبِیَةِ) خِلَافًا لِلشَّافِعِیِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ عَقْدَ عَلَی الْأَدَاءِ فَلَا بُدَّ مِنْ ذِکْرٍ کَمَا فِی تَحْرِیمَةِ الصَّلَاةِ ، وَیَصِیرُ شَارِعًا بِذِکْرٍ یَقْصِدُ بِهِ التَّعْظِیمَ سِوَی التَّلْبِیَةِ فَارِسِیَّةً کَانَتْ أَوْ عَرَبِیَّةً ، هَذَا هُوَ الْمَشْهُورُ عَنْ أَصْحَابِنَا رَحِمَهُمْ اللَّهُ تَعَالَی .

وَالْفَرْقُ بَیْنَهُ وَبَیْنَ الصَّلَاةِ عَلَی أَصْلِهِمَا أَنَّ بَابَ الْحَجِّ أَوْسَعُ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ ، حَتَّی یُقَامَ غَیْرُ الذِّکْرِ مَقَامَ الذِّکْرِ کَتَقْلِیدِ الْبُدْنِ فَکَذَا غَیْرُ التَّلْبِیَةِ وَغَیْرُ الْعَرَبِیَّةِ .

ترجمہ:

فرمایا: جب وہ تلبیہ کہے اور احرام باندھ لے تو وہ نیت کرے کیونکہ نیت کے بغیر عبادت کی ادائیگی نہیں ہوتی۔ لیکن صاحب قدوری نے نیت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ نیت کی جانب اس کا یہ قول ''اللّٰھُمَّ إِنِّی أُرِیدُ الْحَج'' بطور اشارہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور وہ صرف نیت سے احرام باندھنے والا نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ وہ تلبیہ نہ پڑھ لے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے کیونکہ احرام ان کے نزدیک ایک عقد کا نام ہے لہذا اس کی ادا پر ذکر کرنا ضروری ہے۔ جس طرح نماز میں تکبیر تحریمہ ہے۔ اور ایسے ذکر سے ابتداء کرنے والا ہو گا جس سے تعظیم کا قصد ہو۔ سوائے تلبیہ

کے خواہ وہ تلبیہ فارسی میں یا عربی میں ہو۔ ہمارے اصحاب سے یہی مشہور ہے۔

صاحبین کی دلیل کے مطابق نماز اور حج میں فرق یہ ہے کہ حج کا باب نماز کے باب سے بہت زیادہ وسعت والا ہے لہٰذا غیر ذکر ذکر کے قائم مقام ہوگیا۔ جس طرح بدنہ کے گلے میں قلادہ ڈالنا ہے پس اسی طرح ہی تلبیہ اور وہ عربی کے سوا ہے۔

تلبیہ کی ابتداء کرنے کا فقہی مفہوم:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت سیدنا عبید بن جریج سے روایت ہے کہ انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! میں نے تمہیں چار ایسے کام کرتے ہوئے دیکھا ہے جو تمہارے ساتھیوں میں سے کسی کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ اے جریج کے بیٹے! وہ کونسے کام ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اوّل یہ کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم کعبہ کے کونوں میں سے (طواف کے وقت) ہاتھ نہیں لگاتے ہو مگر دو کونوں کو جو یمن کی طرف ہیں۔ دوسرے یہ کہ تم سبتی جوتے پہنتے ہو۔ تیسرے یہ کہ (زعفران وورس وغیرہ سے داڑھی) رنگتے ہو۔ چوتھے یہ کہ جب تم مکہ میں ہوتے تھے، تو لوگوں نے چاند دیکھتے ہی لبیک پکارنا شروع کر دی تھی مگر آپ نے آٹھ ذی الحجہ کو پکاری۔ پس سیدنا عبداللہؓ نے جواب دیا کہ (سنو!) ارکان تو میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ان کو چھوتے ہوں سوا ان کے جو یمن کی طرف ہیں اور سبتی جوتے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ بھی ایسے جوتے پہنتے تھے جس میں بال نہ ہوں اور اسی میں وضو کرتے تھے (یعنی وضو کر کے گیلے پیر میں اس کو پہن لیتے تھے) پس میں بھی اس کو دوست رکھتا ہوں کہ میں بھی اسی کو پہنوں۔ رہی زردی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ بھی اس سے رنگتے تھے (یعنی بالوں کو یا کپڑوں کو) تو میں بھی پسند کرتا ہوں کہ اس سے رنگوں اور لبیک، تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے لبیک پکارا ہو مگر جب اونٹنی آپ ﷺ کو سوار کر کے اٹھی (یعنی مسجد ذوالحلیفہ کے پاس)۔ (صحیح مسلم کتاب الحج)

تلبیہ کی ابتداء کے بارے میں مذاہب اربعہ کا بیان:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے پاؤں رکاب میں ڈالے اور اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر کھڑی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالحلیفہ کی مسجد کے قریب تلبیہ کیا (یعنی بآواز بلند لبیک کہی) (بخاری ومسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر رخت سفر باندھا اور ظہر کی نماز مدینہ میں پڑھ کر روانہ ہوئے۔ عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی جو اہل مدینہ کے لئے میقات ہے رات وہیں گزاری اور پھر صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام باندھا۔

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر اور اونٹ کے کھڑے ہو جانے کے بعد لبیک کہی جب ایک دوسری روایت میں یہ منقول ہے کہ احرام کے لیے بہ نیت نفل دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد لبیک کہی نیز ایک

روایت یہ بتاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیداء پہنچ کر جو ایک بلند جگہ کا نام ہے لبیک کہی اس طرح لبیک کہنے کے وقت کے سلسلہ میں تین طرح کی روایتیں منقول ہیں۔

چنانچہ حضرت امام شافعی نے تو پہلی روایت پر کہ جو یہاں نقل کی گئی ہے عمل کرتے ہوئے کہا کہ اونٹ پر (یا جو بھی سواری ہو اس پر) بیٹھ کر لبیک کہی جائے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد نے دوسری روایت کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا ان تینوں ائمہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھنے کے بعد احرام کی نیت کی جائے اور پھر وہیں مصلیٰ پر بیٹھے ہی ہوئے لبیک کہے تو یہ جائز ہے لیکن نماز کے بعد ہی لبیک کہنا افضل ہے۔

اب ان تینوں روایتوں کے تضاد کو اس تطبیق کے ساتھ دور کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھ کر مصلےٰ پر بیٹھے ہوئے لبیک کہی پھر جب اونٹنی پر بیٹھے تو اس وقت بھی لبیک کہی اور اس کے بعد جب مقام بیداء پر پہنچے تو وہاں بھی لبیک کہی چنانچہ علماء نے اسی لیے لکھا ہے کہ حالت وقت اور جگہ کے تغیرات کے وقت لبیک کی تکرار مستحب ہے۔

بہر کیف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح تین مرتبہ لبیک کہی اور جس راوی نے جہاں لبیک کہتے سنا وہ یہ سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہیں سے لبیک کہنی شروع کی ہے اس لئے ہر ایک راوی نے اپنے سننے کے مطابق ذکر کر دیا۔ اس تطبیق و توجیہ کی بنیاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جسے شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں شرح کتاب خرقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

حلالی کے تلبیہ پڑھنے میں مذاہب اربعہ کا بیان:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسن، امام نخعی، عطاء بن سائب، حضرت امام شافعی، حضرت ابوثور، ابن منذر اور اصحاب رائے نے کہا ہے کہ حلالی شخص کیلئے تلبیہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ (المغنی، ج ۳، ص ۲۵۶، بیروت)

ولا بأس أن يلبى الحلال وبه قال الحسن و النخعى و عطاء بن السائب و الشافعى و أبو ثور و ابن المنذر و أصحاب الرأى و كرهه مالك ۔ (المغنى)

محرم کیلئے فسق وجدال سے ممانعت کا حکم:

قَالَ (وَيَتَّقِي مَا نَهَى اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ مِنَ الرَّفَثِ وَالْفُسُوقِ وَالْجِدَالِ) وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى (فَلا رَفَثَ وَلا فُسُوقَ وَلا جِدَالَ فِي الْحَجِّ) فَهَذَا نَهْيٌ بِصِيغَةِ النَّفْيِ . وَالرَّفَثُ الْجِمَاعُ أَوْ الْكَلَامُ الْفَاحِشُ ، أَوْ ذِكْرُ الْجِمَاعِ بِحَضْرَةِ النِّسَاءِ وَالْفُسُوقُ الْمَعَاصِي

وَهُوَ فِي حَالِ الْإِحْرَامِ أَشَدُّ حُرْمَةً ، وَالْجِدَالُ أَنْ يُجَادِلَ رَفِيقَهُ ، وَقِيلَ : مُجَادَلَةُ الْمُشْرِكِينَ فِي تَقْدِيمِ وَقْتِ الْحَجِّ وَتَأْخِيرِهِ .

ترجمہ:

اور احرام والا ان چیزوں سے پرہیز کرے جن سے اللہ تعالی نے منع کیا ہے۔ وہ رفث، فسق اور جدال ہیں۔ اور اس میں دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ حج میں کوئی رفث، فسوق اور جدال نہیں ہے۔ یہ صیغہ نفی کے ساتھ نہی ہے۔ اور رفث جماع یا برے کلام کو کہتے ہیں یا عورتوں کی موجودگی میں جماع کی باتوں کو کہتے ہیں۔ اور فسوق معصیت کو کہتے ہیں۔ جو احرام کی حالت میں شدید ترین حرام ہے۔ اور جدال یہ ہے کہ اپنے ساتھی کے ساتھ جھگڑا کیا جائے۔ اور اسکا معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حج سے پہلے یا بعد میں مشرکین سے جھگڑا کرنا مراد ہے۔

حالت احرام میں رفث کی ممانعت کا بیان:

(رفث) سے مراد جماع ہے جیسے اور جگہ قرآن میں ہے آیت (احل لکم لیلة الصیام الرفث الی نسائکم) یعنی روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کرنا تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے، احرام کی حالت میں جماع اور اس کے تمام مقدمات بھی حرام ہیں جیسے مباشرت کرنا، بوسہ لینا، ان باتوں کا عورتوں کی موجودگی میں ذکر کرنا۔ گو بعض نے مردوں کی محفلوں میں بھی ایسی باتیں کرنے کو دریافت کرنے پر فرمایا کہ عورتوں کے سامنے اس قسم کی باتیں کرنا رفث ہے۔

رفث کا ادنی درجہ یہ ہے کہ جماع وغیرہ کا ذکر کیا جائے، فحش باتیں کرنا، دبی زبان سے ایسے ذکر کرنا، اشاروں کنایوں میں جماع کا ذکر، اپنی بیوی سے کہنا کہ احرام کھل جائے تو جماع کریں گے، چھیڑ چھاڑ کرنا، مساس کرنا وغیرہ یہ سب رفث میں داخل ہے اور احرام کی حالت میں یہ سب باتیں حرام ہیں مختلف مفسروں کے مختلف اقوال کا مجموعہ یہ ہے۔ فسوق کے معنی عصیان و نافرمانی شکار گالی گلوچ وغیرہ بدزبانی ہے جیسے حدیث میں ہے مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔

امام بخاری و مسلم اپنی اسانید کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے لئے حج کرے اور حج کے دوران نہ ہم بستری اپنی عورت سے کرے اور نہ فسق میں مبتلا ہو تو وہ اس طرح بے گناہ ہو کر واپس آتا ہے جیسے اس دن بے گناہ تھا کہ جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا۔ (بخاری و مسلم)

جو شخص اللہ کے لئے حج کرے کا مطلب یہ ہے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اور صرف اس کے حکم کی بجا آوری کے لئے حج کرے، دکھانے، سنانے کا جذبہ یا غرض و مقصد پیش نظر نہ ہو۔ اس سلسلے میں اتنی بات ضرور جان لینی چاہئے کہ جو شخص حج اور تجارت یا مال وغیرہ لانے، دونوں کے قصد سے حج کے لئے جائے گا تو اسے ثواب کم ملے گا بہ نسبت اس شخص کے جو صرف حج کے لئے جائے گا کہ اسے ثواب زیادہ ملے گا۔

رفث کے معنی ہیں جماع کرنا، فحش گوئی میں مبتلا ہونا اور عورتوں کے ساتھ ایسی باتیں کرنا جو جماع کا داعیہ اور اس کا پیش خیمہ بنتی ہے۔

اور نہ فسق میں مبتلا ہو کا مطلب یہ ہے کہ حج کے دوران گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرے۔ یہ ذہن میں رہے کہ گناہوں سے توبہ نہ کرنا بھی کبیرہ گناہوں ہی میں شمار ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی سے واضح ہوتا ہے آیت (ومن لم یتب فاولئك هم الظالمون) ۔اور جس نے توبہ نہیں کی تو یہی وہ ہیں جو اپنے حق میں ظالم ہیں۔

حاصل یہ کہ جو شخص خالصۃً للہ حج کرے اور اس حج کے دوران جماع اور فحش گوئی میں مبتلا نہ ہو اور نہ گناہ کی دوسری چیزوں کو اختیار کرے تو گناہ سے ایسا ہی پاک وصاف ہو کر حج سے واپس آتا ہے جیسا کہ گناہوں سے پاک وصاف ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

محرم شکار یا اس کی طرف دلالت بھی نہ کرے:

(وَلَا يَقْتُلُ صَيْدًا) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ) (وَلَا يُشِيرُ إلَيْهِ وَلَا يَدُلُّ عَلَيْهِ) لِحَدِيثِ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (أَنَّهُ أَصَابَ حِمَارَ وَحْشٍ وَهُوَ حَلَالٌ وَأَصْحَابُهُ مُحْرِمُونَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِأَصْحَابِهِ : هَلْ أَشَرْتُمْ ؟ هَلْ دَلَلْتُمْ ؟ هَلْ أَعَنْتُمْ ؟ فَقَالُوا : لَا ، فَقَالَ : إذًا فَكُلُوا) وَلِأَنَّهُ إزَالَةُ الْأَمْنِ عَنْ الصَّيْدِ لِأَنَّهُ آمِنٌ بِتَوَحُّشِهِ وَبُعْدِهِ عَنْ الْأَعْيُنِ

ترجمہ:

اور وہ شکار نہ کرے کیونکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: تم حالت احرام میں شکار نہ کرو۔ اور شکار کی طرف دلالت بھی نہ کرے۔ کیونکہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے غیر احرام کی حالت میں گورخر کا شکار کیا اور ان کے ساتھی حالت احرام میں تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر کھالو۔ کیونکہ شکار سے مراد امن کو دور کرنا ہے کیونکہ شکار اپنی وحشت اور نظروں سے دور ہونے کی وجہ سے امن میں ہوتا ہے۔

حالت احرام ممانعت شکار میں مذاہب اربعہ کا بیان:

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ محرم شکار نہ کرے نہ اس کی طرف دلالت کرے۔ نہ کسی حلال یا حرام کی طرف دلالت کرے۔ اور محرم کیلئے شکار کی ممانعت کا حکم تمام ائمہ کے اجماع سے ہے کیونکہ اس کی ممانعت کے بارے نص وارد ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ تم حالت احرام میں شکار نہ کرو۔ اور اسی طرح یہ نص ہے کہ تم پر حرم میں خشکی کا شکار حرام ہے لہذا جب تک احرام میں ہو اس نص میں اس کی طرف صیادت ودلالت کی ممانعت موجود ہے۔ اسی طرح حدیث ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے استدلال بھی اسی

طرح ہے۔(المغنی، ج ۳، ص ۲۷۵، بیروت)

،امام ابن جریر کے نزدیک بھی قول مختار یہی ہے کہ مراد طعام سے وہ آبی جانور ہیں جو پانی میں ہی مر جائیں، فرماتے ہیں اس بارے میں ایک روایت مروی ہے گو بعض نے اسے موقوف روایت کہا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے آپ نے آیت (احل لکم صید البحر و طعامہ متاعا لکم) پڑھ کر فرمایا اس کا طعام وہ ہے جسے وہ پھینک دے اور وہ مرا ہوا ہو۔ بعض لوگوں نے اسے بقول ابو ہریرہ موقوف روایت کیا ہے، پھر فرماتا ہے یہ منفعت ہے تمہارے لئے اور راہ رو مسافروں کے لئے، یعنی جو سمندر کے کنارے رہتے ہوں اور جو وہاں وارد ہوئے ہوں، پس کنارے رہنے والے تو تازہ شکار خود کھیلتے ہیں پانی جسے دھکے دے کر باہر پھینک دے اور مر جائے اسے کھا لیتے ہیں اور نمکین ہو کر دور دراز والوں کو سوکھا ہوا پہنچتا ہے۔

الغرض جمہور علماء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ پانی کا جانور خواہ مردہ ہی ہو حلال ہے اس کی دلیل علاوہ اس آیت کے امام مالک کی روایت کردہ وہ حدیث بھی ہے کہ حضور نے سمندر کے کنارے پر ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا جس کا سردار حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالٰی عنہ کو مقرر کیا، یہ لوگ کوئی تین سو تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں میں بھی ان میں سے تھا ہم ابھی راستے میں ہی تھے جو ہمارے توشے تھے ختم ہو گئے، امیر لشکر کو جب یہ علم ہوا تو حکم دیا کہ جو کچھ جس کسی کے پاس ہو میرے پاس لاؤ چنانچہ سب جمع کر لیا اب حصہ رسدی کے طور پر ایک مقررہ مقدار ہر ایک کو بانٹ دیتے تھے یہاں تک کہ آخر میں ہمیں ہر دن ایک ایک کھجور ملنے لگی آخر میں یہ بھی ختم ہو گئی۔ اب سمندر کے کنارے پہنچ گئے دیکھتے ہیں کہ کنارے پر ایک بڑی مچھلی ایک ٹیلے کی طرح پڑی ہوئی ہے، سارے لشکر نے اٹھارہ راتوں تک اسے کھایا، وہ اتنی بڑی تھی کہ اس کی دو پسلیاں کھڑی کی گئیں تو اس کے نیچے سے ایک شتر سوار نکل گیا اور اس کا سر اس پسلی کی ہڈی تک نہ پہنچا، یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے ایک اور روایت میں ہے کہ اس کا نام عنبر تھا ایک روایت میں ہے کہ یہ مردہ ملی تھی اور صحابہ نے آپس میں کہا تھا کہ ہم رسول اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور اس وقت سخت دقت اور تکلیف میں ہیں اسے کھا لو ہم تین سو آدمی ایک مہینے تک وہیں رہے اور اسی کو کھاتے رہے یہاں تک کہ ہم موٹے تازے اور تیار ہو گئے اس کی آنکھ کے سوراخ میں سے ہم چربی ہاتھوں میں بھر بھر کر نکالتے تھے تیرہ شخص اس کی آنکھ کی گہرائی میں بیٹھ گئے تھے، اس کی پسلی کی ہڈی کے درمیان سے سانڈنی سوار گزر جاتا تھا ،ہم نے اس کے گوشت اور چربی سے مٹکے بھر لئے جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس پہنچے اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ اللہ کی طرف سے روزی تھی جو اللہ جل مجدہ نے تمہیں دی کیا اس کا گوشت اب بھی تمہارے پاس ہے؟ اگر ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ، ہمارے پاس تو تھا ہی ہم نے حضور کی خدمت میں پیش کیا اور خود آپ نے بھی کھایا،

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اس واقعہ میں خود پیغمبر اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے اس وجہ سے بعض محدثین کہتے ہیں کہ ممکن ہے یہ دو واقع ہوں اور بعض کہتے ہیں واقعہ تو ایک ہی ہے، شروع میں اللہ کے نبی بھی ان کے ساتھ تھے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ہم سمندر کے سفر کو جاتے ہیں ہمارے ساتھ پانی بہت کم ہوتا ہے اگر اسی سے وضو کرتے ہیں

تو پیاسے رہ جائیں تو کیا ہمیں سمندر کے پانی سے وضو کر لینے کی اجازت ہے؟ حضور نے فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے، امام شافعی امام احمد اور سنن اربعہ والوں نے اسے روایت کیا ہے۔

امام بخاری امام ترمذی امام ابن خزیمہ امام ابن حبان وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے صحابہ کی ایک جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے مثل روایت کیا ہے، ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے حضرت ابو ہیریرہ فرماتے ہیں ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج یا عمرے میں تھے اتفاق سے ٹڈیوں کا دل کا دل آ پہنچا ہم نے انہیں مارنا اور پکڑنا شروع کیا لیکن پھر خیال آیا کہ ہم تو احرام کی حالت میں ہیں انہیں کیا کریں گے؟ چنانچہ ہم نے جا کر حضور علیہ السلام سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دریائی جانوروں کے شکار میں کوئی حرج نہیں۔

ابن ماجہ میں ہے کہ جب ٹڈیاں نکل آتیں اور نقصان پہنچاتیں تو رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم اللہ تعالٰی سے دعا کرتے کہ اے اللہ ان سب کو خاہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی ہلاک کر ان کے انڈے تباہ کر ان کا سلسلہ کاٹ دے اور ہماری معاش سے ان کے منہ بند کر دیے یا اللہ ہمیں روزیاں دے یقیناً تو دعاؤں کا سننے والا ہے، حضرت خالد نے کہا یا رسول اللہ آپ ان کے سلسلہ کے کٹ جانے کی دعا کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی ایک قسم کی مخلوق ہے آپ نے فرمایا ان کی پیدائش کی اصل مچھلی سے ہے، حضرت زیاد کا قول ہے کہ جس نے انہیں مچھلی سے ظاہر ہوتے دیکھا تھا خود اسی نے مجھ سے بیان کیا ہے۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے حرم میں ٹڈی کے شکار سے بھی منع کیا ہے جن فقہا کرام کا یہ مذہب ہے کہ سمندر میں جو کچھ ہے سب حلال ہے ان کا استدلال اسی آیت سے ہے وہ کسی آبی جانور کو حرام نہیں کہتے حضرت ابوبکر صدیق کا وہ قول بیان ہو چکا ہے کہ طعام سے مراد پانی میں رہنے والی ہر ایک چیز ہے، بعض حضرات نے صرف مینڈک کو اس حکم سے الگ کر لیا ہے اور مینڈک کے سوا پانی کے تمام جانوروں کو وہ مباح کہتے ہیں کیونکہ مسند وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کے مارنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی آواز اللہ کی تسبیح ہے، بعض اور کہتے ہیں سمندر کے شکار سے مچھلی کھائی جائے گی اور مینڈک نہیں کھایا جائے گا اور باقی کی چیزوں میں اختلاف ہے کچھ تو کہتے ہیں کہ باقی سب حلال ہے اور کچھ کہتے ہیں باقی سب نہ کھایا جائے ،ایک جماعت کا خیال ہے کہ خشکی کے جو جانور حلال ہیں ان جیسے جو جانور پانی کے ہوں وہ بھی حلال ہیں اور خشکی کے جو جانور حرام ہیں ان کی مشابہت کے جو جانور تری کے ہوں وہ بھی حرام۔

یہ سب وجوہ مذہب شافعی میں ہیں حنفی مذہب یہ ہے کہ سمندر میں مر جائے اس کا کھانا حلال نہیں جیسے کہ خشکی میں از خود مرے ہوئے جانور کا کھانا حلال نہیں کیونکہ قرآن نے اپنی موت آپ مرے ہوئے جانور کو آیت (حرمت علیکم المیتتہ) میں حرام کر دیا ہے اور یہ عام ہے، ابن مردویہ میں حدیث ہے کہ جو تم شکار کر لو اور وہ زندہ ہو پھر مر جائے تو اسے کھا لو اور جسے پانی آپ ہی پھینک دے اور وہ مرا ہوا الٹا پڑا ہوا ہو اسے نہ کھاؤ، لیکن یہ حدیث مسند کی رو سے منکر ہے صحیح نہیں، مالکیوں شافعیوں اور حنبلیوں کی دلیل ایک تو ہی عنبر والی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ سمندر کا پانی پاک اور اس کا مردہ حلال

کئے گئے ہیں دو مردے مچھلی اور ٹڈی اور دو خون کلیجی اور تلی، یہ حدیث مسند احمد ابن ماجہ دار قطنی اور بیہقی میں بھی ہے اور اس کے سواہد بھی ہیں اور یہی روایت موقوفاً بھی مروی ہے، واللہ اعلم،

پھر فرماتا ہے کہ تم پر احرام کی حالت میں شکار کھیلنا حرام ہے، پس اگر کسی احرام والے نے شکار کر لیا اور اگر قصداً کیا ہے تو اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا اور گنہگار بھی ہوگا اور اگر خطا اور غلطی سے شکار کر لیا ہے تو اسے کفارہ دینا پڑے گا اور اس کا کھانا اس پر حرام ہے خواہ وہ احرام والے ہوں یا نہ ہوں۔ عطا قاسم سالم ابو یوسف محمد بن حسن وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں، پھر اگر اسے کھا لیا تو عطا وغیرہ کا قول ہے کہ اس پر دو کفارے لازم ہیں۔

لیکن امام مالک وغیرہ فرماتے ہیں کہ کھانے میں کوئی کفارہ نہیں، جمہور بھی امام صاحب کے ساتھ ہیں، ابو عمر نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ جس طرح زانی کے کئی زنا پر حد ایک ہی ہوتی ہے،

حضرت ابوحنیفہ کا قول ہے کہ شکار کر کے کھانے والے کو اس کی قیمت بھی دینی پڑے گی، ابو ثور کہتے ہیں کہ محرم نے جب کوئی شکار مارا تو اس پر جزا ہے، ہاں اس شکار کا کھانا اس کیلئے حلال ہے لیکن میں اسے اچھا نہیں سمجھتا، کیونکہ فرمان رسول ہے کہ خشکی کے شکار کو کھانا تمہارے لئے حلال ہے جب تک کہ تم آپ شکار نہ کرو اور جب تک کہ خاص تمہارے لئے شکار نہ کیا جائے، اس حدیث کا تفصیلی بیان آگے آ رہا ہے، ان کا یہ قول غریب ہے، ہاں شکاری کے سوا اور لوگ بھی اسے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، بعض تو منع کرتے ہیں جیسے پہلے گزر چکا اور بعض جائز بتاتے ہیں ان کی دلدل وہی حدیث ہے جو اوپر ابو ثور کے قول کے بیان میں گزری، واللہ اعلم، اگر کسی ایسے شخص نے شکار کیا جو احرام باندھے ہوئے نہیں پھر اس نے کسی احرام والے کو وہ جانور ہدیئے میں دیا تو بعض تو کہتے ہیں کہ یہ مطلقاً حلال ہے خواہ اسی کی نیت سے شکار کیا ہو خواہ اس کے لئے شکار نہ کیا ہو،

حضرت عمر حضرت ابو ہریرہ حضرت زبیر حضرت کعب احبار حضرت مجاہد، حضرت عطا، حضرت سعید بن جیر اور کوفیوں کا یہی خیال ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ غیر محرم کے شکار کو محرم کھا سکتا ہے؟ تو آپ نے جواز کا فتوی دیا، جب حضرت عمر کو یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا اگر تو اس کے خلاف فتوی دیتا تو میں تیری سزا کرتا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی محرم کو اس کا کھانا درست نہیں، ان کی دلیل اس آیت کے کا عموم ہے حضرت ابن عباس اور ابن عمر سے بھی یہی مروی ہے اور بھی صحابہ تابعین اور ائمہ دین اس طرف گئے ہیں۔

تیسری جماعت نے اس کی تفصیل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی غیر محرم نے کسی محرم کے ارادے سے شکار کیا ہے تو اس محرم کو اس کا کھانا جائز نہیں، ورنہ جائز ہے ان کی دلیل حضرت صعب بن جثامہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوا کے میدان میں یا ودان کے میدان میں ایک گورخر شکار کردہ بطور ہدیئے کے دیا تو آپ نے اسے واپس کر دیا جس سے صحابی رنجیدہ ہوئے، آثار رنج ان کے چہرے پر دیکھ کر رحمتہ للعالمین نے فرمایا اور کچھ خیال نہ کرو ہم نے بوجہ احرام میں ہونے کے ہی اسے واپس کیا ہے، یہ حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے، تو یہ لوٹانا آپ کا اسی وجہ سے تھا کہ آپ نے سمجھ لیا تھا کہ اس نے یہ شکار خاص میرے

لئے ہی کیا ہے اور جب شکار محرم کیلئے ہی نہ ہو تو پھر اسے قبول کرنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت ابو قتادہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے بھی جبکہ وہ احرام کی حالت میں نہ تھے ایک گورخر شکار کیا صحابہ جو احرام میں تھے انہوں نے اس کے کھانے میں توقف کیا اور حضور سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے اسے اشارہ کیا تھا؟ یا اسے کوئی مدد دی تھی؟ سب نے انکار کیا تو آپ نے فرمایا پھر کھا لو اور خود آپ نے بھی کھایا یہ واقعہ بھی بخاری و مسلم میں موجود ہے،

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگلی شکار کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اس حالت میں بھی کہ تم احرام میں ہو جب تک کہ خود تم نے شکار نہ کیا ہو اور جب تک کہ خود تمہارے لئے شکار نہ کیا گیا ہو، ابو داؤد ترمذی نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے،

امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی مطلب کا جابر سے سننا ثابت نہیں، ربیعہ فرماتے ہی کہ عرج میں جناب خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ تھے، آپ احرام کی حالت میں تھے جاڑوں کے دن تھے ایک چادر سے آپ منہ ڈھکے ہوئے تھے کہ آپ کے سامنے شکار کا گوشت پیش کیا گیا تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا تم کھا لو انہوں نے کہا اور آپ کیوں نہیں کھاتے؟ فرمایا مجھ میں تم میں فرق ہے یہ شکار میرے ہی لئے کیا گیا ہے اس لئے میں نہیں کھاؤں گا تمہارے لئے نہیں گیا اس لئے تم کھا سکتے ہو۔ (ابن کثیر، مائدہ، ۹۶)

محرم کیلئے قمیص، پاجامہ، عمامہ اور موزے پہننے کی ممانعت کا بیان:

قَالَ (وَلَا يَلْبَسُ قَمِيصًا وَلَا سَرَاوِيلَ وَلَا عِمَامَةً وَلَا خُفَّيْنِ إلَّا أَنْ لَا يَجِدَ نَعْلَيْنِ فَيَقْطَعُهُمَا أَسْفَلَ مِنْ الْكَعْبَيْنِ) لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (نَهَى أَنْ يَلْبَسَ الْمُحْرِمُ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ) وَقَالَ فِي آخِرِهِ (وَلَا خُفَّيْنِ إلَّا أَنْ لَا يَجِدَ نَعْلَيْنِ فَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنْ الْكَعْبَيْنِ) وَالْكَعْبُ هُنَا الْمِفْصَلُ الَّذِي فِي وَسَطِ الْقَدَمِ عِنْدَ مَعْقِدِ الشِّرَاكِ دُونَ النَّاتِءِ فِيمَا رَوَى هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ .

ترجمہ:

اور احرام والا قمیص، پائجامہ، عمامہ اور موزے نہ پہنے۔ لیکن یہ ہے جب جوتیاں نہ ہوں تو ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے کیونکہ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان چیزوں کو پہننے سے منع فرمایا ہے۔ اور اسی روایت کے آخر میں یہ فرمایا: کہ وہ موزے نہ پہنے ہاں البتہ جب وہ جوتے نہ پائے تو ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے۔

حضرت ہشام علیہ الرحمہ نے حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت کی ہے اس میں یہ حکم ہے کہ یہاں کعب سے مراد قدم کا درمیان حصہ ہے۔ جو قدم میں تسمہ باندھنے والے جوڑ کا نام ہے۔

محرم کے ممنوع لباس میں فقہی مذاہب اربعہ کی تصریحات:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ محرم کپڑوں میں سے کیا چیزیں پہن سکتا ہے اور کیا چیزیں نہیں پہن سکتا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو قمیص و کرتہ پہنو، نہ عمامہ باندھو، نہ پاجامہ پہنو، نہ برنس اوڑھو اور نہ موزے پہنو، ہاں جس شخص کے پاس جوتے نہ ہوں وہ موزے پہن سکتا ہے مگر اس طرح کہ موزہ دونوں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے، نیز کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جس پر زعفران یا ورس لگی ہو۔ (بخاری ومسلم)

بخاری نے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ محرم عورت نقاب نہ ڈالے اور اور نہ دستانے پہنے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام پہننے والے کو ورس (رنگ کی ایک قسم) اور زعفران میں رنگی ہوئی چادریں استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں تہبند چادر اور جوتوں میں احرام باندھنا چاہئے اگر جوتے نہ ہوں تو موزے پہن لو لیکن انہیں ٹخنوں سے نیچے تک کاٹ لو۔ اسے احمد نے روایت کیا ہے۔

قمیص و کرتہ اور پاجامہ پہننے سے مراد ان کو اس طرح پہننا ہے۔ جس طرح کہ عام طور پر یہ چیزیں پہنی جاتی ہیں جیسے قمیص و کرتہ کو گلے میں ڈال کر پہنتے ہیں یا پاجامہ ٹانگوں میں ڈال کر پہنا جاتا ہے، چنانچہ احرام کی حالت میں ان چیزوں کو اس طرح پہننا ممنوع ہے۔ ہاں اگر کوئی محرم ان چیزوں کو مروج طریقہ پر پہننے کی بجائے بدن پر چادر کی طرح ڈالے تو یہ ممنوع نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس نے قمیص و کرتہ پہنا ہے یا پاجامہ پہنا ہے۔

برنس اس لمبی ٹوپی کو کہتے ہیں جو عرب میں اوڑھی جاتی تھی اور برنس وہ لباس بھی ہوتا ہے جس کا کچھ حصہ ٹوپی کی جگہ کام دیتا ہے جیسے برساتی وغیرہ۔ چنانچہ نہ برنس اوڑھو، سے مراد یہ ہے کہ ایسی کوئی چیز نہ اوڑھو جو سر کو ڈھانپ لے خواہ وہ ٹوپی ہو یا برساتی اور خواہ کوئی اور چیز۔ ہاں جو چیز ایسی ہو جس پر عرف عام میں پہننے یا اوڑھنے کا اطلاق نہ ہوتا ہو مثلاً سر پر کونڈا یا گھڑا وغیرہ رکھ لینا یا سر پر گٹھڑ اٹھا لینا تو اس صورت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

وہ موزہ دونوں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے میں یہاں ٹخنے سے مراد حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک وہ ہڈی ہے جو پیر کی پشت پر بیچ میں ہوتی ہے جب کہ حضرت امام شافعی کے ہاں وہی متعارف ٹخنہ مراد ہے۔ جس کو وضو میں دھونا فرض ہے۔

اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جس شخص کے پاس جوتے نہ ہوں اور وہ موزے پہن لے تو آیا اس پر فدیہ واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

چنانچہ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی تو یہ کہتے ہیں کہ اس پر کچھ واجب نہیں ہوتا لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر فدیہ واجب ہوتا ہے۔ جس طرح یہ مسئلہ ہے کہ اگر احرام کی حالت میں کسی کو سر منڈانے کی احتیاج وضرورت لاحق ہو جائے تو وہ سر منڈالے اور فدیہ ادا کرے۔

ورس ایک قسم کی گھاس کا نام ہے جو زرد رنگت کی اور زعفران کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس گھاس سے رنگائی کا کام لیا جاتا ہے۔

زعفران اور اس کے رنگ آلود کپڑوں کو پہننے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ ان میں خوشبو ہوتی ہے۔

محرم عورت نقاب نہ ڈالے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے منہ کو برقع اور نقاب سے نہ ڈھانکے ہاں اگر وہ پردہ کی خاطر کسی ایسی چیز سے اپنے منہ کو چھپائے جو منہ سے الگ رہے تو جائز ہے، اسی طرح حنفیہ کے ہاں مرد کو بھی عورت کی طرح احرام کی حالت میں منہ ڈھانکنا حرام ہے۔

حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کا مسلک بھی ایک روایت کے مطابق یہی ہے جب کہ امام شافعی کا مسلک اس کے برخلاف ہے۔

ہودج میں بیٹھنا ممنوع ہے بشرطیکہ سر ہودج میں لگتا ہو، اگر سر ہودج میں نہ لگتا ہو تو پھر اس میں بیٹھنا ممنوع نہیں ہے، اسی طرح اگر کعبہ کا پردہ یا خیمہ سر میں لگتا ہو تو ان کے نیچے کھڑا ہونا ممنوع ہے اور اگر سر میں نہ لگتا ہو تو ممنوع نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اگر محرم کو جوتے میسر نہ ہوں تو وہ موزے پہن سکتا ہے اور جس محرم کے پاس تہہ بند نہ ہو تو وہ پائجامہ پہن سکتا ہے۔ (بخاری مسلم)

موزوں کے استعمال کے بارے میں تو گزشتہ حدیث میں بتایا جا چکا ہے کہ جوتے میسر نہ ہوں تو محرم موزے پہن سکتا ہے۔ اس صورت میں امام شافعی کے نزدیک اس پر کوئی فدیہ واجب نہیں ہوگا۔ لیکن حضرت امام اعظم کا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ اگر تہہ بند نہ ہو تو پائجامہ کو پھاڑ کر اسے تہ بند کی صورت میں باندھ لیا جائے اور اگر کوئی شخص اسے پھاڑ کر استعمال نہ کرے بلکہ پائجامہ ہی پہن لے تو اس پر دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہوگا۔

سلوا کپڑا کسی قسم کا ہو اس کے پہننے میں ممانعت کا بیان:

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں": حدیث میں جو بیان کیا گیا ہے درج ذیل اشیاء بھی اس کے معنی میں آئینگی مثلاً قمیص اور سلوار اور پاجامہ اور ٹوپی وغیرہ بھی سلے ہوئے لباس میں شامل ہونگی، اس لیے سب اہل علم کے ہاں احرام کی حالت میں یہ اشیاء پہننا جائز نہیں ہونگی. دیکھیں: التمہید (15/104)

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: قاضی عیاض رحمہ اللہ کا کہنا ہے: مسلمان اس پر متفق اور جمع ہیں کہ اس حدث میں احرام کی حالت میں محرم شخص کے لیے جن اشیاء کی ممانعت کا ذکر ہے اس میں قمیص اور پاجامہ سے ہر سلے ہوئے لباس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اور پگڑی اور برانڈی کہہ کر سر چھپانے والی ہر سلی ہوئی چیز اور موزے کہہ کر ہر ستر چھپانے والی چیز شمار کی گئی ہے" انتہی

اور ابن دقیق العید نے دوسرا اجماع اہل قیاس کے ساتھ مخصوص کیا ہے، جو کہ واضح ہے. سلے ہوئے لباس سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز جو کسی جسم کے مخصوص حصہ کے لیے بنایا گیا ہو، چاہے بدن کے کسی ایک حصہ کے لیے ہو" انتہی دیکھیں: فتح الباری (3/402).

لنگوٹ کے جواز کے قائلین حضرات نے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ: عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بار برداری کا کام کرنے والوں کو لنگوٹ پہننے کی اجازت دی تھی. اور اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالی عنہ بھی لنگوٹ پہنا کرتے تھے. عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا اثر امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں بیان کرتے کہ: باب ہے احرام کے وقت خوشبو لگانے اور احرام باندھنے کا ارادہ کرتے وقت کیا پہنے... عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اپنے ہودج کو اٹھانے والوں کے لیے لنگوٹ پہننے میں کوئی حرج نہیں سمجھتی تھیں"۔ (صحیح بخاری، 2، 558)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا اثر سعید بن منصور نے عبد الرحمٰن بن قاسم عن ابیہ کے طریق سے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا تک موصول بیان کیا ہے کہ: عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے حج کیا تو ان کے ساتھ ان کے دو غلام بھی تھے، جب وہ ان کا کجاوہ اٹھاتے تو ان کا کچھ ستر کھل جاتا، اس لیے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے انہیں لنگوٹ پہننے کا حکم دیا، تو وہ احرام کی حالت میں لنگوٹ پہنا کرتے تھے۔

اس میں ابن تین کے قول: "اس سے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا ارادہ عورتیں ہیں" کا رد پایا جاتا ہے، کیونکہ عورتیں تو سلا ہوا لباس زیب تن کرتی ہیں، لیکن مرد حالت احرام میں ایسا نہیں کر سکتے، لگتا ہے کہ یہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی رائے ہے جو انہوں نے اختیار کی تھی, وگرنہ اکثر فقھاء اور علماء تو حالت احرام میں لنگوٹ اور سلوار و پاجامہ پہننے کی ممانعت میں کوئی فرق نہیں سمجھتے۔

(فتح الباری (3/397).)

عمار بن یاسر رضی اللہ تعالی عنہ کا اثر: ابن ابی شیبہ نے حبیب بن ابو ثابت سے بیان کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالی عنہ کو میدان عرفات میں لنگوٹ پہنے ہوئے دیکھا. (مصنف ابن ابی شیبۃ (6/34.))

یہ بھی ضرورت پر محمول کیا جائیگا، کیونکہ اخبار المدینۃ (3/1100) میں ابن ابی شیبہ کی روایت ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالی عنہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے ایام میں زخمی ہوئے تھے جس کی بنا پر ان کا پیشاب پر کنٹرول نہیں تھا کیونکہ اس اثر میں " فلا یستمسك بولی " کے الفاظ ہیں کہ میرا پیشاب نہیں رکتا تھا۔

اور النھایۃ غریب الاثر (2/126) میں درج ہے: عبد خیر کی حدیث میں ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمار رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے انڈر وئیر پہنا ہوا تھا، اور انہوں نے فرمایا: مجھے مثانہ تکلیف ہے "الدقرارۃ انڈر وئیر یا پھر لنگوٹ کو کہا جاتا ہے جس سے صرف شرمگاہ چھپائی جاتی ہو.

اور الممثون: مثانہ کی بیماری کے شکار شخص کو کہا جاتا ہے. اور لسان العرب میں درج ہے:

"عمار رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے لنگوٹ پہن کر نماز ادا کی اور فرمایا: مجھے مثانہ کی تکلیف ہے۔

(لسان العرب (13/71)

اگر بالفرض یہ آثار ثابت نہ بھی ہوں تو بھی دلالت کرتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل ضرور ہے. اور صحیح یہی ہے کہ محرم شخص کو لنگوٹ پہننے سے روکا جائیگا، اور عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا والی روایت کو ضرورت پر محمول کیا جائیگا، اور اس میں لنگوٹ پہننے سے فدیہ دینےکی نفی نہیں پائی جاتی. اور اسی طرح عمار رضی اللہ تعالی عنہ کے اثر کو بھی مثانہ کی تکلیف کی بنا پر لنگوٹ پہننے کو ضرورت پر محمول کیا جائیگا.

عبد اللہ بن معقل بیان کرتے ہیں کہ میں کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس بیٹھا تھا اور انہیں میں نے فدیہ کے بارے میں دریافت کیا تو وہ کہنے لگے": یہ خاص کے لیے نازل ہوا تھا لیکن تمہارے لیے یہ عام ہے، مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جایا گیا کہ میرے چہرے پر جوئیں گر رہی تھیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے خیال میں تمہیں بہت زیادہ تکلیف ہو رہی ہے کیا تیرے پاس بکری ہے تو میں نے عرض کیا: نہیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم تین روزے رکھو یا پھر چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اور ہر مسکین کو نصف صاع دو" (صحیح بخاری حدیث نمبر (1721) صحیح مسلم حدیث نمبر (1201.)

سر اور چہرے کو ڈھانپنے کی ممانعت کا بیان:

قَالَ (وَلَا يُغَطِّي وَجْهَهُ وَلَا رَأْسَهُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى : يَجُوزُ لِلرَّجُلِ تَغْطِيَةُ الْوَجْهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إحْرَامُ الرَّجُلِ فِي رَأْسِهِ وَإِحْرَامُ الْمَرْأَةِ فِي وَجْهِهَا) .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تُخَمِّرُوا وَجْهَهُ وَلَا رَأْسَهُ فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا) قَالَهُ فِي مُحْرِمٍ تُوُفِّيَ ، وَلِأَنَّ الْمَرْأَةَ لَا تُغَطِّي وَجْهَهَا مَعَ أَنَّ فِي الْكَشْفِ فِتْنَةً فَالرَّجُلُ بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى .وَفَائِدَةُ مَا رُوِيَ الْفَرْقُ فِي تَغْطِيَةِ الرَّأْسِ .

ترجمہ:

اور احرام والا اپنے چہرہ اور سر نہ ڈھانپے۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ مرد کیلئے چہرہ ڈھانپنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مرد کا احرام اس کے سر میں ہے اور عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ تم اس کا چہرہ نہ ڈھانپو اور نہ اس کا سر ڈھانپو۔ کیونکہ یہ قیامت کے دن تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا۔ یہ ارشاد آپ ﷺ نے فوت ہونے والے محرم کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا۔ اور یہ دلیل بھی ہے کہ باوجود فتنے کے عورت اپنے چہرے کو نہیں ڈھانپے گی۔ تو مرد بدرجہ اولٰی چہرے کو نہیں ڈھانپے گا۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ روایت کا فائدہ سر ڈھانپنے میں فرق کرنے کیلئے ہے۔

حالت احرام میں پردے کی تخفیف میں مذاہب اربعہ کا بیان:

شریعت نے عورت کے لئے پردہ ہر حال میں لازم کیا ہے البتہ اس کے لئے احرام میں پردے میں تخفیف کردی ہے کہ عورت چہرے پر نقاب وغیرہ نہ ڈالے بلکہ چہرہ کھلا رکھے کہ عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

عن ابن عمر عن النبی ا قال: المحرمة لاتنتقب ولاتلبس القفازين .(بخاری)

البتہ کسی نامحرم کے سامنے آنے پر وہ اپنے چہرے کو چھپالے تاکہ اس جگہ بدنگاہی اور بے پردگی نہ ہو۔ چنانچہ صحابیات کا بھی یہی عمل رہا حضرت عائشہ کی روایت ہے:

كان الركبان يمرون بنا ونحن محرمات مع رسول الله ا فاذا جاوذوا بنا سدلت إحدانا جلبابها فاذا جاوزونا كشفناه . (ابوداود ۱،۱۵٦)

چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ عورت اپنے سر پر اس طرح کپڑا ڈال سکتی ہے کہ وہ کپڑا چہرے کو نہ لگے اور پردہ بھی ہوجائے۔

چنانچہ کتاب المبسوط میں ہے:

قال (ولا بأس بأن تسدل الخمار على وجهها من فوق رأسها على وجه لايصيب وجهها) وقد بينا ذلك عن عائشة رضى الله عنها لأن تغطية الوجه إنما يحصل بما يماس وجهها دون مالا يماسه ويكره لها أن تلبس البرقع لأن ذلك يماس وجهها . (كتاب المبسوط للسرخسى ،ج٦، ١٢١ ،دار الكتب العلميه)

ملاعلی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

(وتغطى رأسها) أى لاوجهها الا أنها إن غطة وجهها بشء متجاف جاز وفى النهاية: ان سدل الشء على وجهها واجب عليها ودلت المسئلة على ان المرأة منهية عن اظهار وجهها للأجانب بلاضرورة وكذا فى المحيط : وفى الفتح قالوا: والمستحب أن تسدل على وجهها شيئا وتجافيه . (كتاب المناسك ملا على قارى)

الفقه الحنفى وأدلته میں ہے:

وفى رواية له ولا تنتقب المرأة المحرمة ولا تلبس القفازين وقوله ا : لايلبس خبر بمعنى النهى وعند وجود الاجانب فالارخاء واجب عليها وعند عدمه يجب على الاجانب غض البصر فقول الحنفية اعمال الحديث من جهة وصرف الفتنة من جهة

أخرىٰ (الفقه الحنفى وادلته / ط:دار الكلم الطيب)

نیز یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ حکم صرف احناف کے ہاں ہی نہیں بلکہ چاروں ائمہ کا یہی مذہب ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں۔

اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے کہ وہ اس سے اپنے سر کو ڈھانپے اور اپنی بالوں کو چھپائے اور اوپر کی جانب اپنے چہرے پر سدل ثوب کرے اور سر پر آہستہ کپڑا ڈالے تاکہ اپنے آپ کو لوگوں کی نگاہوں سے بچائے۔ جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیا کرتی تھیں۔ (بداية المجتهد، ج٣، ص ٢٧٨، دار الكتب العلمية)

الفقه المالكى الميسر میں ہے:

واباح المالكية لها ستروجهها عند الفتنة بلاغرز للساتر بابرة ونحوها وبلاربط له براسها بل المطلوب سدله على راسها ووجهها او تجعله كاللثام وتلقى طرفيه على راسها بلاغرز ولاربط . (الفقه المالكى الميسر للزحيلى ١، ٢٩٥،دار الكلم الطيب)

فقہ شافعی کی کتاب ''الحاوی الکبیر'' میں ہے۔

ان حرم المرأة فى وجهها فلاتغطيه كما كان حرم الرجل فى رأسه فلايغطيه لرواية موسىٰ ابن عقبة عن نافع عن ابن عمر: ان رسول الله ا نهىٰ ان تنتقب المرأة وهى محرمة وتلبس القفازين . (الحاوى الكبير للماوردى ،٣، ٦، دار الكتب العلمية(

فقہ حنبلی کی کتاب ''الميسر للزحيلى'' میں ہے:

ومن المحظورات فى الاحرام: تعمد تعطية الوجه من الأنثىٰ لكن تسدل على وجهها لحاجة لقوله ا : لاتنتقب المرأة المحرمة ولاتلبس القفازين قال الشرح: فيحرم تغطية لانعلم فيه خلافاولايضر لمس السدل وجهها خلافاً للقاضى ابى يعلى قال فى الاقناع: ان غطته لغير حاجة فدت وعلى هذا احرام المرأة فى وجهها فتحرم تغطيته بحو برقع ونقاب وتسدل لحاجة كمرور رجال بها الخ .

(الفقه الحنبلى الميسر ،٢، ٥٧،دار القلم دمشق)

فقہاء کرام کے مذکورہ بالا اقوال سے معلوم ہوا کہ عورت کے لئے چہرے پر نقاب ڈالنا بغیر کسی حائل کے ممنوع ہے بلکہ اسے

چاہئے کہ اجانب کی غیر موجودگی میں چہرے کو کھلا رکھے اور ان کی موجودگی میں چہرے کپڑے سے کسی حائل اور فاصلہ رکھنے والی چیز یا نقاب (جیسے ہیٹ والے مروجہ نقاب یا اس جیسی کوئی اور چیز) سے ڈھانپ لے تا کہ بدنگاہی اور بے پردگی نہ ہو۔ ہاں اگر کپڑا ہوا کی وجہ سے بار بار چہرے پر پڑ جائے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ کوئی گناہ ہے اور نہ ہی کوئی دم وغیرہ لازم آئے گا۔

واحرام المرأة فی وجهها واجاز الشافعية والحنفية ذلك بوجود حاجز عن الوجه فقالوا : للمرأة ان تسدل علی وجهها ثوبا متجافيا عنه بخشبة ونحوها سواء فعلته لحاجة من حر او برد او خوف فتنة ونحوها او لغير حاجة فان وقعت الخشبة فاصاب الثوب وجهها بغير اختيارها ورفعته فی الحال فلافدية ۔

(الفقه الاسلامی وادلته ، ۲۸۶۳، دار الفکر، بیروت)

محرم کیلئے خوشبو لگانے اور بال کٹوانے کی ممانعت کا بیان:

قَالَ (وَلَا يَمَسُّ طِيبًا) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْحَاجُّ الشَّعِثُ التَّفِلُ) (وَكَذَا لَا يَدَّهِنُ) لِمَا رَوَيْنَا (لَا يَحْلِقُ رَأْسَهُ وَلَا شَعْرَ بَدَنِهِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ) الْآيَةَ (وَلَا يَقُصُّ مِنْ لِحْيَتِهِ) لِأَنَّ فِي مَعْنَى الْحَلْقِ وَلِأَنَّ فِيهِ إِزَالَةُ الشَّعَثِ وَقَضَاءِ التَّفَثِ .

ترجمہ:

فرمایا: اور وہ خوشبو نہ لگائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حج کرنے والا خوشبو لگائے بغیر خستہ حال بالوں والا ہے۔ اور اسی طرح وہ تیل بھی استعمال نہ کرے اسی حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے۔ اور وہ اپنے سر اور اپنے بدن کے بال نہ مونڈے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تم اپنے سروں کا حلق نہ کراؤ، الخ، اور وہ اپنی داڑھی کے بال نہ کتروائے۔ کیونکہ اس میں بھی حلق کا معنی ہے۔ کیونکہ اس میں خستہ حالی کا ازالہ ہے۔ اور میل کچیل کو دور کرنا ہے۔ (جو حالت احرام میں نہ کی جائے)

محرم ہوتے ہی حرام ہو جانے والے امور کا بیان:

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

عورت سے صحبت، بوسہ، مساس، گلے لگانا، اس کی اندام نہانی پر نگاہ، جبکہ یہ چاروں باتیں بشہوت ہوں، عورتوں کے سامنے اس کا نام لینا، فحش گناہ، ہمیشہ حرام تھے اب اور سخت حرام ہو گئے، کسی سے دینوی لڑائی جھگڑا، جنگل کا شکار، اس کی طرف شکار کرنے کو اشارہ کرنا یا کسی طرح بتانا، بندوق یا بارود یا اس کے ذبح کے لیے چھری دینا، اس کے انڈے توڑنا، پر اکھاڑنا، پاؤں یا بازو توڑنا، اس

کا دودھ دوہنا، اس کا گوشت یا انڈے پکانا، بھوننا، بیچنا، خریدنا، کھانا، ناخن کترنا، سر سے پاؤں تک کہیں سے کوئی بال جدا کرنا، منہ یا سر کسی کپڑے وغیرہ سے چھپانا، بستر یا کپڑے عہ کی بقچی یا گٹھڑی سر پر رکھنا،

اگر محرم نے کئی ایسی شئی اٹھائی جسے لوگ پہنتے ہیں تو اب لباس پہننے والا سمجھا جائیگا، اور اگر لوگ اسے نہیں پہنتے مثلاً ٹب وغیرہ تو اب لابس نہ ہوگا، اھ ش نہر اور خانیہ کے حوالے سے ہے۔

عمامہ باندھنا، برقع و دستانے پہننا، موزے یا جرابیں وغیرہ جو پنڈلی اور اقدام کے جوڑ کو چھپائے پہننا، سلا کپڑا پہننا، خوشبو بالوں یا بدن یا کپڑوں میں لگانا، ملاگیری یا کسم کیسر غرض کسی خوشبو کے رنگے کپڑے پہننا جبکہ ابھی خوشبو دے رہے ہوں، خالص خوشبو مشک، عنبر، زعفران، جاوتری، لونگ، الائچی، دارچینی، زنجبیل وغیرہ کھانا، ایسی خوشبو کا آنچل میں باندھنا جس میں فی الحال مہک ہو، جیسے مشک، عنبر، زعفران، سر یا داڑھی خطمی یا کسی خوشبودار ایسی چیز سے دھونا جس سے جوئیں مر جائیں، وسمہ یا مہندی کا خضاب لگانا، گوند وغیرہ سے بال جمانا،، زیتون یا تل کا تیل اگر چہ بے خوشبو ہو بدن یا بالوں میں لگانا، کسی کا سر مونڈنا اگر چہ اس کا احرام نہ ہو، جوں مارنا پھینکنا، کسی کو اس کے مارنے کا اشارہ کرنا، کپڑا اس کے مارنے کو دھونا یا دھوپ میں ڈالنا، بالوں میں پارہ وغیرہ اس کے مرنے کو لگانا، غرض جوں کے ہلاک پر کسی پر کسی طرح باعث ہونا ہے۔ (ردمحتار، کتاب الاحرام)

ممنوعات احرام سہو یا عمد کے ساتھ کرنے میں وجوب دم کا بیان:

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہر محرم بالغ پر دم واجب ہوتا ہے خواہ اس نے وہ عمل نسیاناً یا جہالۃً یا مجبوراً کیا ہو یا حالتِ نیند میں محرم نے اگر بطور عادت پورا دن یا پوری رات سر ڈھانپ لیا (تمام سر یا چوتھائی سر) تو دم لازم ہوگا، اگر کسی نے ٹب یا گٹھڑی اٹھائی تو کوئی شے لازم نہیں، اور اگر دن سے کم وقت سر ڈھانپا (لفظ اقل ایک ساعت اور اس سے کم کو بھی شامل ہے) تو گندم کا ایک صاع صدقہ کیا جائیگا جیسے فطرانہ (یہ عبارت بتا رہی ہے کہ نصف صاع گندم کا تذکرہ اتفاقی ہے احترازی نہیں، تو ایک صاع کھجور یا جو دے سکتے ہیں، قہستانی (اگر چہ عذر کی وجہ سے ہو (اعذار میں سے بخار، سردی، زخم، پھوڑا، شیقفہ و سر کا درد اور جُوں کا ہونا ہے لیکن عمل خطأً، نسیاناً، اغمام، مجبوری نیند یا کفارہ پر عدمِ قدرت، یہ عذر نہیں بن سکتے) اسے اختیار ہے چاہے حرم میں دم ذبح کرے یا جہاں چاہے چھ مساکین کو تین صاع طعام دے دے یا تین روزے متفرق طور پر رکھ لے (یہ اس صورت میں ہے جہاں دم لازم ہوتا ہے اور جس صورت میں صدقہ لازم ہوگا تو اگر چاہے تو نصف صاع یا اس سے کم کسی مسکین کو دے دے یا ایک دن کا روزہ رکھ لے، اللباب)

دونوں عبارتیں مختصر ہیں، اور فتاوی شامی میں بھی اسی طرح ہے کہ اور اسی طرح روزہ حرم کے ساتھ مخصوص نہیں جہاں چاہے رکھ سکتا ہے اھ، اور اس میں یہ بھی ہے کہ تمام کفارات واجبہ کی ادائیگی فی الفور لازم نہیں لہذا وہ جس وقت بھی ادا کرے ادا ہو جائے گا

(درمختار ، باب الجنایات ، ردالمحتار، باب الجنایات)

زعفران ورنگے ہوئے کپڑے کی ممانعت کا بیان:

قَالَ (وَلَا يَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا بِوَرْسٍ وَلَا زَعْفَرَانٍ وَلَا عُصْفُرٍ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ ثَوْبًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ) قَالَ (إلَّا أَنْ يَكُونَ غَسِيلًا لَا يَنْفُضُ) لِأَنَّ الْمَنْعَ لِلطِّيبِ لَا لِلَّوْنِ .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا بَأْسَ بِلُبْسِ الْمُعَصْفَرِ لِأَنَّهُ لَوْنٌ لَا طِيبَ لَهُ .وَلَنَا أَنَّ لَهُ رَائِحَةً طَيِّبَةً .

ترجمہ:

اور وہ ورس، گھاس، زعفران اور کسم سے رنگے گئے کپڑے کو نہ پہنے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ محرم ایسا کپڑا نہ پہنے جس کو زعفران نے مس کیا ہو اور نہ ورس پہنے ہاں البتہ وہ اس طرح دھل گیا ہو کہ خوشبو نہ دے۔ کیونکہ ممانعت خوشبو کی وجہ سے ہے رنگ کی وجہ سے نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ کسم سے رنگے ہوئے کپڑے کو پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ اس طرح کا رنگ ہے جس میں خوشبو ہی نہیں ہے۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس میں پاکیزہ خوشبو موجود ہے۔

زعفران وورس پہننے پر وجوب فدیے میں مذاہب اربعہ کا بیان:

حضرت یعلیٰ بن امیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جعرانہ میں (کہ جو مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ایک مقام ہے اور جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا تھا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے کہ اچانک ایک شخص جو دیہاتی تھا آیا اس نے کرتہ پہنا ہوا تھا، نیز وہ شخص خلوق میں رنگا بسا تھا (خلوق ایک خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار ہوتی تھی) اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے عمرہ کا احرام اس حالت میں باندھا تھا کہ یہ کرتہ میرے جسم پر تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے اوپر جو خوشبو لگی ہوئی ہے اسے تو تین مرتبہ دھوڈالو اور کرتہ کو اتار دو اور پھر اپنے عمرہ کے احرام میں وہی کرو جو تم اپنے حج کے احرام میں کرتے ہو۔ (بخاری ومسلم)

زعفران کا استعمال چونکہ مردوں کے لئے حرام ہے اور خلوق زعفران ہی سے تیار ہوتی تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو یہ حکم دیا کہ وہ اسے دھوڈالے نیز تین مرتبہ دھونے کا حکم صرف اس لئے دیا تا کہ وہ خوب اچھی طرح چھوٹ جائے ورنہ اصل مقصد تو یہ تھا کہ خلوق کو بالکل صاف کر دو خواہ وہ کسی طرح اور کتنی ہی مرتبہ میں صاف ہو۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں حج کے احرام کی حالت میں ممنوع ہیں وہی عمرہ کے احرام کی حالت میں بھی ممنوع ہیں اس لئے تم عمرہ کے احرام کی حالت میں ان تمام چیزوں سے پرہیز کرو جن سے حج کے احرام کی حالت میں پرہیز کیا جاتا ہے۔

احرام کی حالت میں بغیر خوشبو سرمہ لگانا جائز ہے بشرطیکہ اس سے زیب وزینت مقصود نہ ہو۔ اگر کوئی شخص زیب وزینت کے بغیر خوشبو کا بھی سرمہ لگائے تو مکروہ ہوگا۔

اس موقع پر ایک خاص بات یہ جان لینی چاہئے کہ جو چیزیں احرام کی حالت میں حرام ہو جاتی ہیں ان کا ارتکاب اگر قصداً ہوگا تو متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک اس کی وجہ سے مرتکب پر فدیہ لازم ہوگا۔ ہاں بھول چوک سے ارتکاب کرنے والے پر فدیہ واجب نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت امام شافعی، ثوری، احمد، اور اسحٰق رحمہم اللہ کا قول ہے البتہ امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک کے نزدیک اس صورت میں بھی فدیہ واجب ہوگا۔

محرم کیلئے غسل ودخول حمام کا بیان:

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَغْتَسِلَ وَيَدْخُلَ الْحَمَّامَ) لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ اغْتَسَلَ وَهُوَ مُحْرِمٌ (وَ) لَا بَأْسَ بِأَنْ (يَسْتَظِلَّ بِالْبَيْتِ وَالْمُحْمَلُ) وَقَالَ مَالِكٌ : يُكْرَهُ أَنْ يَسْتَظِلَّ بِالْفُسْطَاطِ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ ، لِأَنَّهُ يُشْبِه تَغْطِيَةَ الرَّأْسِ .

وَلَنَا أَنَّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ كَانَ يُضْرَبُ لَهُ فُسْطَاطٌ فِي إحْرَامِهِ وَلِأَنَّهُ لَا يَمَسُّ بَدَنَهُ فَأَشْبَهَ الْبَيْتَ .

ترجمہ:

اور محرم کیلئے غسل کرنے اور حمام میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے غسل فرمایا ہے۔ حالانکہ آپ حالت احرام میں تھے۔ اور کسی جھونپڑی یا محمل سے سایہ لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ کسی بڑے خیمے یا اسی طرح کی کسی چیز سے سایہ کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ سر ڈھانپنے کے مشابہ ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کیلئے حالت احرام میں ایک بڑا خیمہ نصب کیا گیا اور وہ اس طرح نصب کیا جاتا کہ آپ کا بدن اس کو مس نہیں کرتا تھا۔ اس لئے وہ جھونپڑی کی طرح ہوگیا۔

حالت احرام میں سر پر سایہ کرنے کا مسئلہ

حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان میں سے ایک (یعنی حضرت اسامہ) اپنا کپڑا اٹھائے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر) سورج کی گرمی کی تپش سے سایہ کئے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمرہ عقبہ پر کنکریاں ماریں۔ (مسلم)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر کپڑے سے اس طرح سایہ کر رکھا تھا کہ وہ کپڑا

اونچا ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک سے لگتا نہیں تھا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ سایہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک سر پر چھتری کی مانند ایک چیز اٹھائے ہوئے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے سر پر کسی چیز سے سایہ کرلے بشرطیکہ سایہ کرنے والی چیز اس کے سر کو نہ لگے، چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے لیکن حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد نے اسے مکروہ کہا ہے۔

فقہ مالکی کے مطابق محرم کے غسل کرنے کی کراہت کا بیان:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ محرم (غسل کے لیے) حمام میں جاسکتا ہے۔ ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم بدن کو کھجانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب العمرہ)

ابن منذر نے کہا محرم کو غسل جنابت بالاجماع درست ہے لیکن غسل صفائی اور پاکیزگی میں اختلاف ہے امام مالک نے اس کو مکروہ جانا ہے کہ محرم اپنا سر پانی میں ڈبائے اور موطا میں نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما احرام کی حالت میں اپنا سر نہیں دھوتے تھے، لیکن جب احتلام ہوتا تو دھوتے۔

فقہ حنفی کے مطابق محرم کے غسل کی اباحت کا بیان:

حضرت ابراہیم بن عبداللہ بن حنین نے، انہیں ان کے والد نے کہ عبداللہ بن عباس اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم کا مقام ابواء میں (ایک مسئلہ پر) اختلاف ہوا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے ابوایوب رضی اللہ عنہ کے یہاں (مسئلہ پوچھنے کے لیے) بھیجا، میں جب ان کی خدمت میں پہنچا تو وہ کنوئیں کی دولکڑیوں کے بیچ غسل کر رہے تھے، ایک کپڑے سے انہوں نے پردہ کر رکھا تھا میں نے پہنچ کر سلام کیا تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ کون ہو؟ میں نے عرض کی کہ میں عبداللہ بن حنین ہوں، آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مجھے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھیجا ہے یہ دریافت کرنے کے لیے کہ احرام کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک کس طرح دھوتے تھے۔ یہ سن کر انہوں نے کپڑے پر (جس سے پردہ تھا) ہاتھ رکھ کر اسے نیچے کیا۔ اب آپ کا سر دکھائی دے رہا تھا، جو شخص ان کے بدن پر پانی ڈال رہا تھا، اس سے انہوں نے پانی ڈالنے کے لیے کہا۔ اس نے ان کے سر پر پانی ڈالا، پھر انہوں نے اپنے سر کو دونوں ہاتھ سے ہلایا اور دونوں ہاتھ آگے لے گئے اور پھر پیچھے لائے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (احرام کی حالت میں) اسی طرح کرتے دیکھا تھا۔ (صحیح بخاری، کتاب العمرہ)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں و فی الحدیث من الفوائد مناظرة الصحابة فی الاحکام و رجوعهم الی النصوص و قبولهم لخبر الواحد و لو کان تابعیا و ان قول بعضهم لیس بحجة علی بعض الخیعنی۔

اس حدیث کے فوائد میں سے صحابہ کرام کا باہمی طور پر مسائل احکام سے متعلق مناظرہ کرنا، پھر نص کی طرف رجوع کرنا اور ان کا خبر واحد کو قبول کر لینا بھی ہے اگر چہ وہ تابعی ہی کیوں نہ ہو اور یہ اس حدیث کے فوائد میں سے ہے کہ ان کے بعض کا کوئی محض

قول بعض کے لیے حجت نہیں گردانا جاتا تھا۔

حالت احرام مکروہ امور کا بیان:

بدن کا میل چھڑانا، بال یا بدن کھلی یا صابون وغیرہ بے خوشبو کی چیز سے دھونا، کنگھی کرنا، اس طرح کھجانا کہ بال ٹوٹے یا جوں گرے، انگرکھا، کُرتا یا چغہ پہننے کی طرح کندھوں پر ڈالنا، خوشبوں کی دھونی دیا ہوا کپڑا کہ ابھی خوشبو دے رہا ہوں پہننا، اوڑھنا، قصداً خوشبو سونگھنا اگر چہ خوشبودار پھل یا پتہ ہو جیسے لیموں، نارنگی، پودینہ، عطر دانہ، سر یا منہ پر پٹی باندھنا، غلاف کعبہ مکہ معظّمہ کے اندر اس طرح داخل ہونا کہ غلاف شریف سر یا منہ سے لگے، ناک وغیرہ منہ کا کوئی حصہ کپڑے سے چھپائے، یا کوئی ایسی چیز کھانا پینا جس میں خوشبو پڑی ہو اور نہ ہو پکائی گئی ہو نہ زائل ہوگئی ہو، بے سلا کپڑا رفو کیا یا پیوند لگا ہوا پہننا، تکیہ پر منہ رکھ کر اوندھا لیٹنا، مہکتی خوشبو ہاتھ سے چھونا جبکہ ہاتھ میں نہ لگ جائے ورنہ حرام ہے، بازو یا گلے پر تعویز باندھا اگر چہ بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر، بلا عذر بدن عہ پر پٹی باندھنا، سنگھار کرنا، چادر اوڑھ کر اس کے آنچلوں میں گرہ دے لینا، تہبند باندھ کر کمر بند سے کسنا،

اگر کسی نے سر پر یا ایڑی پر پٹی باندھی اگر چہ ایک دن یا رات ہو تو اس پر صدقہ ہوگا، اور اگر سر کے علاوہ جسم کے کسی اور حصہ پر پٹی باندھی خواہ کسی تکلیف کی وجہ سے تھی یا بلا وجہ، تو کوئی شیء لازم نہ ہوگی، ہاں بلا وجہ باندھنا مکروہ ہوگا۔

(فتح القدیر، باب الاحرام، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

کعبہ کے پردوں سے لپٹ جانے کا بیان:

وَلَوْ دَخَلَ تَحْتَ أَسْتَارِ الْكَعْبَةِ حَتَّى غَطَّتْهُ ، إنْ كَانَ لَا يُصِيبُ رَأْسَهُ وَلَا وَجْهَهُ فَلَا بَأْسَ بِهِ لِأَنَّهُ اسْتِظْلَالٌ .

ترجمہ:

اور اگر محرم کعبے کے پردوں کے نیچے داخل ہوگیا حتیٰ کہ پردوں نے اس کو ڈھانپ لیا اور پردہ اس کے چہرے اور سر کو مس کرنے والا نہیں ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سایہ حاصل کرنا ہے۔

کعبہ کے پردوں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی غذا کا بیان:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حدیث مبارکہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ کو جب وہ کعبہ کے پردوں پیچھے چالیس دن رات تک مقیم رہے اور ان کا کھانا صرف زمزم تھا اس وقت فرمایا: (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا تم کب سے یہاں مقیم ہو؟ تو ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں میں نے جواب دیا میں دن رات سے یہیں مقیم ہوں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: تیرے کھانے کا انتظام کون کرتا تھا؟ وہ کہتے ہیں میں نے جواب میں کہا کہ میرے پاس تو صرف زمزم ہی تھا اس سے میں اتنا موٹا ہوگیا کہ میرے پیٹ کے تمام کس بل نکل گئے، اور میری ساری بھوک

اور کمزوری جاتی رہی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے : بلاشبہ زمزم بابرکت اور کھانے والے کے لیے کھانے کی حیثیت رکھتا ہے) (صحیح مسلم حدیث نمبر (2473)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ (یہ بیماری کی بیماری کی شفا ہے) مسند البزار حدیث نمبر (1171) اور (1172) اور معجم طبرانی الصغیر حدیث نمبر (295)

سنن ابن ماجہ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما سے حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : (زمزم جس چیز کے لئے پیا جائے وہ اسی کے لیے ہے) سنن ابن ماجہ کتاب المناسک حدیث نمبر (3062)

علماء کرام نے اس حدیث پر عمل اور تجربہ بھی کیا ہے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالی عنہ نے جب حج کیا تو وہ زمزم کے پاس آئے تو کہنے لگے اے اللہ مجھے ابن ابی الموالی نے محمد بن منکدر سے اور انہوں نے جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : زمزم اسی چیز کیلئے ہے جس کے لیے اسے نوش کیا جائے ، اور میں روز قیامت کی تشنگی اور پیاس سے بچنے کیلئے اسے پی رہا ہوں ۔ ابن ابوالموالی ثقہ ہے تو اس طرح حدیث حسن درجہ کی ہے ۔

ابن قیم بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے علاوہ دوسروں نے بھی زمزم پی کر تجربہ کیا ہے کہ اس سے عجیب وغریب قسم کی بیماریاں جاتی رہتی ہیں اور مجھے زمزم کے ساتھ کئی ایک بیماریوں سے شفا نصیب ہوئی ہے اور الحمد للہ میں ان سے نجات حاصل کر چکا ہوں ۔

اور میں نے اس کا بھی مشاہدہ کیا ہے کہ کوئی ایک نے زمزم کو پندرہ یوم سے بھی زیادہ تک بطور غذا استعمال کیا تو اسے بالکل بھوک محسوس تک نہیں ہوء اور وہ لوگوں کے ساتھ مل کر طواف کرتا رہا ، اور اس مجھے بتایا کہ ہو سکتا ہے کہ چالیس یوم تک اسی کو بطور غذا استعمال کیا اور پھر ان میں روزہ بھی رکھا اور بیوی سے جماع کرنے کی قوت بھی تھی اور کئی ایک بار طواف بھی کیا ۔

(زاد المعاد (4/319-320)

کمر میں ہمیانی باندھنے کے جواز کا بیان :

(وَ) لَا بَأْسَ بِأَنْ (يَشُدَّ فِي وَسَطِهِ الْهِمْيَانَ) وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : يُكْرَهُ إذَا كَانَ فِيهِ نَفَقَةُ غَيْرِهِ لِأَنَّهُ لَا ضَرُورَةَ .

وَلَنَا أَنَّهُ لَيْسَ فِي مَعْنَى لُبْسِ الْمَخِيطِ فَاسْتَوَتْ فِيهِ الْحَالَتَانِ (وَلَا يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَلَا لِحْيَتَهُ بِالْخِطْمِيِّ) لِأَنَّهُ نَوْعُ طِيبٍ ، وَلِأَنَّهُ يَقْتُلُ هَوَامَّ الرَّأْسِ .

ترجمہ :

اور اپنی کمر میں اگر ہمیانی باندھی تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے ۔ جبکہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ اگر اس میں دوسرے کا نفقہ ہو تو مکروہ ہے کیونکہ اس کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ ہمیانی باندھنا یہ سلے ہوئے

کپڑے کے معنی میں نہیں ہے ۔ لہذا اس کیلئے دونوں حالتیں برابر ہیں ۔ اور احرام والا اپنے سر اور داڑھی کو خطمی کے ساتھ نہ دھوئے کیونکہ یہ بھی ایک طرح خوشبو ہے اور یہ دلیل بھی ہے کہ خطمی سر کے بالوں کو قتل کرنے والے ہے ۔

شرح

امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے ۔ ہمیں مالکؒ نے کہ ہم سے بیان کیا نافع نے کہ ابن عمرؓ مُحرم کے لئے پیٹی باندھنا مکروہ خیال کرتے تھے ۔

کہا محمدؒ نے کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ۔ اکثر فقہاء نے مُحرم کے لئے ہمیانی باندھنے کی رُخصت دی ہے اور کہا ہے کہ اپنا زاد سفر خوب مضبوطی سے باندھو ۔ (مؤطا امام محمد علیہ الرحمہ ، حدیث ، ۴۳۳)

حالت احرام میں مباح امور کا بیان :

کُرتا ، چغہ لپیٹ کر اوپر سے اس طرح ڈال لینا کہ سر اور منہ نہ چھپے ، ان چیزوں یا پاجامہ کا تہبند باندھنا ، ہمیانی یا پٹی باندھنا ، بے میل چڑائے حمام کرنا ، کسی چیز کے سائے میں بیٹھنا ، چھتری لگانا ، انگوٹھی پہننا ، بے خوشبو کا سرمہ لگانا ، فصد بغیر بال مونڈے ، پچھنے لینا ، آنکھ میں جو بال نکلے اسے جدا کرنا ، سر یا بدن اس طرح کھجانا کہ بال نہ ٹوٹے ، جوں نہ گرے ، احرام سے پہلے جو خوشبو لگائی اس کا لگا رہنا ، پالتو جانور اونٹ ، گائے ، بکری ، مرغی کا ذبح کرنا ، پکانا ، کھانا ، اس کا دودھ دوہنا ، انڈے توڑنا ، بھوننا ، کھانا ، کھانے کے لیے مچھلی کا شکار کرنا ، کسی دریائی جانور کا مارنا دوا یا غذا کے لیے نہ ہو ، نری تفریح منظور ہو جس طرح لوگوں میں رائج ہے تو شکار دریا ہو یا جنگل خود ہی حرام ہے ، اور احرام میں سخت تر حرام ، منہ اور سر کا سوا کسی اور جگہ زخم پر پٹی باندھنا ، سر یا گال کے نیچے تکیہ رکھنا ، سر یا ناک پر اپنا یا دوسرے کا ہاتھ رکھنا ، کان کپڑے سے چھپانا ، ٹھوڑی سے نیچے داڑھی پر کپڑا آنا ، سر پر سینی اور بوری اٹھانا ، جس کھانے کے پکنے میں مشک وغیرہ پڑے ہوں اگرچہ خوشبو دیں یا بے پکائے جس میں خوشبو ڈالی اور وہ بو نہیں دیتی اس کا کھانا پینا ، گھی یا چربی یا کڑوا تیل یا ناریل یا بادام یا کدو یا کاہو کا تیل کہ بسایا نہ ہو بدن یا بالوں میں لگانا ، خوشبو کے رنگے کپڑے پہننا جبکہ ان کی خوشبو جاتی رہی ہو مگر کسم کیسر کا رنگ مرد کو ویسے ہی حرام ہے ، دین کے لیے لڑنا جھگڑنا بلکہ حسب حاجت فرض و واجب ہے ، جوتا پہننا جو پاؤں کے جوڑ کو نہ چھپائے ، بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر تعویذ گلے میں ڈالنا ، آئینہ دیکھنا ، ایسی خوشبو کا چھونا جس میں فی الحال مہک نہیں جیسے اگر لوبان ، صندل یا اس کا آنچل میں باندھنا ، نکاح کرنا ۔

محرم نمازوں کے ساتھ بکثرت تلبیہ کہے :

قَالَ (وَيُكْثِرُ مِنْ التَّلْبِيَةِ عَقِيبَ الصَّلَوَاتِ وَكُلَّمَا عَلَا شَرَفًا أَوْ هَبَطَ وَادِيًا أَوْ لَقِيَ رَكْبًا وَبِالْأَسْحَارِ) لِأَنَّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا يُلَبُّونَ فِي هَذِهِ الْأَحْوَالِ ، وَالتَّلْبِيَةُ فِي الْإِحْرَامِ عَلَى مِثَالِ التَّكْبِيرِ فِي الصَّلَاةِ ، فَيُؤْتَى بِهَا عِنْدَ الِانْتِقَالِ

مِنْ حَالٍ إلَى حَالٍ ۔

ترجمہ:

فرمایا: احرام والا نمازوں کے بعد کثرت کے ساتھ تلبیہ والا ذکر کرے۔ جب وہ کسی بلندی پر جائے یا کسی پستی کی جانب جائے یا اترے یا سواروں سے ملاقات کرے اور سحری کے وقت بھی تلبیہ کہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب ان احوال میں تلبیہ کہا کرتے تھے۔ اور احرام میں تلبیہ کہنا اسی طرح ہے، جس طرح نماز میں تکبیر کہنا ہے۔ اس لئے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے وقت تلبیہ کہا جائے گا۔

المذاہب فی مقامات تلبیۃ:

قال العلامة ابن قدامة الحنبلی

: ثم لا یزال یلبی إذا علا نشزا أو هبط وادیا وإذا التقت الرفاق وإذا غطى رأسه ناسیا وفی دبر الصلوات المکتوبة

یستحب استدامة التلبیة والإکثار منها على کل حال لما روى ابن ماجة عن عبد الله بن عامر بن ربیعة قال: (قال رسول الله صلى الله علیه و سلم: ما من مسلم یضحی لله یلبی حتى تغیب الشمس إلا غابت بذنوبه فعاد کما ولدته أمه) وهی أشد استحبابا فی المواضع التی سمى الخرقی لما روى جابر قال: (کان رسول الله صلى الله علیه و سلم یلبی فی حجته إذا لقی راکبا أو علا أکمة أو هبط وادیا وفی ادبار الصلوات المکتوبة ومن آخر اللیل) وقال إبراهیم و النخعی: کانوا یستحبون التلبیة دبر الصلاة المکتوبة وإذا هبط وادیا وإذا علا نشزا وإذا لقی راکبا وإذا استوت به راحلته وبهذا قال الشافعی وقد کان قبل یقول مثل قول مالک: لا یلبی عند اصطدام الرفاق وقول النخعی یدل على أن السلف رحمهم الله کانوا یستحبون ذلک والحدیث یدل علیه أیضا

فصل: ویجزء من التلبیة فی دبر الصلاة مرة واحدة قال الأثرم: قلت لأبی عبد الله: ما شیء یفعله العامة یلبون فی دبر الصلاة ثلاث مرات؟ فتبسم وقال: ما أدری من أین جاؤوا به؟ قلت: ألیس التکبیر فی ادبار الصلوات فی أیام الأضحى وأیام التشریق ولا بأس بالزیادة على مرة لأن ذلک زیادة ذکر وخیر وتکراره ثلاثا حسن فإن الله وتر یحب الوتر

مختلف احوال میں تلبیہ پڑھنے میں متفرق نظریہ:

تلبیہ ہر فریضہ اور نافلہ نمازوں کے بعد پڑھو! حتیٰ کہ جب تمہاری سواری چل پڑے، یا جب کسی بلند جگہ سے عبور کرو، یا کسی

وادی سے تمہارا گزر ہو، یا کسی سوار کو دیکھو، یا نیند سے بیدار ہو اور سحر کے وقت اٹھ کر بھی پڑھو اور جتنا زیادہ ہو سکے اسے پڑھو، بلکہ بلند آواز سے پڑھو اور جان لو کہ کلام کے شروع میں جو چار تلبیات گزری ہیں ان کا پڑھنا لازم اور ضروری ہے، چونکہ وہ فرض ہیں اور یہی توحید بھی ہے، انبیاءؑ نے بھی انہی کے ذریعے لبیک کہی ہے اور وہ تلبیہ جس میں ذی المعارج کے ذریعے لبیک ہے اسے زیادہ پڑھو، کیونکہ حضرت نبی اکرم اسے زیادہ پڑھتے تھے اور سب سے پہلا شخص جنہوں نے لبیک کہی ہے، لہٰذا ہر خبیث چیز کو محو کر دیتا ہے اور ہر خبیث وسرکش شیطان کو دھتکار دیتا ہے جیسے کہ امام صادق نے فرمایا ہے: یہاں خبائث کو محو کر دیا جاتا ہے۔ جس طرح کہ قارون اور اس کے خزانے زمین میں دھنس گئے تھے۔

اور چونکہ حج خالص توحید ہے اور اس میں کسی قسم کا شرک نہیں ہے بلکہ جو بت بھی ہو اور جیسا بھی صنم ہو اسے حج میں دھتکارا جاتا ہے لہٰذا اسی سے مسجد حرام میں باب بنی شیبہ سے داخل ہونے کے استحباب کا راز بھی معلوم ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب علیؑ نے پیغمبر اکرم ﷺ کے کاندھوں پر چڑھ کر، کعبہ کے اوپر نصب شدہ ہبل نامی بت کو نیچے گرایا تو اسے باب بنی شیبہ کے پاس ہی زمین میں گاڑ دیا گیا، تو اس کے بعد سے باب بنی شیبہ سے مسجد حرام میں داخل ہونا سنت بن گیا۔

تلبیے والا ذکر بلند آواز کے ساتھ کرنے کا بیان:

(وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالتَّلْبِيَةِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَفْضَلُ الْحَجِّ الْعَجُّ وَالثَّجُّ) فَالْعَجُّ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِيَةِ ، وَالثَّجُّ إسَالَةُ الدَّمِ .

ترجمہ:

اور وہ بلند آواز سے تلبیہ کہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: افضل حج آواز کو بلند کرنا اور خون بہانا ہے لہٰذا حج کا مطلب تلبیہ کے ساتھ آواز بلند کرنی ہے۔ اور اسی طرح حج کا معنی خون بہانا (قربانی) ہے۔

تلبیہ میں آواز بلند کرنے کا حکم:

حضرت خلاد بن سائب اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پاس جبرائیل آئے اور مجھے یہ امر کیا کہ میں اپنے صحابہ کو اس بات کا حکم دوں کہ وہ اہلال یا تلبیہ میں اپنی آوازیں بلند کریں۔

(مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

بآواز بلند لبیک کہنا مردوں کے لئے مستحب ہے لیکن آواز کو اتنا بلند نہ کرنا چاہئے جس سے تکلیف پہنچے، عورتیں اتنی آہستہ آواز سے لبیک کہیں کہ وہ خود ہی سن سکیں دوسروں تک ان کی آواز نہ پہنچے۔

عورت کی آواز بلند ہونے کی ممانعت میں مذاہب اربعہ کا بیان:

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ، میں لکھتے ہیں۔

قال بعض أهل العلم : إنما كره التسبيح للنساء وأبيح لهن التصفيق من أجل أن صوت المرأة رخيم في أكثر النساء وربما شغلت بصوتها الرجال المصلين معها .

بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ: عورتوں کے لیے "سبحان الله " کی کراہت اور تالی کی اجازت اس لیے ہے کہ اکثر عورتوں کی آواز اور گفتگو میں نرمی ہوتی ہے، ہوسکتا ہے کہ ایسی آواز سن کر مرد اسی میں مشغول ہو جائیں۔ ("التمهيد")

تو شارع نے جب صرف "سبحان الله " جیسے مختصر کلام سے ہی عورتوں کو روکا ہے تو کیسے "اذاں" جیسے طویل کلام کی اجازت دی جاسکتی ہے؟

نماز میں کوئی معاملہ بن جائے تو مرد حضرات کے لیے شریعت نے "سبحان اللہ" کہنا مباح کیا ہے، لیکن عورت کو "سبحان اللہ" کہنے کی اجازت نہیں دی تا کہ اس کی آواز مرد نہ سنیں، بلکہ اسے دونوں ہاتھوں کے ساتھ ہلکی سی تالی بجانے کا حکم دیا ہے، اور اسی طرح تلبیہ کہنے اور اذان اور سلام کے جواب میں بھی آواز کو پست رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور اسی موقف کی تائید میں فقہاء اربعہ کے اقوال ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

احناف کی فقہی کتاب "فتح القدیر" کی شرح میں کمال الدین السیواسی کہتے ہیں۔

النوازل میں صراحت کی ہے کہ عورت کی آواز ستر ہے، اس بنا پر میرے نزدیک کسی عورت کا نابینا آدمی کی بجائے عورت سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنا زیادہ بہتر ہے۔ وہ کہتے ہیں: کیونکہ عورت کی آواز ستر ہے، اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے": مرد سبحان اللہ کہیں، اور عورتیں تالی بجائیں "اس لیے اچھا نہیں کہ عورت کی آواز مرد سنے۔

(شرح فتح القدير (1 / 260)

فقہ مالکیہ کی کتاب "شرح مختصر خلیل" میں درج ہے۔

"اور الناصر نے بیان کیا ہے کہ: عورت کی آواز سننے سے اگر لذت حاصل ہونے کا خدشہ ہو تو اسے اس حیثیت میں بلند کرنا جائز نہیں، نہ تو جنازہ میں، اور نہ ہی شادی بیاہ کے موقع پر، چاہے وہ نوجوان ہو یا نہ، لیکن بوڑھی عورتوں کی آواز سننا حرام نہیں:

(شرح مختصر خليل للخرشي (1 ، 276)

اور کتاب الام میں امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

"عورتوں کو پردہ میں رہنے کا حکم ہے، اس لیے عورت کی آواز کوئی شخص بھی نہ سنے تو یہ اس کے لیے زیادہ بہتر اور زیادہ پردہ کا باعث ہے، اور نہ ہی عورت تلبیہ میں اپنی آواز بلند کرے، بلکہ صرف اپنے آپ کو ہی سنائے" (کتاب الام (2،(156)

اور فقہ شافعی کی کتاب" روضة الطالبين " میں درج ہے۔

"۔۔۔ اگر عورت کا دروازہ کوئی مرد کھٹکھٹائے تو عورت کو چاہیے کہ وہ نرم اور سریلی آواز میں جواب نہ دے، بلکہ اپنی آواز میں سختی پیدا کرے۔ (روضۃ الطالبین (7،21)

اور فقہ حنبلی کی کتاب "الانصاف" میں لکھا ہے:

صالح کی روایت میں ہے کہ امام احمد کا قول ہے: بڑی عمر کی عورت کو سلام کیا جائیگا، لیکن نوجوان لڑکی نہ بولے. قاضی کہتے ہیں: یہ اس لیے کہ کہیں اس کی آواز سے فتنہ میں پڑ جائے، اور مذہب اسے مطلق کہا ہے، دونوں روایتوں کی بنا پر لذت سے آواز سننا حرام ہے، چاہے قرآت کی ہو۔ قاضی کہتے ہیں: عورت کی آواز سننے سے منع کیا جائیگا۔ (الانصاف (8ج،31ص)

سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہو:

قَوْلُهُ (فَإِذَا دَخَلَ مَكَّةَ ابْتَدَأَ بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُلَّمَا دَخَلَ مَكَّةَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ) وَلِأَنَّ الْمَقْصُودَ زِيَارَةُ الْبَيْتِ وَهُوَ فِيهِ ، وَلَا يَضُرُّهُ لَيْلًا دَخَلَهَا أَوْ نَهَارًا لِأَنَّهُ دُخُولُ بَلْدَةٍ فَلَا يَخْتَصُّ بِأَحَدِهِمَا (وَإِذَا عَايَنَ الْبَيْتَ كَبَّرَ وَهَلَّلَ) وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا يَقُولُ : إذَا لَقِيَ الْبَيْتَ بِاسْمِ اللَّهِ وَاَللَّهُ أَكْبَرُ .وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لَمْ يُعَيِّنْ فِي الْأَصْلِ لِمَشَاهِدِ الْحَجِّ شَيْئًا مِنْ الدَّعَوَاتِ لِأَنَّ التَّوْقِيتَ يُذْهِبُ بِالرِّقَّةِ ، وَإِنْ تَبَرَّكَ بِالْمَنْقُولِ مِنْهَا فَحَسَنٌ .

ترجمہ:

محرم جب مکہ میں داخل ہو تو وہ سب سے پہلے مسجد حرام سے شروع کرے۔ کیونکہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں تشریف لائے تو آپ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ (بخاری ومسلم) کیونکہ مقصد بیت اللہ کی زیارت کرنا ہے اور بیت اللہ یہی مسجد ہے۔ البتہ اس میں حرج نہیں ہے کہ وہ رات کو یا دن کو داخل ہو کیونکہ شہر میں داخل ہونا ہے اور اس میں دن رات کا کوئی اختصاص نہیں ہے۔ جب وہ بیت اللہ کو دیکھے تو تکبیر تہلیل پڑھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بیت اللہ میں داخل ہوتے تو آپ یہ کہتے ''بسم الله و الله اکبر ''اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے مشاہد حج کیلئے کسی دعا کا تعین نہیں کیا ہے۔ کیونکہ اس میں تقرر کرنا دل کی نرمی کو دور کرنا ہے اور اگر اس نے نقل شدہ دعاؤں کے ساتھ برکت حاصل کی تو یہ اس کیلئے اچھا ہے۔

دخول مکہ میں ادب وتعظیم کا لحاظ ضروری ہے:

علامہ علی بن سلطان ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جب وہ مکہ میں داخل ہو تو وہ مقام کدآء سے داخل ہو۔ یہی بلند مقام ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو اس کے اعلیٰ مقام سے تشریف لائے۔ اور کے نیچے والے مقام سے نکلے۔ اور اعلیٰ مقام یہی ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی مقام پر یہ دعا

مانگی تھی۔ "وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (البقرہ،۱۲۶)

اور جب عرض کی ابراہیم نے کہ اے رب میرے اس شہر کو امان والا کر دے اور اس کے رہنے والوں کو طرح طرح کے پھلوں سے روزی دے جو ان میں سے اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں فرمایا اور جو کافر ہوا تھوڑا برتنے کو اسے بھی دوں گا پھر اسے عذاب دوزخ کی طرف مجبور کروں گا اور بہت بری جگہ ہے پلٹنے کی۔ (کنزالایمان)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دعا میں مومنین کو خاص فرمایا اور یہی شان ادب تھی اللہ تعالیٰ نے کرم کیا دعا قبول فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ رزق سب کو دیا جائے گا مومن کو بھی کافر کو بھی لیکن کافر کا رزق تھوڑا ہے یعنی صرف دنیوی زندگی میں وہ بہرہ مند ہو سکتا ہے۔ (خزائن العرفان)

مکہ شریف اور بیت اللہ کا ادب یہی ہے جس طرف سے بھی داخل ہو اس کی تعظیم کرے۔ خواہ وہ دن میں داخل ہو یا رات کے وقت میں ہو۔

امام نسائی نے ایک روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عمرے کیلئے رات کے وقت داخل ہوئے اور حج کیلئے دن کو داخل ہوئے۔ (شرح الوقایہ،۲،ص،۲۷۰، بیروت)

دخول مکہ کے متعلق احادیث کا بیان:

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر جب مکہ میں آتے تو رات ذی طوی میں گزارتے۔ جب صبح ہوتی تو غسل کرتے پھر دن کے وقت مکہ میں داخل ہوتے اور فرماتے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں بلندی کی طرف سے داخل ہوتے اور نشیب کی طرف سے واپسی اختیار فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مدینہ سے) نکلتے شجرہ کی طرف اور (مدینہ میں) داخل ہوتے معرس کی طرف سے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے سال میں مکہ میں کداء کی جانب سے بلندی کی طرف سے داخل ہوئے اور عمرہ میں کدی کی طرف سے اور عروہ دونوں طرف سے داخل ہوتے لیکن اکثر کدی کی طرف سے داخل ہوتے کیونکہ وہ جانب ان کے گھر کے قریب تھی۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوتے تو بلند حصہ کی طرف سے داخل ہوتے اور جب مکہ سے نکلتے تو نشیب کی طرف سے نکلتے۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الحج)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں داخل ہوتے تھے بلندی (ذی طوی والی طرف) کی راہ سے اور جب نکلتے تو نشیب سے۔ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں دن میں داخل ہوئے۔ (ابن ماجہ)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب بھی مکہ آتے، تو ذی طوی میں رات گزارتے اور جب صبح ہوتی تو غسل کرتے اور نماز پڑھتے پھر دن کو مکہ میں داخل ہوتے اور جب مکہ سے واپس ہوتے تو اس وقت بھی ذی طوی سے گزرتے اور صبح تک وہیں رات بسر کرتے، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

ذی طوی ایک جگہ کا نام ہے جو حدود حرم میں مقام تنعیم کی طرف واقع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ تشریف لائے تو استراحت کے لئے رات ذی طوی گزارتے پھر صبح غسل فرماتے اور نماز پڑھ کر اس شہر مقدس میں داخل ہوتے۔ نماز سے بظاہر نماز نفل مراد ہے جو وہاں جانے کے لئے پڑھتے تھے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے واپس ہوتے تو اس وقت بھی ذی طوی میں قیام فرماتے تاکہ رفقاء وہاں جمع ہو جائیں اور سب لوگوں کا سامان وغیرہ اکٹھا ہو جائے۔

حضرت ابن ملک فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مکہ میں دن کے وقت داخل ہونا مستحب ہے تاکہ شہر میں داخل ہوتے ہی بیت اللہ شریف نظر آئے اور دعا کی جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حجۃ الوداع کے موقع پر) جب مکہ تشریف لائے تو شہر میں اس کے بلند حصہ کی طرف سے داخل ہوئے اور (واپسی کے وقت) نشیبی حصے کی طرف سے نکلے۔ (بخاری ومسلم)

مکہ کے جس طرف ذی طوی ہے وہی شہر کا بلند حصہ ہے، جنت المعلی یعنی مکہ کا مشہور قبرستان بھی اسی جانب ہے۔ شہر کی دوسری جانب نشیبی حصہ ہے۔

پہلی حدیث اور اس حدیث میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ مکہ کے نشیبی حصہ سے نکل کر جب مدینہ کا راستہ اختیار کرتے تو ذی طوی پہنچتے اور وہاں رات گزار کر صبح مدینہ کے لئے روانہ ہو جاتے۔

خانہ کعبہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھانے میں مذاہب اربعہ کا بیان:

حضرت مہاجر مکی (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو خانہ کعبہ کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے کہ آیا یہ مشروع ہے یا نہیں؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم کے ہمراہ حج کیا تو ایسا نہ کرتے تھے (یعنی خانہ کعبہ کو دیکھ کر دعا مانگنے کے لئے اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

زائر بیت اللہ، مکہ پہنچ کر جب مسجد حرام میں داخل ہوتا ہے وہ خانہ کعبہ کو دیکھتے ہی دعا مانگتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

اس لئے مسئلہ یہ ہے کہ کعبہ مقدس کے جمال دل ربا پر نظر پڑتے ہی جو کچھ دل چاہے اپنے پروردگار سے مانگ لیا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس وقت دعا مانگتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ بھی اٹھائے جائیں یا نہیں؟ چنانچہ یہ حدیث اس کا انکار کر رہی ہے

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک کا مسلک بھی یہی ہے کہ خانہ کعبہ کو دیکھ کر دعا مانگنے والا اپنے ہاتھ نہ اٹھائے، جب کہ حضرت امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ خانہ کعبہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھائے جائیں اور دعا مانگی جائے۔ (طیبی)

ملاعلی قاری نے مرقات میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی کا مسلک اس کے برخلاف لکھا ہے یعنی ان کی نقل کے مطابق ان دونوں ائمہ کے ہاں ہاتھ اٹھانا مشروع ہے لیکن انہیں ملاعلی قاری نے اپنی ایک اور کتاب مناسک میں اس کو مکروہ لکھا ہے اگرچہ بعض علماء سے اس کا جواز بھی نقل کیا ہے۔ فقہ حنفی درمختار سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ اس موقع پر ہاتھ نہ اٹھانا چاہئے۔

کعبہ شریف میں داخل ہونے، اس میں نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کا بیان:

امام مسلم اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن آئے اور کعبہ کے صحن میں اترے۔ اور (کعبہ کے کلید بردار) عثمان بن طلحہؓ کے پاس کہلا بھیجا تو وہ چابی لائے اور دروازہ کھولا اور آپ ﷺ اور سیدنا بلال اور سیدنا اسامہ اور عثمان بن طلحہؓ اندر داخل ہوئے اور دروازہ بند کرنے کا حکم دیا تو دروازہ بند کر دیا گیا۔ (آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ) تھوڑی دیر ٹھہرے پھر دروازہ کھول دیا گیا تو میں سب لوگوں سے پہلے آپ ﷺ سے کعبہ کے باہر ملا اور سیدنا بلالؓ آپ ﷺ کے پیچھے تھے۔ پس میں نے سیدنا بلالؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا کہ کہاں؟ انہوں نے کہا کہ اپنے سامنے کے دوستونوں کے درمیان۔ اور میں بھول گیا کہ پوچھوں کتنی رکعتیں پڑھیں؟

حضرت ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے کہا کہ کیا تو نے سیدنا ابن عباسؓ کو یہ کہتے سنا ہے کہ تمہیں طواف کا حکم ہوا ہے اور کعبہ کے اندر جانے کا حکم نہیں ہوا۔ عطاء نے کہا کہ وہ اس کے اندر جانے سے منع نہیں کرتے، مگر میں نے ان کو سنا کہتے تھے کہ مجھے سیدنا اسامہ بن زیدؓ نے خبر دی کہ جب نبی ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس میں ہر طرف دعا کی اور نماز نہیں پڑھی۔ پھر جب نکلے تو قبلہ کے آگے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا کہ یہی قبلہ ہے۔ میں نے اُن سے کہا کہ اس کے کناروں کا کیا حکم ہے اور اس کے کونوں میں نماز کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ بیت اللہ شریف کے ہر طرف قبلہ ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الحج)

حجر اسود کے بوسے واستلام کا بیان:

قَالَ (ثُمَّ ابْتَدَأَ بِالْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَاسْتَقْبَلَهُ وَكَبَّرَ وَهَلَّلَ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَابْتَدَأَ بِالْحَجَرِ فَاسْتَقْبَلَهُ وَكَبَّرَ وَهَلَّلَ) (وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إلَّا فِي سَبْعَةِ مَوَاطِنَ وَذَكَرَ مِنْ جُمْلَتِهَا اسْتِلَامَ الْحَجَرِ) قَالَ (وَاسْتَلَمَهُ إنْ اسْتَطَاعَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُؤْذِيَ مُسْلِمًا) لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَبَّلَ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ وَوَضَعَ شَفَتَيْهِ عَلَيْهِ) وَقَالَ لِعُمَرَ

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : إنَّكَ رَجُلٌ أَيِّدٌ تُؤْذِي الضَّعِيفَ فَلَا تُزَاحِمْ النَّاسَ عَلَى الْحَجَرِ، وَلَكِنْ إنْ وَجَدْتَ فُرْجَةً فَاسْتَلِمْهُ وَإِلَّا فَاسْتَقْبِلْهُ وَهَلِّلْ وَكَبِّرْ ". وَلِأَنَّ الِاسْتِلَامَ سُنَّةٌ وَالتَّحَرُّزُ عَنْ أَذَى الْمُسْلِمِ وَاجِبٌ .

ترجمہ:

فرمایا: پھر وہ حج اسود سے شروع کرے تو اس کا بوسہ لے اور تکبیر وتہلیل پڑھے۔ کیونکہ روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں داخل ہوئے۔ (ابن ابی شیبہ) تو آپ ﷺ نے حجر اسود سے ابتداء کی اور آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور "اللہ اکبر" اور لا الہ الا اللہ" پڑھا۔ (مسلم)

صاحب قدوری نے کہا ہے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے صرف سات مقامات پر ہاتھوں کو بلند کیا تھا۔ اور ان میں سے ایک استلام حجر ہے۔ جبکہ وہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچائے بغیر ممکن ہو۔ کیونکہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا تو آپ ﷺ نے دونوں مبارک ہونٹ اس پر رکھے اور آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے عمر! تو طاقتور آدمی ہے کمزوروں کو تکلیف پہنچائے گا۔ لہذا حجر اسود کے پاس لوگوں میں گھس نہ جانا۔ لیکن جب کشادگی پائے تو حجر اسود کا استلام کر لینا۔ ورنہ حجر اسود کے سامنے ہوتے ہوئے تکبیر وتہلیل پڑھ لینا۔ کیونکہ استلام سنت ہے جبکہ مسلمان کو تکلیف پہنچانے سے بچنا واجب ہے۔

حجر اسود کے بوسے کا بیان:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جب حج یا عمرہ کے لئے) مکہ تشریف لائے تو حجر اسود کے پاس آئے اور اس کو بوسہ دیا پھر (طواف کے لئے) داہنے ہاتھ کی طرف چلے، چنانچہ تین مرتبہ تو بازو ہلا کر اور جلدی جلدی چلے (جس طرح پہلوان چلتے ہیں) اور چار مرتبہ اپنی معمولی رفتار سے چلے۔ (مسلم)

حضرت زبیر ابن عربی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حجر اسود کو بوسہ دینے کے سلسلہ میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے ہاتھ لگاتے اور چومتے تھے۔ (بخاری)

استلام رکن یمانی کا بیان:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ کے صرف دو رکن کا استلام کرتے دیکھا ہے جو یمن کی سمت ہیں۔ (بخاری مسلم)

کعبہ مقدسہ کے چار رکن یعنی چار کونے ہیں، ایک رکن تو وہ ہے جس میں حجر اسود نصب ہے، دوسرا اس کے سامنے ہے اور

حقیقت میں یمانی اسی رکن کا نام ہے، مگراس طرف کے دونوں ہی رکن کوتغلیباً رکن یمانی ہی کہتے ہیں۔ان کے علاوہ دو رکن اور ہیں جن میں سے ایک تو رکن عراقی ہےاور دوسرا رکن شامی مگران دونوں کو رکن شامی ہی کہتے ہیں۔

جن میں رکن حجر اسود ہےاس کو دوہری فضیلت حاصل ہے،ایک فضیلت تو اسے اس لئے حاصل ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے،اور دوسری فضیلت یوں حاصل ہے کہ اس میں حجرِاسود ہے، جب کہ رکن یمانی کو صرف یہی ایک فضیلت حاصل ہے کہ اسے حضرت ابراہیم نے بنایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان دونوں رکن کو رکن شامی وعراقی پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔اسی لئے اسلام انہیں دونوں رکن کے ساتھ مختص ہے۔

استلام کے معنی ہیں لمس کرنا یعنی چھونا یہ چھونا خواہ ہاتھ وغیرہ کے ذریعہ ہو یا بوسہ کے ساتھ اور یا دونوں کے ساتھ لہٰذا جب یہ لفظ رکن اسود کے ساتھ استعمال ہوتا ہےتو اس سے حجر اسود کو چومنا مقصود ہے اور جب رکن یمانی کی نسبت استعمال ہوتا ہے تو اس سے رکن یمانی کو صرف چھونا مراد ہوتا ہے۔

چونکہ رکن اسود، رکن یمانی سے افضل ہے اس لئے اس کو بوسہ دیتے ہیں یا ہاتھ وغیرہ لگا کر یا کسی چیز سے اس کی طرف اشارہ کر کے چومتے ہیں،اور رکن یمانی کو صرف چوما جاتا ہے اس کو بوسہ نہیں دیا جاتا،بقیہ دونوں رکن یعنی شامی اور عراقی کو نہ بوسہ دیتے ہیں اور نہ ہاتھ لگاتے ہیں، چنانچہ مسئلہ یہی ہے کہ حجر اسود اور رکن یمانی کے علاوہ کسی اور پتھر وغیرہ کو نہ چومنا چاہئے اور نہ ہاتھ لگانا چاہئے۔

حجراسود کے بوسے سے متعلق شعائر اللہ کی تعظیم کا بیان:

حضرت عابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجرِ اسود کے پاس آئے اور اسے بوسہ دے کر کہا: میں خوب جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔ اگر میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔

(اور ایک روایت میں ہے کہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وہ کام ہے جسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا فرمایا ہے پس ہم نہیں چاہتے کہ اسے ترک کر دیں۔(البخاری، :1520، 1528، ومسلم :1270، وأبوداود: 1873، والنسائی : 2938، وابن ماجہ :2943، ومالک فی الموطأ: 818، وأحمد بن حنبل :99، والبزار فی المسند، 1 :139، وابن حبان:.2711)

صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم ہمیشہ ہر کام اتباع رسول میں کیا کرتے تھے۔اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا "(اے پتھر!) اگر تجھے حضور نے نہ چوما ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا" اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ بیشک وہ پتھر جنت سے آیا تھا۔حرم کعبہ میں نصب تھا اور بہت فضیلت رکھتا تھا لیکن سیدنا فاروق اعظم اس پتھر کو اسکی فضیلت کی وجہ سے نہیں بلکہ حضور اکرم کے لب مبارک لگ جانے کی وجہ سے چوم رہے تھے۔شاعر نے شاید اسی کیفیت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا تھا۔

مجھے کیا خبر تھی رکوع کی، مجھے ہوش کب تھی سجود کی
تیرے نقشِ پا کی تلاش تھی، جو میں جھک رہا تھا نماز میں

قرآن کو ادب سے چومنے علماء مصر کا فتویٰ:

قرآن کریم کو چومنا،تکریم اور احترام ہے یہ اللہ رب العزت کی نشانیوں کی تعظیم ہے۔قرآن کریم کو چومنے سے منع کرنے کا کوئی حکم نہیں آیا چنانچہ یہ مباح ہے۔اگر چومنے سے مقصود تعظیم وتکریم ہو تو یہ سنت ہے۔

شریعت میں جنہیں چومنے یا جن کو بوسہ دینے کا ذکر آیا ہے ان میں حجر اسود کو بوسہ دینا ہے۔رسول اللہ- صلی اللہ علیہ وسلم- نے اسے چوما اور یہ سنت ہے۔رسول اللہ- صلی اللہ علیہ وسلم- نے اسے کیوں چوما؟اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایسا شخصیتوں اور سرداروں کے ہاتھ چومنے سے مشابہت کے طور پر کیا گیا اور حجر اسود جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ زمین پر اللہ رب العزت کا عہد ہے جس کے ذریعہ اُس کے بندے اُس سے مصافحہ کرتے ہیں چنانچہ اُسے چومنا اللہ رب العزت کی عظمت اور اس کے جلال کو تسلیم کرنا ہے یا اُس کی اطاعت کا اور اُس کے (احکام) کی پابندی کرنے کا اُس کے ساتھ عہد ہے جیسا کہ لوگوں کے درمیان خرید وفروخت، تعلق و دوستی اور باہمی معاہدہ کیلئے ہوتا ہے۔یا اسے چومنا کعبہ شریف کے احجار کے بقیہ حصوں کی تعظیم وتکریم ہے۔جس کی تعمیر ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم-اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اُجمعین کے ایسے بہت سے آثار وارد ہوئے ہیں جن میں انہوں نے عزت وتکریم اور احترام کے طور پر ایک دوسرے کو چوما اور بوسہ دیا ہے۔انہیں واقعات میں سے یہ ہیں.

ا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم-نے (حضرت) جعفر بن ابی طالب کی حبشہ سے واپسی پر اُن کا خیر مقدم کیا انہیں گلے لگایا اور اُن کی دونوں آنکھوں کے درمیانی حصہ کو چوما۔

۲۔(حضرت) زید بن حارثہ جب (اُم المومنین) (حضرت) عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم- صلی اللہ علیہ وسلم- اُٹھ کر کپڑا کھینچتے ہوئے اُن کی طرف تشریف لے گئے۔آپ- صلی اللہ علیہ وسلم-نے انہیں گلے لگایا اور انہیں بوسا دیا۔

۳۔جب غازی (مجاہدین) مؤتہ سے واپس آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم-کے دست اقدس کو بوسہ دیا۔

۴۔جب اللہ رب العزت نے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کی توبہ قبول فرمائی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس کو بوسہ دیا۔

۵۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالقیس کے وفد کو اپنے دست مبارک بلکہ قدم مبارک کا بوسہ لینے کی اجازت دی۔

۶۔(حضرت) اسید بن حضیر کو بوسہ لینے کی اجازت دی جب کہ انہوں نے لکڑی کی ضرب کا قصاص لینے کیلئے جسم مبارک کو کھولنے کا مطالبہ کیا۔اور یہ بوسہ لینا برکت کے طور پر تھا۔

۷۔دو یہودی سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نو کھلی ہوئی نشانیوں کے بارے یں دریافت کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو یہ ۹ نشانیاں بتا دیں تو اُن دونوں نے

پیارے آقا تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں اور قدمین شریفین کو بوسہ دیا اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔

۸۔ جب (حضرت) عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ملک شام تشریف لائے تو (حضرت) ابوعبیدہ نے اُن کے ہاتھوں کا بوسہ لیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ (حضرت) اباعبیدہ نے آپ کے ہاتھوں کو چومنے کا یا بوسہ دینے کا ارادہ کیا تو (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اپنے ہاتھ کھینچ لیئے۔ سو (حضرت) ابوعبیدہ نے آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے قدموں کا بوسہ لیا۔

۹۔ (حضرت) زید بن ثابت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے علماء کرام کے احترام کے طور پر (حضرت) عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ہاتھوں کا اُس وقت بوسہ لیا جب کہ وہ سواری پر سوار ہو رہے تھے۔

چنانچہ (حضرت) زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کے طور پر اُن کے ہاتھوں کا بوسہ لیا۔

۱۰۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ (حضرت) سلمہ بن الاکواع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پر بیعت کی ہے تو انہوں نے (حضرت) سلمہ بن الاکوع کے ہاتھوں کا بوسہ لیا۔

قرآن شریف کو چومنا یا اُس کا بوسہ لینا انہیں سابقہ مفہوم کے ضمن میں آتا ہے۔ اور وہ ہے عزت وتکریم، تعظیم وتوقیر، اجلال و احترام، اطاعت وتقویٰ کا عہد اور یہ شعائر اللہ کی عظیم میں سے ہے۔ سورہ حج کی آیت نمبر ۳۲ میں اللہ کا ارشاد ہے کہ ذٰلِكَ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْب ۔

اور جو کوئی اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو بے شک یہ دلوں کی پرہیزگاری سے۔ اور یہ اللہ رب العزت کی نعمت کے شکر میں سے ہے۔ سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر ۷ میں ہے: وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۔

اور اُس وقت تمہارے پروردگار نے تم کو خبردار کیا کہ اگر تم میری شکر گزاری کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔

اللہ رب العزت کی نعمتیں بے شمار ہیں جنہیں گننا ممکن نہیں۔ ان نعمتوں پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا ہم پر واجب ہے۔ شکر گزاری سے اِن میں اضافہ ہوتا ہے۔ یا کم سے کم اللہ انہیں محفوظ رکھتا ہے اور ان میں برکت دیتا ہے۔ کفران نعمت سے یہ ضائع ہونے اور ان سے لطف واندوز ہونے سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کو چومنے اور اُس کا بوسہ لینے سے منع کرنے کا کوئی حکم وارد نہیں ہوا چنانچہ یہ مباح ہے اور اگر اس سے قرآن کریم کی تعظیم وتوقیر مقصود ہو تو یہ مباح ہے۔ (ڈاکٹر یاسر عبدالعظیم، فتاویٰ دارالفتاء المصریہ الموضوع (٦٣)، المفتی: فضیلۃ الشیخ مطبوعہ، صفر مئی ۱۹۹۷.)

آثار وتبرکات کی شرعی حیثیت کا بیان:

قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق آثار وتبرکات کا ادب اور ان کی تعظیم کرنا ضروری ہے۔ ان کے ادب کے سبب اللہ تعالیٰ

سے ثواب کی امید جبکہ ان کی بے ادبی کرنے سے ایمان خارج ہونے کا خدشہ ہے۔ جبکہ بعض دفعہ ان کی بے ادبی کے سبب انسان مسلمان نہیں رہتا۔

قرآن کے مطابق آثار وتبرکات کی تعظیم کا حکم:

(۱) بیشک سب میں پہلا گھر کہ لوگوں کے لئے مقرر فرمایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کو راہ دکھاتا اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کا پتھر۔ (البقرہ، ۹۷)

امام فخر الدین رازی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

کعبہ معظمہ کی ایک فضیلت مقام ابراہم ہے یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا قدم مبارک رکھا تو جتنا ٹکڑا ان کے زیر قدم آیا تر مٹی کی طرح نرم ہو گیا یہاں تک کہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا قدم مبارک اس میں پیر گیا اور یہ خاص قدرت الہیہ ومعجزہ انبیاء ہے پھر جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قدم اٹھایا اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس ٹکڑے میں پتھر کی سختی پیدا کردی کہ وہ نشان قدم محفوظ رہ گیا پھر اسے حق سبحنہ نے مدتہا مدت باقی رکھا تو یہ اقسام اقسام کے عجیب وغریب معجزے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر میں ظاہر فرمائے۔ (مفاتیح الغیب، ج ۸، ص ۱۵۵، عامریہ مصر)

(۲) وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔(البقرہ ۔۲۴۸)

اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر ایمان رکھتے ہو۔

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا ایک زراندود صندوق تھا جس کا طول تین ہاتھ کا اور عرض دو ہاتھ کا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا اس میں تمام انبیاء علیہم السلام کی تصویریں تھیں ان کے مساکن ومکانات کی تصویریں تھیں اور آخر میں حضور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور حضور کی دولت سرائے اقدس کی تصویر ایک یاقوت سرخ میں تھی کہ حضور بحالت نماز قیام میں ہیں اور گرد آپ کے آپ کے اصحاب حضرت آدم علیہ السلام نے ان تمام تصویروں کو دیکھا یہ صندوق وراثتاً منتقل ہوتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا آپ اس میں توریت بھی رکھتے تھے اور اپنا مخصوص سامان بھی، چنانچہ اس تابوت میں الواح توریت کے ٹکڑے بھی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور آپ کے کپڑے اور آپ کی نعلین شریفین اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور ان کی عصا اور تھوڑا سا من جو بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام جنگ کے موقعوں پر اس صندوق کو آگے رکھتے تھے اس سے بنی اسرائیل کے دلوں کو تسکین رہتی تھی آپ کے بعد یہ تابوت بنی اسرائیل میں متوارث ہوتا چلا آیا جب

انہیں کوئی مشکل درپیش ہوتی وہ اس تابوت کو سامنے رکھ کر دعائیں کرتے اور کامیاب ہوتے دشمنوں کے مقابلہ میں اس کی برکت سے فتح پاتے جب بنی اسرائیل کی حالت خراب ہوئی اوران کی بدعملی بہت بڑھ گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر عمالقہ کو مسلط کیا تو وہ ان سے تابوت چھین کر لے گئے اوراس کو نجس اور گندے مقامات میں رکھا اوراس کی بے حرمتی کی اوران گستاخیوں کی وجہ سے وہ طرح طرح کے امراض ومصائب میں مبتلا ہوئے ان کی پانچ بستیاں ہلاک ہوئیں اورانہیں یقین ہوا کہ تابوت کی اہانت ان کی بربادی کا باعث ہے تو انہوں نے تابوت ایک بیل گاڑی پر رکھ کر بیلوں کو چھوڑ دیا اور فرشتے اس کو بنی اسرائل کے سامنے طالوت کے پاس لائے اوراس تابوت کا آنا بنی اسرائیل کے لئے طالوت کی بادشاہی کی نشانی قرار دیا گیا تھا بنی اسرائیل یہ دیکھ کر اس کی بادشاہی کے مقر ہوئے اور بے درنگ جہاد کے لئے آمادہ ہوگئے کیونکہ تابوت پا کر انہیں اپنی فتح کا یقین ہوگیا طالوت نے بنی اسرائیل میں سے ستر ہزار جوان منتخب کئے جن میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی تھے (جلالین وجمل وخازن ومدارک وغیرہ)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کا اعزاز واحترام لازم ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی اور حاجتیں رواہوتی ہیں اور تبرکات کی بے حرمتی گمراہوں کا طریقہ اور بربادی کا سبب ہے فائدہ تابوت میں انبیاء کی جو تصویریں تھیں وہ کسی آدمی کی بنائی ہوئی نہ تھیں اللہ کی طرف سے آئی تھیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، البقرہ ۲۴۸)

تابوت سکینہ اور جنگ طالوت وجالوت کا بیان:

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ کہ نبی علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ طالوت کی بادشاہت کی پہلی علامت برکت یہ ہے کہ کھویا ہوا تابوت سکینہ انہیں پھر مل جائے گا، جس میں وقار وعزت دلجمعی اور جلالت رافت ورحمت ہے۔ جس میں اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں تم بخوبی جانتے ہو، بعض کا قول ہے کہ سکینہ ایک سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء کے دِل دھوئے جاتے تھے جو حضرت موسیٰ کو ملا تھا اور جس میں آپ نے توراۃ کی تختیاں رکھی تھیں، کسی نے کہا ہے اس کا منہ بھی تھا جیسے انسان کا منہ ہوتا ہے اور روح بھی تھی، ہاتھ بھی تھا، دو سر تھے، دو پر تھے اور دُم بھی تھی، وہب کہتے یہں مردہ بلی کا سر تھا جب وہ تابوت میں بولتا تو انہیں نصرت کا یقین ہوجاتا اور لڑائی فتح ہو جاتی، یہ قول بھی ہے کہ یہ ایک روح تھی اللہ کی طرف سے جب کبھی بنی اسرائیل میں کوئی اختلاف پڑتا یا کسی بات کی اطلاع نہ ہوتی تو وہ کہہ دیا کرتی تھی۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے ورثے کے باقی حصے سے مراد لکڑی اور توراۃ کی تختیاں اون اور کچھ ان کے کپڑے اور جوتی ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان وزمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے لائے اور حضرت طالوت بادشاہ کے سامنے لا رکھا، اس تابوت کو ان کے ہاں دیکھ کر انہیں نبی کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت کا یقین ہوگیا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ گائے کے اوپر لایا گیا، بعض کہتے ہیں کہ کفار نے جب یہودیوں پر غلبہ پایا تو تابوت سکینہ کو ان سے چھین لیا اور اریحا میں لے گئے اور اپنے بڑے بت کے نیچے رکھ دیا جب اللہ کو اسے واپس بنی اسرائیل تک پہنچانا تھا، تب وہ کفار صبح جب بت خانے میں گئے تو دیکھا بت نیچے ہے اور تابوت اوپر ہے،

انہں نے پھر بت کو اوپر کر دیا لیکن دوسری صبح دیکھا کہ پھر وہی معاملہ ہے انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا، صبح جو گئے تو دیکھا بت ایک طرف ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے، تو یقین ہوگیا کہ یہ قدرت کے کرشمے ہیں چنانچہ انہوں نے تابوت کو یہاں سے لے جا کر کسی اور چھوٹی سی بستی میں رکھ دیا، وہاں ایک وبائی بیماری پھیلی، آخر بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو وہاں قید تھی، اس نے کہا کہ اسے واپس بنی اسرائیل پہنچادو تو تمہیں اس سے نجات ملے گی، ان لوگوں نے دو گائیوں پر تابوت کو رکھ کر بنی اسرائیل کے شہر کی طرف بھیج دیا، شہر کے قریب پہنچ کر گائیں تو رسیاں تڑوا کر بھاگ گئیں اور تابوت وہیں رہا جسے بنی اسرائیل لے آئے، بعض کہتے ہیں دونو جوان اسے پہنچا گئے واللہ اعلم، (لیکن الفاظ قرآن میں یہ موجود ہیں کہ اسے فرشتے اٹھالائیں گے (مترجم) یہ بھی کہا گیا کہ ہے کہ فلسطین کی بستیوں میں سے ایک بستی میں تھا جس کا نام ازدوہ تھا۔ پھر فرماتا ہے میری نبوت کی دلیل اور طالوت کی بادشاہت کی دلیل یہ بھی ہے کہ تابوت فرشتے پہنچا جائیں گے، اگر تمہیں اللہ عزوجل اور قیامت پر ایمان ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ، ۲۴۸)

احادیث کے مطابق آثار وتبرکات کی تعظیم کا حکم:

(۱) امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجام کو بلا کر سر مبارک کے داہنی جانب کے بال مونڈنے کا حکم فرمایا پھر ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر وہ سب بال انھیں عطا فرمادئے پھر بائیں جانب کے بالوں کو حکم فرمایا اور وہ ابوطلحہ کو دئے کہ انھیں لوگوں میں تقسیم کردو۔

(صحیح مسلم، ج۱ص، ۴۲۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۲) امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو نعل مبارک ہمارے پاس لائے کہ ہر ایک میں بندش کے دو تسمے تھے ان کے شاگرد رشید ثابت بنانی نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعل مقدس ہے۔

(صحیح بخاری، ج۱ص، ۴۳۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۳) حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے انھوں نے ایک اُونی جبہ کسروانی ساخت نکالا، اس کی پلیٹ ریشمین تھی اور دونوں چاکوں پر ریشم کا کام تھا اور کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جبہ ہے ام المومنین صدیقہ کے پاس تھا ان کے انتقال کے بعد میں نے لے لیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے پہنا کرتے تھے تو ہم اسے دھو دھو کر مریضوں کو پلاتے اوراس سے شفا چاہتے ہیں۔ (صحیح مسلم، ج۲ص ۱۹۰، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۴) حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب سے ہے۔ میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خدمت میں حاضر ہوا انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی ہمیں زیارت کرائی اس پر خضاب کا اثر تھا۔

(صحیح بخاری، ج۲ص ۸۷۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اہل سنت وجماعت کی دیگر عمومی تصانیف میں کثیر دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز کی نسبت انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرحمہ سے ہوجائے وہ چیز برکت والی ہے اوراس کی تعظیم کی جائے گی۔

منکرین آثار وتبرکات کے دھوکے وفریب:

مفتی شریف الحق امجدی لکھتے ہیں کہ اہل تشیع کا عقیدہ ہے۔حضرت سیدہ کا وصال ہوگیا اپنے اسی جھوٹے اعتقاد کے مطابق وہ حضرت سیدہ کو مظلومہ اور شہیدہ بھی کہہ رہا تھا یہ حقیقت میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ پر تبرا ہے صرف اسی ایک موقعہ پر نہیں بلکہ میں نے بارہا ایرانی رافضیوں کے منہ سے یہ تبرا سنا ہے۔

یہ ہے بخدی حکومت کی حق پرستی کہ رافضی علانیہ مسلسل تبرا بکیں تو ان سے کوئی پرشش نہیں لیکن اگر کوئی سُنّی وارفتہ شوق ہوکر جالیوں کو بوسہ دیدے یا منبر اقدس کو بوسہ دیدے تو اسے جھڑکتے بھی ہیں دھکے بھی دیتے ہیں اور مار بھی دیتے ہیں۔میں نے حرمین طیّبین جا کر یہ محسوس کیا کہ وہاں مآثر ومزارات کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے کے سوا اور کوئی چیز جرم نہیں۔داڑھی منڈاؤ، فلم دیکھو، گھروں میں ٹیلی ویژن لگاؤ، اس پر عریاں فحش مخرب اخلاق سین دیکھو، گانے سُنو تصویریں کھنچواؤ، تصویریں بیچو، خریدو کوئی چیز جرم نہیں۔میں نے معلمین کے آفسوں میں دیکھا کہ ٹیلی ویژن لگے ہوئے ہیں دن رات فلمیں چلتی رہتی ہیں۔بازاروں میں علانیہ مصر کی مشہور مغنیہ ام کلثوم اور دنیا کے مشہور گانے والے گانے والیوں کے پاکستانی فلمی گانوں کے کیسٹ بکتے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں۔میں نجدی حکومت کے طرفداروں سے سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ سب چیزیں جائز ہیں؟ قرآن مجید کی جو بے حرمتی میں نے وہاں آنکھوں سے دیکھی وہ کسی چیز کی نہیں دیکھی۔حجاج بہترین سے بہترین قرآن مجید خرید کر دونوں حرم میں رکھ دیتے ہیں جب ان کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے تو بعد عشاء کوڑا پھینکنے والے ٹرکوں میں دروازوں کے باہر پڑے ہوئے طرح بھرتے ہیں جیسے کوڑا بھرا جاتا ہے، قرآن مجید کی جلدوں کو بوروں میں کس کر گھسیٹ کر لے جاتے ہیں اور اٹھا کر ٹرک میں پھینک دیتے ہیں پھر انھیں قرآن مجید پر ٹرک میں بیٹھتے ہیں اور لے جا کر کہیں پھینک آتے ہیں۔

حجاج میں بھی ایسے ایسے گنواروں کو دیکھا کہ قرآن مجید کا تکیہ لگائے ہوئے سو رہے ہیں مگر کسی نجدی سپاہی یا مطوّی کو توفیق نہیں ہوئی کہ ان گنواروں کو ٹوکتا۔حجاج بیٹھے تلاوت کر رہے ہیں اور گنوار قرآن کی طرف پاؤں کر کے سو رہے ہیں۔مگر انھیں کوئی تنبیہ کرنے والا نہیں۔میں نے کئی حاجیوں کو اس پر ٹوکا کچھ تو مان گئے کچھ جھگڑے پر آمادہ ہو گئے، غرض کہ نجدی حکومت میں یہ سب ناکردنیاں ہوتی ہیں مگر نجدیوں کے وظیفہ خوار اس پر چوں تک نہیں کرتے، مآثر ومزارات کے ہاتھ لگانے و بوسہ دینے پر نجدیوں کے بیجا تشدد کا خطبہ البتہ رات دن پڑھتے رہتے ہیں۔بہر حال ایرانیوں کو کھلی چھٹی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں حتی کہ انھیں تبرا بکنے کی بھی اجازت ہے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ میں نے جالیوں میں دیکھنا شروع کیا کہ حظیرہ اقدس جالیوں سے کتنے فاصلے پر ہے اور اس کی ساخت کیسی ہے کہ مجھے نجدی سپاہی نے شرک شرک حرام حرام کہہ کے دھکا دیدیا حالانکہ میں نے جالیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا اپنے اسلاف کی ہدایت کے مطابق اپنے ہاتھوں کو ہرگز اس لائق نہیں سمجھتا کہ ان مقدس جالیوں کو مس کریں۔مجھے بہت ہی غصہ آیا، میں نے اس بدبخت سے کہا النظر الی داخل الشباک شرک حرام تو اس درندے نے دونوں ہاتھوں سے میرے مونڈھوں کو پوری طاقت

سے پکڑا اور اتنے زور سے دھکا دیا کہ اگر وہاں زائرین کھڑے نہ ہوتے تو میں گر پڑتا۔جی میں تو آیا کہ اس ظالم سے دو دو ہاتھ کرلوں اگرچہ جانتا تھا کہ میرا کیا حال ہوگا مگر سرکار اپنے چشمان مبارک سے دیکھ تو لیتے کہ کفار قریش کے جانشین ان کے غلاموں کے ساتھ ان کے دربار عالی جاہ میں ان کے روبرو کتنا ستم ڈھاتے ہیں اور پھر میں جھوم جھوم کر یہ عرض کرتا

بحرم عشق تو ام می کشند غوغائیت ‌ ‌ ‌ تو نیز برسر بام آکه خوش تماشائیست

بوسہ لینے کے عمل میں عدم مفہوم شرک کا بیان:

اہل عقل جہلاء کی اس دیدہ دلیری اور منافقت پر حیران ہیں کہ کیا کسی نبی علیہ السلام یا کسی ولی اللہ کے مزار کو بوسہ دینے سے شرک مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے؟ کیا جو مزارات انبیاء واولیاء کو بوسہ دینا شرک سمجھتے ہیں تو وہ اس عمل میں اللہ کے ساتھ شریک ہونا کس طرح ثابت کرتے ہیں۔کیا وہ قیامت تک اپنا یہ دعویٰ ثابت کر سکتے ہیں کہ بوسہ دینا شرک ہے؟۔اگر وہ یہ عمل شرک کہتے ہیں تو وہ اللہ تعالی کا جسم ثابت کریں گے پھر وہ وصال ثابت کریں گے پھر اس کی قبر ثابت کریں گے اور پھر جا کہیں شرک ثابت ہوگا۔جبکہ اللہ تعالی جسم، وصال، قبر اور بوسہ کے اہل ہونے سے پاک ہے۔اس کی شان تو "لیس کمثله شئی' اس کی مثل تو کوئی چیز ہی نہیں ہے۔اصل میں یہ لوگ منافق ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرحمہ سے بغض وعداوت رکھتے ہیں۔اور ان کا دعویٰ قرآن وسنت کا اسی طرح جنونی دعویٰ جس طرح زمانہ خلافت راشدہ میں خوارج کا دعویٰ تھا۔اللہ تعالی مسلمانوں کو انبیاء کرام واولیاء کرام کے دشمنوں سے محفوظ فرمائے۔آمین

اگر حجر اسود کو صرف چھونا ممکن ہو تو بھی اسے چھو لے:

قَالَ (وَإِنْ أَمْكَنَهُ أَنْ يَمَسَّ الْحَجَرَ شَيْئًا فِي يَدِهِ) كَالْعُرْجُونِ وَغَيْرِهِ (ثُمَّ قِيلَ ذَلِكَ فَعَلَ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ طَافَ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَاسْتَلَمَ الْأَرْكَانَ بِمِحْجَنِهِ) وَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ اسْتَقْبَلَهُ وَكَبَّرَ وَهَلَّلَ وَحَمِدَ اللَّهَ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ.

ترجمہ:

فرمایا: اور اگر حجر اسود کو اس طرح کی چیز سے مس کرنا ممکن ہو جو اس کے ہاتھ میں ہو جس طرح عرجون وغیرہ ہے۔تو وہ پھر اسے بوسہ دے تو بھی ویسا ہی کرے۔کیونکہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی سواری پر طواف کیا اور اپنی چھڑی سے ارکان کا استلام کیا۔اور ان میں سے کوئی صورت بھی ممکن نہ ہو تو پھر وہ استقبال کرے اور تکبیر کہے اور تہلیل کہے اور اللہ تعالی کی حمد کہے اور نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھے۔

حجر اسود کی اہمیت وفضلیت میں احادیث کا بیان:

(۱) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بلاشبہ حجر اسود اور مقام ابراھیم جنت کے یاقوتوں میں سے یاقوت ہیں اللہ تعالی نے ان کے نور اور روشنی کو ختم کر دیا ہے اگر اللہ تعالی اس روشنی کو ختم نہ کرتا تو مشرق ومغرب کا درمیانی حصہ روشن ہو جاتا۔ سنن ترمذی حدیث نمبر (804)

(۲) ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (حجر اسود جنت سے نازل ہوا)۔ سنن ترمذی حدیث نمبر (877) سنن نساء حدیث نمبر (2935) امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے اسے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (حجر اسود جنت سے آیا تو دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا اور اسے بنو آدم کے گناہوں نے سیاہ کر دیا ہے)۔ سنن ترمذی حدیث نمبو (877) مسند احمد حدیث نمبر (2792) اور ابن خزیمہ نے صحیح ابن خزیمہ (4/219) میں اسے صحیح قرار دیا ہے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے فتح الباری (3/462) میں اس کی تقویت بیان کی ہے۔

صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ بنی آدم کے چھونے کی بناء پر ان کے گناہوں کے سبب سے سیاہ ہو گیا، اور ظاہر تو یہی ہوتا ہے کہ اس حدیث کو حقیقت پر محمول کیا جائے، جبکہ اس میں نہ تو عقل اور نہ ہی نقل مانع ہے۔ (تحفۃ الاحوذی (3/525)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی کا کہنا ہے: اوپر گزری ہوئی حدیث پر بعض ملحدین نے اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ مشرکوں کے گناہوں نے اسے سیاہ کیسے کر دیا اور مؤحدین کی اطاعات نے اسے سفید کیوں نہیں کیا؟ جواب میں وہ کہا جاتا ہے جو ابن قتیبہ رحمہ اللہ تعالی نے کہا ہے: اگر اللہ تعالی چاہتا تو اس طرح ہو جاتا، اللہ تعالی کی مرضی ہے کہ سیاہ رنگا ہو جاتا ہے اور اس کے عکس نہیں ہو سکتا۔

علامہ محبّ الطبری کا کہنا ہے کہ سیاہ رنگ میں اہل بصیرت کے لیے عبرت ہے وہ اس طرح کہ اگر گناہ سخت قسم کے پتھر پر اثر انداز ہو کر اسے سیاہ کر سکتے ہیں تو دل پر ان کا اثر ہونا زیادہ سخت اور شدید ہوگا۔ فتح الباری (3/463)

(۴) ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا: اللہ کی قسم اللہ تعالی اسے قیامت کو لائے گا تو اس کی دو آنکھیں ہونگی جن سے یہ دیکھے اور زبان ہوگی جس سے بولے اور ہر اس شخص کی گواہی دے گا جس نے اس کا حقیقی استلام کیا۔ سنن ترمذی حدیث نمبر (961) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (2944) امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (3/462) میں اس کی تقویت بیان کی ہے۔ یہ ایسا کام ہے جو طواف کے ابتدا میں ہی کیا جاتا ہے چاہے وہ طواف حج میں ہو یا عمرہ میں یا پھر نفلی طواف کیا جا رہا ہو۔

(۵) جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو حجر اسود کا استلام کیا اور پھر اس کے دائیں جانب چل پڑے اور تین چکروں میں رمل کیا اور باقی چار میں آرام سے چلے۔

(صحیح مسلم حدیث نمبر (1218)

(۶) حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ حجر اسود کے پاس تشریف لائے اور اسے بوسہ دے کر کہنے لگے: مجھے یہ علم ہے کہ تو ایک پتھر ہے نہ تو نفع دے سکتا اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتا ہے، اگر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے نہ چومتا۔ صحیح بخاری حدیث نمبر (1250) صحیح مسلم حدیث نمبر (1720)

(۷) ا۔ نافع رحمہ اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے حجر اسود کا استلام کیا اور پھر اپنے ہاتھ کو چوما، اور فرمانے لگے میں نے جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کرتے ہوئے دیکھا ہے میں نے اسے نہیں چھوڑا۔

(صحیح مسلم حدیث نمبر (1268)

(۸) ابو طفیل رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اور حجر اسود کا چھڑی کے ساتھ استلام کر کے چھڑی کو چومتے تھے۔ صحیح مسلم حدیث نمبر (1275)

(۹) ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ پر طواف کیا تو جب بھی حجر اسود کے پاس آتے تو اشارہ کرتے اور اللہ اکبر کہتے۔ صحیح بخاری حدیث نمبر (4987)

(۱۰) ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کا چھونا گناہوں کا کفارہ ہے۔ سنن ترمذی حدیث نمبر (959) امام ترمذی نے اسے حسن اور امام حاکم نے (1/664) صحیح قرار دیا اور امام ذھبی نے اس کی موافقت کی ہے۔

اضطباع چادر کا بیان:

قَالَ (ثُمَّ أَخَذَ عَنْ يَمِينِهِ مِمَّا يَلِي الْبَابَ وَقَدْ اضْطَبَعَ رِدَاءَهُ قَبْلَ ذَلِكَ فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اسْتَلَمَ الْحَجَرَ ثُمَّ أَخَذَ عَنْ يَمِينِهِ مِمَّا يَلِي الْبَابَ فَطَافَ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ) (وَالِاضْطِبَاعُ أَنْ يَجْعَلَ رِدَاءَهُ تَحْتَ إبْطِهِ الْأَيْمَنِ وَيُلْقِيهِ عَلَى كَتِفِهِ الْأَيْسَرِ) وَهُوَ سُنَّةٌ .وَقَدْ نُقِلَ ذَلِكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ .

ترجمہ:

فرمایا: پھر وہ اپنی دائیں طرف سے ابتداء کرے جہاں سے متصل دروازہ ہے۔ جبکہ وہ اپنی چادر کا اضطباع کر چکا ہو۔ لہذا وہ بیت اللہ کے سات چکر لگائے۔ کیونکہ اسی طرح روایت کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب طواف کیا تو آپ ﷺ نے حجر اسود کا استلام کیا اور پھر اپنی دائیں جانب سے ملے ہوئے دروازے سے ابتداء کی۔ تو آپ ﷺ طواف کے سات چکر لگائے۔ اور اضطباع یہ ہے کہ اپنی چادر کو اپنی دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر اسے اپنے بائیں کندھے پر ڈالے۔ اور اضطباع سنت ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا گیا ہے۔ (ابوداؤد)

طواف میں اضطباع کرنے کا بیان:

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حالت میں طواف کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبز (دھاریوں والی) چادر کے ذریعہ اضطباع کیے ہوئے تھے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

چادر کو اس طرح اوڑھنا کہ اسے دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈال لیا جائے، اضطباع کہلاتا ہے۔ طواف کے وقت اس طرح چادر اوڑھنے کی وجہ بھی پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

طواف میں اضطباع سنت ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے جعرانہ سے کہ جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے عمرہ کیا، چنانچہ سب نے خانہ کعبہ کے طواف کے پہلے تین پھیروں میں رمل کیا نیز انہوں نے طواف میں اپنی چادروں کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر اپنے بائیں کاندھوں پر ڈال لیا تھا۔ (ابوداؤد)

اضطباع پورے طواف میں سنت ہے جب کہ رمل یعنی تیز اور اکڑ کر چلنا طواف کے پہلے دو تین پھیروں میں ہوتا ہے اتنی بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ اضطباع صرف طواف کے وقت ہی مستحب ہے، طواف کے علاوہ اوقات میں مستحب نہیں ہے، نیز بعض لوگ جو ابتداء احرام ہی سے اضطباع اختیار کر لیتے ہیں اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ نماز کی حالت میں یہ مکروہ ہے۔

حطیم کعبہ کے باہر سے طواف شروع کرے:

قَالَ (وَيَجْعَلُ طَوَافَهُ مِنْ وَرَاءِ الْحَطِيمِ) وَهُوَ اسْمٌ لِمَوْضِعٍ فِيهِ الْمِيزَابُ ، سُمِّيَ بِهِ لِأَنَّهُ حُطِّمَ مِنْ الْبَيْتِ : أَيْ كُسِرَ ، وَسُمِّيَ حِجْرًا لِأَنَّهُ حُجِرَ مِنْهُ : أَيْ مُنِعَ ، وَهُوَ مِنْ الْبَيْتِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا (فَإِنَّ الْحَطِيمَ مِنْ الْبَيْتِ) فَلِهَذَا يُجْعَلُ الطَّوَافُ مِنْ وَرَائِهِ ، حَتَّى لَوْ دَخَلَ الْفُرْجَةَ الَّتِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ لَا يَجُوزُ ، إلَّا أَنَّهُ إذَا اسْتَقْبَلَ الْحَطِيمَ وَحْدَهُ لَا تُجْزِيهِ الصَّلَاةُ لِأَنَّ فَرْضِيَّةَ التَّوَجُّهِ ثَبَتَتْ بِنَصِّ الْكِتَابِ فَلَا تَتَأَدَّى بِمَا ثَبَتَتْ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ احْتِيَاطًا ، وَالِاحْتِيَاطُ فِي الطَّوَافِ أَنْ يَكُونَ وَرَاءَهُ .

ترجمہ:

فرمایا: اور وہ اپنے طواف کو حطیم کے باہر کرے۔ اور حطیم اس جگہ کا نام ہے جس میں میزاب رحمت واقع ہے۔ اور اس کا نام حطیم اس وجہ سے ہے کہ حطم (کا معنی توڑنا ہوتا ہے) یہ بیت اللہ سے توڑا گیا ہے۔ اور اس کا نام حجر بھی رکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ بیت

اللہ محجور یعنی روک دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بیت اللہ کا حصہ ہے۔ اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں آپ ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ حطیم بیت (بیت اللہ) سے ہے۔ لہذا اسی وجہ سے طواف حطیم سے باہر کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ طواف کرنے والا اگر اس جگہ وسیع جگہ داخل ہوا جو حطیم اور بیت اللہ کے درمیان ہے جو جائز نہیں۔ اگر نمازی نے حطیم کو قبلہ بنایا تو اس کی نماز جائز نہیں۔ کیونکہ بیت اللہ کے قبلہ ہونے کی فرضیت نص سے ثابت ہے۔ لہذا بطور احتیاط اس سے ادائیگی نہ ہوگی۔ جس کا ثبوت ہی خبر واحد ہے اور طواف میں احتیاط یہ ہے کہ وہ حطیم سے باہر ہونا چاہیے۔

طواف کو حطیم کے باہر سے شروع کرے:

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حطیم کے متعلق دریافت کیا فرمایا یہ بیت اللہ کا حصہ ہے میں نے عرض کیا پھر لوگوں نے اسے بیت اللہ میں داخل کیوں نہ کیا فرمایا ان کے پاس (حلال مال میں سے) خرچہ نہ تھا میں نے عرض کیا کہ پھر بیت اللہ کا دروازہ اتنا اونچا کیوں رکھا کہ سیڑھی کے بغیر چڑھا نہیں جا سکتا۔ فرمایا یہ بھی تمہاری قوم نے اسی لئے کیا تا کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور چاہیں اندر جانے سے روک دیں اور اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا (یعنی نو مسلم نہ ہوتی) اور یہ ڈر نہ ہوتا کہ ان کے دل دور نہ ہو جائیں تو میں اس بات پر غور کرتا کہ کیا میں تبدیلی لاؤں اس میں پھر میں جو کمی ہے وہ پوری کروں اور اس کا دروازہ زمین پر کر دیتا۔ (سنن ابن ماجہ، حج)

طواف کرنے کے طریقے کا بیان:

جب طواف شروع کریں تو حجرہ اسود سے ذرا پہلے احرام کی چادر کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالے، اسے اجتبا کہتے ہے طواف کی نیت کریں، لبیک کہنا بند کر دے اور حجرہ اسود کے سامنے اس طرح کھڑے ہو کے رخ کعبہ کی طرف ہو پھر جیسے نماز میں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہے اس طرح ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھے پھر دونوں ہاتھوں کو سینے تک اٹھائیں اور حجرہ اسود کی طرف پھیلا دیں اور ہتھیلیوں کو بوسہ دیں اور داہنی طرف سے بیت اللہ کا طواف شروع کریں، طواف کا ایک چکّر پورا کر کے جب حجرہ اسود پرائے تو پھر بوسہ دیں اس طرح سات چکّر پورا کریں تو سات چکر اور آٹھ بوسے ہونگے اسے استلام کہتے ہے، طواف کے دوران جو دعا یاد ہو وہ پڑھے اور تیسرا کلمہ پڑھے کچھ یاد نہ ہو تو اپنی زبان میں جو اللہ سے دعائے کریں، اس کے بعد دو رکعت نماز واجب طواف کی پڑھلیں، مقام ابراہیم کے پیچھے، اگر مشکل ہو تو کہی بھی پڑھ سکتے ہے، ہر طواف کے بعد دو رکعت پڑھلے اگر مکروہ وقت ہو تو ایک دو طواف کر کے نماز ساتھ میں پڑھ سکتے ہیں. پھر آب زم زم خوب پیۓ۔

طواف یہ ہے جس میں سات چکر مکمل کیے جائیں اور حجر اسود سے شروع ہو اور حجر اسود پر ہی ختم کیا جائے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی طواف کیا کیا اور فرمایا: "مجھ سے اپنے اعمال لے لو"

امام نووی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: طواف کی شرط ہے کہ سات چکر لگائے جائیں اور ہر چکر حجر اسود سے شروع ہو کر حجر اسود پر ہی ختم ہو، اور اگر ایک قدم بھی باقی رہے تو اس کا طواف شمار نہیں ہوگا، چاہے وہ مکہ میں رہے یا مکہ سے نکل کر اپنے وطن چلا جائے، اور

اسے دم وغیرہ بھی پورا نہیں کرسکتا.(المجموع للنووی (8 / 21 .( )

پہلے تین چکروں میں رمل کرے:

قَالَ (وَيَرْمُلُ فِي الثَّلَاثَةِ الْأُوَلِ مِنْ الْأَشْوَاطِ) وَالرَّمَلُ أَنْ يَهُزَّ فِي مِشْيَتِهِ الْكَتِفَيْنِ كَالْمُبَارِزِ يَتَبَخْتَرُ بَيْنَ الصَّفَّيْنِ وَذَلِكَ مَعَ الِاضْطِبَاعِ .

وَكَانَ سَبَبُهُ إظْهَارَ الْجَلَدِ لِلْمُشْرِكِينَ حِينَ قَالُوا : أَضْنَاهُمْ حُمَّى يَثْرِبَ ، ثُمَّ بَقِيَ الْحُكْمُ بَعْدَ زَوَالِ السَّبَبِ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَبَعْدَهُ .قَالَ (وَيَمْشِي فِي الْبَاقِي عَلَى هَيِّنَتِهِ) عَلَى ذَلِكَ اتَّفَقَ رُوَاةُ نُسُكِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (وَالرَّمَلُ مِنْ الْحَجَرِ إلَى الْحَجَرِ) هُوَ الْمَنْقُولُ مِنْ رَمَلِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (فَإِنْ زَحَمَهُ النَّاسُ فِي الرَّمَلِ قَامَ .

طواف میں رمل کرنے کا بیان:

اور وہ پہلے تین چکروں میں رمل کرے۔اور رمل یہ ہے کہ وہ چلتے وقت اپنے دونوں کندھوں کو حرکت دے جس طرح کوئی لڑنے والا صفوں کے درمیان آکڑ خان بنا ہوتا ہے۔اور وہ ایسا اضطباع کے ساتھ کرے۔اور رمل کا سبب یہ ہے مشرکین کے سامنے اپنی قوت کا اظہار کرنا ہے کیونکہ جب انہوں نے یہ کہا تھا کہ مسلمانوں کو مدینے کے بخار نے کمزور کردیا ہے تو یہ حکم زوال سبب کے بعد بھی باقی ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ کے مبارک زمانہ میں بھی اور بعد میں اسی طرح جاری رہا ہے۔

رمل کرنے کے عمل کا ہمیشہ کیلئے سنت ہونے کا بیان:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حج یا عمرہ کا طواف کرتے تو پہلے تین شوط میں تیز تیز (اور اکڑ کر) چلتے (یعنی رمل کرتے) اور باقی چار شوط میں اپنی معمولی رفتار سے چلتے پھر طواف کی دو رکعت نماز پڑھتے اور اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے۔(بخاری ومسلم)

خانہ کعبہ کے گرد ایک پھیرے کو شوط کہتے ہیں اور سات شوط کا ایک طواف ہوتا ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف کے وقت تین پھیروں میں تو اس طرح تیز چلتے کہ قدم پاس پاس رکھتے اور جلد جلد اٹھاتے اور دوڑتے اور اچھلتے نہ تھے اور باقی چار پھیرے اپنی معمولی رفتار سے چل کر کرتے۔

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ابوطفیل سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباس سے کہا کہ تمھارے لوگ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے وقت رمل کیا اور یہ کہ یہ سنت ہے انھوں نے کہا کہ ایک بات صحیح ہے اور ایک بات غلط میں نے پوچھا کہ کون سی بات صحیح ہے اور کون سی بات غلط؟ اس پر ابن عباس نے کہا کہ یہ بات تو درست ہے کہ رسول صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمل کیا ہے لیکن یہ غلط ہے کہ یہ سنت ہے۔اصل قصہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں قریش مکہ نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو یہ تو خود ہی اپنی موت مرجائیں گے جب مسلمانوں کی قریش مکہ سے اس شرط پر صلح ہوگئی کہ وہ آئندہ سال آئیں گے اور تین دن تک مکہ میں رہیں گے پس (اگلے سال) رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ تشریف لائے اور مشرکین بھی قعیقعان کی طرف سے آئے۔(قعیقان ایک پہاڑ کا نام ہے) تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا تین پھیروں میں رمل کرو (سپاہیانہ شان سے اکڑ کر چلو) مگر یہ سنت نہیں ہے۔(ابوطفیل کہتے ہیں کہ) میں نے پھر کہا کہ تمھارے لوگ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ پر بیٹھ کر صفا و مروہ کے درمیان سعی کی ہے اور یہ سنت ہے۔انھوں نے کہا۔انھوں نے ایک بات صحیح کی اور ایک بات غلط۔میں نے پوچھا صحیح بات کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ انھوں نے کہا یہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفا و مروہ کے درمیان اونٹ پر بیٹھ کر سعی کی ہے لیکن یہ غلط ہے کہ یہ فعل سنت ہے کیونکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے جاتے نہ تھے اور ہٹتے نہ تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ پر بیٹھ کر سعی کی تاکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سن سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھیں اور لوگوں کے ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہ جاسکیں۔(سنن ابوداؤد)

شوکت اسلام کے عروج کے باوجود عمل رمل کا حکم:

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں اس حال میں تشریف لائے کہ مدینہ کے بخار نے ان کو کمزور کردیا تھا مشرکین نے کہا تمھارے پاس وہ لوگ آئے ہیں جن کو بخار نے کمزور کردیا ہے اور اس کی وجہ سے بڑی تکلیف اٹھائی ہے اللہ تعالی نے مشرکین کی ان باتوں سے نبی کو آگاہ فرمادیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم کیا کہ (طواف کرتے وقت) پہلے تین پھیروں میں اکڑ کر چلیں اور رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان حسب معمول رفتار سے چلیں جب مشرکین نے صحابہ کرام کو تن کر اور اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو بولے کیا یہی ہیں وہ لوگ جن کے بارے میں تم کہتے تھے کہ ان کو بخار نے کمزور کردیا ہے یہ تو ہم سے بھی زیادہ توانا اور طاقتور ہیں۔ابن عباس فرماتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو محض شفقت ونرمی کی بناء پر تمام پھیروں میں رمل یعنی تن کر چلنے کا حکم نہیں فرمایا تھا۔

احمد بن حنبل، عبدالملک بن عمرو، ہشام بن سعید، زید بن اسلم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اب ہم کو رمل کی اور مونڈھے کھولنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ اللہ تعالی نے اب اسلام کو قوت وشوکت عطا فرمادی ہے اور کفر کی کمر توڑ دی ہے اور کافروں کو مٹادیا ہے لیکن اس کے باوجود ہم اس میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑیں گے جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کیا کرتے تھے۔(سنن ابوداؤد)

اگر لوگوں کا رش ہو تو رمل کا حکم:

فَإِذَا وَجَدَ مَسْلَكًا رَمَلَ)، لِأَنَّهُ لَا بُدَّ لَهُ فَيَقِفُ حَتَّى يُقِيمَهُ عَلَى وَجْهِ السُّنَّةِ بِخِلَافِ

اِلاسْتِلَامِ لِأَنَّ اِلاسْتِقْبَالَ بَدَلٌ لَهُ .قَالَ (وَيَسْتَلِمُ الْحَجَرَ كُلَّمَا مَرَّ بِهِ إِنْ اسْتَطَاعَ) لِأَنَّ أَشْوَاطَ الطَّوَافِ كَرَكَعَاتِ الصَّلَاةِ ، فَكَمَا يَفْتَتِحُ كُلَّ رَكْعَةٍ بِالتَّكْبِيرِ يَفْتَتِحُ كُلَّ شَوْطٍ بِاسْتِلَامِ الْحَجَرِ .

ترجمہ:

فرمایا: اور وہ بقیہ چار چکروں میں وقار کے ساتھ چلے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے افعال حج روایت کرنے والے رواۃ نے اسی پر اتفاق کیا ہے اور رمل کرنا حجر سے لیکر حجر اسود تک ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا گیا ہے۔

اور اگر رمل کرنے میں لوگوں کا رش ہو تو وہ کھڑا رہے جب وہ راہ پائے تو رمل کرے کیونکہ رمل کا کوئی بدل نہیں ہے لہذا ٹھہرنا ہو گا تا کہ اس کو سنت کے مطابق صحیح طور پر ادا کیا جا سکے۔ بہ خلاف استلام کے کیونکہ اس کا بدل ہے۔ اور اگر استطاعت رکھتا ہو ہر مرتبہ گزرتے ہوئے حجر اسود کو بوسہ دے۔ کیونکہ طواف کے چکر نماز والی رکعتوں کی طرح ہیں۔ لہذا جیسے ہر رکعت کی ابتداء تکبیر کے ساتھ کی جاتی ہے اسی طرح ہر چکر کی ابتداء حجر اسود کو بوسہ دینے کے ساتھ کی جائے۔

رمل کے سنت ہونے کا بیان:

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اضطباع کیا اور پھر استلام کیا (یعنی حجر اسود کو بوسہ دیا) اور تکبیر کہی پھر تین پھیروں میں رمل کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رکن یمانی کے پاس پہنچے اور قریش کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو حسب معمول رفتار سے چلے پھر جب آمنے سامنے آئے تو پھر رمل کیا یہاں تک کہ قریش کہنے لگے کہ گویا یہ ہرنیں ہیں۔ ابن عباس نے کہا پھر یہ فعل (یعنی رمل) سنت ہو گیا۔ (سنن ابوداؤد)

اگر وہ ہر مرتبہ استلام کی طاقت نہ رکھتا ہو تو حکم فقہی:

وَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ اِلاسْتِلَامَ اسْتَقْبَلَ وَكَبَّرَ وَهَلَّلَ عَلَى مَا ذَكَرْنَا (وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ) وَهُوَ حَسَنٌ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ سُنَّةٌ ، وَلَا يَسْتَلِمُ غَيْرَهُمَا فَإِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَسْتَلِمُ هَذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ وَلَا يَسْتَلِمُ غَيْرَهُمَا (وَيَخْتِمُ الطَّوَافَ بِالِاسْتِلَامِ) يَعْنِي اسْتِلَامَ الْحَجَرِ .

ترجمہ:

اور اگر وہ استلام کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ استقبال کرے اور تکبیر پڑھے۔ اور ''لا الہ الا اللہ'' پڑھے اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور رکن یمانی کا بھی استلام کرے اور ظاہر الروایت کے مطابق یہ مستحب ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ یہ سنت ہے اور وہ حجر اسود اور رکن یمانی کے سوا استلام نہ کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ ان دونوں ارکانوں کا استلام فرمایا کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ نے ان دونوں کے علاوہ کہیں استلام نہیں کیا اور طواف کو استلام یعنی حجر اسود کے استلام پر ختم کرے۔ (امام ترمذی کے سوا بقیہ ائمہ نے روایت کی ہے)

رکن یمانی کی فضیلت کا بیان:

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ ابن ہشام، عطاء بن ابی رباح سے رکن یمانی کے بارے میں پوچھا جبکہ وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے تو فرمانے لگے مجھ سے ابو ہریرہ نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں جو بھی یہاں ''اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ! پڑھے تو فرشتے آمین کہتے ہیں۔ جب عطاء حجر اسود پر پہنچے تو ابن ہشام نے کہا ابا محمد آپ کو اس رکن اسود کے بارے میں کیا معلوم ہوا؟ عطا نے فرمایا کہ ابو ہریرہ نے مجھے یہ حدیث سنائی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو حجر اسود کو چھوئے گویا وہ اللہ کا ہاتھ چھو رہا ہے۔ تو ابن ہشام نے عرض کیا ابا محمد طواف کے متعلق بھی فرمائیے۔ عطاء فرمانے لگے کہ ابو ہریرہ نے مجھے یہ حدیث سنائی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا جو بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے اور اس دوران کوئی گفتگو نہ کرے صرف ''سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ! پڑھتا رہے اس کی دس خطائیں مٹا دی جائیں گی اور اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس طواف کی بدولت اس کے دس درجے بلند کر دیئے جائیں گے اور جس نے طواف کیا اور طواف کرتے ہوئے باتیں بھی کیں تو وہ اپنے دونوں پاؤں کے ساتھ رحمت میں گھسا جیسے پانی میں آدمی کے پاؤں ڈوب جاتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ)

استلام حجر اسود اور طواف کی فضیلت کا بیان:

حضرت عبید بن عمیر تابعی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ دونوں رکن یعنی حجر اسود اور رکن یمانی کو ہاتھ لگانے میں لوگوں پر جس طرح سبقت حاصل کرتے تھے اس طرح میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی بھی صحابی کو ان دونوں رکن میں سے کسی پر سبقت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں سبقت حاصل کرنے کی کوشش کروں تو مجھے مت روکو، کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان دونوں رکن کو ہاتھ لگانا گناہوں کے لئے کفارہ ہے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرے اور اس کی محافظت کرے (یعنی طواف کے واجبات وسنن اور آداب بجا لائے تو اس کا ثواب غلام آزاد کرنے کے ثواب کے برابر ہے۔ نیز میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔ (طواف کرتے وقت) جب بھی کوئی قدم رکھتا ہے اور پھر اسے اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ قدم رکھنے کے عوض تو اس کا گناہ ختم کرتا ہے اور قدم اٹھانے کے عوض اس کے لئے ایک نیکی لکھتا ہے (یعنی طواف کرنے والے کا جب قدم رکھا جاتا ہے تو اس سے گناہ دور کر دیا جاتا ہے اور جب قدم اٹھتا ہے تو اس کی نیکیوں میں اضافہ ہو

جاتا ہے، اس طرح پورے طواف میں اس کے گناہ ختم ہوتے رہتے ہیں اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے)۔ (ترمذی)

سبقت حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حجر اسود اور رکن یمانی کے استلام کے لئے لوگوں کے ہجوم کو چیر پھاڑ کر آگے بڑھتے اور ان دونوں رکن کو ہاتھ لگاتے، لیکن ان کی یہ سبقت اس طرح ہوتی تھی کہ لوگوں کو کوئی ایذا نہیں پہنچتی تھی، چنانچہ اگر کوئی شخص استلام کے لئے لوگوں کو دھکیلتا، گراتا ان دونوں رکن تک پہنچے اور لوگ اس کی وجہ سے ایذا محسوس کریں تو وہ گنہگار ہوگا، لہٰذا ہجوم کی سورت میں ہاتھ کے ذریعہ دور سے اشارہ کر لینے ہی پر اکتفا کر لینا چاہئے۔

سات مرتبہ طواف کرے میں تین احتمال ہیں ایک تو یہ کہ سات شوط کرے یعنی خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگائے اور یہ معلوم ہی ہے کہ سات شوط (چکر) کا ایک طواف ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ سات طواف کرے اور تیسرے یہ کہ سات روز تک طواف کرے۔

رکن یمانی کے استلام کا فقہی مفہوم:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رکن یمانی پر دو فرشتے ہیں جو وہاں سے گذرنے والے کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور حجر اسود پر تو بے شمار فرشتے ہوتے ہیں۔ (ارزقی، ج ۲، ص ۳۶۱، باب فضل حجر اسود)

رکن یمانی کا استلام مستحبات طواف میں سے ہے۔ بغیر بوسہ دینے اور پیشانی لگانے کے رکن یمانی کا استلام کرنا (یعنی ہاتھ سے مس کرنا) ہر جگہ میں ایسا کرنا مستحب ہے۔ اور استلام سے مراد یہاں یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے یا صرف دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے رکن یمانی کو مس کرے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے مس نہ کرے اس کو بوسہ بھی نہ دے اور نہ اس پر سجدہ کرے یہ ظاہر الروایۃ ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور جب ہجوم کی وجہ سے اس کو مس کرنے سے عاجز نہ ہو تو اشارہ سے اس کا استلام کرنا اس کا قائم مقام نہیں ہے۔ ہجوم نہ ہونے کی صورت میں اور جبکہ وہ مس کرنے سے عاجز نہ ہوا اشارہ سے استلام کرنا بدرجہ اولی غیر معتبر ہے پس بعض جاہل و متکبر لوگ جو ایسا کرتے ہیں ان کے فعل سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔

رکن یمانی کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرنا (مکروہ ہے) لیکن امام محمد کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ حجر اسود اور رکن یمانی کے علاوہ کسی اور جگہ استلام کرنا مکروہ ہے، پس دوسرے رکن یعنی رکن عراقی اور رکن شامی کا استلام اور ان کی طرف اشارہ کرنا مشروع نہیں ہے بلکہ باتفاق ائمہ اربعہ دونوں امر بدعت مکروہہ ہیں اور یہ کراہت تنزیہی ہے۔ اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ رکن حجر اسود اور رکن یمانی کی طرف اشارہ بھی عجز و ہجوم کے بغیر غیر معتبر ہے یعنی عجز و ہجوم کے وقت حجر اسود کی طرف اشارہ سے استلام کرنا بالاتفاق جائز بلکہ سنت ہے اور رکن یمانی کی طرف امام محمد کی روایت کے مطابق جائز ہے۔ (عمدۃ الفقہ، ج ۶، ص ۱۸۶) (شرح الوقایہ)

رکن یمانی میں فقہاء احناف کے اختلاف کا بیان:

علامہ علی بن سلطان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لفظ ''یمانی'' یا کی تخفیف کے ساتھ ہے کیونکہ اس کی نسبت یمن کی طرف ہے اور ایک یائے نسبت کا الف سے بدل دیا۔ کیونکہ اگر اس کو مشدد پڑھا جائے تو اس مبدل منہ اور بدل کے درمیان جمع کرنا لازم آئے گا۔

علامہ کرمانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مستحسن یہ ہے کہ رکن یمانی کا بوسہ نہ لیا جائے اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ امام ابوداؤد اور امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: کہ میں ان دو رکنوں کے استلام کو نہیں چھوڑا ہے اور وہ رکن یمانی اور حجر اسود ہے۔ کیونکہ نے نبی کریم ﷺ کو ان کا استلام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس میں اسی طرح کرنا سنت ہے جس طرح حجر اسود میں سنت ہے۔ اسی طرح شارح بخاری نے ذکر کیا ہے۔ جبکہ صاحب مواہب نے کہا ہے ظاہر الروایت کے مطابق امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مستحسن ہے اور صاحبین نے نزدیک سنت ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رکن یمانی کا بوسہ لیا کرتے تھے۔ اور اس پر اپنا ہاتھ مبارک رکھتے۔ اس امام دارقطنی علیہ الرحمہ نے روایت کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب رکن یمانی کا استلام کیا تو بوسہ لیا۔ اس کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔

مذاہب اربعہ کے نزدیک رکن عراقی اور شامی کا استلام نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ امام ترمذی کے سوا ایک جماعت نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ میں سوائے رکن یمانین کے مس کرتے نہیں دیکھا اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے صرف حجر اور رکن یمانی کا استلام کیا۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو رکن یمانین کے سوا استلام کرتے نہیں دیکھا۔ جبکہ رکن عراق و شامی یہ حقیقت میں رکن نہیں ہیں۔ اور وہ دونوں بیت اللہ کے درمیان میں ہیں۔ کیونکہ بطور اتفاق حطیم کا بعض بیت اللہ سے ہے۔ (شرح الوقایہ، ۲، ص ۲۷۵، بیروت)

مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے کا حکم:

قَالَ (ثُمَّ يَأْتِي الْمَقَامَ فَيُصَلِّي عِنْدَهُ رَكْعَتَيْنِ أَوْ حَيْثُ تَيَسَّرَ مِنْ الْمَسْجِدِ) وَهِيَ وَاجِبَةٌ عِنْدَنَا . وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : سُنَّةٌ لِانْعِدَامِ دَلِيلِ الْوُجُوبِ .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (وَلْيُصَلِّ الطَّائِفُ لِكُلِّ أُسْبُوعٍ رَكْعَتَيْنِ) وَالْأَمْرُ لِلْوُجُوبِ (ثُمَّ يَعُودُ إلَى الْحَجَرِ فَيَسْتَلِمُهُ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ عَادَ إلَى الْحَجَرِ) وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ طَوَافٍ بَعْدَهُ سَعْيٌ يَعُودُ إلَى الْحَجَرِ ، لِأَنَّ الطَّوَافَ لَمَّا كَانَ يُفْتَتَحُ بِالِاسْتِلَامِ فَكَذَا السَّعْيُ يُفْتَتَحُ بِهِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا لَمْ يَكُنْ بَعْدَهُ سَعْيٌ .

ترجمہ:

پھر وہ مقام ابراہیم کے پاس آئے اور دو رکعت نماز پڑھے۔ یا مسجد حرام میں جہاں جگہ ملے وہاں پڑھے۔ ہمارے نزدیک ایسا کرنا واجب ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یہ سنت ہے کیونکہ اس میں وجوب کی دلیل معدوم ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ طواف کرنے والا ہر سات چکروں کے لئے دو رکعت نماز پڑھے اور یہاں امر وجوب کیلئے ہے۔ پھر وہ حجر اسود کی طرف لوٹ آئے اور اس کا استلام کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب دو رکعتیں نماز پڑھی تو آپ ﷺ حجر اسود کی طرف واپس تشریف لائے۔ اور یہ اصول (قاعدہ فقہیہ) ہے کہ ہر وہ طواف جس کے بعد سعی کرنی ہو اس میں حجر اسود کی طرف لوٹنا ہوگا۔ کیونکہ جس طرح طواف کی ابتداء استلام کے ساتھ ہوتی ہے اسی طرح سعی کی ابتداء بھی استلام کے ساتھ ہوتی ہے۔ بہ خلاف اس صورت کے کہ جس کے بعد سعی نہ ہو۔

مقام ابراہیم شعائر اللہ میں سے ہے:

دراصل وہ پتھر ہے جسے حضرت اسمٰعیل کی بیوی صاحبہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نہانے کے لیے ان کے پاؤں کے نیچے رکھا تھا، لیکن حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ دراصل وہ یہ پتھر ہے۔ جس پر کھڑے ہو کر حضرات ابراہیم کعبہ بناتے تھے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ کی لمبی حدیث میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کر لیا تو حضرت عمر نے مقام ابراہیم کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ کیا یہی ہمارے باپ ابراہیم کا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں کہا پھر ہم اسے قبلہ کیوں نہ بنالیں؟ اس پر آیت نازل ہوئی ایک اور روایت میں ہے کہ فاروق رضی اللہ عنہ کے سوال پر تھوڑی ہی دیر گزری تھی جو حکم نازل ہوا ایک اور حدیث میں ہے کہ فتح مکہ والے دن مقام ابراہیم کے پتھر کی طرف اشارہ کر کے حضرت عمر نے پوچھا یہی ہے جسے قبلہ بنانے کا ہمیں حکم ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہی صحیح بخاری شریف میں ہے۔

مقام ابراہیم کو جائے نماز بنانے کا بیان:

حضرت عمر فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے تین باتوں میں موافقت کی جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا وہی میری زبان سے نکلا میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کاش کہ ہم مقام ابراہیم کو قبلہ بنالیتے تو حکم آیت (واتخذوا من مقام ابراهیم مصلی) نازل ہوا میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاش کہ آپ امہات المومنین کو پردے کا حکم دیں اس پر پردے کی آیت اتری جب مجھے معلوم ہوا کہ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے خفا ہیں تو میں نے جا کر ان سے کہا کہ اگر تم باز نہ آؤ گی تو اللہ تعالیٰ تم سے اچھی بیویاں تمہارے بدلے اپنے نبی کو دے گا اس پر فرمان باری نازل ہوا کہ آیت (عسی ربه) الخ اس حدیث کی بہت سی اسناد ہیں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے ایک روایت میں بدر کے قیدیوں کے بارے میں بھی حضرت عمر کی موافقت مروی ہے آپ نے فرمایا تھا کہ اس سے فدیہ نہ لیا جائے بلکہ انہیں قتل کر دیا جائے اللہ سبحانہ تعالیٰ کو بھی یہی منظور تھا۔

ابن جریج میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے طواف میں تین مرتبہ رمل کیا یعنی دوڑ کی چال چلے اور چار پھیرے چل کر کئے پھر مقام ابراہیم کے پیچھے آ کر دو رکعت نماز ادا کی اور یہ آیت تلاوت فرمائی آیت (واتخذوا من مقام ابراهیم مصلی) حضرت جابر کی حدیث میں ہے کہ مقام ابراہیم کو آپ نے اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر لیا تھا۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ بنا رہے تھے حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کو پتھر دیتے جاتے تھے اور آپ کعبہ کی بنا کرتے جاتے تھے اور اس پتھر کو سرکاتے جاتے تھے جہاں دیوار اونچی کرنی ہوتی تھی وہاں لیجاتے تھے اسی طرح کعبہ کی دیواریں پوری کیں اس کا پورا بیان حضرت ابراہیم کے واقعہ میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ اس پتھر پر آپ کے دونوں قدموں کے نشان ظاہر تھے عرب کی جاہلیت کے زمانہ کے لوگوں نے بھی دیکھے تھے۔ ابو طالب نے اپنے مشہور قصیدہ میں کہا ہے

وموطی ابراهیم فی الصخر رطبته   علی قدمیه حایا غیر ناعل

یعنی اس پتھر میں ابراہیم علیہ السلام کے دونوں پیروں کے نشان تازہ بتازہ ہیں جن میں جوتی نہیں بلکہ مسلمانوں نے بھی اسے دیکھا تھا حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے مقام ابراہیم میں حضرت خلیل اللہ کے پیروں کی انگلیوں اور آپ کے تلوے کا نشان دیکھا تھا پھر لوگوں کے چھونے سے وہ نشان مٹ گئے حضرت قتادہ فرماتے ہیں حکم اس کی جانب نماز ادا کرنے کا ہے تبرک کے طور پر چھونے اور ہاتھ لگانے کا نہیں اس امت نے بھی اگلی امتوں کی طرح بلا حکم الہ العالمین بعض کام اپنے ذمہ لازم کر لئے جو نقصان رساں ہیں وہ نشان لوگوں کے ہاتھ لگانے سے مٹ گئے۔ یہ مقام ابراہیم پہلے دیوار کعبہ کے متصل تھا کعبہ کے دروازے کی طرف حجر اسود کی جانب دروازے سے جانے والے کے دائیں جانب مستقل جگہ پر تھا جو آج بھی لوگوں کو معلوم ہے خلیل اللہ نے یا تو اسے یہاں رکھوا دیا تھا یا بیت اللہ بناتے ہوئے آخری حصہ یہی بنایا ہوگا اور یہیں وہ پتھر رکھا ہے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسے پیچھے ہٹا دیا اس کے ثبوت میں بہت سی روایتیں ہیں پھر ایک مرتبہ پانی کے سیلاب میں یہ پتھر یہاں سے بھی ہٹ گیا تھا خلیفہ ثانی نے اسے پھر اپنی جگہ رکھوا دیا حضرت سفیان فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں ہوا کہ یہ اصلی جگہ سے ہٹایا گیا اس سے پہلے دیوار کعبہ سے کتنی دور تھا ایک روایت میں ہے کہ خود آنحضرت نے اس کی اصلی جگہ سے ہٹا کر وہاں رکھا تھا جہاں اب ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے ٹھیک بات یہی ہے کہ حضرت عمر نے اسے پیچھے رکھا۔

طواف قدوم کے فقہی احکام کا بیان:

قَالَ (وَهٰذَا الطَّوَافُ طَوَافُ الْقُدُومِ) وَيُسَمّٰى طَوَافُ التَّحِيَّةِ (وَهُوَ سُنَّةٌ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ) وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ : إِنَّهُ وَاجِبٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ أَتَى الْبَيْتَ فَلْيُحَيِّهِ بِالطَّوَافِ) وَلَنَا أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَمَرَ بِالطَّوَافِ ، وَالْأَمْرُ الْمُطْلَقُ لَا يَقْتَضِي التَّكْرَارَ . وَقَدْ تَعَيَّنَ طَوَافُ الزِّيَارَةِ بِالْإِجْمَاعِ وَفِيمَا رَوَاهُ سَمَّاهُ تَحِيَّةً ، وَهُوَ دَلِيلٌ

اِلاسْتِحْبَابِ(وَلَيْسَ عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ طَوَافُ الْقُدُومِ)لِانْعِدَامِ الْقُدُومِ فِي حَقِّهِمْ.

ترجمہ:

صاحب قدوری نے کہا ہے کہ یہی طواف قدوم کا طواف ہے۔اوراس کوتحیہ کا طواف بھی کہتے ہیں اوروہ سنت ہے واجب نہیں ہے حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جوشخص بیت اللہ میں آئے اسے چاہیے کہ وہ طواف کرے۔(مسلم،ابن ماجہ،ابوداؤد)

جبکہ ہمارے نزدیک اللہ تعالی نے طواف کا مطلقاً حکم دیا ہے اور جو امر مطلق ہو وہ تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا ہے۔جبکہ طواف زیارت بہ اجماع متعین ہو چکا ہے۔اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کی پیش کردہ حدیث میں جس طواف کا ذکر ہے وہ اس کا نام طواف تحیہ ہے۔اوراس کا تحیہ ہونا مستحب ہونے کی دلیل ہے۔اور مکہ والوں پر طواف قدوم نہیں ہے۔کیونکہ ان کے حق میں قدوم معدوم ہے۔

طواف قدوم کے سنت وواجب ہونے میں مذاہب اربعہ کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک طواف قدوم جس کوطواف تحیہ بھی کہتے ہیں سنت ہے واجب نہیں ہے۔اور حضرت امام شافعی وامام احمد علیہما الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ واجب ہے۔اور اسی طرح حضرت ابوثور علیہ الرحمہ نے کہا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس بیت اللہ میں آئے اس کو چاہیے کہ وہ طواف کرے۔اور مطلق امر وجوب کیلئے آتا ہے لہذا جب طواف واجب ہوا تو ان کے نزدیک اس کے ترک کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔اور حلیہ امام مالک علیہ الرحمہ کا قول بیان کیا گیا ہے کہ جس نے جلدی میں اس کوترک کیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔اور جب نے ارادے سے ترک کیا اس پر دم واجب ہے اور یہ حدیث بہت غریب ہے۔

فقہاء احناف کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ''وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ''اور جب امر مطلق ذکر کیا جائے تو وہ تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا۔لہذا اس سے مراد ایک طواف ہوگا۔لہذا طواف کا حکم متعین ہوگیا۔

علامہ ترازی نے کہا ہے کہ استدلال ضعیف ہے۔کیونکہ جو نے کہا کہ میں نے تسلیم کرلیا کہ امر مطلق تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا اور اس سے طواف زیارت مراد ہے۔یعنی اللہ کے فرمان''' سے طواف زیارت مراد ہے۔لیکن اس دلیل کو ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ وہ طواف سنت نہیں ہے بلکہ وہ تو دوسری دلیل سے واجب ہے۔اور دلیل کی وجہ سے ہم کہتے ہیں طواف صدر واجب ہے۔

اس کے جواب کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے اور دلیل حدیث ہے۔جس میں اس طواف کا نام طواف تحیہ رکھا گیا ہے اور اس سے مراد استحباب ہے۔کیونکہ لغت میں تحیہ عزت کیلئے بولا جاتا ہے۔جس کی ابتداء برکت کے طور پر ہوئی ہے۔لہذا اس کی

دلالت وجوب پر نہ ہوگی۔(البنایہ شرح الہدایہ،ج۵،ص۸۱،حقانیہ ملتان)

طواف قدوم کرنے کا سنت طریقہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے کے قریب اپنی سواری بٹھائی اور مسجد میں داخل ہوئے بیت اللہ میں آتے ہیں حجر اسود کو بوسہ دیا اور دائیں طرف چلتے ہوئے کعبے کے گرد سات چکر لگائے اور طواف مکمل فرمایا پہلے تین چکر میں رمل کیا یعنی آہستہ آہستہ دوڑے اور باقی چار چکروں میں عام رفتار سے چلے ہر چکر میں رکن یمانی کو ہاتھ سے چھوتے اور حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے لیکن شمال کی طرف دوارکان (بیت اللہ کے دونوں کونوں) کو ہاتھ نہ لگایا ہر چکر میں رکن یمانی اور حجر اسود کے دروان یہ دعا پڑھتے تھے

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (سورۃ البقرۃ 201)

"اے ہمارے رب! ہمیں اس دنیا میں ہر طرح کی بھلائیاں عنایت فرما اور آخرت میں بھی تمام تر خیرات وحسنات سے نواز اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ" پھر آپ نے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا فرمائی، ان میں ایک فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُون سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ سورۃ الاِخلاص تلاوت فرمائی۔مقام ابراہیم کی طرف آتے ہوئے آپ بلند آواز سے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمار ہے تھے: وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى (سورۃ البقرۃ 125)

طواف کے مختلف تحقیقی مفاہیم کا بیان:

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کو چاہئے کہ اس کے قدیم (آزاد) گھر کا طواف کریں۔

حقیقت طواف اس قدر ہے۔نیت وغایت کا اختلاف حقیقت کی تغیر نہیں کرتا کہ نیت وغایت رکن شے نہیں۔آخر نہ دیکھا کہ ائمہ کرام نے نیت کو شرط نماز قرار دیا نہ کہ رکن نماز، اور غایت کا خروج تو غایت ظہور میں ہے۔غرض پھیرے کرنا جہاں اور جس طرح اور جس نیت اور جس غرض سے ہو طواف ہی ہے۔پھر فعل اختیاری کو تصور بروجہ ما وتصدیق بفائدۃ ما سے چارہ نہیں مگر فعل کبھی غایت اصلیہ تک آپ مؤدی ہوتا ہے کبھی دوسرے فعل مؤدی الی الغایۃ کا وسیلہ اول کو مقصود لذاتہ کہتے ہیں جیسے نماز اور دوم کو وسیلہ ومقصود لغیرہ جیسے وضو، طواف میں یہ دونوں صورتیں ہیں مثلاً گلگشت یعنی تفریح نفس وشم وروائح طیبہ وچستی بدن وتنسم ہوا کے لئے چمن کی روشوں میں ٹہلنا پھرنا خواہ وہ خطوط مستقیم پر ہو یا مثلاً کسی حوض کے گرد مستدیر یہاں طواف مقصود لذاتہ ہے یا مثلاً کسی شی کی تقسیم کو حلقہ یا صفوں پہ دورہ کرنا یہاں مقصود لغیرہ ہے۔پھر طواف کی غایت مقصودہ تعظیم ہی میں منحصر نہیں بلکہ اس کے غیر کے لئے بھی ہوتا ہے جیسے امثلہ مذکورہ بلکہ توہین بہ تعذیب کے لئے جیسے ڈرل کہ یہاں آمد وشد کہ طواف ہے مقصود لذاتہ ہے اور نار سے حمیم، حمیم سے نار کی طرف [illegible] یہ طواف مقصود لغیرہ ہے اور دونوں تعذیب کے لئے ہیں۔(فتاویٰ رضویہ، حج)

حج قران ومفرد کے طواف قدوم میں رمل کرنے میں فقہ شافعی وحنبلی کا بیان:

اضطباع اور رمل صرف حج قران اور حج مفرد کرنے والے کیلئے طواف قدوم اور عمرہ کے طواف میں مشروع ہے اس کے علاوہ کسی طواف میں رمل اور اضطباع مشروع نہیں ہے۔

اس لئے طواف افاضہ میں نہ تو رمل ہے اور نہ ہی اضطباع چاہے آپ نے احرام کی حالت میں طواف کیا ہو یا بغیر احرام کے۔

ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم نے طواف افاضہ کے سات چکروں میں رمل نہیں کیا۔ سنن ابوداؤد حدیث نمبر (۲۰۰۱)

دایاں کندھا ننگا رکھنے کو اضطباع کہتے ہیں۔ اور رمل یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے قدموں سے تیز تیز چلا جائے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب المجموع میں لکھتے ہیں: اضطباع رمل کے ساتھ لازم ہے، تو جہاں ہم نے رمل کو مستحب قرار دیا ہے اسی طرح اضطباع بھی ہے، اور جہاں اسے مستحب نہیں کہا وہاں اضطباع بھی لازم نہیں ہے، اور جہاں اختلاف پایا جاتا ہے وہ رمل اور اضطباع دونوں میں پایا جاتا ہے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ (المجموع للنووی ۸/۴۳)

اور ایک جگہ پر امام نووی کہتے ہیں: لیکن رمل اور اضطباع ایک چیز میں مختلف ہے، وہ یہ کہ اضطباع طواف کے ساتوں چکروں میں مسنون ہے، لیکن رمل صرف پہلے تین چکروں میں ہی مسنون ہے اور آخری چار چکروں میں عام حالت میں چلا جائے گا۔ (المجموع للنووی ۸/۲۰)

اور ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے طواف قدوم اور عمرہ کے طواف میں رمل اور اضطباع کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ: جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کے علاوہ رمل اور اضطباع کرنا مسنون نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسی میں اضطباع اور رمل کیا ہے۔ (المغنی ابن قدامہ المقدسی ۵/۲۲۱)

مسلمانوں کے رمل کو مشرکین کا مشاہدہ کرنا:

حضور ﷺ نے قصویٰ پر سوار ہو کر کعبہ کا طواف شروع کیا، اپنی چادر داہنی بغل سے نکال کر بائیں شانے پر ڈال لی جسے اصطلاح میں "اضطباع" کہتے ہیں، سواری ہی پر سے اپنی لکڑی سے حجر اسود کا استلام (بوسہ) فرمایا۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ عمرۂ قضاء کے لئے مکہ آئے تو قریش نے کہا کہ تم لوگوں کے پاس ایک ایسی قوم آ رہی ہے جنہیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، مشرکین حجر اسود کے قریب بیٹھ گئے، حضور ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا وہ تین پھیروں میں (یعنی طواف کے) رمل کریں (یعنی داہنی شانے اور بازو ہلاتے ہوئے آہستہ آہستہ دوڑیں) تا کہ مشرکین انُ کی قوت دیکھ لیں اور یہ کہ دونوں رکنوں (رکن یمانی ورکن حجر اسود) کے درمیان چلیں، آپ ﷺ کو صرف مسلمانوں کی شفقت میں اس امر سے باز رکھا کہ آپ ﷺ انھیں تمام پھیروں میں رمل کا حکم دیں، جب انھوں نے رمل کیا تو قریش نے کہا کہ وہ کمزور نہیں ہوئے (ابن سعد)، جب آپ ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا: کاش کہ آپ ﷺ

مقام ابراہیم کو مصلی بنا لیتے، اسی وقت وحی نازل ہوئی

"ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ثواب اور امن کی جگہ بنائی، تم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ، ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کا طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو" (سورہ بقرہ)

نزول وحی کے بعد حضور ﷺ نے اس مقام پر دو رکعت نماز ادا فرمائی، پھر آپ ﷺ صفا ومروہ کے درمیان دوڑنے کے لئے تشریف لے گئے، ارکان عمرہ سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے مروہ پر اونٹ ذبح فرمائے اور سر مبارک منڈوایا، عمرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ ﷺ دوسرے روز بیت اللہ شریف میں تشریف لائے، کعبہ میں بدستور بت موجود تھے، بایں ہمہ حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان کہی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے دو ہزار صحابہؓ سمیت ظہر کی نماز ادا کی، یہی کعبہ ہے، جس میں انھیں سات برس تک عبادت کرنے سے روک دیا گیا تھا۔

طواف کے بعد دو رکعت نماز میں پڑھنے میں احادیث:

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مطلب فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جب سات چکروں سے فارغ ہوئے تو حجر اسود کے قریب آئے اور مطاف کے کنارے دو رکعتیں ادا کیں اس وقت آپ کے اور طواف کرنے والوں کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی۔ امام ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ بغیر سترہ کے نماز ادا کرنا مکہ کی خصوصیت ہے۔

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے پھر دو رکعتیں ادا کیں (وکیع کہتے ہیں کہ مقام ابراہیم کے پاس دوگانہ ادا کیا) پھر صنعاء کی طرف نکلے۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ کے طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم میں آئے۔ حضرت عمر نے عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ ہمارے والد ابراہیم کا مقام ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى) (کہ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ) حدیث کے راوی ولید کہتے ہیں میں نے اپنے استاذ مالک سے کہا کہ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ! (خاء کے کسرہ کے ساتھ) پڑھا تھا۔ فرمایا جی ہاں۔

(سنن ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حج یا عمرہ میں آنے کے بعد پہلی مرتبہ طواف کرتے تو پہلے تین پھیروں میں دوڑ کر چلتے اور باقی چار پھیروں میں معمولی چال سے چلتے اس کے بعد دو رکعت نماز ادا فرماتے۔

(سنن ابوداؤد)

صفامروہ پر چڑھ کر جن اعمال کو بجالانے کا حکم ہے:

قَالَ (ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى الصَّفَا فَيَصْعَدُ عَلَيْهِ وَيَسْتَقْبِلُ الْبَيْتَ وَيُكَبِّرُ وَيُهَلِّلُ .وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَدْعُو اللَّهَ لِحَاجَتِهِ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَعِدَ الصَّفَا حَتَّى إذَا نَظَرَ إلَى الْبَيْتِ قَامَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ يَدْعُو اللَّهَ) وَلِأَنَّ الثَّنَاءَ وَالصَّلَاةَ يُقَدَّمَانِ عَلَى الدُّعَاءِ تَقْرِيبًا إلَى الْإِجَابَةِ كَمَا فِي غَيْرِهِ مِنْ الدَّعَوَاتِ .وَالرَّفْعُ سُنَّةُ الدُّعَاءِ .وَإِنَّمَا يَصْعَدُ بِقَدْرِ مَا يَصِيرُ الْبَيْتُ بِمَرْأًى مِنْهُ ، لِأَنَّ الِاسْتِقْبَالَ هُوَ الْمَقْصُودُ بِالصُّعُودِ ، وَيَخْرُجُ إلَى الصَّفَا مِنْ أَيِّ بَابٍ شَاءَ .وَإِنَّمَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَابِ بَنِي مَخْزُومٍ ، وَهُوَ الَّذِي يُسَمَّى بَابَ الصَّفَا لِأَنَّهُ كَانَ أَقْرَبَ الْأَبْوَابِ إلَى الصَّفَا لَا أَنَّهُ سُنَّةٌ .

ترجمہ:

فرمایا: اس کے بعد وہ صفا پہاڑی کی جانب نکلے اور اس پر چڑھے اور بیت اللہ کی طرف منہ کرتے ہوئے تکبیر وتہلیل پڑھے اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ پڑھے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے اپنی ضرورت کیلئے دعا مانگے ۔ کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ صفا پر چڑھے تو آپ ﷺ نے بیت اللہ کو دیکھا اور آپ ﷺ نے قبلہ رخ ہو کر دعا مانگی ۔ (مسلم) لہذا ثناء و درود ان دونوں کو دعا پر مقدم کیا جائے ۔ اور دعا کی قبولیت قریب ہوتی ہے جس طرح دوسری دعاؤں میں ہوتا ہے ۔ اور دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے ۔ اور صفا پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ اس کی نگاہوں میں ہو ۔ کیونکہ صفا پر چڑھنے کا مقصد استقبال ہے ۔ اور وہ صفا کی جانب جس دروازے سے چاہے نکلے ۔ جبکہ نبی کریم ﷺ باب مخزوم سے نکلے ۔ (طبرانی) اور اسی کو باب صفا کہا جاتا ہے ۔ اور یہی دروازہ دوسرے دروازوں کی بہ نسبت قریب ہے ۔ اور اس لئے نہیں کہ یہ کوئی سنت (متواترہ) ہے ۔

سعی کے دوران صفا سے کعبہ کو دیکھنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب (حج وعمرہ کے لئے) تشریف لائے اور مکہ میں داخل ہوئے تو حجر اسود کے پاس گئے اور اس کو بوسہ دیا، پھر خانہ کعبہ کا طواف کیا اس کے بعد نماز طواف پڑھ کر صفا کی طرف آئے اور اس پر چڑھے یہاں تک کہ جب خانہ کعبہ کی طرف نظر اٹھائی تو دعا کے لئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جس قدر چاہا اللہ کا ذکر (یعنی تکبیر وتہلیل) کرتے رہے اور دعا مانگتے رہے ۔ (ابوداؤد)

سعی کے وقت جب صفا پر چڑھا جائے تو وہاں بیت اللہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا چاہئے اور پھر تکبیر وتہلیل کرنے اور درود

پڑھنے کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی چاہئے۔

صفا اور مروہ کی سعی اور فقہی مذاہب اربعہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے حضرت عروہ دریافت کرتے ہیں کہ اس آیت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طواف نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں آپ نے فرمایا بھتیجے تم صحیح نہیں سمجھے اگر یہ بیان مدنظر ہوتا تو **ان لا یطوف بھما** ہوتا۔ سنو آیت شریف کا شان نزول یہ ہے کہ مثلل (ایک جگہ کا نام ہے) کے پاس مناۃ بت تھا اسلام سے پہلے انصار اسے پوجتے تھے اور جو اس کے نام لبیک پکار لیتا وہ صفا مروہ کے طواف کرنے میں حرج سمجھتا تھا، اب بعد از اسلام ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صفا مروہ کے طواف کے حرج کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت اتری کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اسی کے بعد حضور علیہ السلام نے صفا مروہ کا طواف کیا اس لئے مسنون ہوگیا اور کسی کو اس کے ترک کرنے کا جواز نہ رہا (بخاری مسلم)

ابوبکر بن عبدالرحمن نے جب یہ روایت سنی تو وہ کہنے لگے کہ بیشک یہ علمی بات ہے میں نے تو اس سے پہلے سنی ہی نہ تھی بعض اہل علم فرمایا کرتے تھے کہ انصار نے کہا تھا کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم ہے صفا مروہ کے طواف کو جاہلیت کا کام جانتے تھے اور اسلام کی حالت میں اس سے بچتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی،

ابن عباس سے مروی ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بہت سے بت تھے اور شیاطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے اسلام کے بعد لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں کے طواف کی بابت تھے اور شیاطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے اسلام کے بعد لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں کے طواف کی بابت مسئلہ دریافت کیا جس پر یہ آیت اتری "اساف" بت صفا پر تھا اور "نائلہ" مروہ پر، مشرک لوگ انہیں چھوتے اور چومتے تھے اسلام کے بعد لوگ اس سے الگ ہو گئے لیکن یہ آیت اتری جس سے یہاں کا طواف ثابت ہوا، سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ "اساف" اور "نائلہ" دو مرد و عورت تھے ان بدکاروں نے کعبہ میں زنا کیا اللہ تعالی نے انہیں پتھر بنا دیا، قریش نے انہیں کعبہ کے باہر رکھ دیا تا کہ لوگوں کو عبرت ہو لیکن کچھ زمانہ کے بعد ان کی عبادت شروع ہوگئی اور صفا مروہ پر لا کر نصب کر دئے گئے اور ان کا طواف شروع ہوگیا، صحیح مسلم کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت اللہ شریف کا طواف کر چکے تو رکن کو چھو کر باب الصفا سے نکلے اور آیت تلاوت فرما رہے تھے پھر فرمایا میں بھی شروع کروں گا اس سے جس سے اللہ تعالی نے شروع کیا، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم شروع کرو اس سے جس سے اللہ نے شروع کیا یعنی صفا سے چل کر مروہ جاؤ۔ حضرت حبیبہ بنت تجزاۃ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صفا مروہ کا طواف کرتے تھے لوگ آپ کے آگے آگے تھے اور آپ ان کے پیچھے تھے آپ قدرے دوڑ لگا رہے تھے اور اس کی وجہ سے آپ کا تہبند آپ کے ٹخنوں کے درمیان ادھر ادھر ہو رہا تھا اور زبان سے فرماتے جاتے تھے لوگو دوڑ کر چلو اللہ تعالی نے تم پر سعی لکھ دی ہے (مسند احمد)

اسی کی ہم معنی ایک روایت اور بھی ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو صفا مروہ کی سعی کو حج کا رکن جانتے ہیں جیسے

حضرت امام شافعی اوران کے موافقین کا مذہب ہے،امام احمد سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے۔

امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے،بعض اسے واجب تو کہتے ہیں لیکن حج کا رکن نہیں کہتے اگر عمداً یا سہواً یا کوئی شخص اسے چھوڑ دے تو ایک جانور ذبح کرنا پڑے گا۔امام احمد سے ایک روایت اسی طرح مروی ہے اور ایک اور جماعت بھی یہی کہتی ہے اور ایک قول میں یہ مستحب ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ،ثوری،شعبی،ابن سیرین یہی کہتے ہیں۔حضرت انس ابن عمر اور ابن عباس سے یہی مروی ہے امام مالک سے عتیبہ کی بھی روایت ہے،ان کی دلیل آیت (فمن تطوع خیرا) ہے،لیکن پہلا قول ہی زیادہ راجح ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا مروہ کا طواف کیا اور فرمایا احکام حج مجھ سے لو،پس آپ نے اپنے اس حج میں جو کچھ کیا وہ واجب ہو گیا اس کا کرنا ضروری ہے،اگر کوئی کام کسی خاص دلیل سے وجوب سے ہٹ جائے تو اور بات ہے۔

آزادخیال نام نہادسکالروں کے نزدیک سعی کے نفل ہونے کا بیان:

جاوید غامدی لکھتا ہے۔ان دو پہاڑیوں پر بت تھے اور مسلمان ان کی وجہ سے سعی کرنے سے ہچکچا رہے تھے تو کعبہ میں تو 350 بت تھے وہاں تو مسلمانوں کو طواف کرنے سے کوئی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔یہ محض قصہ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔اصل بات یہ تھی کہ صفا اور مروہ کی سعی کے بارے میں یہود نے یہ پروپیگنڈہ کر رکھا تھا کہ یہ کوئی مناسک حج کی چیز ہے ہی نہیں۔اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ مروہ حضرت اسماعیل کی قربان گاہ ہے اور یہود کے پورے لٹریچر میں اس چیز کو ہدف کی حیثیت حاصل ہے کہ حضرت اسماعیل اور حضرت ابراہیم کا تعلق مروہ یعنی کعبہ اور مکہ سے ثابت نہیں ہونا چاہیے تو وہ اس کا پروپیگنڈہ کرتے تھے۔قرآن نے اسی کے ضمن میں اس کا ذکر کیا ہے۔جہاں یہ آیت آئی ہے اس کے فوراً بعد بیان ہے کہ یہ یہود اللہ کے دین کی اس طرح کی حقیقتوں کو چھپاتے ہیں اور جانتے بوجھتے چھپاتے ہیں،یہ اللہ کے غضب کو دعوت دیتے ہیں اس پر یہ سوال پیدا ہوا تو قرآن نے اس کا جواب یہ دیا کہ صفا و مروہ کی سعی کوئی بری چیز نہیں ہے یہ ایک خیر کا کام ہے،جو آدمی بھی حج و عمرہ کے لیے آئے وہ اگر اپنی طرف سے کوئی خیر کا کام کرتا ہے تو بالکل ٹھیک کرتا ہے۔"من تطوع خیرا فان اللہ شاکر علیم" کے الفاظ بالکل واضح ہیں کہ یہ ایک نفل عبادت ہے۔حضور نے یہ نفل عبادت کی ہے ایسے ہی جیسے آپ نے بڑی باقاعدگی کے ساتھ فجر کی دو رکعتیں پڑھی ہیں فرضوں سے پہلے،تو وہ فجر کی دو رکعتیں آپ کے مسلسل پڑھنے کے باوجود بھی نفل ہی رہی ہیں فرض نہیں ہو گئیں۔تو یہ سعی بھی نفل ہی ہے اگر چہ حضور سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور بڑی اچھی عبادت ہے کرنی چاہیے۔لیکن یہ عمرے یا حج کا لازمی رکن نہیں ہے،بس یہ بات ملحوظ رہے۔آپ کی مکہ سے واپسی حج کے بعد ہوئی ہے اس میں حضور نے سعی نہیں کی۔بعض علما نے یہ سمجھا کہ شاید عمرے والی سعی کو حضور نے کافی سمجھا ہے حالانکہ آپ نے اپنے عمل سے یہ بتا دیا یعنی پہلے کر لے اور بعد میں نہ کر کے کہ یہ نفل عبادت ہے چاہے تو کر لیں اور چاہیں تو نہ کریں۔(المورد)

تاریخ اسلام کی پہلی صدی ہجری سے لیکر چودہ سو سالہ تک ائمہ وفقہاء جو صحیح معنوں میں قرآن وسنت کی تعلیمات کے پاسبان

ہیں۔ان کی تعلیمات اور دلائل سے جاہلانہ مخاصمت کرنا جاوید غامدی کا خاصہ ہے۔کیونکہ اسلام کی تعلیمات کو بگاڑ کر پیش کرنے میں غامدی نے یہود و نصاریٰ سے ٹھیکہ کر لیا ہے۔

صفا مروہ کی سعی کرنے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ:

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کیساتھ لکھتے ہیں۔حضرت عمرو بن دینار نے،کہا ہم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جس نے بیت اللہ کا طواف عمرہ کے لیے کیا لیکن صفا اور مروہ کی سعی نہیں کی،کیا ایسا شخص (بیت اللہ کے طواف کے بعد) اپنی بیوی سے صحبت کر سکتا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی،پھر صفا اور مروہ کی سعی کی اور تمہارے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔(الاحزاب:21)(صحیح بخاری،رقم الحدیث،۳۹۵)

بخاری شریف کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سعی کا حکم شریعت کے احکام میں سے ہے کیونکہ اس کو حکم شرعی بیان کرنے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے قرآن مجید کی آیت پڑھی۔غامدی صاحب لوگوں کو اختیار فتویٰ نہ دیں کہ جو چاہے کرلے اور جو چاہے نہ کرے۔کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع غامدی کو راس نہیں ہے؟

میلین اخضرین کے درمیان دوڑنے کا بیان:

قَالَ (ثُمَّ يَنْحَطُّ نَحْوَ الْمَرْوَةِ وَيَمْشِي عَلَى هَيِّنَتِهِ " فَإِذَا بَلَغَ بَطْنَ الْوَادِي يَسْعَى بَيْنَ الْمِيلَيْنِ الْأَخْضَرَيْنِ سَعْيًا ، ثُمَّ يَمْشِي عَلَى هَيِّنَتِهِ حَتَّى يَأْتِيَ الْمَرْوَةَ فَيَصْعَدُ عَلَيْهَا وَيَفْعَلُ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا) لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَزَلَ مِنْ الصَّفَا وَجَعَلَ يَمْشِي نَحْوَ الْمَرْوَةِ وَسَعَى فِي بَطْنِ الْوَادِي ، حَتَّى إذَا خَرَجَ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي مَشَى حَتَّى صَعِدَ الْمَرْوَةَ وَطَافَ بَيْنَهُمَا سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ) قَالَ (وَهَذَا شَوْطٌ وَاحِدٌ ".

ترجمہ:

فرمایا:اس کے بعد وہ مروہ کی طرف اتر کر سکون کے ساتھ چلے۔پھر جب وہ وادی بطن میں پہنچے تو وہ دونوں میلین اخضرین کے درمیان دوڑے اور پھر سکون کے ساتھ چلے۔حتیٰ کہ وہ مروہ پہنچ جائے۔اور اس پر چڑھے اور اس پر وہی کرے جو کچھ اس نے صفا پر کیا تھا۔کیونکہ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ صفا سے اتر کر مروہ کی جانب چلنے لگے اور آپ ﷺ نے وادی بطن میں سعی فرمائی یہاں تک کہ جب آپ ﷺ وادی بطن سے نکلے تو آپ ﷺ چل کر مروہ پر چڑھے۔(بخاری ومسلم) اور وہ ان دونوں کے درمیان سات چکر لگائے اور یہ ایک شوط ہے۔

صفا مروہ کی سعی ودعاؤں کا بیان:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ جب بطن سیل پر پہنچے (درمیان صفا ومروہ) تو یہ پڑھا، یعنی میلین اخضرین کے پاس "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَامُ ۔"

حضرت ابن مسعودؓ کی ایک روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ صفا کے نیچے آئے تو یہ پڑھنے لگے: رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ ۔ اے رب ہماری مغفرت فرما اور رحم فرما تو ہی عزت والا کریم ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱۰، ص، ۳۷۱)

حضرت جابرؓ کی ایک طویل حدیث جس میں آپ ﷺ کے حج کی تفصیل ہے کہ آپ ﷺ جب باب صفا کی طرف آئے تو آپ ﷺ نے پڑھا۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعائِرِ اللهِ اَبْدَاُ بِمَا بَدَا الله به

پھر صفا پر چڑھے صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے اہم نشان ہے شروع کرتا ہوں اس سے جس سے اللہ نے شروع کیا۔ حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ سعی میں یہ پڑھ رہے تھے۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاهْدِنِی السَّبِیْلَ الْاَقْوَمُ (الفتوحات، ج ۴، ص ۳۹۷) اے میرے رب ہماری مغفرت فرما اور رحم فرما اور درست راستے کی رہنمائی فرما۔

سعی کی ابتداء صفا سے جبکہ اختتام مروہ پر کرے:

فَیَطُوفُ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ یَبْدَأُ بِالصَّفَا وَیَخْتِمُ بِالْمَرْوَةِ) وَیَسْعَی فِی بَطْنِ الْوَادِی فِی کُلِّ شَوْطٍ لِمَا رَوَیْنَا ، وَإِنَّمَا یَبْدَأُ بِالصَّفَا لِقَوْلِهِ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِیهِ (ابْدَءُوا بِمَا بَدَأَ اللَّهُ تَعَالَی بِهِ) ثُمَّ السَّعْیُ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَاجِبٌ وَلَیْسَ بِرُکْنٍ .

وَقَالَ الشَّافِعِیُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : إنَّهُ رُکْنٌ لِقَوْلِهِ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إنَّ اللَّهَ تَعَالَی کَتَبَ عَلَیْکُمْ السَّعْیَ فَاسْعَوْا) .

وَلَنَا قَوْله تَعَالَی (فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ أَنْ یَطَّوَّفَ بِهِمَا) وَمِثْلُهُ یُسْتَعْمَلُ لِلْإِبَاحَةِ فَیَنْفِی الرُّکْنِیَّةَ وَالْإِیجَابَ إلَّا أَنَّا عَدَلْنَا عَنْهُ فِی الْإِیجَابِ . وَلِأَنَّ الرُّکْنِیَّةَ لَا تَثْبُتُ إلَّا بِدَلِیلٍ مَقْطُوعٍ بِهِ وَلَمْ یُوجَدْ . ثُمَّ مَعْنَی مَا رُوِیَ کُتِبَ اسْتِحْبَابًا کَمَا فِی قَوْله تَعَالَی (کُتِبَ عَلَیْکُمْ إذَا حَضَرَ أَحَدَکُمْ الْمَوْتُ) الْآیَةَ .

ترجمہ:

لہذا وہ سات اشواط پورے کرے۔ وہ صفا سے ابتداء کرے اور مروہ پر ختم کرے۔ اور شوط کرتے وقت وہ وادی بطن میں سعی کرے۔ اسی حدیث کی بناء پر جو ہم نے روایت کی ہے۔ اور صفا سے شروع کرنے کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ تم اسی سے شروع کرے جس سے اللہ نے شروع کیا ہے۔ اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے۔ اور رکن نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یہ سعی کرنا رکن ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالی نے تم پر سعی کو لکھ دیا ہے لہذا تم سعی کرو۔ (طبرانی، حاکم، دار قطنی)

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: حج یا عمرہ کرنے والے پر کوئی حرج نہیں کہ وہ صفا مروہ کا طواف کرے۔ یہ کلام اباحت میں استعمال ہوا کرتا ہے۔ لہذا اس رکنیت و وجوب دونوں ختم ہو جائیں گے۔ البتہ ہم نے وجوب میں اس کے خروج کیا تا کہ اس کی رکنیت ثابت نہ ہو سوائے دلیل قطعی کے۔ حالانکہ ایسی دلیل نہیں پائی گئی۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی پیش کردہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ مستحب ہونا لکھ دیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالی کا فرمان " کُتِبَ عَلَیْکُمْ إذَا حَضَرَ أَحَدَکُمُ الْمَوْتُ " میں ہے۔

صفا مروہ کی سعی کے درمیان تیز چلنے کا بیان:

اس کے دلائل میں سابقہ عبارت کی شرح میں مذاہب اربعہ ہم بیان کر چکے ہیں وہاں مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ صفا مروہ خواتین سے متعلق سعی میں حدیث نقل کر رہے ہیں۔

حضرت صفیہ بنت شیبہ کہتی ہیں کہ ابو تجراۃ کی بیٹی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں قریش کی عورتوں کے ساتھ آل ابو حسن کے گھر گئی تا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے دیکھیں (اور اس طرح ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال باکمال سے مشرف اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل و برکت سے مستفید ہوں) چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صفا و مروہ کے درمیان اس طرح سعی کرتے ہوئے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تہہ بند سعی دوڑنے میں تیزی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروں کے گرد گھوم رہا تھا، نیز میں نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے کہ سب لوگ سعی کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سعی کو لکھ دیا ہے، (شرح السنہ) اس روایت کو احمد نے بھی کمی بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ صفا و مروہ پہاڑیوں کے درمیان سات مرتبہ چکر لگانے کو سعی کہتے ہیں کہ جو حج کا ایک اہم رکن ہے صفا اور مروہ کی پہاڑیاں اب باقی نہیں رہی ہیں دونوں کٹ کٹا کر ختم ہوگئی ہیں صرف ان کی جگہیں متعین ہیں جہاں چند سیڑھیا بنا دی گئی ہیں، دونوں میں آپس کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کا ہے۔ یہ بھی پہلے بتایا جا چکا ہے یہ سعی در حقیقت حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی اس بھاگ دوڑ اور اضطراب کی یادگار ہے جس میں وہ اپنے شیر خوار بچے حضرت اسماعیل کی پیاس بجھانے کے لئے پانی کی تلاش میں ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان مبتلا ہوئی تھیں، اس کے بعد اللہ نے زمزم شریف پیدا فرمایا تھا، اسلام سے قبل عربوں نے ان دونوں پہاڑیوں پر ایک ایک بت رکھ دیا تھا۔ صفا کے بت کا نام اہناف تھا اور مروہ کے بت کا نام نائلہ تھا۔ صفا کی پہاڑی جبل ابو قبیس کے

دامن میں تھی وہیں سے سعی شروع کی جاتی ہے، صفا اور مروہ کے درمیان وہ راستہ جس پر سعی کی جاتی ہے اور جسے مسعیٰ کہتے ہیں بیت اللہ کے مشرقی جانب ہے، یہ پہلے مسجد حرام سے باہر تھا، اب اس کے ساتھ ہی شامل کر دیا گیا ہے۔

حدیث کے الفاظ فان اللہ کعب علیکم السعی کے معنی حضرت شافعی تو یہ مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی کو فرض کیا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک صفا و مروہ کے درمیان سعی فرض ہے اگر کوئی شخص سعی نہیں کرے گا تو اس کا حج باطل ہو جائے گا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں چونکہ سعی فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے اس لئے وہ اس جملہ کے یہ معنی مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی کو واجب کیا ہے۔ حنفی مسلک کے مطابق اگر کوئی شخص سعی ترک کرے تو اس پر دم یعنی دنبہ وغیرہ ذبح کرنا واجب ہو جاتا ہے حج باطل نہیں ہوتا۔

سعی کرنے کے بعد حالت احرام میں مکہ مقیم رہے:

قَالَ (ثُمَّ يُقِيمُ بِمَكَّةَ حَرَامًا) لِأَنَّهُ مُحْرِمٌ بِالْحَجِّ فَلَا يَتَحَلَّلُ قَبْلَ الْإِتْيَانِ بِأَفْعَالِهِ ، قَالَ (وَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ كُلَّمَا بَدَا لَهُ) لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الصَّلَاةَ . قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ صَلَاةٌ . وَالصَّلَاةُ خَيْرُ مَوْضُوعٍ ، فَكَذَا الطَّوَافُ) إلَّا أَنَّهُ لَا يَسْعَى عَقِيبَ هَذِهِ الْأَطْوِفَةِ فِي هَذِهِ الْمُدَّةِ لِأَنَّ السَّعْيَ لَا يَجِبُ فِيهِ إلَّا مَرَّةً . وَالتَّنَفُّلُ بِالسَّعْيِ غَيْرُ مَشْرُوعٍ وَيُصَلِّي لِكُلِّ أُسْبُوعٍ رَكْعَتَيْنِ ، وَهِيَ رَكْعَتَا الطَّوَافِ عَلَى مَا بَيَّنَّا .

ترجمہ:

اس کے بعد وہ احرام کی حالت میں مکہ میں ٹھہرے کیونکہ وہ حج کرنے والا محرم ہے لہذا وہ حج کے مناسک کرنے سے پہلے حلال نہیں ہوگا۔ اور جتنی بار اس کا دل چاہے وہ طواف کرتا رہے۔ کیونکہ طواف نماز کے مشابہ ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیت اللہ کا طواف کرنا نماز ہے۔ اور نماز نیکی کیلئے بنائی گئی ہے لہذا اسی طرح طواف بھی نیکی کیلئے بنایا گیا ہے۔ (ابن حبان، ترمذی طبرانی) ہاں البتہ اس دوران نفلی طواف کرنے کے بعد سعی نہیں کرے گا۔ کیونکہ ایک مرتبہ سعی کرنا حج میں واجب ہے۔ بطور نفل کے سعی کرنا مشروع نہیں ہے اور ہر سات چکر لگانے کے بعد یہ دو رکعت نماز پڑھے اور یہ طواف کی دو رکعتیں ہیں اسی دلیل کی وجہ سے جس کو ہم نے بیان کیا ہے۔

نماز وطواف میں مماثلت کا فقہی بیان:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنا نماز کی مانند ہے اگر چہ تم اس میں کلام کرتے ہو، لہذا جو شخص طواف میں کلام کرے تو وہ لغو لایعنی اور تغیر پسندیدہ کلام نہ ہو بلکہ نیک کلام ہی کرے۔ (ترمذی، نسائی، دارمی) اور امام ترمذی نے ذکر کیا ہے کہ کچھ لوگ اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر موقوف کرتے ہیں

یعنی یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

نماز وطواف میں مماثلت کا تعلق ثواب سے ہے کہ جیسے نماز کا ثواب بہت زیادہ ہے ویسے ہی خانہ کعبہ کا طواف بھی کثیر ثواب حاصل ہے۔ البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ جس طرح نماز میں بات چیت اور کلام مفسد ہے۔ اس طرح طواف میں کلام مفسد نہیں ہے۔ لہذا حدیث کی مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ کلام اور جو چیزیں کہ کلام کے حکم میں آتی ہیں جیسے کھانا پینا اور افعال کثیرہ وغیرہ طواف کے لئے مفسد نہیں ہیں۔

حدیث کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ نماز اور طواف دونوں یکساں ہیں کیونکہ ایک فرق تو خود حدیث نے بتا دیا ہے اس کے علاوہ بھی بعض چیزیں ایسی ہیں جو دونوں کے ظاہری فرق کو واضح کرتی ہیں، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے یہ بات ثابت ہے کہ جس طرح نماز میں استقبال قبلہ اور وقت شرط ہے اسی طرح طواف میں قبلہ رو ہونا اور کسی خاص وقت کا متعین ہونا شرط نہیں ہے۔

اسی طرح نماز کی اور شرطیں جیسے طہارت حقیقیہ اور حکمیہ اور ستر کا چھپا ہونا، اگر چہ امام شافعی کے نزدیک طواف کے لئے اسی درجہ میں ہیں جس درجہ میں نماز کے لئے ہیں یعنی جس طرح یہ چیزیں نماز کی شرائط میں سے ہیں کہ ان کے بغیر نماز ادا ہی نہیں ہوتی اسی طرح طواف کے لئے بھی شرط ہیں لیکن حنفیہ کے ہاں یہ چیزیں طواف کے لئے صرف واجب کے درجہ میں ہیں شرط نہیں۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ طواف کرنا نماز کی مانند ہے، سے یہ لازم نہیں آتا کہ طواف بعینہٖ نماز کے درجہ کا عمل ہو جائے، بلکہ طواف کو نماز کی مانند کہنا خود اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ نماز طواف سے افضل ہے۔

طواف وسعی کے مکہ میں حالت احرام میں قیام کرنے کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف کا یہ لکھنا کہ وہ طواف وسعی کرنے کے بعد مکہ میں احرام کی حالت میں ٹھہرے۔ اصل میں اس مسئلہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع ہم میں سے بعض حج والے تھے اور بعض عمرے والے تھے۔ اور میں عمرے والوں میں سے تھا اور میں ذوالحجہ کی چوتھی تاریخ کی صبح کو مکہ میں داخل ہوا۔ پس جب ہم نے طواف وسعی کر لی تو آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ حج والوں کے ساتھ حلال ہو جائیں تو ہم حلال ہوئے۔ اور ہم جماع کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں تھا جب لوگ حج کے مہینوں میں عمرہ کرتے تھے۔ جبکہ بعد میں اس طرح یہ حکم نہ رہا۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۹۰، حقانیہ ملتان)

سات چکروں کے بعد نماز پڑھنے میں مذاہب فقہاء:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہر سات چکروں کا ایک طواف ہے۔ اور اسکے بعد نماز پڑھنے میں اختلاف ہے

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز ہے کہ وہ دوطوافوں کو جمع کرے اور پھر دو رکعتیں پڑھے۔امام احمد علیہ الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے لیکن امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وتر یعنی تین، پانچ یا سات سے پھرنے والا ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک دوطوافوں کو جمع کرنا مکروہ ہے۔اور امام مالک علیہ الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ہر دوطوافوں کے درمیان دو رکعتوں کے ساتھ فصل کرنا افضل ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص، ۹۱، حقانیہ ملتان)

حنابلہ واہل ظواہر کے نزدیک فسخ حج کا بیان:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔صاحب ہدایہ نے حالت احرام میں مکہ میں ٹھہرنے کا بیان اس لئے کیا ہے کہ اس طرح محرم بہ حج حلال نہ ہوگا۔جبکہ اس میں حنابلہ اور اہل ظواہر اور عام اہل حدیث نے اختلاف کیا ہے۔کیونکہ یہ لوگ حج کا فسخ مانتے ہیں کہ جب کوئی شخص عمرے کی طرف سے طواف قدوم کرلے۔اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک یہ واجب ہے۔

اور بعض حنابلہ نے کہا ہے کہ ہم اللہ کے ہاں حاضر ہیں اور بے شک اگر ہم حج کے ساتھ محرم ہوئے تو پس اس کو عمرے کی طرف فسخ کرنا تاکہ فدیہ ادا کریں اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نکلے تو ہم نے حج کا احرام باندھا پس جب ہم مکہ میں آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا؛ تم اس کو عمرہ بنالو۔تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم نے حج کا احرام باندھا ہے اس کو عمرہ کس طرح بنائیں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا اس میں غور کرو جو میں نے تم حکم دیا ہے۔تو انہوں نے اسی طرح کیا۔اور جو اس قول پر لوٹے تو آپ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے آپ ﷺ کے چہرے پر ناراضگی کے آثر دیکھے تو کہا جس نے آپ کو ناراض کیا اس کو اللہ ناراض کرے۔

حج فسخ کر کے عمرہ کرنے کے بیان میں اختلاف:

جو کوئی بھی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے اور تلبیہ کہہ لے اس پر وہ حج اور عمرہ مکمل کرنا واجب ہوجاتا ہے چاہے وہ حج اور عمرہ نفلی ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: (اور اللہ تعالی کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو)۔

اور جس نے بھی احرام کی نیت کرلی اور بغیر کسی شرعی عذر کے حج یا عمرہ مکمل نہ کیا وہ ایک ممنوعہ کام کا مرتکب ہوا ہے۔

ہے: جب کسی نے احرام کی چادریں پہن لیں لیکن حج یا عمرہ کی نیت نہیں کی اور تلبیہ نہیں کہا اسے اختیار ہے چاہے تو وہ حج یا عمرہ کی نیت کرلے اور اگر چاہے تو اسے منسوخ کردے، اور اگر وہ فریضہ حج یا فرضی عمرہ ادا کرچکا ہے تو اس پر کوئی حرج نہیں، لیکن اگر اس نے حج یا عمرہ کی نیت کرلی اور تلبیہ کہہ لیا ہو تو پھر اسے فسخ کرنے کا حق نہیں رہتا بلکہ اس نے جس چیز کا بھی احرام باندھا ہے اسے شرعی طریقہ پر مکمل کرنا واجب ہوگا۔

کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: (اور اللہ تعالی کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو)۔اور اس طرح آپ کے لیے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ:

جب مسلمان شخص نیت کر کے حج یا عمرہ کے احرام میں داخل ہوجائے تو اسے ختم کرنے کا حق نہیں بلکہ جس چیز کو شروع کرچکا ہے اسے مندرجہ بالا آیت کی بنا پر مکمل کرنا واجب ہے، لیکن اگر اس نے احرام باندھتے وقت شرط لگائی ہو اور اسے کوئی مانع پیش آجائے جس کا اسے خدشہ تھا تو پھر وہ احرام سے حلال ہوسکتا ہے۔

کیونکہ جب ضباعۃ بنت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اے اللہ تعالی کیرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حج کرنا چاہتی ہوں لیکن بیمار ہوں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:

تم حج کا احرام باندھ لو اور یہ شرط رکھو کہ جہاں میں روک دی جاؤں وہیں میرے حلال ہونے کی جگہ ہے۔اسے امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

تو اس بنا پر آپ نے جو عمرہ ادا کیا ہیوہ اس عمرہ کے بدلے میں ہوگا جس کا احرام آپ نے پہلی بار باندھا تھا۔

اور آپ نے جو کچھ ان ایام میں احرام کے ممنوعہ کام کیے ہیں وہ معاف ہیں کیونکہ ظاہر یہ ہوتا ہیکہ آپ کو یہ علم نہیں کہ عمرہ کی نیت کرنے کے بعد اسے فسخ کرنا حرام ہے۔

اس کا یہ عمل صحیح نہیں، کیونکہ جب انسان عمرہ یا حج میں داخل ہوجائے تو اس پر کسی شرعی سبب کے بغیر فسخ کرنا حرام ہے۔اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: (اور تم اللہ تعالی کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو، اور اگر تم روک دیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو فدیہ دو

تو اس عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے کیے پر اللہ تعالی سے توبہ واستغفار کرے، اور اس کا عمرہ صحیح ہے اگرچہ اس نے عمرہ فسخ کردیا تھا لیکن عمرہ فسخ نہیں ہوتا، بلکہ یہ حج کے خصائص میں سے ہے، اور حج کے عجیب وغریب خصائص ہیں جو کسی دوسری چیز میں نہیں پائیجاتے، لھذا جب حج کو باطل اور ترک کرنے کی نیت کریں تو وہ باطل نہیں ہوتا، لیکن جب آپ دوسری عبادات کو چھوڑنے کی نیت کریں تو وہ باطل ہوجاتی ہیں۔

لھذا اگر کوئی روزے دار شخص روزہ چھوڑنے کی نیت کرتا ہے تو اس کا روزہ باطل ہوجاتا ہے، اور اگر کوئی شخص وضوء کے درمیان وضوء باطل کرنے کی نیت کرتا ہے تو اس کا وضوء باطل ہوجائے گا۔

اور اگر کوئی عمرہ ادا کرنے والا شخص عمرہ کی نیت کرنے کے بعد عمرہ باطل کرنے کی نیت کرتا ہیتو وہ باطل نہیں ہوتا، یا پھر کوئی شخص حج شروع کرنے کے بعد حج کو باطل کرنے کی نیت کرلے تو اس کا حج باطل نہیں ہوگا۔

اسی لیے علماء کرام کا کہنا ہے کہ: نسک (حج اور عمرہ) چھوڑنے سے نہیں چھوٹتا۔تو اس بنا پر ہم یہ کہیں گے کہ: اس عورت نے جب احرام کی نیت کرلی تھی تو عمرہ مکمل کرنے تک یہ احرام کی حالت میں ہی تھی، اور اس کا نیت کو فسخ کرنا مؤثر نہیں ہوگا، بلکہ وہ اپنی نیت پر ہی باقی رہے گی۔

اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ : عورت کے بارہ میں ہم یہ کہیں گے : اس کا عمرہ صحیح ہے، اور اسے چاہیے کہ وہ آئندہ احرام کو چھوڑنے والا کام دوبارہ نہ کرے، کیونکہ اگر اس نے احرام کو چھوڑا تو وہ اس سےخلاصی نہیں پاسکے گی۔

اور اس نے جو احرام کے ممنوعہ کام کا ارتکاب کیا ہے مثلا ہم فرض کرتے ہیں کہ اس کے خاوند نے اس سے مجامعت کرلی تو حج یا عمرہ میں جماع کرنا سب سے بڑی ممنوعہ چیز ہے، اور اس عورت کے ذمہ کچھ لازم نہیں آئے گا کیونکہ وہ اس سے جاھل تھی، اور جہالت کی بناپر یا بھول کر یا جس پر جبر کیا گیا ہو اس کا کسی ممنوعہ چیز کا ارتکاب کرنے والے شخص پر کچھ لازم نہیں آتا۔

حج فسخ کرکے عمرہ کرنے کے بارے میں احادیث کا بیان:

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاہی سے ایک روایت میں ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے چلے اور ہمیں صرف حج کا خیال تھا(یعنی حج کا احرام باندھا تھا) پھر جب ہم مکہ پہنچے اور کعبہ کا طواف کر چکے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جس کے ساتھ قربانی نہیں وہ (حج کے) احرام سے باہر ہوجائے پس جن لوگوں کے پاس قربانی نہیں تھی وہ احرام سے باہر ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس بھی قربانی نہیں تھی لہٰذا وہ احرام سے باہر ہوگئیں۔ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حائضہ ہوجانے کی وجہ سے بیت اللہ کا طواف نہ کرسکی جب محصب کی رات آئی تو میں نے کہا یا رسول اللہ! لوگ تو عمرہ اور حج دونوں کرکے لوٹیں گے اور میں صرف حج کرکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو جب مکہ آئی تھی تو طواف نہیں کیا تھا؟ میں نے کہا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اپنے بھائی کے ساتھ تنعیم تک جا، وہاں سے عمرے کا احرام باندھ لے پھر عمرے سے فارغ ہوکر فلاں جگہ پر ہمیں ملنا۔ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں اپنے آپ کو تم سب کا روکنے والا سمجھتی ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بانجھ، کیا تم نے قربانی والے دن طواف نہیں کیا؟ صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی ہاں کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر کچھ حرج نہیں چلو۔حدیث نمبر:791حدیث نمبر:792

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجۃ الوداع کے سال (مکہ کی طرف) چلے تو ہم میں سے بعض لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور بعض لوگوں نے عمرہ اور حج دونوں کا احرام باندھا تھا اور بعض لوگوں نے صرف حج کا احرام باندھا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا تھا پس جس نے حج کا احرام باندھا تھا یا حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھا وہ احرام سے باہر نہیں ہوا، یہاں تک کہ قربانی کا دن آ گیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ (اپنی خلافت میں) تمتع اور قران (حج اور عمرہ کے اکٹھا) کرنے سے منع کرتے تھے چنانچہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو حج وعمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا اور کہا لبیک بعمرۃ وحجۃ (یعنی قران کیا) اور کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کسی کے کہنے سے ترک نہیں کرسکتا۔حدیث نمبر:793

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (دور جاہلیت میں) لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حج کے دنوں میں عمرہ کرنا تمام دنیا کی برائیوں

سے بڑھ کر ہے اور وہ لوگ ماہ محرم کو ماہ صفر قرار دے لیتے تھے اور کہتے تھے کہ جب اونٹ کی پیٹھ کا زخم (جو سفر حج میں اس پر کجاوا باندھنے سے اکثر آجاتا ہے) اچھا ہوجائے اور نشان بالکل مٹ جائے اور صفر گزر جائے تو اس وقت عمرہ حلال ہے اس شخص کے لیے جو عمرہ کرنا چاہے۔پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ذی الحجہ کی چوتھی تاریخ کی صبح کو حج کا احرام باندھے ہوئے مکہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس احرام کو (توڑکر اس کی بجائے) عمرہ (کا احرام) کرلیں پس یہ بات ان لوگوں کو بری معلوم ہوئی اور وہ لوگ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! کون سی بات احرام سے باہر ہونے کی کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب باتیں۔(حدیث نمبر:794)

ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ عمرہ کرکے احرام سے باہر ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرکے احرام سے باہر نہیں ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے سر کے بال جمائے اور اپنی قربانی کے گلے میں ہار ڈال دیا، لہٰذا میں جب تک قربانی نہ کرلوں احرام سے باہر نہیں آسکتا۔(حدیث نمبر:795)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے ان سے تمتع کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ لوگوں نے مجھے اس سے منع کیا پس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا کہ تم اطمینان سے تمتع کرو۔اس آدمی نے کہا کہ پس میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا کوئی شخص مجھ سے کہہ رہا ہے کہ حج بھی عمدہ ہے اور عمرہ بھی مقبول ہے۔پس میں نے یہ خواب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے (شوق سے کرو)۔حدیث نمبر:796

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہ قربانی لے گئے تھے اور سب صحابہ نے حج مفرد کا احرام باندھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم لوگ کعبہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کرکے احرام سے باہر آجاؤ اور بال کترواڈالو پھر احرام سے باہر ہوکر ٹھہرے رہو یہاں تک کہ جب آٹھویں تاریخ ہو تو تم لوگ حج کا احرام باندھ لینا اور یہ احرام جس کے ساتھ تم آئے ہو اس کو تمتع کردو۔صحابہ نے عرض کی کہ ہم اس کو تمتع کردیں حالانکہ ہم حج کا نام لے چکے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ میں تم کو حکم دیتا ہوں وہی کرو اگر میں قربانی نہ لایا ہوتا تو میں بھی ویسا ہی کرتا جس طرح تم کو حکم دیتا ہوں لیکن اب مجھ سے احرام علیحدہ نہیں ہوسکتا جب تک قربانی اپنی قربان گاہ پر نہ پہنچ جائے۔(بخاری، شریف، حدیث نمبر:797 کتاب الحج)

حج فسخ کرکے عمرہ کرنے کی ممانعت کا بیان:

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔حضرت سلیم بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے حج کی نیت کی اور پھر اس کو فسخ کرکے عمرہ میں بدل دیا تو یہ درست نہ ہوگا بلکہ یہ امر ان لوگوں کے لیے خاص تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا حج کا فسخ کرنا ہمارے لیے خاص ہے یا ہمارے بعد کے لوگوں کے لیے بھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صرف تم لوگوں کے لیے خاص ہے۔ (سنن ابوداود، کتاب الحج)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال کی توجیہ:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابوالطفیل کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباسؓ سے کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے طواف میں تین بار رمل کرنا اور چار بار چلنا سنت ہے؟ اس لئے کہ تمہارے لوگ کہتے ہیں کہ وہ سنت ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ سچے بھی جھوٹے بھی ہیں۔ میں نے پوچھا اس کا کیا مطلب کہ انہوں نے سچ بولا اور جھوٹ کہا؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں تشریف لائے تو مشرکوں نے کہا، کہ محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب بیت اللہ شریف کا طواف ضعف اور لاغری وکمزوری کے سبب نہیں کر سکتے اور وہ آپ ﷺ سے حسد رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تین بار رمل کریں اور چار بار عادت کے موافق چلیں۔ پھر میں نے کہا کہ ہمیں صفا اور مروہ کے درمیان میں سوار ہو کر سعی کرنے کے بارے میں بتائیے کہ کیا یہ سنت ہے؟ کیونکہ آپ کے لوگ اسے سنت کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ سچے بھی ہیں اور جھوٹے بھی۔ میں نے کہا اس کا کیا مطلب؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں تشریف لائے تو لوگوں کی بھیڑ ایسی ہوئی کہ کنواری عورتیں تک باہر نکل آئیں اور لوگ کہنے لگے کہ یہ محمد ﷺ ہیں یہ محمد ﷺ ہیں اور رسول اللہ ﷺ (کی خوش خلقی ایسی تھی کہ آپ ﷺ) کے آگے لوگ مارے نہ جاتے تھے (یعنی ہٹو بچو، جیسے امرائے دنیا کے واسطے ہوتی ہے، ویسی آپ ﷺ کے لئے نہ ہوتی تھی) پھر جب لوگوں کی بڑی بھیڑ ہوئی تو آپ ﷺ سوار ہو گئے اور پیدل سعی کرنا افضل ہے (صحیح مسلم، ۲۹۵۱)

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کردہ الفاظ کے بظاہر تعارض میں فقہاء نے کہا ہے کہ رمل کے سنت ہونے کا معنی یہ ہے، جس طرح کفار کو اس وقت دیکھانا مقصود تھا۔ اب کافروں میں وہ دیکھنے کا خیال نہیں ہے۔ تاہم سنت اپنی جگہ پر موجود ہے۔ جس طرح ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف بیان کر آئے ہیں کہ جو رسول اللہ ﷺ نے عمل کر دیا ہمارے سنت بن گیا۔

سوار ہو کر طواف کرنے کا بیان:

حضرت سیدنا جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنی اونٹنی پر بیت اللہ کا طواف کیا اور حجر اسود کو اپنی چھڑی سے چھوتے تھے۔ (سوار اس لئے ہوئے) تا کہ لوگ آپ کو دیکھیں اور آپ اونچے ہو جائیں اور آپ ﷺ سے مسائل پوچھیں، اس لئے کہ لوگوں نے آپ ﷺ کو بہت گھیرا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم)

سات ذوالحج کو امام کے خطبہ دینے کا بیان:

قَالَ (فَإِذَا كَانَ قَبْلَ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ خَطَبَ الْإِمَامُ خُطْبَةً يُعَلِّمُ فِيهَا النَّاسَ الْخُرُوجَ إِلَى

مِنًى وَالصَّلَاةَ بِعَرَفَاتٍ وَالْوُقُوفَ وَالْإِفَاضَةَ) وَالْحَاصِلُ أَنَّ فِي الْحَجِّ ثَلَاثَ خُطَبٍ : أَوَّلُهَا مَا ذَكَرْنَا ، وَالثَّانِيَةُ بِعَرَفَاتٍ يَوْمَ عَرَفَةَ ، وَالثَّالِثَةُ بِمِنًى فِي الْيَوْمِ الْحَادِي عَشَرَ ، فَيَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ خُطْبَتَيْنِ بِيَوْمٍ .وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَخْطُبُ فِي ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَوَالِيَةٍ أَوَّلُهَا يَوْمُ التَّرْوِيَةِ لِأَنَّهَا أَيَّامُ الْمَوْسِمِ وَمُجْتَمَعُ الْحَاجِّ .وَلَنَا أَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهَا التَّعْلِيمُ وَيَوْمُ التَّرْوِيَةِ وَيَوْمُ النَّحْرِ يَوْمَا اشْتِغَالٍ ، فَكَانَ مَا ذَكَرْنَاهُ أَنْفَعَ وَفِي الْقُلُوبِ أَنْجَعَ.

ترجمہ:

فرمایا: یوم ترویہ سے ایک دن پہلے خطیب لوگوں کو خطبہ دے اور اس میں لوگوں کو منی کی طرف نکلنے اور عرفات میں نماز اور وقوف اور وہاں سے روانگی کے احکام سکھائے۔ الحاصل یہ کہ حج میں تین خطبات ہیں۔ پہلا خطبہ یہی ہے جو ہم نے ذکر کر دیا ہے اور دوسرا خطبہ عرفہ کے دن میدان عرفات میں ہے اور تیسرا خطبہ گیارہ تاریخ کو منی میں ہے۔ لہذا وہ ہر دو خطبوں کے درمیان ایک دن کا فاصلہ رکھے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ مسلسل تین خطبات پڑھے۔ اور وہ پہلا خطبہ ترویہ کے دن دے کیونکہ یہ دن حج اور اہل حج کے خاص ایام ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ان خطبات سے مقصد حج کے افعال کی تعلیم ہے اور ترویہ کا دن اور نحر کا دن مصروفیت کے دن ہیں۔ لہذا جو ہم نے ذکر کر دیا ہے وہی زیادہ نفع بخش اور دلوں میں اثر کرنے والا ہے۔

شرح

امام نووی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں نبی ﷺ نے چار خطبات ارشاد فرمائے جیسا کہ امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک چار خطبات ہیں: پہلا مکہ میں کعبہ کے نزدیک ذوالحجہ کے ساتویں دن، دوسرا مسجد نمرہ میں عرفہ کے دن، تیسرا منیٰ میں نحر کے دن، چوتھا ایام تشریق کے دوسرے دن منیٰ میں۔ (مسلم شرح نووی، کتاب الحج)

ساتویں دن کے متعلق امام بیہقی سنن الکبریٰ میں ابن عمرؓ کا یہ فرمان ذکر کرتے ہیں: كان رسول الله ﷺ إذا كان قبل التروية خطب الناس فأخبرهم بمناسكهم (بیہقی)

(رسول اللہ ﷺ نے یوم الترویہ (آٹھ ذوالحجہ) سے پہلے (سات ذوالحجہ) لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں ان کو ان کے مناسک کے بارے میں خبر دی۔

عرفات میں وقوف کا حکم:

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ قریش اور وہ لوگ جو قریش کے طریقہ کے پابند تھے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے اور قریش کو حمس یعنی بہادر وشجاع کہا جاتا تھا۔ (قریش کے علاوہ) اور تمام اہل عرب میدان عرفات میں وقوف کرتے تھے، لیکن

جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ میدان عرفات میں آئیں وہاں وقوف کریں اور پھر وہاں سے واپس ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد۔ آیت (ثم افیضوا من حیث افاض الناس)۔ پھر جہاں سے اور لوگ واپس ہوتے ہیں وہیں سے تم بھی واپس ہو۔ کے یہی معنیٰ ہیں۔ (بخاری ومسلم)

مزدلفہ حدود حرم میں واقع ہے، جب کہ عرفات حرم سے باہر ہے۔ چنانچہ قریش اور ان کے حواری دوسرے لوگوں پر اپنی برتری اور فوقیت جتانے کے لئے مزدلفہ میں وقوف کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل اللہ ہیں اور اللہ کے حرم کے باشندہ ہیں اس لئے ہم حرم سے باہر وقوف نہیں کرسکتے ،قریش کے علاوہ اور تمام اہل عرب قاعدہ کے مطابق میدان عرفات ہی میں قیام کرتے تھے چنانچہ جب اسلام کی روشنی نے طبقاتی اور اونچ نیچ کی تاریکیوں کو ختم کردیا اور قبیلہ وذات کے دنیاوی فرق وامتیاز کو مٹاڈالا تو یہ حکم دیا گیا کہ جس طرح تمام لوگ میدان عرفات میں وقوف کرتے ہیں اسی طرح قریش بھی میدان عرفات ہی میں وقوف کریں اور اس طرح اپنے درمیان امتیاز وفوقیت کی کوئی دیوار کھڑی نہ کریں۔

ترویہ کے دن صبح کی نماز کے بعد منی میں آنے کا حکم:

(فَإِذَا صَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ بِمَكَّةَ خَرَجَ إِلَى مِنًى فَيُقِيمُ بِهَا حَتَّى يُصَلِّيَ الْفَجْرَ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ) "لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ بِمَكَّةَ، فَلَمَّا طَلَعَتْ الشَّمْسُ رَاحَ إِلَى مِنًى فَصَلَّى بِمِنًى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ رَاحَ إِلَى عَرَفَاتٍ) (وَلَوْ بَاتَ بِمَكَّةَ لَيْلَةَ عَرَفَةَ وَصَلَّى بِهَا الْفَجْرَ ثُمَّ غَدَا إِلَى عَرَفَاتٍ وَمَرَّ بِمِنًى أَجْزَأَهُ) لِأَنَّهُ لَا يَتَعَلَّقُ بِمِنًى فِي هَذَا الْيَوْمِ إقَامَةُ نُسُكٍ، وَلَكِنَّهُ أَسَاءَ بِتَرْكِهِ الِاقْتِدَاءَ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ:

جب وہ یوم ترویہ (آٹھ ذوالحجہ) کو مکہ میں صبح کی نماز پڑھ لے تو وہ منیٰ کی طرف روانہ ہوجائے۔ اور یوم عرفہ (نو ذوالحجہ) کی صبح کی نماز پڑھ لینے تک وہیں قیام کرے گا۔ کیونکہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آٹھ ذوالحجہ کو فجر کی نماز مکہ میں پڑھی اور اس کے بعد جب سورج نکلا تو آپ ﷺ منی کی طرف روانہ ہوئے۔ اور منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی اس کے بعد عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ اور اگر حج کرنے والے نے عرفہ کی رات مکہ میں گزاری۔ اور مکہ میں صبح کی نماز پڑھتے ہی صبح صبح عرفات کو روانہ ہوا اور منیٰ سے صرف گزر گیا تو اس یہی کفایت کرنے والا ہے۔ کیونکہ یہ دن منیٰ میں کسی مناسک حج سے متعلق نہیں ہے۔ البتہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کو ترک کرنے کی وجہ سے برا کیا ہے۔

منی میں نمازیں پڑھنے اور وقوف کی فضیلت کا بیان:

امام ابن ماجہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آٹھ ذی الحجہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر عصر مغرب عشاء اور فجر منی میں ادا کی پھر عرفات کی طرف چلے آئے۔

،حضرت ابن عمر پانچوں نمازیں منی میں ادا کرتے پھر ان کو خبر دیتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ سیدہ عائشہ سے مروی ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ایک گھر نہ بنا دیں منی میں۔ آپ نے فرمایا نہیں! منی میں تو جو آگے پہنچ جائے اسی کا ٹھکانہ (ملک) ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضور اکرم ﷺ کے عمرہ ادا کر چکنے کے بعد دوسرے لوگ جو قربانی کا جانور ساتھ نہیں لائے تھے احرام کھول چکے، اس وقت حضرت علیؓ یمن سے مکہ تشریف لائے، انہوں نے حضرت فاطمہؓ کو رنگین کپڑوں میں ملبوس دیکھا تو اسے اچھا نہیں سمجھا، حضرت فاطمہؓ نے انہیں بتایا کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے حکم سے یہ لباس پہنا ہے جس پر حضرت علیؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: فاطمہؓ نے سچ کہا ہے، حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ "میرے پاس قربانی کا جانور ہے اور تمہارے پاس بھی ہے اس لئے احرام نہ کھولو"

۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری بروز اتوار یوم ترویہ کو سب نے مقام ابطح میں احرام باندھا اور تلبیہ کہتے ہوئے مکہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہوئے، منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں، ذی الحجہ کو حضور ﷺ نے عرفہ کی رات منیٰ میں بسر فرمائی، نماز فجر وہیں ادا کی، سورج نکلا تو عرفات روانہ ہوئے،

قریش کا معمول تھا کہ بجائے عرفات کے مشعر حرام (جو مزدلفہ میں واقع تھا) ٹھہرتے کیونکہ وہ حدود حرم میں واقع تھا، انہوں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ بھی وہیں ٹھہریں گے؛ لیکن آپ ﷺ نے میدان عرفات میں مقام نمرہ پر نصب شدہ کمبل کے خیمہ میں قیام فرمایا، زوال کے بعد اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر عرفہ کے مقام بطن وادی میں تشریف لائے اور بعد حمد وثناء خطبہ ارشاد فرمایا:

لوگو: میری بات غور سے سنو، میرا خیال ہے کہ اس سال کے بعد اس جگہ پر تم سے نہ مل سکوں اور نہ شاید اس سال کے بعد آئندہ حج کرسکوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سب لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے روندی گئی ہیں، زمانہ جاہلیت کے تمام خون معاف ہیں، میں اس سلسلہ میں سب سے پہلے اپنے ہی خاندان کا ایک خون جو کہ ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا ہے معاف کرتا ہوں، دورِ جاہلیت کا ہر سود معاف ہے اور اپنے عم محترم عباس بن عبدالمطلب کا سود معاف کرتا ہوں، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں، تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ

لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارے کچھ حقوق ہیں اور اسی طرح تم پر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں، (آج تک عورتیں ایک جائیداد منقولہ تھیں جو قمار بازی اور داؤں پر چڑھا دی جاسکتی تھیں، آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہ مظلوم، یہ صنف نازک، یہ جوہر

نازک قدردانی کا تاج پہنتا ہے) تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کو تمہارے بستر پر نہ بیٹھنے دیں جسے تم پسند نہ کرتے ہو اور ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ کھلی بے حیائی کا کوئی کام نہ کریں لیکن اگر وہ کریں تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ اجازت دی ہے کہ ان کے سونے کی جگہ اپنے سے الگ کردو، (اگر اس سے بھی باز نہ آئیں تو) پھر تمہیں اجازت ہے کہ انہیں ایسی ہلکی مار مارو جس سے بدن پر نشان نہ پڑیں اور اگر وہ اپنی نازیبا حرکتوں سے باز آجائیں تو حسب دستور ان کا کھانا اور کپڑا تمہارے ذمہ ہے،

خبردار! کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دے، عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے سے ہمیشہ پابند رہو کیوں کہ وہ تمہاری زیر نگرانی ہیں اور اس حیثیت سے نہیں کہ اپنے معاملات خود چلا سکیں، عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو، تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمات کے ذریعہ ان کو اپنے لئے جائز اور حلال کیا ہے۔

عرفات کی طرف متوجہ ہو کر قیام کرنے کا بیان:

قَالَ (ثُمَّ يَتَوَجَّهُ إلَى عَرَفَاتٍ فَيُقِيمُ بِهَا) لَا رَوَيْنَا ، وَهَذَا بَيَانُ الْأَوْلَوِيَّةِ .أَمَّا لَوْ دَفَعَ قَبْلَهُ جَازَ لِأَنَّهُ لَا يَتَعَلَّقُ بِهَذَا الْمَقَامِ حُكْمٌ .قَالَ فِي الْأَصْلِ : وَيَنْزِلُ بِهَا مَعَ النَّاسِ لِأَنَّ الِانْتِبَاذَ تَجَبُّرٌ وَالْحَالُ حَالُ تَضَرُّعٍ وَالْإِجَابَةُ فِي الْجَمْعِ أَرْجَى .وَقِيلَ مُرَادُهُ أَنْ لَا يَنْزِلَ عَلَى الطَّرِيقِ كَيْ لَا يُضَيِّقَ عَلَى الْمَارَّةِ .

ترجمہ:

اس کے بعد وہ عرفات کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس میں قیام کرے۔ اسی روایت کی بناء پر جو ہم روایت کر چکے ہیں۔ اور اس کی اولیت کی دلیل ہے بہر حال اگر وہ سورج نکلنے سے پہلے عرفات کو روانہ ہوا تو تب بھی جائز ہے۔ کیونکہ اس مقام کے متعلق کوئی حکم بیان نہیں ہوا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ عرفات میں لوگوں کے ساتھ اترے۔ کیونکہ اس کا اکیلا رہنا تکبر ہے جبکہ حالت عاجزی وانکساری والی ہونی چاہیے۔ اور جماعت کے ساتھ قبولیت کی زیادہ توقع ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام محمد علیہ الرحمہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص راستے میں نہ اترے تا کہ گزرنے والوں کیلئے مشقت کا سبب نہ بنے۔

صبح سویرے منیٰ سے عرفات جانے کا بیان:

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ ہم علی الصبح نبی کے ساتھ آج ہی کے دن (یعنی نویں ذی الحجہ کو) منیٰ سے عرفات گئے۔ ہم میں سے کوئی تکبیر کہتا تھا کوئی تہلیل۔ نہ اس نے اس پر عیب کیا نہ اس نے اس پر یا یوں کہا کہ نہ انہوں نے عیب کیا نہ ان پر نہ انہوں نے ان پر۔ ہر کوئی ذکر الٰہی میں مصروف تھا کیسا ہی ذکر الٰہی ہو۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی عرفات میں (مقام) وادی نمرہ میں اترتے تھے جب حجاج نے عبداللہ بن زبیر کو شہید کیا تو ابن عمر سے پوچھنے بھیجا کہ نبی آج کے دن کون سے وقت پر نکلے تھے؟ ابن عمر نے کہا جب یہ وقت آئے گا تو ہم خود چلیں گے۔ حجاج نے ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ دیکھتا رہے کہ ابن عمر کب نکلتے ہیں۔ جب حضرت ابن عمر نے کوچ کا ارادہ کیا تو پوچھا کیا سورج ڈھل گیا؟ لوگوں نے کہا ابھی نہیں ڈھلا وہ بیٹھ گئے پھر پوچھا کیا سورج ڈھل گیا کیا سورج ڈھل گیا؟ لوگوں نے کہا نہیں ڈھلا۔ (یہ سن کر) وہ بیٹھ گئے پھر پوچھا سورج ڈھل گیا؟ لوگوں نے کہا ہاں! یہ سنا تو وہ چل پڑے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفہ میں ٹھہرے اور یہ موقف ہے بلکہ عرفہ تمام کا تمام موقف ہے۔

یزید بن شیبان سے ایک روایت ہے کہ ہم عرفات میں ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے لیکن ہم اس کو دور سمجھتے تھے۔ ٹھہرنے کی جگہ سے اتنے میں مربع کے بیٹے ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے۔ میں نبی کا پیغام لایا ہوں تمہاری طرف تم لوگ اپنے اپنے مقاموں میں رہو۔ آج تم وارث ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے۔

حضرت قاسم بن عبداللہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا عرفہ سب کا سب موقف ہے۔

قبولیت دعائے عرفات اور ابلیس کا رونا:

عباس بن مرداس سلمی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے لئے دعائے مغفرت کی تیسرے پہر کو تو آپ کو جواب ملا کہ میں نے بخش دیا تیری امت کو مگر جوان میں ظالم ہو اس سے تو میں مظلوم کا بدلہ ضرور لوں گا۔ آپ نے فرمایا اے مالک! اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت دے اور ظالم کو بخش کر اس کو راضی کر دے لیکن اس شام کو اس کا جواب نہیں ملا جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو آپ نے پھر دعا فرمائی۔ اللہ عزوجل نے آپ کی درخواست قبول کی تو آپ مسکرائے یا آپ نے تبسم فرمایا تو ابوبکر وعمر نے عرض کیا ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ اس وقت کبھی نہیں ہنستے تھے تو آج کیوں ہنسے؟ اللہ عزوجل آپ کو ہنستا ہی رکھے۔ آپ نے فرمایا اللہ کے دشمن ابلیس نے جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کی اور میری امت کو بخش دیا تو اس نے مٹی اٹھائی اور اپنے سر پر ڈالنے لگا اور پکارنے لگا ہائے خرابی! ہائے تباہی تو مجھے ہنسی آ گئی۔ جب میں نے اس کا تڑپنا دیکھا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی دن بھی اللہ تعالیٰ دوزخ سے اپنے اتنے زیادہ بندوں کو رہائی نہیں عطا فرماتے جتنے بندوں کو عرفہ کے روز (دوزخ سے رہائی عطا فرماتے ہیں) اور اللہ عزوجل قریب ہوتے ہیں پھر ملائکہ کے سامنے اپنے بندوں پر فخر فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے کیا ارادہ کیا۔ (سنن ابن ماجہ)

منیٰ سے عرفات چلتے وقت تلبیہ اور تکبیر کا بیان۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب ہم صبح کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ سے عرفات کی طرف چلے تو ہم

میں سے کوئی لبیک پکارتا تھا اور کوئی تکبیر کہتا تھا۔ (صحیح مسلم، رقم: 708)

حضرت سیدنا محمد بن ابی بکر ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے سیدنا انس بن مالکؓ سے پوچھا اور وہ دونوں منیٰ سے عرفات کو جا رہے تھے کہ تم لوگ آج کے دن نبی ﷺ کے ساتھ کیا کرتے تھے؟ سیدنا انسؓ نے کہا کہ کوئی ہم میں سے لا الٰہ الا اللہ کہتا تھا تو اس کو کوئی منع نہ کرتا تھا اور کوئی ہم میں سے اللہ اکبر کہتا تھا تو اس کو بھی کوئی منع نہ کرتا تھا۔ (صحیح مسلم، رقم: 709)

میدان عرفات میں نمازوں کو جمع کرنے کا بیان:

قَالَ (وَإِذَا زَالَتْ الشَّمْسُ يُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ فَيَبْتَدِءُ فَيَخْطُبُ خُطْبَةً يُعَلِّمُ فِيهَا النَّاسَ الْوُقُوفَ بِعَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةِ وَرَمْيَ الْجِمَارِ وَالنَّحْرَ وَالْحَلْقَ وَطَوَافَ الزِّيَارَةِ ، يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِجَلْسَةٍ كَمَا فِي الْجُمُعَةِ) هَكَذَا فَعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ .

وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلَاةِ ، لِأَنَّهَا خُطْبَةُ وَعْظٍ وَتَذْكِيرٍ فَأَشْبَهَ خُطْبَةَ الْعِيدِ . وَلَنَا مَا رَوَيْنَا ، وَلِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهَا تَعْلِيمُ الْمَنَاسِكِ وَالْجَمْعُ مِنْهَا

وَفِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ : إذَا صَعِدَ الْإِمَامُ الْمِنبَرَ فَجَلَسَ أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُونَ كَمَا فِي الْجُمُعَةِ .

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ يُؤَذِّنُ قَبْلَ خُرُوجِ الْإِمَامِ . وَعَنْهُ أَنَّهُ يُؤَذِّنُ بَعْدَ الْخُطْبَةِ .

وَالصَّحِيحُ مَا ذَكَرْنَا لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمَّا خَرَجَ وَاسْتَوَى عَلَى نَاقَتِهِ أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُونَ بَيْنَ يَدَيْهِ . وَيُقِيمُ الْمُؤَذِّنُ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْ الْخُطْبَةِ لِأَنَّهُ أَوَانُ الشُّرُوعِ فِي الصَّلَاةِ فَأَشْبَهَ الْجُمُعَةَ .

ترجمہ:

فرمایا: جب سورج ڈھل جائے تو امام لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز پڑھائے۔ اور خطبے سے شروع کرے۔ لہٰذا وہ اس طرح کا خطبہ پڑھے جس میں لوگوں کو وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ، رمی جمار، قربانی، حلق کروانا اور طواف زیارت کرنا سکھائے۔ امام دو خطبے پڑھے گا۔ ان دونوں کے درمیان بیٹھ کر فاصلہ کرے جس طرح جمعہ میں کیا جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا تھا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں نماز کے بعد خطبہ پڑھے کیونکہ اس کا یہ خطبہ وعظ ونصیحت ہے لہٰذا یہ عید کے خطبہ کے مشابہ ہوگیا۔

ہماری دلیل ہماری بیان کردہ وہی حدیث ہے کہ یہ خطبہ مناسک حج سکھانے کیلئے ہوتا ہے اور نمازوں کو جمع کرنا بھی مناسک میں سے ہے اور یہی تو ظاہری مذہب ہے کہ امام منبر پر بیٹھے گا تو مؤذن اذان دے جس طرح جمعہ میں ہوتا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ امام کے نکلنے سے پہلے اذان دے۔ اور آپ ہی سے روایت کی گئی ہے کہ خطبہ کے بعد اذان دے۔ جبکہ صحیح وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب خیمہ سے نکل کر اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر جلوہ گر ہوئے تو مؤذنوں نے آپ ﷺ کے سامنے اذان دی۔ (مسلم، ابن ماجہ، ابوداؤد) اور خطبے کے بعد مؤذن اقامت پڑھے۔ اس لئے کہ نماز شروع کرنے کا طریقہ اسی طرح ہے لہٰذا یہ جمعہ کے مشابہ ہوگیا۔

شرح

حضرت ابن شہاب رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت سالم رحمۃ اللہ نے مجھے بتایا کہ حجاج ابن یوسف نے جس سال حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اسی سال اس نے (مکہ آنے کے بعد) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ہم عرفہ کے دن وقوف کے دوران کیا کریں۔ (یعنی عرفات میں اس دن ظہر، عصر کی نماز وقوف سے پہلے پڑھ لیں یا وقوف کے دوران اور یا وقوف کے بعد؟) اس کا جواب سالم نے دیا کہ اگر تو سنت پر عمل کرنا چاہتا ہے تو عرفہ کے دن (ظہر وعصر کی نماز) سویرے پڑھ (یہ جواب سن کر) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سالم ٹھیک کہتے ہیں، کیونکہ صحابہ طریقہ سنت کو اختیار کرنے کے لئے ظہر وعصر کی نماز ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سالم سے پوچھا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح کیا تھا؟ حضرت سالم نے فرمایا۔ ہم اس معاملہ میں (یعنی اس طرح نماز پڑھنے میں) صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے طریقہ کی پیروی کرتے ہیں۔ (بخاری)

جو شخص اسلامی تاریخ سے ذرا بھی واقفیت رکھتا ہے وہ حجاج بن یوسف کے نام سے بخوبی واقف ہوگا۔ یہ نام ظلم وبربریت کی داستانوں میں اپنی ایک بڑی ہی وحشت ناک داستان کا حامل ہے۔ حجاج بن یوسف جس کے نام کا جز ہی ظالم بن چکا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں کو باندھ کر قتل کرایا تھا۔ عبدالملک بن مروان کی طرف سے اسی ظالم نے مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کی تھی اور ان جلیل القدر صحابی کو اس نے سولی پر چڑھا دیا تھا۔

اس واقعہ کے بعد اسی سال عبدالملک بن مروان نے اس کو حاجیوں کا امیر مقرر کیا اور اسے حکم دیا کہ تمام افعال حج میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے افعال واقوال کی پیروی کرنا، ان سے حج کے مسائل پوچھتے رہنا اور کسی معاملہ میں ان کی مخالفت نہ کرنا، چنانچہ حجاج نے اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا مسئلہ بھی پوچھا۔

امام ظہر اور عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھائے:

قَالَ (وَيُصَلِّي بِهِمْ الظُّهْرَ الْعَصْرَ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَتَيْنِ) وَقَدْ وَرَدَ النَّقْلُ

الْـمُسْتَفِيضُ بِاتِّفَاقِ الرُّوَاةِ بِالْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ ، وَفِيمَا رَوَى جَابِرٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّاهُمَا بِأَذَانٍ وَإِقَامَتَيْنِ) ، ثُمَّ بَيَانُهُ أَنَّهُ يُؤَذِّنُ لِلظُّهْرِ وَيُقِيمُ لِلظُّهْرِ ثُمَّ يُقِيمُ لِلْعَصْرِ لِأَنَّ الْعَصْرَ يُؤَدَّى قَبْلَ وَقْتِهِ الْمَعْهُودِ فَيُفْرِدُ بِالْإِقَامَةِ إِعْلَامًا لِلنَّاسِ

ترجمہ:

فرمایا: اور وہ ان کو ظہر اور عصر کی نماز ظہر کے وقت میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھائے۔ اور نمازوں کو جمع کرنے والی روایات کے رواۃ کے اتفاق کے ساتھ یہی نقل کیا گیا ہے۔ اور وہ حدیث جس کو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں نمازوں کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمایا ہے۔ حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ وہ ظہر کیلئے اذان دے اور ظہر کیلئے اقامت کہے اور پھر عصر کیلئے اقامت کہے۔ کیونکہ عصر اپنے مقررہ وقت سے پہلے ادا کی جاتی ہے لہذا لوگوں کو انتباہ کرنے کیلئے صرف اقامت ہی کافی ہے۔

عرفات کی دو نمازوں میں ایک تکبیر و دو اقامتوں میں مذاہب اربعہ:

جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفات میں ظہر وعصر کی نماز ایک اذان اور دو تکبیر کے ساتھ پڑھی تھی چنانچہ حضرت امام شافعی حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں مزدلفہ میں یہ دونوں نمازیں ایک اذان اور ایک ہی تکبیر کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں کیونکہ اس موقع پر عشاء کی نماز چونکہ اپنے وقت میں پڑھی جاتی ہے اس لئے زیادتی اعلام کے لئے علیحدہ سے تکبیر کی ضرورت نہیں برخلاف عرفات میں عصر کی نماز کے کہ وہاں عصر کی نماز چونکہ اپنے وقت میں نہیں ہوتی بلکہ ظہر کے وقت ہوتی ہے اس لئے وہاں زیادتی اعلام کے لیے علیحدہ تکبیر کی ضرورت ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہی روایت منقول ہے اور ترمذی نے بھی اس کی تحسین وتصحیح کی ہے۔

عرفات ومزدلفہ کے علاوہ نمازوں کو جمع کرنے رد میں فقہ حنفی کے دلائل:

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ سیدنا حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی کہ امیر المؤمنین امام العادلین ناطق بالحق والصواب عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام آفاق میں فرمان واجب الاذعان نافذ فرمائے۔ کہ کوئی شخص ایک وقت میں دو نمازیں نہ جمع کرنے پائے اور ان میں ارشاد فرمایا: ایک وقت میں دو نمازیں ملانا گناہ کبیرہ ہے۔ ۔ المؤطا لمحمد ، الجمع بين الصلوتين ☆

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں

الحمد للہ، امام عادل فارق الحق والباطل نے حق واضح فرمایا۔ اور انکے فرمانوں پر کہیں سے انکار نہ آنے نے گویا مسئلہ درجہ

اجماع تک مترقی کیا۔ اقول: یہ حدیث بھی ہمارے اصول پر حسن جید حجت ہے۔ علاء بن الحارث تابعی صدوق فقیہ رجال صحیح مسلم وسنن اربعہ سے ہیں۔ نیز علاء کا مختلط ہونا ہمارے نزدیک مضر نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ روایت اس اختلاط سے بعد لی گئی ہے۔ کیونکہ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الشہید میں احمد کی روایت ذکر کی ہے جسکا ایک راوی عطاء بن سائب ہے اور عطاء بن سائب کا مختلط ہونا سب کو معلوم ہے۔ مگر ابن ہمام نے کہا مجھے امید ہے کہ حماد بن سلمہ نے یہ روایت عطاء کے اختلاط میں مبتلاء ہونے سے پہلے اس سے اخذ کی ہوگی۔ پھر اسکی دلیل بیان کی کہ اگر ابہام پایا بھی جائے تو حسن کے درجے سے کم نہیں۔

اور امام مکحول ثقہ فقیہ حافظ جلیل القدر بھی رجال مسلم واربعہ سے ہیں۔

نیز مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔ رہا امام محمد کے اساتذہ کا مبہم ہونا، تو مبہم کی توثیق ہمارے نزدیک مقبول ہے۔ جیسا کہ مسلم وغیرہ میں ہے۔ خصوصا جب توثیق کرنے والی امام محمد جیسی ہستی ہو۔

اور اس سے قطع نظر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ متعدد اسنادوں سے مروی ہونے کی وجہ سے اسکی یہ خامی دور ہوگئی ہے۔ فتح المغیث میں مقلوب کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ مشائخ بخاری میں احمد بن عدی سے مروی ہے کہ میں نے متعدد مشائخ کو یہ حدیث بیان کرتے سنا ہے ابن عدی کے واسطے سے یہ بات خطیب نے بھی اپنی تاریخ میں ذکر کی ہے اور دیگر علماء نے بھی اور ابن عدی کے اساتذہ کا مبہم ہونا مضر نہیں کیونکہ انکی تعداد اتنی ہے کہ اسکی وجہ سے وہ مجہول نہیں رہے۔

حضرت ابوقتادہ عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شقہ وفرمان سنا کہ تین باتیں کبیرہ گناہوں سے ہیں۔ دو نمازیں جمع کرنا۔ جہاد میں کفار کے مقابلہ سے بھاگنا۔ اور کسی کا مال لوٹ لینا۔ ۔ (كنز العمال للمتقی)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں

یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے۔ اسکے سب رجال اسمعیل بن ابراہیم ابن علیہ سے آخر تک ائمہ ثقات عدول رجال صحیح مسلم سے ہیں۔ وللہ الحمد، طیفہ: حدیث مؤطا کے جواب میں تو ملاجی کو وہی انکا عذر معمولی عارض ہوا کہ منع کرنا عمر کا حالت اقامت میں بلاعذر تھا۔

اقول: اگر ہر جگہ ایسی ہی تخصیص تراش لینے کا دروازہ کھلے تو تمام احکام شرعیہ سے بے قیدوں کو سہل چھٹی ملے۔ جہاں چاہیں کہدیں یہ حکم خاص فلاں لوگوں کیلئے ہے۔ حدیث صحیحین کو تین طرح رد کرنا چاہا۔

اول: انکار جمع اس سے بطور مفہوم نکلتا ہے اور حنفیہ قائل مفہوم نہیں۔ اس جواب کی حکایت خود اسکے رد میں کفایت ہے۔ اس سے اگر بطور مفہوم نکلتی ہے تو مزدلفہ کی جمع۔ کہ مابعد الا ہمارے نزدیک مسکوت عنہ ہے۔ انکار جمع تو اسکا صریح منطوق ومدلول مطابقی ومنصوص عبارۃ النص ہے

اقول: اولاً۔ اسکی نسبت اگر بعض اجلۂ شافعیہ کے قلم سے براہ بشریت لفظ مفہوم نکل گیا۔ ملا مدعی اجتہاد وحرمت تقلید ابو

حنیفہ وشافعی کو کیا لائق تھا کہ حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم رد کرنے کیلئے ایسی بدیہی غلطی میں ایک متاخر مقلد کی تقلید جامد کرتے۔ شاید رد احادیث صحیحہ میں یہ شرک صریح جائز وصحیح ہوگا۔ اب نہ اس میں شائبہ نصرانیت ہے نہ اتخذوا احبار ھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ کی آفت ۔ کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون ۔

ثانیاً: بفرض غلط مفہوم ہی سہی اب یہ نامسلم کہ حنفیہ اس کے قائل نہیں۔ صرف عبارات شارع غیر متعلقہ بعقوبات میں اسکی نفی کرتے ہیں۔ کلام صحابہ ومن بعد ھم من العلماء میں مفہوم مخالف بے خلاف مرعی و معتبر ۔ کمانص علیہ فی تحریر الاصول والنھر الفائق والدر المختار وغیرھا من الاسفار ، قد ذکر نا نصوصھا ، فی رسالتنا القطوف الدانیة لمن احسن الجماعة الثانیہ ۔ہ

دوم: ایک رامپوری ملا سے نقل کیا کہ ابن مسعود سے مسند ابی یعلی میں روایت یہ بھی ہے کہ کان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یجمع بین الصلوتین فی السفر ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر میں دو نمازیں جمع کرتے تھے۔ تو موجود ہے کہ حدیث صحی یحن کو حالت نزول منزل اور روایت ابی یعلی کو حالت سیر پر عمل کریں۔ یہ مذہب امام مالک کی طرف عود کر جائیگا۔

اقول: اولاً۔ ملا جی خود ہی اسی بحث میں کہہ چکے ہو کہ شاہ صاحب نے مسند ابی یعلی کو طبقۂ ثالثہ میں جس میں سب اقسام کی حدیثیں صحیح، حسن، غریب، معروف، منکر، شاذ، مقلوب موجود ہیں ٹھہرایا ہے۔ پھر خود ہی اس طبقے کی کتاب کو کہا کہ اس کتاب کی حدیث بدوں تصحیح کسی محدث کے یا پیش کرنے سند کے کیونکر تسلیم کی جاوے۔ یہ کتاب اس طبقے کی ہے جس میں سب اقسام کی حدیثیں صحیح اور سقیم مختلط ہیں۔ یہ کیا دھرم ہے کہ اوروں پر منہ آ ؤ اور اپنے لئے ایک رامپوری ملا کی تقلید سے حلال بتاؤ۔ اتخذوا احبار ھم ورھبانھم

ثانیا: ملا جی، کسی ذی علم سے التجا کرو تو وہ تمہیں صریح ومجمل اور متعین ومحتمل کا فرق سکھائے۔ حدیث صحیحین انکار جمع حقیقی میں نص صریح ہے اور روایت ابی یعلی حقیقی جمع کا اصلاً پتہ نہیں دیتی۔ بلکہ احادیث جمع صوری میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثیں صاف صاف جمع صوری بتارہی ہیں۔ تمہاری ذی ہوشی کہ نص ومحتمل کو لاکر اختلاف محامل سے راہ توفیق ڈھونڈتے ہو۔

لطیفہ اقول: ملا جی کا اضطراب قابل تماشہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہیں راوی جمع ٹھہرا کر عدد رواۃ پندرہ بتاتے ہیں۔ کہیں نافی سمجھ کر چودہ۔ صدر کلام میں جہاں راویان جمع گنائے صاف صاف کہا ابن مسعود فی احدی الروایتین، اب رامپوری ملا کی تقلید سے وہ احدی وایتین بھی گئی۔ ابن مسعود خاصے مثبتان جمع ٹھہر گئے۔

سوم: جسے ملا جی بہت ہی علق نفیس سمجھے ہوئے ہیں۔ ان دو کو عربی میں بولے تھے۔ یہاں چمک چمک کر اردو میں چہک رہے ہیں کہ۔

اگر کہو جس جمع کو ابن مسعود نے نہیں دیکھا وہ درست نہیں تو تم پر یہ پہاڑ مصیبت کا ٹوٹیگا کہ جمع بین الظھر اور عصر کو عرفات میں کیوں درست کہتے ہو باوجودیکہ اس قول ابن مسعود سے تو نفی جمع فی العرفات کی بھی مفہوم ہوتی ہے۔ پس جو تم جواب

رکھتے ہو اسی کو ہماری طرف سے سمجھو یعنی اگر کہو نہ ذکر کرنا ابن مسعود کا جمع فی العرفات کو بنا بر شہرت عرفات کے تھا تو ہم کہیں گے کہ جمع فی السفر بھی قرن صحابہ میں مشہور تھی۔ کیونکہ چودہ صحابی سوبن مسعود کے اسکے ناقل ہیں۔ تو اسی واسطے ابن مسعود نے اسکا استثناء نہ کیا۔ اور اب محتمل نفی کا جمع بلا عذر ہوگی۔ اور اگر کہو کہ جمع فی العرفات بالمقائسہ معلوم ہوتی ہے تو ہم کو کون مانع ہے مقاتسہ سے۔ وعلی ہذا القیاس جو جواب تمہارا ہے وہی ہمارا ہے۔

معیار الحق مصنفہ میاں نذیر حسین ملا جی اس جواب کو ملا جی گل سرسبز بنا کر سب سے اول ذکر کیا۔ ان دو کی تو امام نووی و سلام اللہ رامپوری کی طرف نسبت کی۔ مگر اسے بہت پسند کر کے بلا نقل ونسبت اپنے نامہ اعمال میں ثبت رکھا حالانکہ یہ بھی کلام امام نودی میں مذکور اور فتح الباری وغیرہ میں ماثور تھا۔ شہرت جمع عرفات سے جو جواب امام محقق علی الاطلاق محمد بن الہمام وغیرہ علماء اعلام حنفیہ کرام نے افادہ فرمایا۔ اس کا نفیس وجلیل مطلب ملا جی کی فہم تنگ میں اصلا نہ دھنسا۔ اجتہاد کے نشہ میں ادعائے باطل شہرت جمع سفر کا آوازہ کسا، اب فقیر غفرلہ القدیر سے تحقیق حق سنئے۔

اولا: فاقول وبحول ربی اصول۔ ملا جی جواب علماء کا یہ مطلب سمجھئے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھیں تو تین نمازیں غیر وقت میں۔ مگر ذکر دو کیں۔ مغرب وصبح مزدلفہ، اور تیسری یعنی عصر عرفہ کو بوجہ شہرت ذکر نہ فرمایا: جس پر آپ نے یہ کہنے کی گنجائش سمجھی کہ یونہی جمع سفر بھی بوجہ شہرت ترک کی۔ اس ادعائے باطل کا لفافہ تو بحمد اللہ اوپر کھل چکا

کہ شہرت درکنار نفس ثبوت کے لالے پڑے ہیں۔ حضرت نے چودہ صحابہ کرام کا نام لیا پھر آپ ہی دس سے دست بردار ہوئے۔ چار باقی ماندہ میں دو کی روایتیں نری بے علاقہ اتر گئیں۔ رہے دو، وہاں بعونہ تعالیٰ وہ قاہر جواب پائے کہ جی ہی جانتا ہوگا۔

اگر بالفرض دو سے ثبوت ہو بھی جاتا تو کیا صرف دو کی روایت قرن صحابہ میں شہرت ہے۔ مگر یہاں تو کلام علماء کا وہ مطلب ہی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صرف انہیں دو نمازوں عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ کا غیر وقت میں پڑھنا ثابت۔ انہیں دو کو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا۔ انہیں دو کو صلاتین کہہ کر یہاں ارشاد فرمایا۔ اگرچہ تفصیل میں بوجہ شہرت عامہ تامہ ایک کا نام لیا۔ صرف ذکر مغرب پر اقتصار فرمایا۔ ایسا اکتفا کلام صحیح میں شائع۔

قال عزوجل ۔ وجعل لکم سرابیل تقیکم الحر ۔ اور تمہارے لئے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں۔

خود انہیں نمازوں کے بارے میں امام سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ارشاد دیکھئے۔ کہ پوچھا گیا۔ کیا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر میں کوئی نماز جمع کرتے تھے۔

فرمایا : لا الا بجمع ، نہ مگر مزدلفہ میں ، کما قد منا عن سنن النسائی ، یہاں بھی کھہ دیجیو کہ جمع سفر کو شھرۃ چھوڑ دیا ھے ۔ اور سنئے ، امام ترمذی اپنی صحیح میں فرماتے ھیں ۔

العمل علی ھذا عند اھل العلم ان لا یجمع بین الصلاتین الا فی السفر اوبعرفة ۔

اہل علم کے یہاں عمل اسی پر ہے کہ بغیر سفر اور یوم عرفہ دو نمازیں جمع نہ کریں۔ امام ترمذی نے صرف نماز عرفہ کا استثناء کیا

نماز مزدلفہ کو چھوڑ دیا۔ تو ہے یہ کہ دونوں جمعین متلازم ہیں اور ایک کا ذکر دوسری کا یقیناً مذکر۔ خصوصاً نماز عرفہ کہ اظہر واشہر۔ تو مزدلفہ کا ذکر دونوں کا ذکر ہے، غرض ان صلاتین کی دوسری نماز ظہر عرفہ ہے نہ فجر نحر۔ وہ مسئلہ جداگانہ کا افادہ ہے۔ کہ دو نمازیں تو غیر وقت میں پڑھیں اور فجر وقت معمول سے پیشتر تاریکی میں، اور بلاشبہ اجماع امت ہے کہ فجر حقیقۃً وقت سے پہلے نہ تھی، نہ ہرگز کہیں کبھی اس کا جواز اور خود اسی حدیث ابومسعود کے الفاظ مسلم کے یہاں بروایت جریر عن الاعمش ، قال قبل وقتها بغلس اس پر شاہد، اگر رات میں پڑھی جاتی تو ذکر غلس کے کیا معنی تھے۔ صحیح بخاری میں تو تصریح صریح ہے کہ فجر بعد طلوع فجر پڑھی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ گیا۔ پھر ہم مزدلفہ آئے تو آپ نے دو نمازیں جمع کیں ایک ہی اذان واقامت سے۔ درمیان میں رات کا کھانا کھایا۔ پھر طلوع فجر کے بعد صبح کی نماز پڑھی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حج ادا فرمایا پھر ہم مزدلفہ آئے جب عشا کی اذان کا وقت ہو چکا تھا یا قریب تھا۔ ایک شخص کو اذان واقامت کا حکم دیا اور نماز مغرب ادا کی اور بعد کی دو رکعتیں بھی۔ پھر شام کا کھانا منگا کر تناول فرمایا: پھر عشا کی دو رکعتیں پڑھیں جب صبح صادق ہوئی تو فرمایا: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس نماز فجر کے علاوہ اس دن اور اس مقام کے سوا کبھی نماز فجر اتنے اول وقت میں نہیں پڑھتے تھے۔

۔ الجامع للبخاری المنا سك ، ۱ / الجامع الصحيح للبخاری ، المنا سك ، ۱ /

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ اور یہ بھی اجماع موافق ومخالف ہے کہ عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ حقیقۃ غیر وقت میں پڑھیں۔ تو فجر نحر ومغرب مزدلفہ کا حکم یقیناً مختلف ہے۔ ہاں عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ متحد الحکم اور غیر وقت میں پڑھنے کے حقیقی معنی انہیں کے ساتھ خاص۔ اور جب تک حقیقت بنتی ہو مجاز کی طرف عدول جائز نہیں۔ نہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز ممکن۔ خصوصاً ملا جی کے نزدیک تو جب تک مانع قطعی موجود نہ ہو ظاہر پر حمل واجب۔

اور شک نہیں کہ بے وقت پڑھنے سے ظاہر متبادر وہی معنی ہیں جو ان عصر ومغرب میں حاصل نہ وہ کہ فجر میں واقع۔ تو واجب ہوا کہ جملہ صلی الفجر ان صلوتین کا بیان نہ ہو بلکہ یہ جملہ مستقلہ ہے اور صلوتین سے وہی عصر ومغرب مراد۔ تو ان میں اصلاً ہرگز کسی کا ذکر متروک نہیں۔ ہاں تفصیل میں پتے کیلئے ایک ہی کا نام لیا بوجہ کمال اشتہار۔ دوسری کا ذکر مطوی کیا۔

بحمد اللہ یہ معنی ہیں جواب علماء کے جس سے ملا جی کی فہم بے مس اور ناحق آنچہ انساں می کند کی ہوس۔ ملا جی! اب اس برابری کے بڑے بول کی خبریں کہئے کہ جو جواب تمہارا ہے وہی ہمارا سمجھئے۔ خدا کی شان۔

ع، اوگماں بردہ کہ من کردم چو او ☆ فرق را کے بیند آں استیزہ جو

فائدہ: یہ معنی نفیس فیض فتاح علیم جل مجدہ سے قلب فقیر پر القا ہوئے۔ پھر ارکان اربعہ ملک العلماء بحر العلوم قدس سرہ مطالعہ میں آئی دیکھا تو بعینہ یہی معنی افادہ فرمائے ہیں۔ والحمد للہ

ثانیاً: اقول وباللہ التوفیق۔ اگر نظر تتبع کو جولاں دیجئے تو بعونہ تعالیٰ واضح ہو کہ یہ جواب علماء محض تنزلی تھا۔ ورنہ اسی حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمع عرفات بھی ذکر فرما چکے۔ یہ حدیث سنن نسائی کتاب المناسک باب الجمع بین الظہر والعصر بعرفہ میں یوں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر نماز اس کے وقت ہی میں پڑھتے تھے مگر مزدلفہ اور عرفات میں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں

ملا جی! اب کہئے: مصیبت کا پہاڑ کس پر ٹوٹا؟ ملا جی! ابھی آپکی نازک چھاتی پر دلی کی پہاڑی آتی ہے۔ سخت جانی کے آسرے پر سانس باقی ہو تو سر بچایئے کہ عنقریب مکہ کا پہاڑ ابو قبیس آتا ہے۔ ملا جی! دعوی اجتہاد پر ادھار کھائے پھرتے ہو اور علم حدیث کی ہوا نہ لگی احادیث مرویہ بالمعنی صحیحین وغرہما صحاح وسنن، مسانید ومعاجیم، جوامع واجزاء وغیرہا میں دیکھئے صدہا مثالیں اس کی پایئے گا کہ ایک ہی حدیث کو رواۃ بالمعنی کس کس متنوع طور سے روایت کرتے ہیں۔ کوئی ایک ٹکڑا کوئی دوسرا کوئی کسی طرح، کوئی کسی طرح۔ جمع طرق سے پوری بات کا پتہ چلتا ہے۔

ولہذا امام الشان ابو حاتم رازی معاصر امام بخاری فرماتے ہیں جب تک حدیث کو ساٹھ وجہ سے نہ لکھتے اسکی حقیقت نہ پہچانتے۔

یہاں بھی مخرج اعمش بن عمارۃ عن عبدالرحمٰن عن عبداللہ ہے۔ اعمش کے بعد حدیث منتشر ہوئی۔ ان سے حفص بن غیاث، ابومعاویۃ، ابوعوانۃ، عبدالواحد بن زیاد، جریر سفین، داؤد، شعبہ وغیرہم اجلہ نے روایت کی۔

یہ روایتیں الفاظ و اطوار ، بسط و اختصار ، اور ذکر و اقتصار میں طرق شتی پر آئیں ۔ کسی میں مغرب و فجر کا ذکر ھے ۔ ظهر عرفه مذکور نهیں ۔ کروایة الصحیحین ، کسی میں ظهر عرفه و مغرب کا بیان ھے فجر مزدلفه ماثور نهیں ۔ کروایة النسائی ۔ کسی میں صرف مغرب کا تذکره ھے ظهر فجر وصیغه ما رأیت ، وغیره کچھ مسطور نهیں کحدیث النسائی ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مغرب وعشاء کو مزدلفہ میں جمع کیا۔ (فتاویٰ رضویہ)

شیعہ پانچ نمازوں کو تین اوقات میں کیوں پڑھتے ہیں؟

اہل تشیع کے نامور محقق لکھتے ہیں۔ بہتر ہے کہ اس بحث کی وضاحت کے لئے سب سے پہلے اس بارے میں فقہاء کے نظریات بیان کر دیئے جائیں۔ سارے اسلامی فرقے اس مسئلہ پر متفق ہیں کہ میدان عرفات میں ظہر کے وقت نماز ظہر اور نماز عصر کو اکٹھا اور بغیر فاصلے کے پڑھا جا سکتا ہے اسی طرح مزدلفہ میں عشا کے وقت نماز مغرب اور عشا کو ایک ساتھ پڑھنا جائز ہے۔

حنفی فرقہ کا کہنا ہے کہ : نماز ظہر وعصر اور نماز مغرب وعشاء کو اکھٹا ایک وقت میں پڑھنا صرف دو ہی مقامات میدان عرفات اور مزدلفہ میں جائز ہے اور باقی جگہوں پر اس طرح ایک ساتھ نمازیں نہ پڑھی جائیں۔

حنبلی ، مالکی اور شافعی فرقوں کا کہنا ہے کہ نماز ظہر وعصر اور نماز مغرب وعشاء کو ان گزشتہ دو مقامات کے علاوہ سفر کی حالت میں بھی ایک ساتھ ادا کیا جاسکتا ہے ان فرقوں میں سے کچھ لوگ بعض اضطراری موقعوں جیسے بارش کے وقت یا نمازی کے بیمار ہونے پر یا پھر دشمن کے ڈر سے ان نمازوں کو ساتھ میں پڑھنا جائز قرار دیتے ہیں۔

شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نماز ظہر وعصر اور اسی طرح نماز مغرب وعشاء کے لئے ایک خاص وقت ہے اور ایک مشترک وقت (الف) نماز ظہر کا خاص وقت شرعی ظہر (زوال آفتاب) سے لیکر اتنی دیر تک ہے جس میں چار رکعت نماز پڑھی جاسکے (ب) نماز عصر کا مخصوص وقت وہ ہے کہ جب غروب آفتاب میں اتنا وقت باقی بچا ہو کہ اس میں چار رکعت نماز پڑھی جاسکے۔(ج) نماز ظہر وعصر کا مشترک وقت نماز ظہر کے مخصوص وقت کے ختم ہونے اور نماز عصر کے مخصوص وقت کے شروع ہونے تک ہے۔

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان تمام مشترک اوقات میں نماز ظہر وعصر کو اکٹھا اور فاصلے کے بغیر پڑھ سکتے ہیں۔لیکن اہل سنت کہتے ہیں۔کہ نماز ظہر کا مخصوص وقت،شرعی ظہر (زوال آفتاب) سے لیکر اس وقت تک ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوجائے اس وقت میں نماز عصر نہیں پڑھی جاسکتی اور اس کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک نماز عصر کا مخصوص وقت ہے اس وقت میں نماز ظہر نہیں پڑھی جاسکتی۔(د) نماز مغرب کا مخصوص وقت شرعی مغرب کی ابتداء سے لے کر اس وقت تک ہے () الفقه علی المذاهب الاربعه کتاب الصلوة الجمع بین الصلاتین تقدیمًا و تاخیرًا ، سے اقتباس

کہ جس میں تین رکعت نماز پڑھی جاسکتی ہے. اس وقت میں صرف نماز مغرب ہی پڑھی جاسکتی ہے. نماز عشاء کا مخصوص وقت یہ ہے کہ جب آدھی رات میں صرف اتنا وقت رہ جائے کہ اس میں چار رکعت نماز پڑھی جاسکے تو اس کوتاہ وقت میں صرف نماز عشاء ہی پڑھی جائے گی۔

مغرب وعشاء کی نمازوں کا مشترک وقت نماز مغرب کے مخصوص وقت کے ختم ہونے سے لے کر نماز عشاء کے مخصوص وقت تک ہے۔

شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس مشترک وقت کے اندر مغرب وعشاء کی نمازیں ایک ساتھ اور بغیر فاصلے کے ادا کی جاسکتی ہیں لیکن اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ نماز مغرب کا مخصوص وقت غروب آفتاب سے لے کر مغرب کی سرخی زائل ہونے تک ہے اور اس وقت میں نماز عشاء نہیں پڑھی جاسکتی پھر مغرب کی سرخی کے زائل ہونے سے لیکر آدھی رات تک نماز عشاء کا خاص وقت ہے اور اس وقت میں نماز مغرب ادا نہیں کی جاسکتی

نتیجہ: یہ نکلتا ہے کہ شیعوں کے نظریئے کے مطابق شرعی ظہر کا وقت آجانے پر نماز ظہر بجالانے کے بعد بلا فاصلہ نماز عصر ادا کرسکتے ہیں نماز ظہر کو اس وقت نہ پڑھ کر نماز عصر کے خاص وقت تک پڑھتے ہیں۔اس طرح کہ نماز ظہر کو نماز عصر کے خاص وقت

کے پہنچنے سے پہلے ختم کردیں اور اس کے بعد نماز عصر پڑھ لیں اس طرح نماز ظہر وعصر کو جمع کیا جاسکتا ہے اگرچہ مستحب یہ ہے کہ نماز ظہر کو زوال کے بعد ادا کیا جائے اور نماز عصر کو اس وقت ادا کیا جائے کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوجائے۔

اسی طرح شرعی مغرب کے وقت نماز مغرب کے بجالانے کے بعد بلا فاصلہ نماز عشا پڑھ سکتے ہیں یا پھر اگر چاہیں تو نماز مغرب کو نماز عشاء کے خاص وقت کے قریب پڑھیں وہ اس طرح کہ نماز مغرب کو نماز عشاء کے خاص وقت کے پہنچنے سے پہلے ختم کردیں اور اس کے بعد نماز عشاء پڑھ لیں اس طرح نماز مغرب وعشاء کو ساتھ میں پڑھا جاسکتا ہے. اگرچہ مستحب یہ ہے کہ نماز مغرب کو شرعی مغرب کے بعد ادا کیا جائے اور نماز عشاء کو مغرب کی سرخی کے زائل ہوجانے کے بعد بجالایا جائے یہ شیعوں کو نظریہ تھا.

لیکن اہل سنت کہتے ہیں کہ نماز ظہر وعصر یا مغرب وعشاء کو کسی بھی جگہ اور کسی بھی وقت میں ایک ساتھ ادا کرنا صحیح نہیں ہے اس اعتبار سے بحث اس میں ہے کہ کیا ہر جگہ اور ہر وقت میں دو نمازیں ایک ساتھ پڑھی جاسکتی ہیں ٹھیک اسی طرح جیسے میدان عرفہ اور مزدلفہ میں دو نمازوں کو ایک ساتھ ایک ہی وقت میں پڑھا جاتا ہے۔

سارے مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے دو نمازیں ایک ساتھ پڑھی تھیں لیکن اس روایت کی تفسیر میں دو نظریئے پائے جاتے ہیں۔

الف: شیعہ کہتے ہیں کہ اس روایت سے مراد یہ ہے کہ نماز ظہر کے ابتدائی وقت میں ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد نماز عصر کو بجالایا جاسکتا ہے اور اسی طرح نماز مغرب کے ابتدائی وقت میں مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد نماز عشا کو پڑھا جاسکتا ہے اور یہ مسئلہ کسی خاص وقت اور کسی خاص جگہ یا خاص حالات سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر جگہ اور ہر وقت میں ایک ساتھ دو نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں.

ب: اہل سنت کہتے ہیں مذکورہ روایت سے مراد یہ ہے کہ نماز ظہر کو اس کے آخری وقت میں اور نماز عصر کو اس کے اول وقت میں پڑھا جائے اور اسی طرح نماز مغرب کو اس کے آخری وقت میں اور نماز عشاء کو اس کے اول وقت میں پڑھا جائے۔

اب ہم اس مسئلے کی وضاحت کے لئے ان روایات کی تحقیق کرکے یہ ثابت کریں گے کہ ان روایات میں دو نمازوں کو جمع کرنے سے وہی مراد ہے جو شیعہ کہتے ہیں. یعنی دو نمازوں کو ایک ہی نماز کے وقت میں پڑھا جاسکتا ہے اور یہ مراد نہیں ہے کہ ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں اور دوسری نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھا جائے۔

دو نمازوں کو جمع کرنے میں اہل تشیع کے دلائل:

(۱) جابر بن زید کا بیان ہے کہ انہوں نے ابن عباس سے سنا ہے کہ وہ کہہ رہے تھے: میں نے پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ آٹھ رکعت نماز (ظہر وعصر) اور سات رکعت نماز (مغرب وعشاء) کو ایک ساتھ پڑھا ہے ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے ابوشعثاء سے کہا: میرا یہ گمان ہے کہ رسول خدا ﷺ نے نماز ظہر کو تاخیر سے پڑھا ہے اور نماز عصر کو جلد ادا کیا ہے اسی طرح نماز مغرب کو بھی تاخیر سے پڑھا ہے اور نماز عشاء کو جلدی ادا کیا ہے ابوشعثاء نے کہا میرا بھی یہی گمان ہے. () مسند احمد ابن حنبل

اس روایت سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازوں کو ایک ساتھ اور بغیر فاصلے کے پڑھا تھا. احمد ابن حنبل نے عبداللہ بن شقیق سے درج ذیل روایت نقل کی ہے:

(۲) ایک دن عصر کے بعد ابن عباس نے ہمارے درمیان خطبہ دیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور ستارے چمکنے لگے اور لوگ نماز کی ندائیں دینے لگے ان میں سے بنی تمیم قبیلے کا ایک شخص ماز نماز کہنے لگا ابن عباس نے غصے میں کہا کیا تم مجھے سنت پیغمبر کی تعلیم دینا چاہتے ہو؟ میں نے خود رسول خدا ﷺ کو ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازوں کو ایک ساتھ پڑھتے دیکھا ہے عبداللہ نے کہا اس مسئلے سے متعلق میرے ذہن میں شک پیدا ہو گیا تو میں ابو ہریرہ کے پاس گیا اور ان سے سوال کیا تو انہوں نے ابن عباس کی بات کی تائید کی.

(۳) اس حدیث میں دو صحابی عبداللہ ابن عباس اور ابو ہریرہ اس حقیقت کی گواہی دے رہے ہیں کہ پیغمبر اکرم (ص) نے نماز ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو ایک ساتھ پڑھا ہے اور ابن عباس نے بھی پیغمبر اکرم ﷺ کے اس عمل کی پیروی کی ہے.

(۴) مالک بن انس کا اپنی کتاب موطأ میں بیان ہے: رسول خدا (ص) نے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھی تھیں جبکہ نہ تو کسی قسم کا خوف تھا اور نہ ہی آپ ﷺ سفر میں تھے.

(۵) مالک بن انس نے معاذ بن جبل سے یہ روایت نقل کی ہے: رسول خدا (ص) نماز ظہر عصر اور نماز مغرب وعشاء کو ایک ساتھ بجالاتے تھے.

(۶) مالک بن انس نے نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے یوں روایت نقل کی ہے: پیغمبر اکرم ﷺ جب دن میں سفر کرنا چاہتے تھے تو ظہر اور عصر کی نمازوں کو اکھٹا ادا کر لیا کرتے تھے اور جب رات میں سفر کرنا ہوتا تھا تو مغرب اور عشاء کی نمازوں کو ایک ساتھ پڑھتے تھے. () موطأ مالک کتاب الصلوۃ ص حدیث.

(۷) محمد زرقانی نے موطأ کی شرح میں ابن شعثا سے یوں روایت نقل کی ہے بے شک ابن عباس نے بصرہ میں نماز ظہر وعصر کو ایک ساتھ اور بغیر فاصلے کے پڑھا تھا اور اسی طرح نماز مغرب وعشاء کو بھی اکھٹا اور بغیر فاصلے کے بجالائے تھے۔ زرقانی نے طبرانی سے اور انھوں نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے:

(۸) پیغمبر اکرم ﷺ نے جب نماز ظہر وعصر اور نماز مغرب وعشاء کو ایک ساتھ پڑھا تو آنخضرت ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا() موطأ پر زرقانی کی شرح ، جز اول باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر والسفر ص طبع مصر. جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس عمل کو اس لئے انجام دیا ہے تا کہ میری امت مشقت میں نہ پڑ جائے.

(۹) مسلم بن حجاج نے ابو زبیر سے اور انہوں نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے ابن عباس سے یوں روایت نقل کی ہے: پیغمبر اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں بغیر خوف وسفر کے نماز ظہر وعصر کو ایک ساتھ پڑھا تھا. اس کے بعد ابن عباس نے پیغمبر اکرم ﷺ کے اس عمل کے بارے میں کہا کہ: آنخضرت چاہتے تھے کہ ان کی امت میں سے کوئی بھی شخص مشقت میں نہ پڑنے پائے۔

(۱۰) پیغمبر اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں بغیر خوف اور بارش کے نماز ظہر وعصر اور نماز مغرب وعشاء کو اکھٹا پڑھا تھا. اس وقت سعید ابن جبیر نے ابن عباس سے پوچھا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے اس طرح کیوں کیا؟ تو ابن عباس نے کہا آنخضرت ﷺ اپنی امت کو زحمت میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے.

(۱۱) ابو عبداللہ بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں اس سلسلے میں باب تأخیر الظہر الی العصر کے نام سے ایک مستقل باب قرار دیا ہے. یہ خود عنوان اس بات کا بہترین گواہ ہے کہ نماز ظہر میں تاخیر کر کے اسے نماز عصر کے وقت میں اکھٹا بجالایا جا سکتا ہے اس کے بعد بخاری نے اسی مذکورہ باب میں درج ذیل روایت نقل کی ہے:

(۱۲) ایک شخص نے ابن عباس سے کہا: نماز تو ابن عباس نے کچھ نہ کہا اس شخص نے پھر کہا نماز پھر بھی ابن عباس نے اسے کوئی جواب نہ دیا تو اس شخص نے پھر کہا نماز لیکن ابن عباس نے پھر کوئی جواب نہیں دیا جب اس شخص نے چوتھی مرتبہ کہا: نماز تب ابن عباس بولے او بے اصل! تم ہمیں نماز کی تعلیم دینا چاہتے ہو؟ جبکہ ہم پیغمبر خدا ﷺ کے زمانے میں دو نمازوں کو ایک ساتھ بجالایا کرتے تھے.

(۱۳) مسلم نے یوں روایت نقل کی ہے: پیغمبر خدا ﷺ نے غزوہ تبوک کے سفر میں نمازوں کو جمع کر کے نماز ظہر وعصر اور مغرب عشاء کو ایک ساتھ پڑھا تھا سعید بن جبیر نے کہا کہ میں نے ابن عباس سے آنخضرت ﷺ کے اس عمل کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا آنخضرت چاہتے تھے کہ ان کی امت مشقت میں نہ پڑے.

(۱۴) مسلم ابن حجاج نے معاذ سے اس طرح نقل کیا ہے: ہم پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک کی طرف نکلے تو آنخضرت ﷺ نے نماز ظہر وعصر اور نماز مغرب وعشاء کو ایک ساتھ پڑھا۔ مالک ابن انس کا اپنی کتاب الموطأ میں بیان ہے کہ: ابن شہاب نے سالم بن عبداللہ سے سوال کیا کہ کیا حالت سفر میں نماز ظہر وعصر کو ایک ساتھ بجالایا جا سکتا تھا؟ سالم بن عبداللہ نے جواب دیا ہاں اس کام میں کوئی حرج نہیں ہے کیا تم نے عرفہ کے دن لوگوں کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا ہے؟

یہاں پر اس نکتے کا ذکر ضروری ہے کہ عرفہ کے دن نماز ظہر وعصر کو نماز ظہر کے وقت میں بجالانے کو سب مسلمان جائز سمجھتے ہیں اس مقام پر سالم بن عبداللہ نے کہا تھا کہ جیسے لوگ عرفہ کے دن دو نمازوں کو اکھٹا پڑھتے ہیں اسی طرح عام دنوں میں بھی دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھا جا سکتا ہے۔ متقی ہندی اپنی کتاب کنز العمال میں لکھتے ہیں: عبداللہ ابن عمر نے کہا: کہ پیغمبر خدا ﷺ نے بغیر سفر کے نماز ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو اکھٹا پڑھا تھا ایک شخص نے ابن عمر سے سوال کیا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ تو ابن عمر نے جواب دیا کہ آنخضرت ﷺ اپنی امت کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے تا کہ اگر کوئی شخص چاہے تو دو نمازوں کو ایک ساتھ بجالائے۔ (کنز العمال کتاب الصلوۃ)

نتیجہ:

اب ہم گزشتہ روایات کی روشنی میں دو نمازوں کو جمع کرنے کے سلسلے میں شیعوں کے نظریہ کے صحیح ہونے پر چند دلیلیں پیش

کریں گے۔

دونمازوں کوایک وقت میں ایک ساتھ بجالانے کی اجازت نمازیوں کی سہولت اورانہیں مشقت سے بچانے کے لئے دی گئی ہے. متعدد روایات میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر نماز ظہر وعصر یا مغرب۔ (کنز العمال، کتاب الصلوۃ) عشاء کوایک وقت میں بجالانا جائز نہ ہوتا تو یہ امر مسلمانوں کے لئے زحمت ومشقت کا باعث بنتا اسی وجہ سے پیغمبر اسلام ﷺ نے مسلمانوں کی سہولت اور آسانی کے لئے دونمازوں کوایک وقت میں بجالانے کو جائز قرار دیا ہے۔

واضح ہے کہ اگران روایات سے یہ مراد ہو کہ نماز ظہر کواسکے آخری وقت (جب ہر چیز کا سایہ اسکے برابر ہوجائے) تک تاخیر کر کے پڑھا جائے اور نماز عصر کو اسکے اول وقت میں بجالایا جائے اس طرح ہر دونمازیں ایک ساتھ مگر اپنے اوقات ہی میں پڑھی جائیں (اہل سنت حضرات ان روایات سے یہی مراد لیتے ہیں) تو ایسے کام میں کسی طرح کی سہولت نہیں ہوگی بلکہ یہ کام مزید مشقت کا باعث بنے گا جبکہ دونمازوں کوایک ساتھ بجالانے کی اجازت کا یہ مقصد تھا کہ نمازیوں کیلئے سہولت ہو۔

اس بیان سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ گزشتہ روایات سے مراد یہ ہے کہ دونمازوں کوان کے مشترک وقت کے ہر حصے میں بجالایا جاسکتا ہے اب نمازگزار کواختیار ہے کہ وہ مشترک وقت کے ابتدائی حصے میں نماز پڑھے یا اس کے آخری حصے میں اوران روایات سے یہ مراد نہیں ہے کہ ایک نماز کواس کے آخری وقت میں اور دوسری کواس کے اول وقت میں ادا کیا جائے۔

روز عرفہ دونمازوں کواکٹھا پڑھنے کے حکم سے باقی دنوں میں نمازوں کوایک ساتھ پڑھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے تمام اسلامی فرقوں کے نزدیک عرفہ کے دن ظہر وعصر کی نمازوں کوایک وقت میں بجالانا جائز ہے۔

مزید براں گزشتہ روایات میں سے بعض اس بات کی گواہ ہیں کہ میدان عرفات کی طرح باقی مقامات پر بھی نمازوں کو اکٹھا بجالایا جاسکتا ہے اب اس اعتبار سے روز عرفہ اور باقی عام دنوں کے درمیان یا عرفات کی سرزمین اور باقی عام جگہوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

لہذا جس طرح مسلمانوں کے متفقہ نظریئے کے مطابق عرفہ میں ظہر وعصر کی نمازوں کو ظہر کے وقت پر ایک ساتھ پڑھا جاتا ہے اسی طرح عرفہ کے علاوہ بھی ان نمازوں کو ظہر کے وقت اکٹھا پڑھنا بالکل صحیح ہے۔

سفر کی حالت میں دونمازوں کواکٹھا پڑھنے کے حکم سے غیر سفر میں بھی نمازوں کے ایک ساتھ بجالانے کا جواز معلوم ہوتا ہے. ایک طرف سے حنبلی، مالکی، اور شافعی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حالت سفر میں دونمازوں کواکٹھا بجالایا جاسکتا ہے اور دوسری طرف گزشتہ روایات صراحت کے ساتھ کہہ رہی ہیں کہ اس اعتبار سے سفر اور غیر سفر میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ پیغمبر اکرم ﷺ نے دونوں حالتوں میں نمازوں کواکٹھا پڑھا تھا. الفقہ علی المذاہب الاربعہ ، کتاب الصلوۃ ،الجمع بین الصلوتین تقدیما و تاخیرا . نمازوں کواکٹھا بجالانا صحیح ہے اسی طرح عام حالات میں بھی دونمازوں کواکٹھا پڑھا جاسکتا ہے۔

اضطراری حالت میں دونمازوں کے اکٹھا پڑھنے کے حکم سے عام حالت میں بھی نمازوں کے اکٹھا پڑھنے کا جواز معلوم ہوجاتا

ہے. اہل سنت کی صحیح اور مسند کتابوں میں سے بہت سی روایات اس حقیقت کی گواہی دیتی ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ اوران کے اصحاب نے چند اضطراری موقعوں پر جیسے بارش کے وقت یا دشمن کے خوف سے یا بیماری کی حالت میں نمازوں کوایک ساتھ اورایک ہی وقت میں (ٹھیک اسی طرح جیسے شیعہ کہتے ہیں) پڑھا تھا اور اسی وجہ سے مختلف اسلامی فرقوں کے فقہاء نے بعض اضطراری حالات میں دو نمازوں کوایک ساتھ پڑھنا جائز قرار دیا ہے جب کہ گزشتہ روایات اس بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کررہی ہیں کہ اس سلسلے میں اضطراری اور عام حالت میں کوئی فرق نہیں ہے. اور پیغمبر اکرم ﷺ نے دونوں حالتوں میں اپنی نمازوں کوایک ساتھ پڑھا ہے۔

اہل تشیع کا نمازوں کو جمع کرنے کا رد شیعہ کتب کی روشنی میں:

اسلام میں پانچ وقت کی نمازوں کا حکم ہے لیکن شیعہ حضرات صرف 3 وقت کی نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں فجر،ظہرین اور مغربین لیکن خود انکا مذہب اس سلسلے میں کیا کہتا ہے اسپر آج روشنی ڈالی جائے گی۔

میں نے امام ع سے پوچھا کہ حنظلہ آپ کی طرف وقت لایا ہے۔حضرت نے فرمایا کہ وہ ہم پر جھوٹ نہیں بولا ہوگا میں نے کہا کہ آپ نے ان سے بیان کیا ہے کہ پہلی نماز اللہ نے اپنے نبی پر اس آیت کے ذریعے سے نازل کی نماز پڑھو زوال شمس کے بعد سے،تو یہ وقت ظہر ہے جب سایہ قد آدم نہ ہو وقت ظہر ہے جب یہ ہوجائے تو عصر ہے یہ آخر وقت عصر کا ہے حضرت نے فرمایا سچ کہا اس نے۔ (فروع کافی جلد دوم باب (4)

شیعہ عصر کی نماز چھوڑ دیتے ہیں لیکن خود انکی کتب میں لکھا ہے کہ ظہر کی نماز کے بعد عصر کی نماز پڑھنی چاہیے دیکھیں فروع کافی جلد دوم باب 4 میں ہی میں نے حضرت سے کہا کہ میں ظہر کی نماز کب پڑھوں تو فرمایا آٹھ رکعت ظہر کی نماز پڑھ پھر عصر کی نماز پڑھ۔

اسی طرح عشاء کا ذکر بھی موجود ہے جب سورج ڈوب جائے تو دونوں نمازوں کا وقت آجاتا ہے مغرب پہلے ہوگی اور عشاء بعد میں (فروع کافی جلد دوم باب 4)۔

یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیعہ ان کتب کو اپنے لیے متبرک سمجھتے ہیں انکا دعوہ ہے کہ ہم نے براہ راست احادیث خاندان نبوی ص سے لیا ہے لیکن اپنی کتب میں اپنے اکابرین کے قول کی نفی کرتے نظر آتے ہیں جو شیعہ حضرات کے لیے یقیناً ایک لمحہ فکریہ ہے۔میرے مضمون کا مقصد اگر یہاں کوئی شیعہ حضرات ہو تو اسکی دل آزاری نہیں بلکہ حقیقت بیانی ہے کافی اور صافی کتب کو شیعہ حضرات قرآن سے بھی بڑھ کر مانتے ہیں۔تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ غار سرمن رآیہ میں بارہویں امام کی تصدیق شدہ اس کتب کی ان روایات کو شیعہ حضرات آخر کیوں نظر انداز کرتے ہیں۔

اہل تشیع کی مستدل روایات کا تخصیص پر محمول ہونا:

ہم نے اہل تشیع کے دلائل من وعن بیان کردیئے ہیں۔لیکن ان کے استدلال میں کثیر روایات مروی ہیں۔جو تخصیص پر

دلالت کرتی ہیں۔جبکہ اس سے پہلے فقہ حنفی کے مطابق کثرت روایات جوقرآنی نصوص کے موافق ہونے کے ساتھ تواتر کے ساتھ موجود ہیں۔ان کی دلالت عموم پر ہے۔اہل تشیع حضرات اگر درجن تو کیا ہزاروں بھی روایات پیش کردیں تو پھر بھی وہ ایک ایسی روایت پیش نہیں کرسکتے جس میں زمان ومکان کی تخصیص کے بغیر نمازوں کوجمع کرنے کا مسئلہ بیان ہوا ہو۔محض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اوراہل بیت رضی اللہ عنہم سے تعصب کرتے ہوئے جاہلانہ استدلال سے مسائل کا استنباط کرنا کس قدر قرآن وسنت کے احکام پرڈاکہ ڈالنا ہے۔

اہل تشیع کواستدلال کرنے سے پہلے اس اصول کومدنظر رکھنا چاہیے تھا کہ جب کسی عمل کے خلاف قول آجائے توعمل تخصیص کا احتمال رکھنے والا ہوتا ہے۔پوری امت مسلمہ کا چودہ سوسالہ اجماع ہے کہ نمازوں کوجمع کرنے کی تخصیص صرف عرفات ومزدلفہ میں ان خاص ایام میں ہے۔اس کے سوادنیا کے کسی ملک ،شہر،گاؤں ۔گلی یا مکان کو یہ تخصیص حاصل نہیں ہے۔لہذا اگر کسی نے کہیں تخصیص ثابت کرنے کی کوشش کی تو وہ نص قطعی ''،، کا منکر ہوگا۔کیونکہ قرآن کی اس نص میں تصریح کے ساتھ اوقات نماز کا حکم دیا گیا ہے۔اور جب نص سے صراحت ثابت ہوجائے تو کسی طرح بھی محتمل نہیں ہوتی۔لیکن اس نص کی صراحت کے باوجود کوئی تخصیص کو ثابت کرے تو اس کوسوائے اسلام دشمنی کے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔اہل سنت کے مؤقف میں کثیر احادیث بیان ہوچکی ہیں۔لیکن ہم مزید تردید کیلئے فقہ کا اصول پیش کردیتے ہیں تا کہ شک وشبہ بھی ختم ہوجائے اور روز روشن کی طرح اہل سنت کی حقانیت واضح ہو جائے۔

حکم خاص سے استدلال کرتے ہوئے عمومی حکم کوثابت نہیں کیا جائے گا:

اس قاعدہ کا ماخذ یہ ہے۔حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ میدان عرفات سے واپس لوٹے تو میں آپ کے ساتھ سوار تھا،جب آپ گھاٹی پرآئے تو آپ نے سواری بٹھائی اور قضاء حاجت کیلئے نیچے اتر گئے جب واپس آئے تو میں نے برتن سے پانی لیکر آپ کو وضو کرایا،پھر آپ سوار ہوکر مزدلفہ آئے اور وہاں مغرب اور عشاء کی نماز کوجمع کر کے پڑھا۔(مسلم،ج۱،ص۴۱۶،قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث میں نماز مغرب اور عشاء کوجمع کرکے پڑھنے کا ثبوت ہے جوکہ ایام حج میں اس کے احکام کے ساتھ خاص ہے لہذا اس حدیث سے کوئی یہ استدلال کرتے ہوئے نہیں کہہ سکتا کہ نماز مغرب اور عشاء کو جہاں چاہیں جمع کرکے پڑھ سکتے ہیں کیونکہ حکم خاص سے عمومی حکم کوثابت نہیں کیا جاسکتا۔

حکم عام کے استدلال سے حکم خاص کی تخصیص:

ترجمہ: بے شک نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔(النساء) اس آیت میں بیان کردہ حکم کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر نماز کواس کے مقررہ وقت کے اندر ادا کرنا ضروری ہے اس سے معلوم ہوا کہ دونمازوں کوجمع کرنے والا حکم ایام حج میں اس کے مناسک ادا کرنے والے کے ساتھ خاص ہے لہذا اس عام حکم کواس سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔جبکہ دونمازوں کوجمع کرنے کے باوجود اس عمومی حکم

یعنی ہر نماز کواس کے وقت کے اندر پڑھا جائے اس پر بھی عمل ہوگا۔

جمع ہونے والی ظہر وعصر درمیان نفل پڑھنے کی ممانعت کا بیان:

(وَلَا يَتَطَوَّعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ) تَحْصِيلًا لِمَقْصُودِ الْوُقُوفِ وَلِهَذَا قُدِّمَ الْعَصْرُ عَلَى وَقْتِهِ ، فَلَوْ أَنَّهُ فَعَلَ فِعْلًا مَكْرُوهًا وَأَعَادَ الْأَذَانَ لِلْعَصْرِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ ، خِلَافًا لِمَا رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ

لِأَنَّ الِاشْتِغَالَ بِالتَّطَوُّعِ أَوْ بِعَمَلٍ آخَرَ يَقْطَعُ فَوْرَ الْأَذَانِ الْأَوَّلِ فَيُعِيدُهُ لِلْعَصْرِ (فَإِنْ صَلَّى بِغَيْرِ خُطْبَةٍ أَجْزَأَهُ) لِأَنَّ هَذِهِ الْخُطْبَةَ لَيْسَتْ بِفَرِيضَةٍ .

ترجمہ:

اوران دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نفل نہ پڑھے۔تا کہ وقوف عرفہ کا مقصد حاصل ہوجائے۔اسی دلیل کی بنیاد پر تو عصر کو اس کے وقت سے مقدم کیا گیا ہے۔لیکن اگر اس نے اس طرح کیا تو مکروہ ہوگا۔اور ظاہر الروایت کے مطابق وہ عصر کی اذان کو لوٹائے گا۔بہ خلاف اس کے جو امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت کیا گیا ہے کیونکہ نفل یا کسی دوسرے عمل میں مصروف ہونا اذان اول کے ساتھ ہی ختم ہوگیا۔اس لئے اسے اذان عصر لوٹانی پڑے گی۔

شرح

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کوجمع کیا (یعنی عشاء کے وقت دونوں نمازوں کوایک ساتھ پڑھا) اوران میں سے ہر ایک کے لئے تکبیر کہی گئی (یعنی مغرب کے لئے علیحدہ تکبیر ہوئی اور عشاء کے لئے علیحدہ) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ تو ان دونوں کے درمیان نفل نماز پڑھی اور نہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے بعد۔(بخاری)

ان نمازوں کے بعد نفل پڑھنے کی جونفی کی گئی ہے تو اس سے ان دونوں کے بعد سنتیں اور وتر پڑھنے کی نفی لازم نہیں آتی۔باب قصۃ حجۃ الوداع میں حضرت جابر کی جو طویل حدیث گزری ہے اس کے ان الفاظ لم یسبح بینھما شیأا کی وضاحت میں ملاعلی قاری نے لکھا ہے کہ جب مزدلفہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھ چکے تو مغرب وعشاء کی سنتیں اور نماز وتر بھی پڑھی۔چنانچہ ایک روایت میں بھی یہ منقول ہے کہ نیز شیخ عابد سندھی نے درمختار کے حاشیہ میں اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال نقل کرنے کے بعد یہی لکھا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز کے بعد سنتیں اور وتر پڑھی۔(شرح الوقایہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی نماز اپنے وقت کے

علاوہ کسی اور وقت میں پڑھی ہو سوائے دو نمازوں کے کہ وہ مغرب وعشاء کی ہیں جو مزدلفہ میں پڑھی گئی تھیں (یعنی مزدلفہ میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھی) اور اس دن (یعنی مزدلفہ میں مقربانی کے دن) فجر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقت سے پہلے پڑھی تھی۔ (بخاری ومسلم)

یہاں صرف مغرب وعشاء کی نمازوں کو ذکر کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت پڑھی، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفات میں ظہر وعصر کی نماز بھی ایک ساتھ اسی طرح پڑھی تھی کہ عصر کی نماز مقدم کر کے ظہر کے وقت ہی پڑھ لی گئی تھی، لہذا یہاں ان دونوں نمازوں کو اس سبب سے ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ دن کا وقت تھا، سب ہی جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کی نماز کو مقدم کر کے ظہر کے وقت پڑھا ہے اس لئے اس کو بطور خاص ذکر کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ "فجر کی نماز وقت سے پہلے پڑھی" کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن فجر کی نماز وقت معمول یعنی اجالا پھیلنے سے پہلے تاریکی ہی میں پڑھ لی تھی، یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کے وقت سے پہلے پڑھی تھی کیونکہ تمام ہی علماء کے نزدیک فجر کی نماز، فجر سے پہلے پڑھنی جائز نہیں ہے۔

ظہر کی نماز گھر میں تنہاء پڑھنے والے کی عصر کا حکم:

قَالَ (وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي رَحْلِهِ وَحْدَهُ صَلَّى الْعَصْرَ فِي وَقْتِهِ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى. وَقَالَا: يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا الْمُنْفَرِدُ لِأَنَّ جَوَازَ الْجَمْعِ لِلْحَاجَةِ إلَى امْتِدَادِ الْوُقُوفِ وَالْمُنْفَرِدِ مُحْتَاجٌ إلَيْهِ.

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْمُحَافَظَةَ عَلَى الْوَقْتِ فَرْضٌ بِالنُّصُوصِ فَلَا يَجُوزُ تَرْكُهُ إلَّا فِيمَا وَرَدَ الشَّرْعُ بِهِ، وَهُوَ الْجَمْعُ بِالْجَمَاعَةِ مَعَ الْإِمَامِ وَالتَّقْدِيمُ لِصِيَانَةِ الْجَمَاعَةِ لِأَنَّهُ يَعْسُرُ عَلَيْهِمْ الِاجْتِمَاعُ لِلْعَصْرِ بَعْدَ مَا تَفَرَّقُوا فِي الْمَوْقِفِ لَا لِمَا ذَكَرَاهُ إذْ لَا مُنَافَاةَ، ثُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ: الْإِمَامُ شَرْطٌ فِي الصَّلَاتَيْنِ جَمِيعًا. وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: فِي الْعَصْرِ خَاصَّةً لِأَنَّهُ هُوَ الْمُغَيَّرُ عَنْ وَقْتِهِ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْإِحْرَامُ بِالْحَجِّ. وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ التَّقْدِيمَ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ عُرِفَ شَرْعُهُ فِيمَا إذَا كَانَتْ الْعَصْرُ مُرَتَّبَةً عَلَى ظُهْرٍ مُؤَدًّى بِالْجَمَاعَةِ مَعَ الْإِمَامِ فِي حَالَةِ الْإِحْرَامِ بِالْحَجِّ فَيُقْتَصَرُ عَلَيْهِ، ثُمَّ لَا بُدَّ مِنْ الْإِحْرَامِ بِالْحَجِّ قَبْلَ الزَّوَالِ فِي رِوَايَةٍ تَقْدِيمًا لِلْإِحْرَامِ عَلَى وَقْتِ الْجَمْعِ، وَفِي أُخْرَى يَكْتَفِي بِالتَّقْدِيمِ عَلَى الصَّلَاةِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الصَّلَاةُ

ترجمہ:

اور جس شخص نے نماز ظہر کو اپنی راحلہ میں اکیلے پڑھ لیا تو امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ شخص عصر کی نماز کو اس کے اپنے وقت مقررہ میں پڑھے گا۔ جبکہ صاحبین نے کہا کہ اکیلا نماز پڑھنے والا بھی ان دونوں نمازوں کو جمع کرے گا۔ کیونکہ جمع کرنے کا سبب وقوف عرفہ کو لمبا کرنا ہے۔ اور یہ ضرورت کی وجہ سے ہے۔ اور اکیلے کو بھی اسی طرح ضرورت ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ وقت کی حفاظت کا حکم قرآنی نصوص سے لازم کیا گیا ہے اور اس کو ان کا ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ جس پر حکم شرعی بیان ہوا ہے۔ اور وہ امام کے ساتھ جمع کرنا ہے اور تقدیم عصر بھی جماعت کی حفاظت کیلئے ہے۔ کیونکہ وقوف میں الگ الگ ہو جانے کی صورت میں عصر کیلئے اکٹھا ہونا مشکل ہے۔ اور وہ وجہ نہیں ہے جو صاحبین نے بیان کی ہے کیونکہ اس میں کچھ منافات نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک دونوں نمازوں میں امام شرط ہے۔ جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ عصر میں خاص کر شرط ہے۔ کیونکہ اپنے وقت سے بدلنے والی وہی ہے۔ اور اسی اختلاف پر حج کا احرام ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ عصر کو مقدم کرنا خلاف قیاس ایسی حالت میں مشروع ہونا معلوم ہوا ہے جبکہ عصر ظہر کے درجے میں ہو۔ جو حج احرام میں امام کے ساتھ جماعت سے ادا کی جائے۔ پس اس کا انحصار اسی پر ہوگا۔

ایک روایت کے مطابق احرام کا زوال سے پہلے پہلے ہونا ضروری ہے تا کہ احرام جمع کے وقت سے مقدم کیا جائے۔ اور دوسری روایت میں احرام کو نماز پر مقدم کرنا کافی ہے اس لئے کہ مقصد نماز ہے۔

شرح

قال العلامة ابن محمود البابرتی الحنفی علیه الرحمة وَقَوْلُهُ (وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي رَحْلِهِ) أَيْ فِي مَنْزِلِهِ (وَحْدَهُ صَلَّى الْعَصْرَ فِي وَقْتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَا: الْمُنْفَرِدُ وَغَيْرُهُ سِيَّانِ فِي الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا) وَمَبْنَى الِاخْتِلَافِ عَلَى أَنَّ تَقْدِيمَ الْعَصْرِ عَلَى وَقْتِهِ لِأَجْلِ مُحَافَظَةِ الْجَمَاعَةِ أَوْ لِامْتِدَادِ الْوُقُوفِ، فَعِنْدَهُ لِلْأَوَّلِ وَعِنْدَهُمَا لِلثَّانِي.

لَهُمَا أَنَّ جَوَازَ الْجَمْعِ لِلْحَاجَةِ إلَى امْتِدَادِ الْوُقُوفِ بِدَلِيلِ أَنَّهُ لَا جَمْعَ عَلَى مَنْ لَيْسَ عَلَيْهِ الْوُقُوفُ، وَأَنَّ الْحَاجَّ يَحْتَاجُ إلَى الدُّعَاءِ فِي وَقْتِ الْوُقُوفِ، فَشُرِعَ الْجَمْعُ لِئَلَّا يَشْتَغِلَ عَنْ الدُّعَاءِ. وَالْمُنْفَرِدُ وَغَيْرُهُ فِي هَذِهِ الْحَاجَةِ سَوَاءٌ فَيَسْتَوِيَانِ فِي جَوَازِ الْجَمْعِ (وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْمُحَافَظَةَ عَلَى الْوَقْتِ فَرْضٌ بِالنُّصُوصِ) قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى) وَقَالَ تَعَالَى (إنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا) وَكُلُّ مَا هُوَ كَذَلِكَ لَا يَجُوزُ تَرْكُهُ إلَّا بِدَلِيلٍ قَطْعِيٍّ، وَذَلِكَ فِيمَا وَرَدَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ مَعَ وُفُورِ الصَّحَابَةِ مِنْ الْجَمْعِ بِالْجَمَاعَةِ مَعَ الْإِمَامِ فَلَا يَجُوزُ بِدُونِهِ.

وَقَوْلُهُ (وَالتَّقْدِيمُ لِصِيَانَةِ الْجَمَاعَةِ) جَوَابٌ عَنْ قَوْلِهِمَا وَتَقْرِيرُهُ لَا نُسَلِّمُ أَنَّ جَوَازَ الْجَمْعِ بِالتَّقْدِيمِ لِامْتِدَادِ الْوُقُوفِ بَلْ لِصِيَانَةِ الْجَمَاعَةِ ، لِأَنَّهُ يَعْسُرُ عَلَيْهِمْ الِاجْتِمَاعُ لِلْعَصْرِ بَعْدَمَا تَفَرَّقُوا لِأَنَّ الْمَوْقِفَ مَوْضِعٌ وَاسِعٌ ذُو طُولٍ وَعَرْضٍ فَلَا يُمْكِنُهُمْ إقَامَةُ الْجَمَاعَةِ إلَّا بِالِاجْتِمَاعِ وَأَنَّهُ يَتَعَذَّرُ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَادَةِ فَعَجَّلُوا الْعَصْرَ لِئَلَّا تَفُوتَهُمْ فَضِيلَةُ الْجَمَاعَةِ لِحَقِّ الْوُقُوفِ ، لِأَنَّ الْجَمَاعَةَ تَفُوتُ لَا إلَى خَلَفٍ ، وَحَقُّ الْوُقُوفِ يَتَأَدَّى قَبْلُ وَبَعْدُ وَمَعَهُ ، إذْ لَا مُنَافَاةَ بَيْنَ الْوُقُوفِ وَالصَّلَاةِ لِأَنَّ الْوُقُوفَ ، لَا يَنْقَطِعُ بِالِاشْتِغَالِ بِالصَّلَاةِ كَمَا لَا يَنْقَطِعُ بِالْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالتَّوَضُّؤِ وَغَيْرِ ذَلِكَ ، وَفِي كَلَامِهِ تَسَامُحٌ لِأَنَّهُ جَعَلَ عِلَّةَ تَقْدِيمِ الْعَصْرِ تَحْصِيلَ مَقْصُودِ الْوُقُوفِ حَيْثُ قَالَ : وَلِهَذَا قُدِّمَ الْعَصْرُ عَلَى وَقْتِهِ ، وَهَاهُنَا جَعَلَ عِلَّتَهُ صِيَانَةَ الْجَمَاعَةِ ، فَإِنْ كَانَ الْمَقْصُودُ مِنْ الْوُقُوفِ صِيَانَةَ الْجَمَاعَةِ صَحَّ الْكَلَامُ ، لَكِنْ لَيْسَ كَذَلِكَ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ أَدَاءُ أَعْظَمِ رُكْنَيْ الْحَجِّ ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ تَنَاقَضَ كَلَامُهُ وَتَوَارَدَ عِلَّتَانِ عَلَى مَعْلُولٍ وَاحِدٍ بِالشَّخْصِ وَذَلِكَ غَيْرُ جَائِزٍ . وَيُمْكِنُ أَنْ يُجَابَ عَنْهُ بِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْ الْوُقُوفِ شَيْئَانِ أَحَدُهُمَا عَاجِلٌ وَالثَّانِي آجِلٌ . وَالْأَوَّلُ هُوَ امْتِدَادُ الْمُكْثِ لِأَجْلِ الدُّعَاءِ لِمَصَالِحِ دِينِهِ وَدُنْيَاهُ . وَالثَّانِي أَدَاءُ الرُّكْنِ وَصِيَانَةُ الْجَمَاعَةِ ، فَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ تَقْدِيمُ الْعَصْرِ مَعْلُولًا لِتَحْصِيلِ مَقْصُودِ الْوُقُوفِ مِنْ حَيْثُ الْمَقْصُودُ الْأَوَّلُ ، وَلِصِيَانَةِ الْجَمَاعَةِ مِنْ حَيْثُ الثَّانِي ، وَإِذَا اخْتَلَفَتْ الْجِهَةُ انْدَفَعَ التَّنَاقُضُ وَتَوَارُدُ الْعِلَّتَيْنِ . وَالْحَاصِلُ أَنَّهُمْ اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ لِلْمُكَلَّفِ هُوَ الِامْتِدَادُ فِي الْمُكْثِ لِأَجْلِ الدُّعَاءِ ، وَلَكِنَّهُمْ اخْتَلَفُوا فِي وُجُودِ غَيْرِهِ فَقَالَا : مَا ثَمَّةَ غَيْرُهُ ، وَفِيهِ الْمُنْفَرِدُ وَالْجَمَاعَةُ سَوَاءٌ ، وَقَالَ : بَلْ ثَمَّةَ غَيْرُهُ ، وَهُوَ مَا لَهُ مِنْ صِيَانَةِ الْجَمَاعَةِ ، وَلَيْسَ الْمُنْفَرِدُ فِيهِ كَالْجَمَاعَةِ ثُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ : الْإِمَامُ شَرْطٌ فِي الصَّلَاتَيْنِ جَمِيعًا .

وَقَالَ زُفَرُ : فِي الْعَصْرِ خَاصَّةً لِأَنَّهُ هُوَ الْمُغَيَّرُ عَنْ وَقْتِهِ) وَاشْتِرَاطُ الْإِمَامِ لِلتَّغَيُّرِ (وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ التَّقْدِيمَ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ عُرِفَ شَرْعُهُ فِيمَا إذَا كَانَتْ الْعَصْرُ مُرَتَّبَةً عَلَى ظُهْرٍ مُؤَدًّى بِالْجَمَاعَةِ مَعَ الْإِمَامِ فِي حَالَةِ الْإِحْرَامِ بِالْحَجِّ) وَكُلُّ مَا كَانَ شَرْعُهُ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ بِالنَّصِّ يَقْتَصِرُ عَلَى مَوْرِدِهِ (وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْإِحْرَامُ بِالْحَجِّ) قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ : الْإِحْرَامُ شَرْطٌ فِيهِمَا جَمِيعًا ، وَقَالَ زُفَرُ : هُوَ شَرْطٌ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ وَثَمَرَتُهُ تَظْهَرُ فِي حَلَالٍ مَكِّيٍّ صَلَّى الظُّهْرَ مَعَ الْإِمَامِ ثُمَّ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ فَصَلَّى الْعَصْرَ مَعَهُ ، أَوْ الْمُحْرِمُ بِالْعُمْرَةِ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ أَحْرَمَ فَصَلَّى الْعَصْرَ مَعَ الْإِمَامِ لَمْ يُجْزِهِ الْعَصْرُ إلَّا فِي وَقْتِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .

وَعِنْدَ زُفَرَ تَجُوزُ (ثُمَّ لَا بُدَّ مِنْ الْإِحْرَامِ بِالْحَجِّ قَبْلَ الزَّوَالِ فِي رِوَايَةٍ) لِأَنَّ الْإِحْرَامَ شَرْطُ جَوَازِ الْجَمْعِ وَشَرْطُ الشَّيْءِ يَسْبِقُهُ ، وَجَوَازُ الْجَمْعِ يَتَحَقَّقُ إذَا زَالَتْ الشَّمْسُ مُقَارِنًا ، وَالْمُتَقَدِّمُ عَلَى أَحَدِ الْمُتَقَارِنَيْنِ مُتَقَدِّمٌ عَلَى الْآخَرِ (وَفِي) رِوَايَةٍ (أُخْرَى يُكْتَفَى بِالتَّقْدِيمِ عَلَى الصَّلَاةِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الصَّلَاةُ)(عنایه)

عرفات میں جبل رحمت کے پاس ٹھہرنے کا بیان:

قَالَ (ثُمَّ يَتَوَجَّهُ إلَى الْمَوْقِفِ فَيَقِفُ بِقُرْبِ الْجَبَلِ وَالْقَوْمُ مَعَهُ عَقِيبَ انْصِرَافِهِمْ مِنْ الصَّلَاةِ) لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ رَاحَ إلَى الْمَوْقِفِ عَقِيبَ الصَّلَاةِ وَالْجَبَلُ يُسَمَّى جَبَلَ الرَّحْمَةِ ، وَالْمَوْقِفُ الْأَعْظَمَ .

ترجمہ:

فرمایا: اس کے بعد وہ موقف کی طرف متوجہ ہو پس وہ پہاڑ کے قریب کھڑا ہو اور نماز سے فارغ ہوتے ہی لوگ بھی اس کے ساتھ ہوں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نماز کے بعد موقف کی طرف تشریف لائے۔ اور اس پہاڑ کا نام جبل رحمت رکھا گیا ہے۔ اور وہی موقف اعظم ہے۔ (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ)

جبل رحمت کے پاس ٹھہرنے کی فضیلت:

جبلِ رحمت عرفات کا ایک پہاڑ ہے۔ یہ زمین سے تقریباً تین سو فٹ اونچا اور سطح سمندر سے تین ہزار فٹ بلند ہے، اسے موقفِ اعظم بھی کہتے ہیں۔ اسی کے قریب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقوف فرمایا۔

جبل رحمت دور ہونے میں نام نہاد مذہبی سکالرز:

غیر مقلدین اور انتہاء پسند روشن خیال لوگوں میں بے بنیاد تو ہمات پھیلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جبل رحمت پاس ٹھہرنے کی فضیلت کہیں سے ثابت نہیں ہے۔ حالانکہ حدیث میں نبی کریم ﷺ کا وہاں ٹھہرنا ثابت ہے۔ اور آپ ﷺ کے وہاں ٹھہرنے کی وجہ سے وہ جبل رحمت بنا ہے۔ وہاں پر شیطان بھی چیخ وچلا کر ہاتھ منہ پیٹھ بیٹھا کیونکہ شیطان بھی رحمت سے دور ہوا لیکن جب وہاں امت مسلمہ کی بخشش کو انعام نازل ہوا تو وہ افسرہ ہوا ہے۔ آج جو لوگ مسلمانوں کی وہاں پر عقیدت دیکھ کر افسردہ ہوتے ہیں وہ غور کریں۔ اور یاد رکھیں کہ علت مشترکہ کی وجہ سے کہیں حکم ابلیس والا ان کی طرف لوٹ آیا تو کونسی سی تنظیمات بچائیں گیں۔ قارئین ان کے الفاظ کو ملاحظہ کر لیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

عرفات میں بعض لوگ جبل رحمت کے پاس وقوف کو ضروری سمجھتے اور اس پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ بھی قطعاً درست نہیں ہے۔ عرفات کے پورے میدان میں آدمی جہاں چاہے، وقوف کر سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: میں نے یہاں (جبل رحمت کے پاس) وقوف کیا ہے۔ تاہم یہ واضح رہے کہ وقوف، عرفات کے پورے میدان میں کہیں بھی کیا جا سکتا ہے۔

(ابوداؤد، رقم ۱۹۰۷)

عرفات میں بعض لوگ دعا و مناجات کرتے ہوئے اُس پہاڑ کی طرف رخ کر لیتے ہیں جو جبل رحمت کے نام سے معروف ہے۔ یہ معلوم ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر وقوف عرفہ کے دوران میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پہاڑ کے پاس کھڑے ہو کر دعا

ومناجات کی تھی۔تاہم دعاومناجات میں اس کی طرف رخ کرنا اورلوگوں کواس کی ہدایت کرنا آپ سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔لوگوں کے اِس عمل کے لیے بھی دین میں کوئی ماخذ موجودنہیں ہے۔(ابن عثیمین بمع جملہ غیر مقلدین)

عرفات یقیناً سارے کا سارا وقوف ہے لیکن کیا جبل رحمت کی فضیلت کی وجہ سے اس کا وقوف ختم ہو جائے گا کتنی جہالت کے سے پراگندہ ہیں۔اگر فضیلت شئ کسی دوسر چیز کے وجود کوختم کرتی تو شب قدر سے تمام راتوں کی عبادت کوختم کر دیتی۔فافہم واعتبر۔

سارا عرفات ہی مقام وقوف ہے:

قَالَ (وَعَرَفَاتٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ إلَّا بَطْنَ عُرَنَةَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (عَرَفَاتٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَارْتَفِعُوا عَنْ بَطْنِ عُرَنَةَ ، وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَارْتَفِعُوا عَنْ وَادِي مُحَسِّرٍ) .

قَالَ (وَيَنْبَغِي لِلْإِمَامِ أَنْ يَقِفَ بِعَرَفَةَ عَلَى رَاحِلَتِهِ) لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَقَفَ عَلَى نَاقَتِهِ (وَإِنْ وَقَفَ عَلَى قَدَمَيْهِ جَازَ) وَالْأَوَّلُ أَفْضَلُ لِمَا بَيَّنَّا (وَيَنْبَغِي أَنْ يَقِفَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ) لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَقَفَ كَذَلِكَ ، وَقَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (خَيْرُ الْمَوَاقِفِ مَا اُسْتُقْبِلَتْ بِهِ الْقِبْلَةُ) (وَيَدْعُو وَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْمَنَاسِكَ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَدْعُو يَوْمَ عَرَفَةَ مَادًّا يَدَيْهِ كَالْمُسْتَطْعِمِ الْمِسْكِينِ وَيَدْعُو بِمَا شَاءَ) وَإِنْ وَرَدَ الْآثَارُ بِبَعْضِ الدَّعَوَاتِ ، وَقَدْ أَوْرَدْنَا تَفْصِيلَهَا فِي كِتَابِنَا الْمُتَرْجَمِ (بِعُدَّةِ النَّاسِكِ فِي عِدَّةٍ مِنْ الْمَنَاسِكِ) بِتَوْفِيقِ اللَّهِ تَعَالَى .

ترجمہ:

فرمایا: وادی بطن کے سوا عرفات سارا ہی موٗقف ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عرفات سارا موٗقف ہے اور بطن عرنہ سے اونچے رہو اور مزدلفہ سارا موٗقف ہے اور وادی محسر سے بلند رہو۔(طبرانی، ابن ماجہ، ابن حبان، مستدرک)

امام کیلئے مناسب یہ ہے کہ وہ عرفہ میں اونٹ پر سوار ہو کر وقوف کرے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی اونٹنی پر وقوف فرمایا تھا۔ اور اگر وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا تب بھی جائز ہے۔جبکہ فضیلت پہلے صورت کو ہے۔اسی دلیل کی بنیاد پر جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے اور یہ بھی مناسب ہے کہ وہ قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہوا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اسی طرح قیام فرمایا تھا۔اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہترین موقف وہ ہے جس کے ساتھ قبلہ کا رخ ہو۔اور وہ دعا مانگے اور لوگوں کو مناسک حج سکھائے۔کیونکہ یہ روایت بیان کی گئی ہے

کہ نبی کریم ﷺ نے عرفہ کے دن اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر دعا مانگی۔(اس دعا کا طریقہ اس طرح ہو) جس طرح کوئی مسکین کھانا مانگنے کیلئے ہاتھ پھیلاتا ہے۔اور جسے چاہے اسی کی دعا کرے۔اگرچہ دعاؤں کے متعلق کئی آثار بیان ہوئے ہیں۔اور ہم نے ان کی وضاحت اپنی کتاب'' بِعُدَّةِ النَّاسِكِ فِي عِدَّةٍ مِنْ الْمَنَاسِك'' جس نام ہے اللہ کی توفیق سے بیان کیے ہیں۔

عرفات کے منصرف وغیر منصرف ہونے کا بیان:

عرفات کو منصرف (یعنی تصرف کر کے) پڑھا گیا ہے حالانکہ اس کے غیر منصرف ہونے کے دو سبب اس میں موجود ہیں یعنی اسم علم اور تانیث، اس لئے کہ دراصل یہ جمع ہے جیسے مسلمات اور مومنات ایک خاص جگہ کا نام مقرر کر دیا گیا ہے اس لئے اصلیت کی رعایت کی گئی اور منصرف پڑھا گیا عرفہ وہ جگہ ہے جہاں کا ٹھہرنا حج کا بنیادی رکن ہے مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حج عرفات ہے تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی فرمایا جو سورج نکلنے سے پہلے عرفات میں پہنچ گیا اس نے حج کو پا لیا۔

عرفات کو عرفات کہنے وجہ اور وقوف عرفات کا بیان:

عرفہ ایک مخصوص جگہ کا نام ہے اور یہ زمان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے بایں طور کہ نویں ذی الحجہ کو عرفہ کا دن کہتے ہیں۔ لیکن عرفات جمع کے لفظ کے ساتھ صرف اس مخصوص جگہ ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہ جمع اطراف و جوانب کے اعتبار سے ہے۔

عرفات مکہ مکرمہ سے تقریباً ساڑھے پندرہ میل (پچیس کلومیٹر) کے فاصلہ پر واقع ہے یہ ایک وسیع وادی یا میدان ہے جو اپنے تین طرف سے پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے، درمیان میں اس کے شمالی جانب جبل الرحمۃ ہے۔

عرفات کی وجہ تسمیہ کے متعلق بہت اقوال ہیں۔کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حوا جب جنت سے اتر کر اس دنیا میں آئے تو وہ دونوں سب سے پہلے اسی جگہ ملے۔اس تعارف کی مناسبت سے اس کا نام عرفہ پڑ گیا ہے اور یہ جگہ عرفات کہلائی۔ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جب اس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو افعال حج کی تعلیم دے رہے تھے تو وہ اس دوران ان سے پوچھتے کہ عرفت (یعنی جو تعلیم میں نے دی ہے) تم نے اسے جان لیا؟ حضرت ابراہیم جواب میں کہتے عرفت (ہاں میں جان لیا) اور آخر کار دونوں کے سوال و جواب میں اس کلمہ کا استعمال اس جگہ کی وجہ تسمیہ بن گیا۔ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

وقوف عرفات یعنی نویں ذی الحجہ کو ہر حاجی کا میدان عرفات میں پہنچنا اس کی ادائیگی حج کے سلسلہ میں ایک سب سے بڑا رکن ہے، جس کے بغیر حج نہیں ہوتا، چنانچہ حج کے دو رکنوں یعنی طواف الافاضہ اور وقوف عرفات میں وقوف عرفات چونکہ حج کا سب سے بڑا رکن ہے اس لئے اگر یہ ترک ہو گیا تو حج ہی نہیں ہوگا۔

مقام عرفہ یا عرفات، مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں جبل رحمت کے دامن میں واقع ہے۔ جہاں وقوف عرفات جیسا حج کا بنیادی رکن ادا کیا جاتا ہے۔یہ میدان مکے سے تقریباً 16 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

عرفات سال کے 354 دن غیر آباد رہتا ہے اور صرف ایک دن کے 8 سے 10 گھنٹوں کے لیے 9) ذی الحج) ایک عظیم الشان شہر بنتا ہے۔ یہ 9 ذی الحج کی صبح آباد ہوتا ہے اور غروب آفتاب کے ساتھ ہی اس کی تمام آبادی رخصت ہو جاتی ہے اور حجاج ایک رات کیلیے مزدلفہ میں قیام کرتے ہیں۔ دور جاہلیت میں قریش نے حرم سے متعلق دیگر بدعات کے علاوہ مناسک حج سے وقوف عرفات کو بھی خارج کر دیا تھا۔ قبل از اسلام دیگر لوگ تو عرفات تک جاتے تھے لیکن قریش مزدلفہ سے آگے نہ بڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل حرم ہیں اس لیے حرم کی حدود سے باہر نہیں نکلیں گے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حجۃ الوداع)) کے موقع پر ارشاد خداوندی کے تحت عام لوگوں کے ساتھ خود بھی عرفات تک گئے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عرفات کو پالینے والے کا حج ہوگیا:

حضرت امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے کہ دسویں کی فجر سے پہلے جو شخص عرفات میں پہنچ جائے، اس نے حج پالیا، حضرت امام احمد، فرماتے ہیں کہ ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن کے شروع سے ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزدلفہ میں نماز کے لئے نکلے تو ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں طی کی پہاڑیوں سے آرہا ہوں اپنی سواری کو میں نے تھکا دیا اور اپنے نفس پر بڑی مشقت اٹھائی واللہ ہر ہر پہاڑ پر ٹھہرتا آیا ہوں کیا میرا حج ہوگیا؟ آپ نے فرمایا جو شخص ہمارے یہاں کی اس نماز میں پہنچ جائے اور ہمارے ساتھ چلتے وقت تک ٹھہرا رہے اور اس سے پہلے وہ عرفات میں بھی ٹھہر چکا ہو خواہ رات کو خواہ دن کو اس کا حج پورا ہوگیا اور وہ فریضہ سے فارغ ہوگیا۔ (مسند احمد وسنن) امام ترمذی اسے صحیح کہتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اللہ تعالٰی نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے آپ کو حج کرایا جب عرفات میں پہنچے تو پوچھا کہ (عرفت) کیا تم نے پہچان لیا؟

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے جواب دیا (عرفت) میں نے جان لیا کیونکہ اس سے پہلے یہاں آچکے تھے اس لئے اس جگہ کا نام ہی عرفہ ہوگیا، حضرت عطاء، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابومجلز سے بھی یہی مروی ہے واللہ اعلم۔

"مشعر الحرام" "مشعر الاقصی" اور "الال" بھی ہے، اور اس پہاڑ کو بھی عرفات کہتے ہیں جس کے درمیان جبل الرحمۃ ہے، ابو طالب کے ایک مشہور قصیدے میں بھی ایک شعر ان معنوں کا ہے، اہل جاہلیت بھی عرفات میں ٹھہرتے تھے جب پہاڑ کی دھوپ چوٹیوں پر ایسی باقی رہ جاتی جیسے آدمی کے سر پر عمامہ ہوتا ہے تو وہ وہاں سے چل پڑتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں سے اس وقت چلے جب سورج بالکل غروب ہوگیا، پھر مزدلفہ میں پہنچ کر یہاں پڑاؤ کیا اور سویرے اندھیرے ہی اندھیرے بالکل اول وقت میں رات کے اندھیرے اور صبح کی روشنی کے ملے جلے وقت میں آپ نے یہیں نماز صبح ادا کی اور جب روشنی واضح ہوگئی تو صبح کی نماز کے آخری وقت میں آپ نے وہاں سے کوچ کیا۔

حضرت مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں عرفات میں خطبہ سنایا اور حسب عادت حمد وثنا کے بعد

اما بعد کہہ کر فرمایا کہ حج اکبر آج ہی کا دن ہے دیکھو مشرک اور بت پرست تو یہاں سے جب دھوپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح ہوتی تھی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامہ ہوتا ہے تو سورج غروب ہونے سے پیشتر ہی لوٹ جاتے تھے لیکن ہم سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے واپس ہوں گے وہ مشعر الحرام سے سورج نکلنے کے بعد چلتے تھے جبکہ اتنی وہ پہاڑوں کی چوٹیون پر دھوپ اس طرح نمایاں ہو جاتی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامے ہوتے ہیں لیکن ہم سورج نکلنے سے پہلے ہی چل دیں گے ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقے کے خلاف ہے (ابن مردویہ و مستدرک حاکم) امام حاکم نے اسے شرط شیخین پر اور بالکل صحیح بتلایا ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے ان لوگوں کا قول ٹھیک نہیں جو فرماتے ہیں کہ حضرت مسور نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے لیکن آپ سے کچھ سنا نہیں، حضرت معرور بن سوید کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عرفات سے لوٹتے ہوئے دیکھا گویا اب تک بھی وہ منظر میرے سامنے ہے، آپ کے سر کے اگلے حصے پر بال نہ تھے اپنے اونٹ پر تھے اور فرما رہے تھے ہم واضح روشنی میں لوٹے صحیح مسلم کی حضرت جابر والی ایک مطول حدیث جس میں حجۃ الوداع کا پورا بیان ہے اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج کے غروب ہونے تک عرفات میں ٹھہرے جب سورج چھپ گیا اور قدرے زردی ظاہر ہونے لگی تو آپ نے اپنے پیچھے اپنی سواری پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کیا اور اونٹنی کی نکیل تان لی یہاں تک کہ اس کا سر پالان کے قریب پہنچ گیا اور دائیں ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ فرماتے جاتے تھے کہ لوگو آہستہ آہستہ چلو نرمی اطمینان وسکون اور دلجمعی کے ساتھ چلو جب کوئی پہاڑی آئی تو نکیل قدرے ڈھیلی کرتے تا کہ جانور بہ آسانی اوپر چڑھ جائے، مزدلفہ میں آکر آپ نے مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی اذان ایک ہی کہلوائی اور دونوں نمازوں کی تکبیریں الگ الگ کہلوائیں مغرب کے فرضوں اور عشا کے فرضوں کے درمیان سنت نوافل کچھ نہیں پڑھے پھر لیٹ گئے، صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد نماز فجر ادا کی جس میں اذان واقامت ہوئی پھر قصوی نامی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر الحرام میں آئے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ اور اللہ کی توحید بیان کرنے لگے یہاں تک کہ خوب سویرا ہوگیا، سورج نکلنے سے پہلے ہی پہلے آپ یہاں سے روانہ ہو گئے،

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یہاں سے چلے تو کیسی چال چلتے تھے فرمایا اور درمیانہ دھیمی چال سواری چلا رہے تھے ہاں جب راستہ میں کشادگی دیکھتے تو ذرا تیز کر لیتے (بخاری ومسلم)

پھر فرمایا عرفات سے لوٹتے ہوئے مشعر الحرام میں اللہ کا ذکر کرو یعنی یہاں دونون نمازیں جمع کر لیں، عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مشعر الحرام کے بارے میں دریافت فرماتے ہیں تو آپ خاموش رہتے ہیں جب قافلہ مزدلفہ میں جا کر اترتا ہے تو فرماتے ہیں سائل کہاں ہے یہ مشعر الحرام، آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ مزدلفہ تمام کا تمام مشعر الحرام ہے، پہاڑ بھی اور اس کے آس پاس کی کل جگہ، آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قزح پر بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں تو فرمایا یہ لوگ کیوں بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں؟ یہاں کی سب جگہ مشعر الحرام ہے، اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کی کل جگہ مشعر الحرام

ہے،

حضرت عطاء سے سوال ہوتا ہے کہ مزدلفہ کہاں ہے آپ فرماتے ہیں جب عرفات سے چلے اور میدان عرفات کے دونوں کنارے چھوڑے پھر مزدلفہ شروع ہو گیا وادی محسر تک جہاں چاہو ٹھہرو لیکن میں تو قزح سے ادھر ہی ٹھہرنا پسند کرتا ہوں تاکہ راستے سے یکسوئی ہو جائے، مشاعر کہتے ہیں ظاہری نشانوں کو مزدلفہ کو مشعر الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حرم میں داخل ہے، سلف صالحین کی ایک جماعت کا اور بعض اصحاب شافعی کا مثلا قفال اور ابن خزیمہ کا خیال ہے کہ یہاں کا ٹھہرنا حج کا رکن ہے بغیر یہاں ٹھہرے حج صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ایک حدیث حضرت عروہ بن مضرس سے اس معنی کی مروی ہے، بعض کہتے ہیں یہ ٹھہرنا واجب ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ بھی ہے اگر کوئی یہاں نہ ٹھہرا تو قربانی دینی پڑے گی، امام صاحب کا دوسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے اگر نہ بھی ٹھہرا تو کچھ حرج نہیں، پس یہ تین قول ہوئے۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ عرفات کا سارا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے، عرفات سے بھی اٹھو اور مزدلفہ کی کل حد بھی ٹھہرنے کی جگہ ہے ہاں وادی محسر نہیں،۔

لوگ میدان عرفات میں امام کے پاس کھڑے ہوں:

قَالَ (وَيَنۡبَغِي لِلنَّاسِ أَنۡ يَقِفُوا بِقُرۡبِ الۡإِمَامِ) لِأَنَّهُ يَدۡعُو وَيُعَلِّمُ فَيَعُوا وَيَسۡمَعُوا (وَيَنۡبَغِي أَنۡ يَقِفَ وَرَاءَ الۡإِمَامِ) لِيَكُونَ مُسۡتَقۡبِلَ الۡقِبۡلَةِ ، وَهَذَا بَيَانُ الۡأَفۡضَلِيَّةِ لِأَنَّ عَرَفَاتٍ كُلَّهَا مَوۡقِفٌ عَلَى مَا ذَكَرۡنَا .

ترجمہ:

فرمایا: لوگوں کیلئے مناسب یہ ہے کہ امام کے قریب کھڑے ہوں اس لئے امام دعا کرے گا اور انہیں احکام سکھائے گا۔ لہذا لوگ توجہ کے ساتھ ان کی سماعت کریں اور یاد کریں۔ اور ان کیلئے مناسب یہ ہے کہ وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں تاکہ وہ قبلہ رخ ہو جائے۔ اور یہ فضیلت کیلئے بیان ہے۔ کیونکہ عرفات سارے کا سارا وقوف ہے اسی دلیل کی وجہ سے جسے ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ عرفات میں (مقام) وادی نمرہ میں اترتے تھے جب حجاج نے عبداللہ بن زبیر کو شہید کیا تو ابن عمر سے پوچھنے بھیجا کہ نبی کریم ﷺ آج کے دن کون سے وقت پر نکلے تھے؟ ابن عمر نے کہا جب یہ وقت آئے گا تو ہم خود چلیں گے۔ حجاج نے ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ دیکھتا رہے کہ ابن عمر کب نکلتے ہیں۔ جب حضرت ابن عمر نے کوچ کا ارادہ کیا تو پوچھا کیا سورج ڈھل گیا؟ لوگوں نے کہا ابھی نہیں ڈھلا وہ بیٹھ گئے پھر پوچھا کیا سورج ڈھل گیا کیا سورج ڈھل گیا؟ لوگوں نے کہا نہیں ڈھلا۔ (یہ سن کر) وہ بیٹھ گئے پھر پوچھا سورج ڈھل گیا؟ لوگوں نے کہا ہاں! یہ سنا تو وہ چل پڑے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفہ میں ٹھہرے اور یہ موقف ہے بلکہ عرفہ تمام کا

تمام موقف ہے۔

یزید بن شیبان سے ایک روایت ہے کہ ہم عرفات میں ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے لیکن ہم اس کو دور سمجھتے تھے۔ ٹھہرنے کی جگہ سے اتنے میں مربع کے بیٹے ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے۔ میں نبی کریم ﷺ کا پیغام لایا ہوں تمہاری طرف تم لوگ اپنے مقاموں میں رہو۔ آج تم وارث ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے۔ (سنن ابن ماجہ)

امام کو کس طرح وقوف کرنا چاہیے:

قَالَ (وَيُسۡتَحَبُّ أَنۡ يَغۡتَسِلَ قَبۡلَ الۡوُقُوفِ وَيَجۡتَهِدَ فِي الدُّعَاءِ) أَمَّا الِاغۡتِسَالُ فَهُوَ سُنَّةٌ وَلَيۡسَ بِوَاجِبٍ ، وَلَوۡ اكۡتَفَى بِالۡوُضُوءِ جَازَ كَمَا فِي الۡجُمُعَةِ وَالۡعِيدَيۡنِ وَعِنۡدَ الۡإِحۡرَامِ .
وَأَمَّا الِاجۡتِهَادُ فَلِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اجۡتَهَدَ فِي الدُّعَاءِ فِي هَذَا الۡمَوۡقِفِ لِأُمَّتِهِ فَاسۡتُجِيبَ لَهُ إلَّا فِي الدِّمَاءِ وَالۡمَظَالِمِ

ترجمہ:

فرمایا: وقوف عرفہ سے پہلے غسل کرنا مستحب ہے۔ اور دعاؤں میں بڑی محنت کرے۔ البتہ غسل کرنا سنت ہے جبکہ واجب نہیں ہے۔ اور اگر اس نے صرف وضو کیا تو تب بھی جائز ہے۔ جس طرح جمعہ، عیدین اور احرام کے وقت کا غسل ہے۔ اور خوب محنت سے دعا کرنے کا حکم اس لئے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسی طرح وقوف کیا جس میں اپنی امت کیلئے دعا فرمائی۔ پس وہ دعا خون اور مظالم کے سوا میں قبول ہوتی ہے۔

شرح

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے پہلے قول کے مطابق غسل کو مستحب کہا ہے اور اس کے بعد سنت کہا ہے۔ کیونکہ انہوں نے امام قدوری کے کلام کی شرح کی ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ غسل مستحب ہے لہذا مصنف نے اسی طرح نقل کر دیا ہے اور پھر کہا کہ سنت ہے کیونکہ ہر سنت مستحب ہوتی ہے لیکن ہر مستحب سنت نہیں ہوتا۔ اور عدم وجوب کی قید سے یہ بیان کر دیا ہے کہ یہاں سنت سے مراد سنت مؤکدہ نہیں ہے۔ کیونکہ سنت مؤکدہ قوت میں واجب کی طرح ہوتی ہے۔ اور میں نے شارحین میں کسی کو بھی یہ نکتہ بیان کرتے نہیں دیکھا ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص ۱۰۹، حقانیہ ملتان)

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ عباس بن مرداس سلمی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے لئے دعائے مغفرت کی تیسرے پہر کو تو آپ کو جواب ملا کہ میں نے بخش دیا تیری امت کو مگر جو ان میں ظالم ہو اس سے تو میں مظلوم کا بدلہ ضرور لوں گا۔ آپ نے فرمایا اے مالک! اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت دے اور ظالم کو بخش کر اس کو راضی کر دے لیکن اس شام کو اس کا جواب نہیں ملا جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو آپ نے پھر دعا فرمائی۔ اللہ عزوجل نے آپ کی درخواست

قبول کی تو آپ مسکرائے یا آپ نے تبسم فرمایا تو ابوبکر وعمر نے عرض کیا ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ اس وقت کبھی نہیں ہنستے تھے تو آج کیوں ہنسے؟ اللہ عزوجل آپ کو ہنستا ہی رکھے۔ آپ نے فرمایا اللہ کے دشمن ابلیس نے جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کی اور میری امت کو بخش دیا تو اس نے مٹی اٹھائی اور اپنے سر پر ڈالنے لگا اور پکارنے لگا ہائے خرابی! ہائے تباہی تو مجھے ہنسی آ گئی۔ جب میں نے اس کا تڑپنا دیکھا۔ (سنن ابن ماجہ)

دوران وقوف تلبیہ کہنے کا حکم:

(وَيُلَبِّي فِي مَوْقِفِهِ سَاعَةً بَعْدَ سَاعَةٍ) وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى : يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ كَمَا يَقِفُ بِعَرَفَةَ لِأَنَّ الْإِجَابَةَ بِاللِّسَانِ قَبْلَ الِاشْتِغَالِ بِالْأَرْكَانِ .

وَلَنَا مَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَا زَالَ يُلَبِّي حَتَّى أَتَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ) وَلِأَنَّ التَّلْبِيَةَ فِيهِ كَالتَّكْبِيرِ فِي الصَّلَاةِ فَيَأْتِي بِهَا إلَى آخِرِ جُزْءٍ مِنْ الْإِحْرَامِ .

ترجمہ:

اور وہ کچھ کچھ دیر کے بعد تلبیہ پڑھتا رہے۔ اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا: عرفہ میں وقوف کرتے ہی تلبیہ ختم کر دے۔ کیونکہ زبان سے جواب دینا ارکان میں مصروف ہونے پر مقدم ہے۔

ہماری دلیل یہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس وقت تک تلبیہ کہا حتیٰ کہ آپ ﷺ نے جمرہ عقبہ تشریف لائے۔ (بخاری مسلم) اور تلبیہ حج میں اسی طرح ہے جس طرح نماز میں تکبیر ہوتی ہے۔ لہذا وہ اس کو احرام کے آخری حصے تک پڑھتا رہے گا۔

شرح

اس مسئلہ کی تحقیق اور فقہی اختلاف تلبیہ کے ابتدائی وانتہائی اوقات میں گزر چکا ہے۔

غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کی طرف جانے کا حکم:

قَالَ (فَإِذَا غَرَبَتْ الشَّمْسُ أَفَاضَ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ مَعَهُ عَلَى هِينَتِهِمْ حَتَّى يَأْتُوا الْمُزْدَلِفَةَ) لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ دَفَعَ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ ، وَلِأَنَّ فِيهِ إظْهَارَ مُخَالَفَةِ الْمُشْرِكِينَ ، وَكَانَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَمْشِي عَلَى رَاحِلَتِهِ فِي الطَّرِيقِ عَلَى هِينَتِهِ ، فَإِنْ خَافَ الزِّحَامَ فَدَفَعَ قَبْلَ الْإِمَامِ وَلَمْ يُجَاوِزْ حُدُودَ عَرَفَةَ أَجْزَأَهُ لِأَنَّهُ لَمْ يُفِضْ مِنْ عَرَفَةَ ، وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَقِفَ فِي مَقَامِهِ كَيْ لَا يَكُونَ آخِذًا فِي الْأَدَاءِ قَبْلَ وَقْتِهَا ، وَلَوْ مَكَثَ قَلِيلًا بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ وَإِفَاضَةِ الْإِمَامِ لِخَوْفِ الزِّحَامِ فَلَا بَأْسَ بِهِ .

لِمَا رُوِيَ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا بَعْدَ إفَاضَةِ الْإِمَامِ دَعَتْ بِشَرَابٍ فَأَفْطَرَتْ ثُمَّ أَفَاضَتْ .

ترجمہ:

فرمایا: اور جب سورج غروب ہو گیا تو امام واپس آئے اور لوگ بھی وقار کے ساتھ اس کے ساتھ ہوں۔ حتیٰ کہ مزدلفہ میں آ جائیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ غروب کے بعد روانہ ہوئے تھے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مشرکین کے ساتھ مخالفت کا اظہار ہے۔

نبی کریم ﷺ اپنی اونٹنی پر راستے میں آرام کے ساتھ چلتے تھے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، ابن ابی شیبہ)

اگر اس کو بھیڑ کا خوف ہوا اور وہ امام سے پہلے چل دیا اور عرفہ کی حدود سے باہر نہیں گیا تو جائز ہے۔ اس لئے کہ وہ عرفہ سے گیا نہیں ہے۔ اور فضیلت یہ ہے کہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہے تا کہ وہ وقت سے پہلے ادائیگی شروع کرنے والا نہ ہو۔ اور اگر حاجی سورج غروب ہونے اور امام کے روانہ ہونے کے بعد بھیڑ کی وجہ سے کچھ دیر ٹھہر گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ روایت ہے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے امام کے روانہ ہونے کے بعد پانی طلب کیا۔ اس کے بعد روزہ افطار کیا اور پھر وہاں سے روانہ ہوئیں۔

عرفات سے لوٹنے اور مزدلفہ میں نماز کا بیان:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ قریش اور وہ لوگ جو قریش کے دین پر تھے، مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے اور اپنے کو حُمس کہتے تھے (ابوالہیثم نے کہا ہے کہ یہ نام قریش کا ہے اور ان کی اولاد کا اور کنانہ اور جدیلہ قیس کا اس لئے کہ وہ اپنے دین میں حمس رکھتے تھے یعنی تشدد اور سختی کرتے تھے) اور باقی عرب کے لوگ عرفہ میں وقوف کرتے تھے۔ پھر جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا کہ عرفات میں آئیں اور وہاں وقوف فرمائیں اور وہیں سے لوٹیں۔ اور یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ وہیں سے لوٹو جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب الحج)

حضرت سیدنا جبیر بن مطعم ؓ کہتے ہیں کہ میرا ایک اونٹ کھو گیا، میں عرفہ کے دن اس کی تلاش میں نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ عرفات میں کھڑے ہیں تو میں نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ تو حمس کے لوگ ہیں یہ یہاں تک کیسے آ گئے؟ (یعنی قریش تو مزدلفہ سے آگے نہیں آتے تھے) اور قریش حمس میں شمار کئے جاتے تھے (جو لوگ مزدلفہ سے باہر نہ جاتے تھے)۔

مسلم، کریب سے روایت ہے کہ انہوں نے سیدنا اسامہ بن زید ؓ سے پوچھا کہ جب تم عرفہ کی شام رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھے تو تم نے کیا کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس گھاٹی تک آئے جہاں لوگ نمازِ مغرب کے لئے اونٹوں کو بٹھاتے ہیں، پس رسول اللہ ﷺ نے اونٹنی کو بٹھایا اترے اور پیشاب کیا۔ اور پانی بہانے کا ذکر سیدنا اسامہ ؓ نے نہیں کیا۔ پھر وضو کا پانی مانگا اور ہلکا سا

وضو کیا، پورا نہیں (یعنی ایک ایک بار اعضاء دھوئے) اور میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ نماز؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز تمہارے آگے ہے۔ پھر آپ ﷺ سوار ہوئے یہاں تک کہ ہم مزدلفہ آئے اور مغرب کی نماز کی تکبیر ہوئی اور لوگوں نے اونٹ بٹھائے اور کھولے نہیں یہاں تک کہ عشاء کی تکبیر ہوئی اور آپ ﷺ نے نمازِ عشاء پڑھائی پھر اونٹ کھول دیئے۔ میں نے کہا کہ پھر تم نے صبح کو کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ پھر سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ پیچھے سوار ہوئے اور میں قریش کے پہلے چلنے والوں کے ساتھ پیدل چلا۔ (صحیح مسلم)

عرفات سے واپسی تیز چلنے کا بیان:

ہشام بن عروہ سے خبر دی، ان سے ان کے والد نے بیان کیا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا (میں بھی وہیں موجود تھا) کہ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واپس ہونے کی چال کیا تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاؤں اٹھا کر چلتے تھے ذرا تیز، لیکن جب جگہ پاتے (ہجوم نہ ہوتا) تو تیز چلتے تھے، ہشام نے کہا کہ عنق تیز چلنا اور نص عنق سے زیادہ تیز چلنے کو کہتے ہیں۔ فجوہ کے معنی کشادہ جگہ، اس کی جمع فجوات اور فجاء ہے جیسے زکوۃ مفرد زکاء اس کی جمع اور سورۂ ص میں مناص کا جو لفظ آیا ہے اس کے معنی بھاگنا ہے۔ (صحیح بخاری، رقم ۱۶۶۶)

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ۔۔۔ اس سے نص مشتق نہیں جو حدیث میں مذکور ہے، یہ تو ایک ادنی بھی جس کی عربیت سے ذرا سی استعداد ہو سمجھ سکتا ہے کہ مناص کو نص سے کیا علاقہ، نص مضاعف ہے اور مناص معتل ہے۔ اب یہ خیال کرنا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مناص کو نص سے مشتق سمجھا ہے اس لیے یہاں اس کے معنی بیان کر دیئے جسے عینی نے نقل کیا ہے یہ بالکل کم فہمی ہے، اصل یہ ہے کہ اکثر نسخوں میں یہ عبارت ہی نہیں ہے اور جن نسخوں میں موجود ہے ان کی توجیہ یوں ہو سکتی ہے کہ بعض لوگوں کو کم استعدادی سے یہ وہم ہوا ہوگا کہ مناص اور نص کا مادہ ایک ہی ہے امام بخاری نے مناص کی تفسیر کر کے اس وہم کا رد کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ عرفہ کے دن (میدان عرفات سے) وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آ رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سخت شور (اونٹ ہانکنے کا) اور اونٹوں کی مار دھاڑ کی آواز سنی تو آپ نے ان کی طرف اپنے کوڑے سے اشارہ کیا اور فرمایا کہ لوگو! آہستگی و وقار اپنے اوپر لازم کر لو، (اونٹوں کو) تیز دوڑانا کوئی نیکی نہیں ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ (سورۂ بقرہ میں) اوضعوا کے معنی: ریشہ دوانیاں کریں، خلالکم کا معنی تمہارے بیچ میں، اسی سے (سورہ کہف) میں آیا ہے فجرنا خلالھا یعنی ان کے بیچ میں۔ (صحیح بخاری، رقم ۱۶۷۱)

چونکہ حدیث میں ایضاع کا لفظ آیا ہے تو امام بخاری نے اپنی عادت کے موافق قرآن کی اس آیت کی تفسیر کر دی جس میں ولا اوضعوا خلالکم آیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی خلالکم کے بھی معنی بیان کر دیئے پھر سورۂ کہف میں بھی خلالکم کا لفظ آیا تھا اس کی بھی تفسیر کر دی۔

مزدلفہ میں جبل قزح کے پاس ٹھہرنے کا استحباب:

قَالَ (وَإِذَا أَتَى مُزْدَلِفَةَ فَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَقِفَ بِقُرْبِ الْجَبَلِ الَّذِى عَلَيْهِ الْمُقَيَّدَةُ يُقَالُ لَهُ قُزَحَ) لِأَنَّ النَّبِىَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَقَفَ عِنْدَ هَذَا الْجَبَلِ ، وَكَذَا عُمَرُ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ وَيَتَحَرَّزُ فِى النُّزُولِ عَنْ الطَّرِيقِ كَىْ لَا يَضُرَّ بِالْمَارَّةِ فَيَنْزِلُ عَنْ يَمِينِهِ أَوْ يَسَارِهِ .
وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَقِفَ وَرَاءَ الْإِمَامِ لِمَا بَيَّنَّا فِى الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ .

ترجمہ:

فرمایا: جب وہ مزدلفہ آئیں تو ان کیلئے پہاڑ کے قریب کھڑے ہوں وہ پہاڑ جو وہاں موجود ہے جس کو جبل قزح کہا جاتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اسی پہاڑ کے پاس وقوف فرمایا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا ہے۔ اور راستے میں اترنے سے بچے تاکہ گزرنے والوں کو نقصان نہ ہو لہذا وہ دائیں یا بائیں اترے اور اس کیلئے مستحب یہ ہے کہ وہ امام کے پیچھے اترے اسی دلیل کی بنیاد پر جو ہم وقوف عرفہ میں بیان کر چکے ہیں۔

شرح

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب (مزدلفہ میں) رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قزح (پہاڑ کا نام) کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا یہ قزح ہے اور یہ وقوف کی جگہ ہے اور سارا مزدلفہ وقوف کی جگہ ہے (اور منیٰ تشریف لائے تو فرمایا) میں نے یہاں نحر کیا اور منیٰ نحر کی جگہ ہے پس تم اپنے ٹھکانوں پر نحر (قربانی) کرو۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں عرفات میں یہاں پر کھڑا اور عرفات سارا کا سارا ٹھہرنے کی جگہ ہے اور میں مزدلفہ میں یہاں پر ٹھہرا اور سارا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے (اور منیٰ میں فرمایا کہ) میں نے یہاں قربانی کی اور سارا منیٰ قربانی کی جگہ ہے پس تم اپنے اپنے ٹھکانوں پر قربانی کرو۔ (سنن ابوداؤد)

امام مغرب وعشاء کی نماز ایک اذان واقامت کے ساتھ پڑھائے:

قَالَ (وَيُصَلِّى الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ) وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ : بِأَذَانٍ وَإِقَامَتَيْنِ اعْتِبَارًا بِالْجَمْعِ بِعَرَفَةَ .
وَلَنَا رِوَايَةُ جَابِرٍ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ (أَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ بَيْنَهُمَا بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ) وَلِأَنَّ الْعِشَاءَ فِى وَقْتِهِ فَلَا يُفْرِدُ بِالْإِقَامَةِ إعْلَامًا ، بِخِلَافِ الْعَصْرِ بِعَرَفَةَ لِأَنَّهُ مُقَدَّمٌ عَلَى وَقْتِهِ فَأَفْرَدَ بِهَا لِزِيَادَةِ الْإِعْلَامِ .

ترجمہ:

فرمایا: امام لوگوں کو مغرب اور عشاء کی نماز ایک اذان واقامت کے ساتھ پڑھائے۔ جبکہ حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھائے۔ کیونکہ اس کو ظہر وعصر کو جمع کرنے پر قیاس کیا گیا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کو ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ جمع فرمایا ہے۔ کیونکہ عشاء اپنے وقت میں ہے۔ اس لئے خبردار کرنے کیلئے الگ اقامت کہنے ضرورت نہیں ہے۔ جبکہ عصر عرفہ میں حکم مختلف ہے کیونکہ وہ اپنے وقت سے مقدم ہے۔ لہذا خبردار کرنے کیلئے وہاں اقامت کہی جائے گی۔

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز کو ایک ساتھ پڑھنے میں احادیث کا بیان:

حضرت سیدنا ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں جمع کر کے پڑھی اور ان دونوں (نمازوں) کے درمیان ایک رکعت بھی نہیں پڑھی اور مغرب کی تین رکعت اور عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں اور سیدنا عبداللہؓ بھی اسی طرح (مغرب اور عشاء) جمع کر کے پڑھتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے مل گئے مسلم۔: 714

حضرت بسید نا سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ ہم سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ لوٹ کر مزدلفہ میں آئے تو وہاں انہوں نے ہمیں مغرب اور عشاء ایک تکبیر سے پڑھائی۔ پھر لوٹے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اسی مقام پر اسی طرح نماز پڑھائی تھی۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہمیشہ نماز وقت پر ہی پڑھتے دیکھا مگر دو نمازیں۔ ایک مغرب وعشاء کہ مزدلفہ میں آپ ﷺ نے ملا کر پڑھیں اور (دوسری) اس کی صبح کو نمازِ فجر اپنے (مقروف) وقت سے پہلے پڑھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کیا (یعنی عشاء کے وقت دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھا) اور ان میں سے ہر ایک کے لئے تکبیر کہی گئی (یعنی مغرب کے لئے علیحدہ تکبیر ہوئی اور عشاء کے لئے علیحدہ) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ تو ان دونوں کے درمیان نفل نماز پڑھی اور نہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے بعد۔ (بخاری)

ان نمازوں کے بعد نفل پڑھنے کی جو نفی کی گئی ہے تو اس سے ان دونوں کے بعد سنتیں اور وتر پڑھنے کی نفی لازم نہیں آتی۔ باب قصة حجة الوداع میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جو طویل حدیث گزری ہے اس کے ان الفاظ لم یسبح بینھما شیأ کی وضاحت اس طرح ہے۔

معروف حنفی محقق علامہ علی بن سلطان لکھتے ہیں۔ کہ جب مزدلفہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھ چکے تو مغرب وعشاء کی سنتیں اور نماز وتر بھی پڑھی۔ چنانچہ ایک روایت میں بھی یہ منقول ہے کہ نیز شیخ عابد سندھی نے درمختار کے حاشیہ میں اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال نقل کرنے کے بعد یہی لکھا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے عشاء کی نماز کے بعد سنتیں اور وتر پڑھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی نماز اپنے وقت کے علاوہ کسی اور وقت میں پڑھی ہو سوائے دو نمازوں کے کہ وہ مغرب وعشاء کی ہیں جو مزدلفہ میں پڑھی گئی تھیں (یعنی مزدلفہ میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھی) اور اس دن (یعنی مزدلفہ میں قربانی کے دن) فجر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقت سے پہلے پڑھی تھی۔ (بخاری ومسلم)

یہاں صرف مغرب وعشاء کی نمازوں کو ذکر کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت پڑھی، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفات میں ظہر وعصر کی نماز بھی ایک ساتھ اسی طرح پڑھی تھی کہ عصر کی نماز مقدم کر کے ظہر کے وقت ہی پڑھ لی گئی تھی، لہٰذا یہاں ان دونوں نمازوں کو اس سبب سے ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ دن کا وقت تھا، سب ہی جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کی نماز کو مقدم کر کے ظہر کے وقت پڑھا ہے اس لئے اس کو بطور خاص ذکر کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

فجر کی نماز وقت سے پہلے پڑھی کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن فجر کی نماز وقت معمول یعنی اجالا پھیلنے سے پہلے تاریکی ہی میں پڑھ لی تھی، یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کے وقت سے پہلے پڑھی تھی کیونکہ تمام ہی علماء کے نزدیک فجر کی نماز، فجر سے پہلے پڑھنی جائز نہیں ہے۔

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم عرفات سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوٹے جب مزدلفہ میں پہنچے تو انہوں نے ہم کو مغرب کی تین اور عشاء کی دو رکعتیں پڑھائیں ایک ہی تکبیر سے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ابن عمر رضی اللہ عنہ ہم سے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو اس جگہ اسی طرح نماز پڑھائی تھی (یعنی دونوں نمازیں ایک ہی تکبیر سے)

سلمہ بن کہیل سے روایت ہے کہ میں نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے مزدلفہ میں تکبیر کہی اور مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں پھر عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں اس کے بعد فرمایا میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا انہوں نے اس جگہ ایسا ہی کیا تھا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ ایسا ہی کیا تھا۔

اشعث بن سلیم سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عرفات سے مزدلفہ کو آیا راستے میں وہ برابر تکبیر و تہلیل میں مشغول رہے یہاں تک کہ ہم مزدلفہ پہنچ گئے پس انہوں نے اذان دی اور اقامت کہی یا یہ کہا کہ انہوں نے کسی شخص کو حکم کیا اس نے اذان دی اور اقامت کہی اس کے بعد انہوں نے ہم کو مغرب کی تین رکعت پڑھائیں اور پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا ایک اور نماز پڑھو اور انہوں نے ہم کو عشاء کی دو رکعتیں پڑھائیں اس کے بعد انہوں نے اپنا رات کا کھانا طلب کیا اشعث کہتے ہیں کہ علاج بن عمرو نے مجھ سے اسی طرح بیان کیا جس طرح میرے والد سلیم نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ جب اس طریقہ کے

متعلق ابن عمر سے کہا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اسی طرح نماز پڑھی ہے۔ (سنن ابوداؤد)

مغرب وعشاء کے درمیان نوافل پڑھنے کی ممانعت کا بیان:

(وَلَا يَتَطَوَّعُ بَيْنَهُمَا) لِأَنَّهُ يُخِلُّ بِالْجَمْعِ ، وَلَوْ تَطَوَّعَ أَوْ تَشَاغَلَ بِشَيْءٍ أَعَادَ الْإِقَامَةَ لِوُقُوعِ الْفَصْلِ ، وَكَانَ يَنْبَغِي أَنْ يُعِيدَ الْأَذَانَ كَمَا فِي الْجَمْعِ الْأَوَّلِ بِعَرَفَةَ ، إلَّا أَنَّا اكْتَفَيْنَا بِإِعَادَةِ الْإِقَامَةِ ، لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِمُزْدَلِفَةَ ثُمَّ تَعَشَّى ثُمَّ أَفْرَدَ الْإِقَامَةَ لِلْعِشَاءِ)

ترجمہ:

اور وہ ان دونوں نمازوں کے درمیان نفل نہ پڑھے۔ کیونکہ ان کی جمعیت میں خلل انداز ہوں گے۔ اور اگر نفل یا کسی چیز میں مصروف ہوا تو وہ اقامت کا اعادہ کرے۔ کیونکہ ان کے درمیان فاصلہ ہو چکا ہے۔ جبکہ مناسب یہ تھا کہ وہ اذان کو بھی لوٹاتا جس طرح عرفہ والی پہلی جمع میں حکم ہے۔ لیکن ہم نے اقامت کے لوٹانے کو کافی اس لئے سمجھا ہے۔ کہ روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب ادا فرمائی اس کے بعد آپ ﷺ نے کھانا تناول فرمایا اور پھر عشاء کیلئے الگ اقامت کہلوائی۔

مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نماز کو جمع کرنے کا بیان:

حضرت کریب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جب تم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شام کو سوار ہو کر آئے تھے تو تم نے کیا کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس گھاٹی میں آئے جہاں لوگ رات کو اترنے اور سونے کے لیے اپنے اونٹوں کو بٹھاتے ہیں پس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا اونٹ بٹھایا پھر پیشاب کیا کریب کہتے ہیں کہ اسامہ نے پانی بہانے کا ذکر نہیں کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کا پانی منگایا اور وضو کیا لیکن وضو میں زیادہ مبالغہ نہیں کیا (ہلکا وضو کیا یعنی اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا تین تین مرتبہ نہیں دھویا) اسامہ کہتے ہیں پھر میں نے عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ لیجئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آگے چل کر پڑھیں گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہوئے یہاں تک کہ ہم مزدلفہ میں آئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب کی نماز پڑھی پھر لوگوں نے اپنے اپنے ٹھکانوں میں اونٹ بٹھائے اور ابھی ان کی پیٹھ سے بوجھ اتار بھی نہ پائے تھے کہ عشاء کی تکبیر ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی اس کے بعد لوگوں نے اپنے اونٹوں سے بوجھ اتارے محمد بن کثیر نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ کریب نے کہا کہ میں نے اسامہ سے پوچھا کہ پھر جب صبح ہوئی تو تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فضل بن عباس سوار ہوئے اور میں قریش کے لوگوں کے ساتھ پیدل روانہ ہوا۔ (سنن ابوداؤد)

مزدلفہ میں جمع شدہ نمازوں کے درمیان نفل نہ پڑھنے کا بیان:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفات سے لوٹے یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھاٹی میں اترے اور پیشاب کیا اور وضو کیا لیکن مکمل وضو نہیں کیا (اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو شرعی نہیں کیا بلکہ وضو لغوی کیا یعنی ہاتھ منہ دھویا یا یہ کہ اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ نہیں دھویا بلکہ ایک مرتبہ دھونے پر اکتفاء کیا) میں نے عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ لیجئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آگے چل کر پڑھیں گے پھر سوار ہوئے جب مزدلفہ میں پہنچے تو وہاں اترے اور پورا وضو کیا نماز کی تکبیر ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب کی نماز پڑھی پھر ہر ایک آدمی نے اپنا اونٹ اپنے ٹھکانے میں بٹھایا اس کے بعد عشاء کی تکبیر ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی اور مغرب وعشاء کے درمیان میں کوئی نفل نماز نہیں پڑھی۔ (سنن ابوداود)

امام اعظم کے نزدیک مغرب وعشاء کی نماز میں جماعت کی عدم شرط کا بیان:

وَلَا تُشْتَرَطُ الْجَمَاعَةُ لِهَذَا الْجَمْعِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ الْمَغْرِبَ مُؤَخَّرَةٌ عَنْ وَقْتِهَا ، بِخِلَافِ الْجَمْعِ بِعَرَفَةَ لِأَنَّ الْعَصْرَ مُقَدَّمٌ عَلَى وَقْتِهِ .

ترجمہ:

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس جمع میں جماعت شرط نہیں ہے کیونکہ مغرب اپنے وقت سے مؤخر ہے جبکہ عرفہ کی جمع میں ایسا نہیں ہے کیونکہ عصر اپنے وقت سے مقدم ہے۔

شرح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز ملا کر پڑھی۔

حضرت زہری سے اسی سند ومفہوم کی روایت مذکور ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ الگ الگ تکبیر سے اور احمد نے وکیع سے نقل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں نمازیں ایک ہی تکبیر سے پڑھیں۔

حضرت زہری سے سابقہ سند ومفہوم کے ساتھ روایت مروی ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ ہر نماز کے لیے ایک تکبیر کہی اور پہلی نماز کے لیے اذان نہ دی اور نہ ان دونوں نمازوں میں سے کسی نماز کے بعد نفل پڑھے مخلد نے کہا کسی نماز کے لیے اذان نہ دی۔

حضرت عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مغرب کی تین اور عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں تو مالک بن حارث نے پوچھا یہ کس طرح کی نماز ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان دونوں نمازوں کو اسی جگہ ایک تکبیر سے پڑھا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مالک سے روایت ہے کہ ہم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز ایک تکبیر کے ساتھ پڑھی اس کے بعد ابن کثیر کی حدیث (سابقہ حدیث) کا مضمون ذکر کیا۔

حضرت سلمہ بن کہیل سے روایت ہے کہ میں نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے مزدلفہ میں تکبیر کہی اور مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں پھر عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں اس کے بعد فرمایا میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا انہوں نے اس جگہ ایسا ہی کیا تھا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ ایسا ہی کیا تھا۔

حضرت اشعث بن سلیم سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عرفات سے مزدلفہ کو آیا راستے میں وہ برابر تکبیر و تہلیل میں مشغول رہے یہاں تک کہ ہم مزدلفہ پہنچ گئے پس انہوں نے اذان دی اور اقامت کہی یا یہ کہا کہ انہوں نے کسی شخص کو حکم کیا اس نے اذان دی اور اقامت کہی اس کے بعد انہوں نے ہم کو مغرب کی تین رکعت پڑھائیں اور پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا ایک اور نماز پڑھو اور انہوں نے ہم کو عشاء کی دو رکعتیں پڑھائیں اس کے بعد انہوں نے اپنا رات کا کھانا طلب کیا اشعث کہتے ہیں کہ علاج بن عمرو نے مجھ سے اسی طرح بیان کیا جس طرح میرے والد سلیم نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ جب اس طریقہ کے متعلق ابن عمر سے کہا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اسی طرح نماز پڑھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی غیر وقت پر نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے مزدلفہ کے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب وعشاء کی نماز جمع کی اور اگلے دن صبح کی نماز معمول کے وقت (اسفار) سے پہلے پڑھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب (مزدلفہ میں) رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قزح (پہاڑ کا نام) کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا یہ قزح ہے اور یہ وقوف کی جگہ ہے اور سارا مزدلفہ وقوف کی جگہ ہے (اور منیٰ تشریف لائے تو فرمایا) میں نے یہاں نحر کیا اور منیٰ نحر کی جگہ ہے پس تم اپنے ٹھکانوں پر نحر (قربانی) کرو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں عرفات میں یہاں پر کھڑا اور عرفات سارا کا سارا ٹھہرنے کی جگہ ہے اور میں مزدلفہ میں یہاں پر ٹھہرا اور سارا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے (اور منیٰ میں فرمایا کہ) میں نے یہاں قربانی کی اور سارا منیٰ قربانی کی جگہ ہے پس تم اپنے اپنے ٹھکانوں پر قربانی کرو۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سارا عرفات ٹھہرنے کی جگہ ہے اور سارا منیٰ نحر (قربانی) کی جگہ ہے اور سارا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے اور مکہ کے تمام راستے چلنے کی جگہ ہیں اور قربانی کی جگہ ہیں۔

حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دور جہالت کے لوگ (مزدلفہ سے) نہیں لوٹتے تھے تا وقت یہ کہ ثبیر پہاڑ پر سورج کو نہ دیکھ لیتے تھے پس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی مخالفت کی

اور سورج نکلنے سے پہلے (مزدلفہ سے لوٹ آئے)۔

راستے میں مغرب ادا کرنے والے کی نماز کا حکم:

قَالَ (وَمَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ فِي الطَّرِيقِ لَمْ يُجْزِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ ، وَعَلَيْهِ إعَادَتُهَا مَا لَمْ يَطْلُعْ الْفَجْرُ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ : يُجْزِيهِ وَقَدْ أَسَاءَ ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إذَا صَلَّى بِعَرَفَاتٍ .

لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ أَدَّاهَا فِي وَقْتِهَا فَلَا تَجِبُ إعَادَتُهَا كَمَا بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ ، إلَّا أَنَّ التَّأْخِيرَ مِنْ السُّنَّةِ فَيَصِيرُ مُسِيئًا بِتَرْكِهِ .

وَلَهُمَا مَا رُوِيَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَالَ لِأُسَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي طَرِيقِ الْمُزْدَلِفَةِ : الصَّلَاةُ أَمَامَكَ) مَعْنَاهُ : وَقْتُ الصَّلَاةِ .

وَهَذَا إشَارَةٌ إلَى أَنَّ التَّأْخِيرَ وَاجِبٌ ، وَإِنَّمَا وَجَبَ لِيُمْكِنَهُ الْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ بِالْمُزْدَلِفَةِ فَكَانَ عَلَيْهِ الْإِعَادَةُ مَا لَمْ يَطْلُعْ الْفَجْرُ لِيَصِيرَ جَامِعًا بَيْنَهُمَا ، وَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ لَا يُمْكِنُهُ الْجَمْعُ فَسَقَطَتْ الْإِعَادَةُ .

ترجمہ:

اور حضرت امام اعظم اور حضرت امام محمد علیہما الرحمہ کے نزدیک راستے میں نماز مغرب پڑھنے والے کی نماز کافی نہ ہوگی۔ اور طلوع فجر سے پہلے تک اس پر نماز کو لوٹانا واجب ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کی نماز کافی ہے۔ لیکن اس نے برا کیا ہے۔ اس کا وہی اختلاف ہے جو مغرب عرفات میں پڑھ لے۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے مغرب کی نماز کو اپنے وقت میں پڑھا ہے۔ جس طرح طلوع فجر کے بعد ہے البتہ مؤخر کرنا سنت ہے۔ لہذا ترک سنت کی وجہ سے برا ہوا۔

طرفین کی دلیل وہی حدیث ہے جس کو حضرت اسامہ بن زیاد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسامہ بن زیاد کو مزدلفہ کے راستے میں فرمایا۔ نماز تیرے سامنے ہے۔ اس سے مراد نماز کا وقت ہے۔ اور یہی اشارہ ہے کہ مؤخر کرنا واجب ہے اور اس کی تاخیر کی دلیل یہ ہے کہ مزدلفہ میں دونوں نمازوں کو جمع کرنا ممکن ہو جائے۔ لہذا جب تک طلوع فجر نہ ہوا س پر مغرب کو لوٹانا واجب ہے۔ تا کہ مغرب وعشاء کو جمع کرنے والا ہو جائے۔ اور جب فجر طلوع ہو جائے تو جمع کرنا ممکن نہیں۔ لہذا اعادہ ساقط ہو گیا۔

مزدلفہ کے راستے میں نماز پڑھنے سے متعلق مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک جس نے مغرب راستے میں پڑھی تو وہ کافی نہیں ہے۔اور طلوع فجر سے پہلے تک اس پر اعادہ واجب ہے۔امام زفر اور حسن بن زیاد علیہما الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہی نماز کافی ہوگی البتہ اس نے مخالفت سنت کی وجہ سے برا کیا ہے۔حضرت امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔البتہ یہ اختلاف فقہاء احناف کے نزدیک مابین طرفین وامام ابو یوسف علیہ الرحمہ ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۵،ص ۱۱۹، حقانیہ ملتان)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شارح کلام مبین بھی ہیں اور شارع قوانین بھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تشریعی اختیار سے نویں ذی الحجہ کو وقوف عرفہ کے بعد نماز مغرب مزدلفہ میں پہنچ کر عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ اکٹھی ادا فرمائی ہے اس لئے نماز مغرب کا وقت حجاج کے حق میں سورج غروب ہونے کے بعد شروع نہیں ہوتا بلکہ مزدلفہ میں نماز عشاء کا وقت داخل ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے،اب حکم شریعت یہی کہ حجاج کرام مزدلفہ پہنچ کر عشاء کا وقت شروع ہونے کے بعد مغرب وعشاء ایک اذان،ایک اقامت کے ساتھ ادا کی نیت سے پڑھیں،تاہم ازدحام یا کسی عذر کی بناء پر اگر یہ اندیشہ ہو کہ مزدلفہ پہنچنے تک عشاء کا وقت فوت ہو جائیگا اور صبح صادق نمودار ہو جائیگی تو راستہ میں یا جہاں کہیں ہوں مغرب وعشاء ادا کر لی جائے، فقہائے کرام نے صراحت کی ہے کہ جب مغرب وعشاء کو جمع کرنے کا وقت فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو نماز اصل وقت میں ادا کرنی ضروری ہے۔

جیسا کہ مناسک ملاعلی قاری مع حاشیۃ ارشاد الساری باب احکام المزدلفۃ ص میں ھے (ولا یصلی) ای احداھما (خارج المزدلفۃ) ای مطلقا (الا اذا خاف طلوع الفجر فیصلی) ای فیہ کما فی نسخہ (حیث ھو) ای لضرورۃ ادراک وقت اصل الصلوۃ وفوت وقت الواجب للجمع ولو کان فی الطریق اوبعرفات اومنی ونحوھا .

اگر عشاء کا وقت ختم ہونے سے پہلے مزدلفہ پہنچ جائیں تو ضروری ہے کہ مغرب وعشاء پھر سے دہرالی جائے۔

جیسا کہ فتاوی عالمگیری ج، کتاب المناسک، الباب الخامس فی کیفیۃ اداء الحج، ھے: ولو صلی المغرب بعد غروب الشمس قبل ان یاتی المزدلفۃ فعلیہ ان یعیدھا اذا اتی بمزدلفۃ فی قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالی وکذلک لو صلی العشاء فی الطریق بعد دخول وقتھا .

حجاج کرام اس بات کا لازمی طور پر اہتمام کریں کہ جلد از جلد وقوف واجب کے لئے مزدلفہ پہنچیں، وقوف مزدلفہ صبح صادق سے طلوع آفتاب سے پہلے تک ایک لمحہ کے لئے ہی کیوں نہ ہو واجب ہے اگر اس کو ترک کر دیا جائے تو دم دینا لازم ہے، جو حاجی

صاحبان وقوف عرفہ کے بعد راہ بھٹکنے کی وجہ یا ٹریفک کی مجبوری کے باعث طلوع آفتاب سے پہلے تک مزدلفہ نہ پہنچ سکیں ان پر ترک واجب کے سبب دم دینا لازم ہے۔

دسویں ذوالحج میں فجر کو اندھیرے میں پڑھنے کا بیان:

قَالَ (وَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ يُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الْفَجْرَ بِغَلَسٍ) لِرِوَايَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّاهَا يَوْمَئِذٍ بِغَلَسٍ) وَلِأَنَّ فِي التَّغْلِيسِ دَفْعَ حَاجَةِ الْوُقُوفِ فَيَجُوزُ كَتَقْدِيمِ الْعَصْرِ بِعَرَفَةَ

ترجمہ:

فرمایا: اور جب فجر طلوع ہو جائے تو امام لوگوں کو فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھائے۔کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس دن اندھیرے میں نماز پڑھائی۔(بخاری، مسلم) اور یہ بھی دلیل ہے کہ اندھیرے میں نماز پڑھنا وقوف کی ضرورت کو پورا کرنے والا ہے لہذا یہ اسی طرح جائز ہوگا جس طرح عرفہ میں عصر کو مقدم کرنا جائز ہے۔

شرح

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی نماز اپنے وقت کے علاوہ کسی اور وقت میں پڑھی ہو سوائے دو نمازوں کے کہ وہ مغرب وعشاء کی ہیں جو مزدلفہ میں پڑھی گئی تھیں (یعنی مزدلفہ میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھی) اور اس دن (یعنی مزدلفہ میں قربانی کے دن) فجر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقت سے پہلے پڑھی تھی۔(بخاری ومسلم)

یہاں صرف مغرب وعشاء کی نمازوں کو ذکر کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت پڑھی، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفات میں ظہر وعصر کی نماز بھی ایک ساتھ اسی طرح پڑھی تھی کہ عصر کی نماز مقدم کر کے ظہر کے وقت ہی پڑھ لی گئی تھی، لہٰذا یہاں ان دونوں نمازوں کو اس سبب سے ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ دن کا وقت تھا، سب ہی جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کی نماز کو مقدم کر کے ظہر کے وقت پڑھا ہے اس لئے اس کو بطور خاص ذکر کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

فجر کی نماز وقت سے پہلے پڑھی کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن فجر کی نماز وقت معمول یعنی اجالا پھیلنے سے پہلے تاریکی ہی میں پڑھ لی تھی، یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کے وقت سے پہلے پڑھی تھی کیونکہ تمام ہی علماء کے نزدیک فجر کی نماز، فجر سے پہلے پڑھنی جائز نہیں ہے۔

الذھاب من مزدلفۃ عند المذاھب الاربعۃ:

لا نعلم خلافا في أن السنة الدفع قبل طلوع الشمس وذلك لأن النبي صلى الله عليه و سلم كان يفعله (قال عمر : إن المشركين كانوا لا يفيضون حتى تطلع الشمس ويقولون : أشرق ثبير كيما نغير وإن رسول الله صلى لله عليه وسلم خالفهم فأفاض قبل أن تطلع الشمس) رواه البخاري والسنة أن يقف حتى يسفر جدا وبهذا قال الشافعي وأصحاب الرأي وكان مالك يرى الدفع قبل الاسفار

ولنا ما روى جابر (أن النبي صلى الله عليه و سلم لم يزل واقفا حتى أسفر جدا فدفع قبل أن تطلع الشمس) وعن نافع أن ابن الزبير أخر في الوقت حتى كادت الشمس تطلع قال ابن عمر : إني أراه يريد أن يصنع كما يصنع أهل الجاهلية فدفع ودفع الناس معه وكان ابن مسعود يدفع كانصراف القوم المسفرين من صلاة الغداة انصرف ابن عمر حين أسفر وأبصرت الإبل موضع أخفافها ويستحب أن يسير وعليه السكينة كما ذكرنا في سيرة من عرفات (قال ابن عباس ثم أردف النبي صلى الله عليه و سلم الفضل بن عباس وقال : يا أيها الناس إن البر ليس بإيجاف الخيل والإبل فعليكم بالسكينة فما رأيتها رافعة حتى أتى منى) (المغنی، ۳، ص ۴۵۲، بیروت)

دسویں کے خطبہ میں شوافع واحناف کا اختلاف

حضرت عمرو بن احوص فرماتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا اے لوگو! بتاؤ کون سا دن سب سے زیادہ حرمت والا ہے۔ تین بار یہی فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا حج اکبر کا دن آپ نے فرمایا تمہارے خون اموال اور عزتیں تمہارے درمیان اسی طرح حرمت والی ہیں جس طرح تمہارا آج کا دن اس ماہ میں اس شہر میں حرمت والا ہے۔ غور سے سنو کوئی مجرم جرم نہیں کرتا مگر اپنی جان پر (ہر جرم کا محاسبہ کرنے والے ہی سے ہوگا دوسرے سے نہیں) باپ کے جرم کا مواخذہ والد سے ہوگا شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ کبھی بھی تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش ہو۔ لیکن بعض اعمال جنہیں تم حقیر سمجھتے ہو ان میں شیطان کی اطاعت ہوگی وہ اسی پر خوش اور راضی ہو جائے گا غور سے سنو جاہلیت کا ہر خون باطل اور ختم کر دیا گیا (اب اس پر گرفت نہ ہوگی) سب سے پہلے میں حارث بن عبد المطلب کا خون ساقط کرتا ہوں یہ بنولیث میں دودھ پیتے تھے کہ ہذیل نے ان کو قتل کر دیا (بنو ہاشم ہذیل سے ان کے خون کا مطالبہ کرتے تھے) یاد رکھو جاہلیت کا ہر سود ختم کر دیا گیا تمہیں صرف تمہارے اصل اموال (سود شامل کئے بغیر) ملیں گے نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ توجہ کروائے میری امت کیا میں نے دین پہنچا دیا؟ تین بار یہی فرمایا صحابہ نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے کہا اے اللہ گواہ رہیئے تین بار یہی فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ)

شافعیہ کے نزدیک ایام نحر کے پہلے دن یعنی دسویں ذی الحجہ کو خطبہ پڑھنا مستحب ہے، جب کہ حنفیہ کے ہاں نحر کے دوسرے دن یعنی گیارہویں ذی الحجہ کو مستحب ہے، چنانچہ حنفی مسلک کے مطابق ایک خطبہ تو ذی الحجہ کی ساتویں کو، ایک خطبہ نویں کو اور ایک خطبہ گیارہویں کو پڑھا جاتا ہے اور ان خطبات میں حج کے احکام بیان کئے جاتے ہیں جن احادیث صحیحہ میں دوسرے دن (یعنی

گیارہویں) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ حنفی مسلک کی مؤید ہیں لہٰذا اس حدیث کے بارے میں کہا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور تذکیر و نصیحت یہ خطبہ دیا ہوگا اور اصل خطبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے ہی دن ارشاد فرمایا تھا۔

نماز فجر کے بعد وقوف ودعا کرنے کا بیان:

(ثُمَّ وَقَفَ وَوَقَفَ مَعَهُ النَّاسُ وَدَعَا) لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَقَفَ فِي هَذَا الْمَوْضِعِ يَدْعُو حَتَّى رُوِيَ فِي حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا (فَاسْتُجِيبَ لَهُ دُعَاؤُهُ لِأُمَّتِهِ حَتَّى الدِّمَاءِ وَالْمَظَالِمِ)

ترجمہ:

اس کے بعد امام وقوف کرے اور لوگ بھی اس کے ساتھ وقوف کریں اور وہ دعا کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ اس مقام پر وقوف فرمایا اور دعا فرمائی یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی دعا آپ ﷺ کی امت کے حق میں قبول ہوئی حتیٰ کہ خون اور مظالم کے بارے میں بھی قبول ہوگئی۔ (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ)

دعائے خون ومظالم کے حمل کا بیان:

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفہ کی شام کو اپنی امت کے لئے بخشش کی دعا مانگی، جو قبول کی گئی اور حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو بخش دیا۔ علاوہ بندوں کے حقوق کے کہ میں ظالم سے مظلوم کا حق لوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا کہ میرے پروردگار! اگر تو چاہے تو مظلوم کو اس حق کے بدلہ میں کہ جو ظالم نے کیا ہے جنت کی نعمتیں عطا فرما دے اور ظالم کو بھی بخش دے۔ مگر عرفہ کی شام کو یہ دعا قبول نہیں کی گئی، جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر وہی دعا کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو چیز مانگی وہ عطا فرما دی گئی راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے یا راوی نے یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے۔ (یہ دیکھ کر) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میرا باپ اور میری ماں آپ پر قربان! یہ ایسا وقت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنستے نہیں تھے۔ (یعنی یہ وقت ہنسنے کا تو نہیں ہے) پھر کس چیز نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہنسایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانتوں کو ہنستا رکھے (یعنی اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، دشمن خدا ابلیس کو جب یہ معلوم ہوا کہ اللہ بزرگ و برتر نے میری دعا قبول کر لی ہے اور میری امت کو بخش دیا تو اس نے مٹی لی اور اسے اپنے سر پر ڈالنے لگا اور واویلا کرنے اور چیخنے چلانے لگا چنانچہ اس کی بدحواسی اور اضطراب نے مجھے ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

چونکہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امت کو مغفرت عام سے نوازا گیا ہے کہ حقوق اللہ بھی بخش دیئے ہیں اور حقوق العباد بھی اس لئے بہتر یہ ہے کہ حدیث کے مفہوم میں یہ قید لگا دی جائے کہ اس مغفرت عام کا تعلق ان لوگوں کے ساتھ جو اس سال حج کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، یا یہ بات اس شخص کے حق میں ہے جس کا حج مقبول ہو بایں طور کہ اس کے حج میں فسق وفجور کی کوئی بات نہ ہو۔

یا پھر یہ کہ مفہوم اس ظالم پر محمول ہے، جس کو توبہ کی توفیق ہوئی اور اس نے صدق نیت اور اخلاص کے ساتھ توبہ کی مگر حق کی واپسی سے عاجز ومعذور رہا۔ پھر یہ کہ رحمت خداوندی جسے چاہے اپنے دامن میں چھپا سکتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت اور مغفرت عام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ہر مسلمان کو حاصل ہوگی خواہ وہ صالح ہو یا گنہگار، اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے جنت میں صالح اور نیکوکار لوگوں کے تو درجات بلند کرے گا اور اکثر گنہگاروں کو بخش کر جنت میں داخل کرے گا۔ اب رہ گئے وہ لوگ جو دوزخ میں ہوں گے تو ان کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا اثر یہ ہوگا کہ ان کے عذاب میں تخفیف اور مدت عذاب میں کمی کر دی جائے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور بخشش بھی انشاء اللہ ہر مسلمان کو حاصل ہوگی خواہ وہ صالح ہو یا گنہگار۔ بایں طور کہ جنت میں صالح ونیکوکاروں کے درجات اس جزاء وانعام سے زیادہ بلند ہوں گے جس کا وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے مستحق ہوگا۔ اور فاجر وگنہگار کے حق میں اس کی مغفرت یہ ہوگی کہ یا تو انہیں اپنے فضل وکرم سے بغیر عذاب ہی کے جنت میں داخل کر دے گا یا پھر ان کے عذاب کی شدت میں کمی کر دے گا جو مغفرت ہی کی ایک نوع ہے۔

وقوف مزدلفہ کی شرعی حیثیت کا بیان:

ثُمَّ هَذَا الْوُقُوفُ وَاجِبٌ عِنْدَنَا وَلَيْسَ بِرُكْنٍ ، حَتَّى لَوْ تَرَكَهُ بِغَيْرِ عُذْرٍ يَلْزَمُهُ الدَّمُ . وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : إنَّهُ رُكْنٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ) وَبِمِثْلِهِ تَثْبُتُ الرُّكْنِيَّةُ .

وَلَنَا مَا رُوِيَ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ بِاللَّيْلِ ، وَلَوْ كَانَ رُكْنًا لَمَا فَعَلَ ذَلِكَ ، وَالْمَذْكُورُ فِيمَا تَلَا الذِّكْرُ وَهُوَ لَيْسَ بِرُكْنٍ بِالْإِجْمَاعِ ، وَإِنَّمَا عَرَفْنَا الْوُجُوبَ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ وَقَفَ مَعَنَا هَذَا الْمَوْقِفَ وَقَدْ كَانَ أَفَاضَ قَبْلَ ذَلِكَ مِنْ عَرَفَاتٍ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ) عَلَّقَ بِهِ تَمَامَ الْحَجِّ ، وَهَذَا يَصْلُحُ أَمَارَةً لِلْوُجُوبِ ، غَيْرَ أَنَّهُ إذَا تَرَكَهُ بِعُذْرٍ بِأَنْ يَكُونَ بِهِ ضَعْفٌ أَوْ عِلَّةٌ أَوْ كَانَتْ امْرَأَةٌ تَخَافُ الزِّحَامَ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ

لِمَا رَوَيْنَا .

ترجمہ:

ہمارے نزدیک یہ وقوف واجب ہے رکن نہیں ہے کیونکہ اگر حج کرنے والے نے اس کو ترک کیا تو اس پر دم لازم آئے گا۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ یہ رکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب تم عرفات سے واپس آؤ تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔ اور اس طرح کے حکم سے رکن ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اہل میں کمزوروں کو رات میں پہلے بھیج دیا اور اگر وقوف مزدلفہ رکن ہوتا تو آپ ﷺ اس طرح حکم نہ دیتے۔ اور تمہاری تلاوت کردہ آیت میں ذکر مذکور ہے جو بہ اجماع رکن نہیں ہے۔ اور وقوف مزدلفہ کا وجوب ہم نے نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے پہنچانا کہ جس نے ہمارے ساتھ اس موقف میں وقف کیا حالانکہ اس سے پہلے وہ عرفات سے ہو آیا ہو۔ تو اس کا حج مکمل ہو گیا۔ آپ ﷺ نے تمام حج کو وقوف مزدلفہ کے ساتھ معلق کیا ہے اور یہی واجب ہونے کی علامت کے قابل ہے ہاں البتہ جب حاجی نے اس کو عذر کی بناء پر ترک کیا یعنی اس وجہ سے کہ اس میں کمزوری یا بیماری یا وہ عورت جو بھیڑ سے ڈرنے والی ہو تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ اسی حدیث کی بناء پر جو ہم نے روایت کی ہے۔

وقوف مزدلفہ کے وجوب میں فقہی اختلاف کا بیان:

علامہ علی بن سلطان ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مزدلفہ کا وقوف واجب ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے ہمارے یہ وقوف مزدلفہ کیا تو اس کا حج مکمل ہو گیا ہے اس حدیث کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے اور امام طحاوی علیہ الرحمہ عروہ بن مضرس سے روایت کیا ہے اور اس کے ساتھ حج کی تکمیل کو معلق کیا ہے۔ لہذا اس سے وجوب ثابت ہوگا رکنیت ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ خبر واحد ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اہل وکمزوروں کو رات کو روانہ کر دیا۔ لہذا اگر وقوف مزدلفہ رکن ہوتا تو اہل وضعفاء وغیرہ کو رات کو ہی روانہ نہ کیا جاتا۔ لہذا اس سے لیث بن سعد کا قول بھی دور ہو گیا کیونکہ وہ کہتے ہیں رکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ھے "فَإِذَا أَفَضْتُم مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ" اس میں مامور بہ اللہ کا ذکر ہے۔ لہذا بہ اجماع وقوف مزدلفہ رکن نہ ہوا۔ کیونکہ اس کے ترک پر کچھ واجب نہیں ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے وقوف سنت ہے۔ اور مزدلفہ میں رات گزارنے کے بارے امام شافعی کے دو اقوال ہیں۔ ایک وجوب کا ہے اور ایک سنت کا ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ اور علامہ عینی نے "شرح تحفۃ الملوک" میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک وقوف مزدلفہ رکن ہونے کا قول جس کی اتباع صاحب ہدایہ نے کی ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ

صراحت کے ساتھ وہم ہے۔(شرح الوقایہ، ج ۲، ص ۳۰، بیروت)

وادی محسر کے سوا مزدلفہ سارے کا سارا وقوف ہے:

قَالَ (وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ إلَّا وَادِيَ مُحَسِّرٍ) لِمَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ .قَالَ (فَإِذَا طَلَعَتْ الشَّمْسُ أَفَاضَ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ مَعَهُ حَتَّى يَأْتُوا مِنًى) قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَصَمَهُ اللَّهُ تَعَالَى : هَكَذَا وَقَعَ فِي نُسَخِ الْمُخْتَصَرِ وَهَذَا غَلَطٌ .

وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ إذَا أَسْفَرَ أَفَاضَ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ ،لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ دَفَعَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ .

ترجمہ:

فرمایا: وادی محسر کے سوا مزدلفہ سارے کا سارا وقوف ہے۔اسی روایت کی وجہ سے جو پہلے بیان ہوچکی ہے۔فرمایا: جب سورج طلوع ہو تو امام چلے اور لوگ اس کے ساتھ چلیں یہاں تک وہ منی میں آجائیں۔عبد ضعیف عصمہ اللہ تعالی نے کہا کہ قدوری کے نسخوں میں اسی طرح ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔اور صحیح یہ ہے کہ جب خوب روشنی ہو جائے تب امام اور لوگ روانہ ہوں کیونکہ نبی کریم ﷺ سورج طلوع ہونے سے پہلے روانہ ہوئے تھے۔

حدود مزدلفہ آثار تابعین کی روشنی میں:

حضرت اثر عطاء بن ابی رباح: ابن جریج سے مروی ہے کہ میں نے عطاء بن ابی رباح سے پوچھا کہ مزدلفہ کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب تم عرفہ کے دونوں جانب پہاڑیوں کے دونوں تنگ نائے سے کوچ کرلو وہیں سے مزدلفہ وادی محسر تک ہے۔ لیکن عرفہ کے دونوں تنگنائے مزدلفہ کا حصہ نہیں ہیں، لیکن ان دونوں کا وہ حصہ جہاں سے کوچ کا آغاز ہوتا ہے وہ مزدلفہ میں شامل د داخل نہیں ہے۔

حضرت عطاء نے بتایا: جب تم عرفہ کے دونوں تنگنائے سے کوچ کر جاؤ تو تم اس میں دائیں بائیں اور جہاں بھی چاہو نزول کر سکتے ہو۔ میں نے کہا: آپ مجھے بتائیے کہ اگر میں لوگوں کی منازل سے الگ تھلگ رہوں؟ اور اس حرف (کنارہ والے حصہ میں چلا جاؤں جو عرفہ سے آنے والے کے دائیں واقع ہے اور کسی کے نزدیک نہ رہوں؟) آپ نے فرمایا: کہ اس میں کوئی کراہت نہیں سمجھتا ہوں۔(اخرجہ الفاکہی،)(والازرقی۔)وسندہ صحیح۔

حضرت حبیب بن ابی ثابت کا بیان ہے کہ عطاء بن ابی رباح سے مزدلفہ میں موقف کے متعلق استفسار کیا گیا، انہوں نے جواباً کہا: کہ بطن وادی محسر کے آگے مزدلفہ کا موقف ہے۔ان سے پوچھا گیا کہ جبل قزح تک ہے۔اس کے بعد سارا خطہ مشعر حرام ہے۔(اخرجہ الفاکہی: وسندہ صحیح)۔اپنے زمانہ میں مکہ کے اندر مفتی حرم جلیل القدر تابعی امام عطاء بن ابی رباح کے دو اہم ترین نص

ہیں۔

پہلے نص میں آپ عرفہ سے متصل مشرق سے منیٰ سے متصل مغرب تک مزدلفہ کے حدود کو بیان کیا۔آپ نے مشرق میں عرفہ کے دونوں مأزم یعنی تنگ حصہ سے وادئی محسر تک اس کی حد کو متعین کیا۔

سب سے اہم سوال اور قابل غور نکتہ یہ ہے کہ عرفہ کے دونوں مأزم سے کیا مراد ہے؟ اکثر لوگوں حتی کہ بعض اہل بحث و تحقیق حضرات کا یہ گمان ہے کہ المازمان سے مراد دو پہاڑ ہیں۔درحقیقت وہ کلمہ مأزم کے صیغہ تثنیہ سے دھوکا کھا گئے۔

مأذم کی لغوی تحقیق:

چنانچہ وہ یہ کہتے ہیں مأزمان درحقیقت وہی دونوں پہاڑ ہیں جن کا اس وقت اخشبان نام ہے جو اخشب کا تثنیہ ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ یہی گمان اور غلط فہمی ہی موجودہ حال میں مزدلفہ کے حدود کی تنگی کا سبب ہے لہٰذا اس اہم مسئلہ کی توضیح و تشریح لازم ہے اس کی وضاحت بتوفیق الٰہی حسب ذیل ہے۔

اولا: مأزمان کا معنی جبلان، دو پہاڑ سرے سے ہے ہی نہیں اس سے مراد نہ تو وہ دونوں پہاڑ ہیں جو اخشبان سے موسوم ہیں نہ ان دونوں کے علاوہ کوئی دو سے ہی دو پہاڑ مراد ہیں۔

درحقیقت مازم کا لغوی معنی و مطلب دو چیزوں کے درمیان تنگ مقام ہے خواہ دو پہاڑوں کے درمیان یا کسی وادی کے دو چھور کے درمیان ہو۔اس کو صرف لفظاً تثنیہ استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ وہ دو چیزوں کے درمیان واقع ہے۔یہی درست اور حق بات ہے، علماء لغت کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں: ابن منظور نے لسان العرب میں کہا: والمازم المضيق مثل المازل مازم کا معنی تنگ جگہ جیسے مازل۔

اس کو امام اصمعی نے بیان کیا ہے اور انہوں نے اس پر ابو مہدیہ کے قول سے استشہاد کیا: هذا طريق يأزم المآزم . وعضوات تمشق اللهازما .

والمازم: كل طريق ضيق بين جبلين : مازم، ہر وہ تنگ راستہ جو دو پہاڑوں کے مابین واقع ہو۔اسی سے ساعدہ بن جویہ ہذلی کا قول ہے: ومقامهن اذا حبسن بمأزم . ضيق الفَّ وصدهن الأخشب شاعران اونٹنیوں کی قسم کھا رہا ہے جو مأزم یعنی تنگ راہ میں روک لی گئیں۔والمأزم: جزونہ میں وادی کا تنگ راستہ (لسان العرب،)

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مازم تنگ راہ کو کہتے ہیں خواہ وہ دو پہاڑوں کے درمیان ہو خواہ وادی کے دو کناروں کے درمیان ہو۔وادی کے تنگ راستہ کو مأزم کہا جاتا ہے، بسا اوقات اسے دونوں کناروں کی وجہ سے لفظاً تثنیہ استعمال کیا جاتا ہے اور مأزمان بولا جاتا ہے۔

لسان العرب ہی میں ابن منظور رقم طراز ہیں

اور اسی معنی کے پیش نظر وہ جگہ جو المشعر الحرام اور عرفہ کے درمیان واقع ہے مأزمان سے موسوم ہے، امام اصمعی نے

فرمایا: روایت میں وارد المازم مزدلفہ اور عرفہ کے درمیان ایک تنگ راستہ ہے۔

یہ صاحب لسان العرب ابن منظور الافریقی کی صراحت ہے جس کو انہوں نے علامۃ العرب اور دیوان الأدب امام عبدالملک بن قریب الاصمعی سے نقل کیا ہے کہ المازمان درحقیقت مزدلفہ اور عرفہ کے درمیان فاصل تنگ راستہ کا نام ہے۔

یہ ہم جان چکے ہیں کہ فاصل تنگ راستہ درحقیقت وہی وادی عرفہ ہے اس کے علاوہ کچھ اور نہیں جیسا کہ صحابہ کرام کے سابقہ کلام میں اس کا بیان پہلے آچکا ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے مأزمین سے مراد عطاء بن ابی رباح اور ان کے علاوہ دوسرں کے نزدیک عرفات اور مزدلفہ کے درمیان فاصل وادی کا تنگ راستہ ہی ہے، جو نہ مزدلفہ کا حصہ ہے نہ ہی وہ عرفات کا حصہ ہے۔

ثانیاً: عطاء بن ابی رباح اور ان کے علاوہ کے سابق نص میں مازمان کی اضافت عرفہ کی طرف کی گئی ہے۔ یعنی مازمی عرفہ کہا گیا ہے۔ یہ اضافت اس لئے ہے کیونکہ مازمان اسی عرفہ سے متصل ہے اس لئے اس کی جانب اضافت درست ہے اور عرفہ سے متصل وادی عرنہ کے تنگ راستے کے سوا کچھ اور نہیں ہے اور مازمان سے یہی مراد ہے اسی لئے نبی ﷺ نے لوگوں کو متنبہ کیا کہ وہ بطن عرنہ سے دور رہیں کیونکہ وہ عرفہ سے حد درجہ قریب اور بالکل متصل اور اسی سے لگا ہوا ہے۔ اس کا احتما تھا کہ کوئی اس وادی عرنہ کو بھی عرفات کا حصہ سمجھ بیٹھے۔

ثالثاً: سابقہ معنی ومراد کی تاکید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ اگر مازمان سے مراد اخشبان نامی دو پہاڑ ہوتے تو زیادہ مناسب بات یہ ہوتی کہ ان ودنوں مازمی مزدلفہ کہا جاتا نہ کہ مازمی عرفہ اس لئے یہ دونوں پہاڑ عرفہ سے دور ہیں اور مزدلفہ سے بیحد قریب اور متصل ہیں، بلکہ ان دونوں پہاڑوں کے دونوں مغربی کنارے تو موجودہ حدود کے مطابق مزدلفہ کے اندر ہیں۔

رابعاً: اگر مازمان سے مراد اخشبان نامی دونوں پہاڑ ہی مان لیا جائے اور یہ کہ مزدلفہ کے حدود ان دونوں کے مغربی کناروں سے شروع ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں حجاج ایک بہت بڑی مسافت سے محروم رہ جاتے ہیں جو قطعی طور پر مشعر حرام کا حصہ ہے جیسا کہ اس کا بیان ہوچکا ہے واضح رہے کہ یہ مسافت انج کل بعض اطراف وجہات میں تقریبا سات کلومیٹر ہے۔ اتنی بڑی مسافت اور یہ طویل رقبہ یوں ہی بیکار اور ویران باقی رہتا ہے بلا دلیل وبرہان۔

خامساً: اس سابقہ توضیح شدہ مسئلہ کی تاکید اس طرح بھی ہوتی ہے کہ امام عطاء کے دوسرے نص مغرب سے مشرق تک مزدلفہ کی حد بیان کی گئی ہے انہوں نے مغرب میں وادی محسر کے اوپر سے اس کی حد بیان کی اور مشرق کی طرف رخ کیا ان سے کہنے والے نے کہا کہ جبل قزح تک؟ تو اس پر انہوں نے کہا اس کے بعد جو کچھ ہے وہ مشعر حرام ہے۔ اس طرح مزدلفہ کا سلسلہ مشرق میں جب تک ہم حرم خطہ میں ہوں اس تنگ وادی تک جاری رہتا ہے جو عرفہ اور مشعر حرام کے درمیان حد فاصل ہے۔ واللہ اعلم۔

سادساً: مورخ مکہ ابوالولید الازرقی نے کہا: اور نمرہ سے۔ نمرہ وہ پہاڑ ہے جس پر حرم کی علامات ہیں جو آپ کے دائیں واقع ہوتا ہے جب آپ عرفہ کے تنگ راستہ سے نکلے ہیں موقف کا ارادہ کریں اور نمرہ پہاڑ کے نیچے چار نمرات ہیں جن کا طول وعرض پانچ

گز لمبا اور چند گز چوڑا ہے۔

اس نص سے یہ بخوبی واضح ہے کہ مازمان عرفہ خود عرفہ سے بہت قریب ہے اور وہ اس نمرہ نامی پہاڑی کے بالمقابل ہے جس پر حرم کی علامات نصب ہیں جو خطہ ارض حرم کے آغاز پر دلالت کرتی ہیں۔

حدود مزدلفہ علماء وفقہاء کے اقوال کی روشنی میں:

حدود مزدلفہ کے بیان میں علماء وفقہا کے بہت سارے اقوال ہیں، جو اس مقصود پر دلالت کرتے ہیں، اس بحث میں چند علماء و فقہاء کے اقوال درج ذیل ہیں:

(۱) امام مفسر ابوجعفر محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ کا قول: امام طبری نے فرمایا: جہاں تک مشعر کا معاملہ ہے وہ تمام جگہ ہے جو مزدلفہ کے دونوں پہاڑوں کے مابین واقع ہے، عرفہ کے تنگ راستہ سے شروع ہو کر وادی محسر تک۔ البتہ عرفہ کا تنگ راستہ مشعر کا حصہ نہیں ہے۔ مأزمین عرفہ کا معنیٰ ومراد اس سے قبل بیان کیا جاچکا ہے۔

(۲) امام فقیہ ابومحمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ کا قول: امام ابن قدامہ المقدسی نے فرمایا: مزدلفہ کے تین نام ہیں: مزدلفہ، مشعر اور جمع۔ اس کی حد عرفہ کے تنگ راستہ سے لیکر قرن محسر تک ہے اس کے دائیں بائیں جو گھاٹیاں ہیں ان میں سے کسی جگہ پر حاجی وقوف کرلے اس کے لئے کافی ہوگا۔ اس کا وقوف درست ہوگا۔ البتہ یاد رہے وادی محسر مزدلفہ کا حصہ نہیں ہے۔ (المغنی ۰)۔

چنانچہ عرفہ کے تنگ رستہ سے وادی مسر تک طول وعرض تمام گھاٹیاں نشیب وفراز مقامات اور پہاڑیاں سبھی مزدلفہ ہیں جہاں مزدلفہ کا وقوف درست ہے۔

اور امام ابومحمد ابن قدامہ المقدسی کی رائے میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جس کا استثناء کیا جائے سوائے بطن وادی محسر کے۔ اور محسر انتہائی چھوٹی اور حد درجہ تنگ وادی ہے۔

اگر عرفہ سے حدود مزدلفہ تک پھیلی ہوئی وہ مسافت جو آج یوں ہی رکھ چھوڑی گئی ہے مزدلفہ کا حصہ نہیں ہے تو حد درجہ تنگ وادی محسر کے مقابلہ میں اس پر متنبہ کرنا زیادہ بہتر تھا۔

(۳) امام محی الدین یحییٰ بن اشرف النووی الشافعی رحمہ اللہ کا قول: امام نووی نے فرمایا: معلوم ہونا چاہئے کہ پورا مزدلفہ حرم ہے امام ازرقی نے تاریخ مکہ میں، امام مندنجی اور ماوردی صاحب الحاوی نے اپنی کتاب الأحکام السلطانیہ اور ہمارے شوافع میں ان دونوں کے علاوہ دیگر ائمہ نے فرمایا:

مزدلفہ کی حد وادی محسر اور عرفہ کے تنگ راستے کے مابین ہے اور دونوں حد۔ یعنی مازمی عرفہ اور بطن محسر مزدلفہ میں شامل وداخل نہیں ہے۔ آمنے سامنے آگے پیچھے کی ساری گھاٹیاں اور مذکورہ حد میں داخل تمام پہاڑیاں مزدلفہ میں داخل شمار ہوں گی۔ ہاں وادی محسر ایک ایسی جگہ ہے جو منیٰ اور مزدلفہ کے مابین حد فاصل ہے وہ دونوں میں سے کسی کا حصہ نہیں ہے۔ (المجموع شرح المہذب)

امام نووی کا یہ قول مزدلفہ پورا حرم ہے قابل غور وتدبر ہے ہیں یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ حرم عرفات کے بعد فوراً شروع ہوجاتا

ہے۔ان کا یہ قول بھی قابل تامل ہے کہ انہوں نے تمام شعاب (گھاٹیوں) اور اس سے متصل پہاڑیوں کو مزدلفہ کا حصہ بتایا ہے اور سوائے وادی محسر کے کسی بھی جگہ کا استثناء نہیں کیا، محسر نہ تو مشعر ہے نہ مزدلفہ کا حصہ ہے اور نہ منیٰ کا۔

(۴) ابن تیمیہ نے فرمایا: پورے مزدلفہ کو معشر حرام کہا جاتا ہے اور وہ مأزمان عرفہ سے بطن محسر تک دراز ہے، ہر دو مشعر کے درمیان ایک ایسی حد ہے جو دونوں ہی مشعر کا حصہ نہیں ہے، عرفہ اور مزدلفہ کے مابین بطن عرنہ اور مزدلفہ اور منیٰ کے بطن محسر حد فاصل ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: **عرفہ کلها موقف وارفعوا عن بطن عرنه و مزدلفة کلها موقف وارفعوا عن بطن محسر، مومنی کلها منحر و فجاج مکة کلها طریق (مجموع الفتاویٰ)**

اور اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے، اس نص میں ابن تیمیہ نے مزدلفہ مشعر حرام کی حد کو جیسا پہلے بھی اوروں سے منقول ہو چکا ہے۔عرفہ کے تنگ راستے سے لے کر وادی محسر تک بیان کیا ہے۔اور شیخ الاسلام نے تشریح کرتے مأزمان عرفہ کے معنی و مراد کو بیان کیا اور یہ بھی ذکر کیا ہے وہ کہاں ہے؟ اور کہاں شروع ہوتا ہے؟

آپ نے وضاحت کر کے بتلایا کہ مشعر عرفہ اور مشعر مزدلفہ کے درمیان ایک فاصل ہے جو نہ اس کا حصہ ہے نہ اس کا۔وہ حد فاصل کیا ہے؟ ابن تیمیہ نے واضح طور پر فرمایا: کہ وہ صرف بطن عرنہ کی وادی ہے نہ کہ کوئی چیز آپ نے اس پر دلالت کرنے والی حدیث سے استدلال کیا یہ امر آپ کے کلام سے بالکل واضح ہے اور اس رائے کے بالکل موافق ہے جس کو پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔والحمدللہ۔

(۵) حافظ امام ابن قیم الجوزیہ کا قول: آپ نے فرمایا: وادی محسر منی اور مزدلفہ کے درمیان ایک قدرتی حد فاصل ہے جو اس میں شامل ہے نہ اس میں۔اور وادی عرنہ عرفہ اور مشعر حرام کے درمیان ایک قدرتی حد فاصل ہے۔اس طور پر ہر دو مشعر کے درمیان ایک ایسا قدرتی حد فاصل جو دونوں کا حصہ نہیں ہے۔منیٰ: حرم کا حصہ ہے اور مشعر بھی، وادی محسر حرم کا خطہ ہے اور یہ مشعر نہیں ہے۔ اور مزدلفہ حرم بھی ہے اور مشعر بھی۔وادی عرنہ: نہ ہی مشعر ہے اور نہ حرم بلکہ حصۂ حل ہے، عرفہ حل ہے اور یہ مشعر ہے (زادالمعاد)

حافظ ابن القیم کے کلام میں بڑی وضاحت اور صراحت ہے اس میں پانچ جگہوں کا بیان ہے۔

(۱) عرفہ: یہ وہ مشعر ہے جہاں پر حجاج نویں ذوالحجہ کو وقوف کرتے ہیں یہ ارض حرم نہیں ہے بلکہ حل ہے۔(۲) عرنہ: یہ عرفہ کے مغرب ٹھیک اس کے سامنے اسی سے ملی ہوئی تنگ وادی ہے یہ مشعر نہیں ہے، وہاں پر وقوف جائز نہیں ہے، نبی ﷺ کا فرمان **وارفعوا عن بطن عرنه** وقوف عرفہ کے وقت عرنہ کی وادی سے دور رہو۔(مقدم تخرج الحدیث) یہ عرنہ حل ہے۔(۳) مردلفہ: یہ مشعر بھی ہے اور حرم بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام** (البقرۃ) اس کو عرفات سے صرف وادی عرنہ الگ کرتی ہے۔(۴) وادی محسر: یہ حرم ہے لیکن مشعر بالکل نہیں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: **وارفعوا عن بطن محسر** (تقدم تخریجه) (۵) منیٰ: یہ حرم ہے اور مشعر بھی اور اسے مزدلفہ سے صرف وادی محسر جدا کرتی ہے۔

صحابہ تابعین علماء اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول آثار و اقوال کی روشنی میں یہ امر یوں بخوبی واضح ہو جاتا ہے جس میں کسی

چوں و چرا کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

درحقیقت مشعر حرام مزدلفہ خوب کشادہ ہے اور وہ بلاشبہ مشرق میں وادی عرنہ سے شروع ہوتا ہے اور یہ وادی وہ طبعی و قدرتی حد ہے جو مزدلفہ کو عرفات سے جدا کرتی ہے اور اسی طرح مزدلفہ مغرب کی جانب وادی محسر تک دراز ہے اور یہ وادی قدرتی حد ہے جو اسے منی سے جدا کرتی ہے۔الحمدللہ یہ کافی بڑی مسافت ہے اور بڑا رقبہ ہے جس میں اللہ کی جانب سے حجاج کے لئے کافی کشادگی ہے۔

مزدلفہ سے روانگی کا وقت طلوع شمس سے پہلے ہے:

حضرت محمد بن قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایام جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے) لوگ **عرفات** سے اس وقت واپس ہوتے جب آفتاب غروب ہونے سے پہلے مردوں کے چہروں پر پگڑیوں کی طرح نظر آتا (یعنی عرفات سے **غروب** آفتاب سے پہلے چلتے) اور مزدلفہ سے طلوع آفتاب کے بعد اس وقت روانہ ہوتے جب آفتاب مردوں کے چہروں پر پگڑیوں کی طرح نظر آتا، مگر ہم عرفات سے اس وقت تک نہیں چلیں گے جب تک کہ آفتاب غروب نہ ہو جائے اور مزدلفہ سے ہم سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہوں گے کیونکہ ہمارا طریقہ بت پرستوں اور مشرکین سے مختلف ہے۔(مشکوٰۃ المصابیح)

مطلب یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں لوگ عرفات سے ایسے وقت چلتے تھے جب آفتاب آدھا تو غروب ہو چکا ہوتا اور اس کا آدھا حصہ باہر ہوتا آفتاب کی اسی صورت کو پگڑی سے مشابہت دی گئی ہے کہ آفتاب کا **آدھا** گر وہ پگڑی کی شکل کا ہوتا ہے، اسی طرح مزدلفہ سے ایسے وقت روانہ ہوتے جب آفتاب کا آدھا حصہ طلوع ہو چکا ہوتا اور آدھا حصہ **اندر رہتا**۔

صاحب مشکوٰۃ کو اس کی تحقیق نہیں ہو سکی تھی کہ یہ روایت کس نے نقل کی ہے، چنانچہ مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں **لفظ رواہ کے بعد** جگہ چھوٹی ہوئی ہے البتہ ایک دوسرے صحیح نسخہ کے حاشیہ میں لکھا ہوا ہے کہ رواہ البیهقی فی شعب الایمان و قال خطبنا وساقه نحوه ۔ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۔

پھر جہاں سے اور لوگ واپس ہوں وہیں سے تم بھی واپس ہو اور خدا سے بخشش مانگو بیشک خدا بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔"ثم" یہاں پر خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہے تاکہ ترتیب ہو جائے، گویا کہ عرفات میں ٹھہرنے والے کو حکم ملا کہ وہ یہاں سے مزدلفہ جائے تاکہ مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکے، اور یہ بھی فرما دیا کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے، جیسے کہ عام لوگ یہاں ٹھہرتے تھے البتہ قریشیوں نے فخر و تکبر اور نشان امتیاز کے طور پر یہ ٹھہرا لیا تھا کہ وہ حد حرم سے باہر نہیں جاتے تھے، اور حرم کی آخری حد پر ٹھہر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ والے ہیں اسی کے شہر کے رئیس ہیں اور اس کے گھر کے مجاور ہیں، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں ہی رک جایا کرتے تھے اور اپنا نام

حمس رکھتے تھے باقی کل عرب عرفات میں جا کر ٹھہرتے تھے اور وہیں سے لوٹتے تھے اسی لئے اسلام نے حکم دیا کہ جہاں سے عام لوگ لوٹتے ہیں تم وہی سے لوٹا کرو،

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت مجاہد، حضرت عطاء، حضرت قتادہ، حضرت سدی رضی اللہ عنہم وغیرہ یہی فرماتے ہیں، امام ابن جریر بھی اسی تفسیر کو پسند کرتے ہیں اور اسی پر اجماع بتاتے ہیں، مسند احمد میں ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا اونٹ عرفات میں گم ہوگیا میں اسے ڈھونڈنے کے لئے نکلا تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہاں ٹھہرے ہوئے دیکھا کہنے لگا کیا بات ہے کہ یہ حمس ہیں اور پھر یہاں حرم کے باہر آ کر ٹھہرے ہیں،

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ افاضہ سے مراد یہاں مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے منی کو جاتا ہے، واللہ اعلم، اور الناس سے مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں، بعض کہتے ہیں مراد امام ہے، ابن جریر فرماتے ہیں اگر اس کے خلاف اجماع کی حجت نہ ہوتی تو یہی قول رائج رہتا۔ پھر استغفار کا ارشاد ہوتا ہے جو عموماً عبادات کے بعد فرمایا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرض نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے (تفسیر ابن کثیر)

جمرہ عقبہ سے رمی کی ابتداء کرنے کا بیان:

قَالَ (فَيَبْتَدِءُ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَيَرْمِيهَا مِنْ بَطْنِ الْوَادِي بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ مِثْلَ حَصَى الْخَذْفِ) لِأَنَّ (النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَتَى مِنًى لَمْ يُعَرِّجْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ)، وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (عَلَيْكُمْ بِحَصَى الْخَذْفِ لَا يُؤْذِي بَعْضُكُمْ بَعْضًا).

وَلَوْ رَمَى بِأَكْبَرَ مِنْهُ جَازَ لِحُصُولِ الرَّمْيِ، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَرْمِي بِالْكِبَارِ مِنْ الْأَحْجَارِ كَيْ لَا يَتَأَذَّى بِهِ غَيْرُهُ (وَلَوْ رَمَاهَا مِنْ فَوْقِ الْعَقَبَةِ أَجْزَأَهُ) لِأَنَّ مَا حَوْلَهَا مَوْضِعُ النُّسُكِ، وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَكُونَ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي لِمَا رَوَيْنَا

(وَيُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ) كَذَا رَوَى ابْنُ مَسْعُودٍ وَابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ (وَلَوْ سَبَّحَ مَكَانَ التَّكْبِيرِ أَجْزَأَهُ) لِحُصُولِ الذِّكْرِ وَهُوَ مِنْ آدَابِ الرَّمْيِ (وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا) لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَقِفْ عِنْدَهَا (وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ مَعَ أَوَّلِ حَصَاةٍ) لِمَا رَوَيْنَا عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

وَرَوَى جَابِرٌ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ التَّلْبِيَةَ عِنْدَ أَوَّلِ حَصَاةٍ رَمَى بِهَا

جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ). ثُمَّ كَيْفِيَّةُ الرَّمْيِ أَنْ يَضَعَ الْحَصَاةَ عَلَى ظَهْرِ إبْهَامِهِ الْيُمْنَى وَيَسْتَعِينُ بِالْمُسَبِّحَةِ. وَمِقْدَارُ الرَّمْيِ أَنْ يَكُونَ بَيْنَ الرَّامِي وَبَيْنَ مَوْضِعِ السُّقُوطِ خَمْسَةُ أَذْرُعٍ فَصَاعِدًا، كَذَا رَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ مَا دُونَ ذَلِكَ يَكُونُ طَرْحًا. وَلَوْ طَرَحَهَا طَرْحًا أَجْزَأَهُ لِأَنَّهُ رَمَى إلَى قَدَمَيْهِ إلَّا أَنَّهُ مُسِيءٌ لِمُخَالَفَتِهِ السُّنَّةَ، وَلَوْ وَضَعَهَا وَضْعًا لَمْ يُجْزِهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِرَمْيٍ، وَلَوْ رَمَاهَا فَوَقَعَتْ قَرِيبًا مِنْ الْجَمْرَةِ يَكْفِيهِ لِأَنَّ هَذَا الْقَدْرَ مِمَّا لَا يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ، وَلَوْ وَقَعَتْ بَعِيدًا مِنْهَا لَا يُجْزِيهِ لِأَنَّهُ لَمْ يُعْرَفْ قُرْبَةً إلَّا فِي مَكَانٍ مَخْصُوصٍ.

ترجمہ:

امام قدوری علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس کے بعد وہ جمرہ عقبہ سے شروع کرے۔ پس وہ وادی بطن سے اس پر ٹھیکری کی طرح سات کنکریاں پھینکے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ جب منیٰ تشریف لائے تو کسی چیز پر توقف نہیں کیا حتیٰ کہ جمرہ عقبہ کی رمی فرمائی۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: تم پر کنکریاں مارنا لازم ہے البتہ تمہارے بعض کو بعضوں سے تکلیف نہ ہو۔ (طبرانی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مسلم)

اور اگر حج کرنے والے نے انگلی کے پورے سے بڑی کنکری پھینکی تو جائز ہے اس لئے کہ اس طرح بھی رمی حاصل ہوگئی۔ ہاں البتہ دوسروں کو اذیت پہنچانے سے بچنے کیلئے بڑا پتھر نہ پھینکے۔ اور اگر اس نے عقبہ کے اوپر سے رمی کی تو وہ بھی کافی ہے۔ کیونکہ جمرہ کے گرد ونواح میں مقام نسک ہے اور ہماری روایت کردہ حدیث کی بنیاد پر وادی کے اوپر سے رمی کرنا افضل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق ہر کنکری مارنے کے ساتھ تکبیر کہے۔ اور اگر اس نے تکبیر کے مقام پر تسبیح پڑھی تو بھی کافی ہے کیونکہ اللہ کا ذکر اس طرح بھی حاصل ہوگیا۔ اور اللہ ذکر کرنا یہ رمی کے آداب میں سے ہے۔

نبی کریم ﷺ جمرہ عقبہ کے پاس نہیں ٹھہرے تھے اور وہ پہلی تسبیح کے ساتھ ہی تلبیہ ختم کردے اسی حدیث کی بناء پر جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہم تک پہنچی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب جمرہ عقبہ کی رمی فرمائی تو آپ ﷺ نے پہلی کنکری کے وقت تلبیہ ختم کردیا تھا۔ (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، بخاری)

اس کے بعد کنکری پھینکنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کنکری کو اپنے دائیں انگوٹھے کی پشت پر رکھے اور شہادت کی انگلی کی مدد کے ساتھ رمی کرے۔ اور رمی کی مقدار یہ ہے کہ پھینکنے والے سے گرنے کی جگہ تک پانچ ہاتھ کا فاصلہ ہو۔ حضرت امام حسن علیہ الرحمہ نے حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس نے اس کم کیا تو وہ ڈالنا ہے۔ اور اگر وہ کنکری رکھے تو

یا کفایت کرنے والا نہ ہوگا کیونکہ یہ رمی نہیں ہے۔

اور اگر اس نے رمی کی اور جمرہ کے قریب گری تو اس کیلئے کافی ہے کیونکہ اتنی مقدار سے بچنا ممکن نہیں ہے اور اگر وہ جمرہ سے دور گری تو کافی نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس طرح اس کی عبادت پہچانی نہ گئی ہاں البتہ ایک خاص مقام تک ہے۔

رمی جمرات کا مفہوم:

جمار دراصل سنگریزوں اور کنکریوں کو کہتے ہیں اور جمار ج ان سنگریزوں اور کنکریوں کا نام ہے جو مناروں پر مارے جاتے ہیں اور جن مناروں پر کنکریاں ماری جاتی ہیں انہیں جمار کی مناسبت سے جمرات کہتے ہیں۔

جمرات یعنی وہ منارے، جن پر کنکریاں پھینکی جاتی ہیں تین ہیں۔(۱) جمرہ اولیٰ۔(۲) جمرہ وسطی۔(۳) مرہ عقبہ۔ یہ تینوں جمرات منیٰ میں واقع ہیں اور بقر عید کے روز یعنی دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ پر کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، پھر گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں کو تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا واجب ہے۔

رمی جمار کرنے کے وقت میں مذاہب فقہاء:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے دن کو چاشت کے وقت (یعنی زوال سے پہلے) منارے پر کنکریاں پھینکیں اور بعد کے دنوں میں دوپہر ڈھلنے کے بعد کنکریاں پھینکیں۔(بخاری ومسلم)

ضحیٰ دن کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو طلوع آفتاب کے بعد سے زوال آفتاب سے پہلے تک ہوتا ہے، بعد کے دنوں سے مراد ایام تشریق یعنی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخیں ہیں۔ ان دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زوال آفتاب کے بعد رمی کی۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ دوسرے دن یعنی گیارہویں تاریخ کو رمی جمار کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہوتا ہے اسی طرح تیسرے دن یعنی بارہویں تاریخ کو بھی رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اب اس کے بعد اگر کوئی شخص مکہ جانا چاہے تو وہ تیرہویں تاریخ کو طلوع فجر سے پہلے جا سکتا ہے اور اگر طلوع فجر کے بعد مکہ جانا چاہے گا تو پھر اس پر اس دن کی رمی جمار واجب ہو جائے گی اب اس کے لئے رمی جمار کئے بغیر مکہ جانا درست نہیں ہوگا ہاں اس دن یعنی تیرہویں تاریخ کو زوال آفتاب سے پہلے بھی رمی جمار جائز ہو جائے گی۔

اس موقع پر ایک یہ مسئلہ بھی جان لیجئے کہ اگر کوئی شخص کنکریاں مناروں پر پھینکے نہیں بلکہ ان پر ڈال دے تو یہ کافی ہو جائے گا مگر یہ چیز غیر پسندیدہ ہوگی بخلاف مناروں پر کنکریاں رکھ دینے کے کہ یہ اس طرح کافی بھی نہیں ہوگا۔

حدیث پاک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو پہلے سے روانہ کر دیا اور ان سے فرمایا کہ رمی جمرہ عقبہ آفتاب طلوع ہونے کے بعد ہی کرنا، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے کہ رمی جمرہ عقبہ کا وقت دسویں ذی الحجہ کو

سورج نکلنے کے بعد شروع ہوتا ہے لیکن بعض روایت میں یہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے بس اتنا ہی فرمایا تھا کہ جاؤ اور رمی جمرہ عقبہ کرو، اس روایت میں طلوع آفتاب کی قید نہیں ہے، چنانچہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد نے اسی روایت پر عمل کیا کہ ان کے ہاں رمی جمرہ عقبہ کا وقت نصف شب کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔

رمی جمار کے واسطے کنکریاں مزدلفہ یا راستہ سے لے لی جائیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے جو (مزدلفہ سے منیٰ آتے ہوئے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، بیان کیا کہ جب عرفہ کی شام کو (عرفات سے مزدلفہ آتے ہوئے) اور مزدلفہ کی صبح کو (مزدلفہ سے منیٰ جاتے ہوئے) لوگوں نے سواریوں کو تیزی سے ہانکنا اور مارنا شروع کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اطمینان وآہستگی کے ساتھ چلنا تمہارے لئے ضروری ہے اور اس وقت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی کو روکے ہوئے بڑھا رہے تھے، یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی محسر میں جو منیٰ (کے قریب مزدلفہ کے آخری حصہ) میں ہے پہنچے تو فرمایا کہ تمہیں (اس میدان سے) خذف کی کنکریاں اٹھا لینی چاہئیں جو جمرہ (یعنی مناروں) پر ماری جائیں گی۔ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمی جمرہ تک برابر لبیک کہتے رہے تھے (یعنی جمرہ عقبہ پر پہلی کنکری ماری تو لبیک کہنا موقوف کر دیا)۔(مسلم)

عرفہ کے دن شام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میدان عرفات سے مزدلفہ کو چلے تو اس وقت حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔

خذف اصل میں تو چھوٹی کنکری یا کھجور کی گٹھلی دونوں شہادت کی انگلیوں میں رکھ کر پھینکنے کو کہتے ہیں۔ اور یہاں خذف کی مانند کنکریوں سے مراد یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں جو چنے کے برابر ہوتی ہیں یہاں سے اٹھا لو جو رمی جمار کے کام آئیں گی۔

اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ رمی جمار کے واسطے کنکریاں مزدلفہ سے روانگی کے وقت وہیں سے یا راستہ میں سے اور یا جہاں سے جی چاہے لے لی جائیں ہاں جمرہ کے پاس سے وہ کنکریاں نہ لی جائیں جو جمرہ پر ماری جا چکی ہیں کیونکہ یہ مکروہ ہے ویسے اگر کوئی شخص جمرہ کے پاس ہی سے پہلے پھینکی گئی کنکریاں اٹھا کر مارے تو یہ جائز تو ہو جائے گا مگر خلاف اولیٰ ہوگا۔ چنانچہ شمنی نے شرح نقایہ میں لکھا ہے کہ ان کنکریوں سے رمی کافی ہو جائے گی مگر ایسا کرنا برا ہے۔

اس بارے میں بھی اختلافی اقوال ہیں کہ کنکریاں کتنی اٹھائی جائیں؟ آیا صرف اسی دن رمی جمرہ عقبہ کے لئے سات کنکریاں اٹھائی جائیں یا ستر کنکریاں اٹھائی جائیں جن میں سات تو اسی دن رمی جمرہ عقبہ کے کام آئیں اور تریسٹھ بعد کے تینوں دنوں میں تینوں جمرات پر پھینکی جائیں گی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (منیٰ کے لئے) مزدلفہ سے چلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفتار میں سکون و وقار تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے لوگوں کو بھی سکون واطمینان کے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ ہاں

میدان محسر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹنی کو تیز رفتاری کے ساتھ گزارا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ خذف کی کنکریوں جیسی (یعنی چنے کی برابر) سات کنکریوں سے رمی کریں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) یہ بھی فرمایا کہ شاید اس سال کے بعد میں تمہیں نہیں دیکھوں گا۔ (صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ) میں نے یہ حدیث بخاری و مسلم میں تو پائی نہیں۔ ہاں ترمذی میں یہ حدیث کچھ تقدیم وتاخیر کے ساتھ مذکور ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ یہ سال میری دنیاوی زندگی کا آخری سال ہے، آئندہ سال میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا، اس لئے تم لوگ مجھ سے دین کے احکام اور حج کے مسائل سیکھ لو۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس حج کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے کہ اسی حج کے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کے احکام پورے طور پر لوگوں تک پہنچا دیئے اور اپنے صحابہ کو رخصت وودداع کیا، پھر اگلے سال یعنی بارہ ہجری کے ماہ ربیع الاول میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا۔

صاحب مشکوٰۃ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ صاحب مصابیح نے اس حدیث کو پہلی فصل میں نقل کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیحین یعنی بخاری ومسلم کی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ترمذی کی روایت ہے۔ اس لئے صاحب مصابیح کو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ اس روایت کو پہلی فصل کی بجائے دوسری فصل میں نقل کرتے۔ اگرچہ اس صورت میں تقدیم وتاخیر کا اعتراض پھر بھی باقی رہتا۔

رمی جمار کے وقت تکبیر کہنے کا بیان:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ (رمی کے لئے) جمرہ کبریٰ (یعنی جمرہ عقبہ) پر پہنچے تو (اس طرح کھڑے ہوئے کہ) انہوں نے خانہ کعبہ کو اپنی بائیں طرف کیا اور منیٰ کو دائیں طرف اور پھر انہوں نے سات کنکریاں (اس طرح) پھینکیں کہ ہر کنکری پھینکتے ہوئے تکبیر کہتے تھے، پھر انہوں نے فرمایا کہ اسی طرح اس ذات گرامی (یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پھینکی ہیں جس پر سورہ بقرہ نازل ہوئی ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جمرہ عقبہ پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ خانہ کعبہ تو ان کی بائیں سمت میں تھا اور منیٰ دائیں سمت لیکن دوسرے جمرات پر اس طرح کھڑا ہونا مستحب ہے کہ منہ قبلہ کی طرف ہو۔

رمی جمرہ میں سات کنکریاں پھینکی جاتی ہیں اور ہر کنکری پھینکتے ہوئے تکبیر کہی جاتی ہے چنانچہ بیہقی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر کنکری کے ساتھ اس طرح تکبیر کہتے تھے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر دعا (اللھم اجعلہ حجا مبرورا وذنبا مغفوراً وعملا مشکورا) ۔

یوں تو پورا قرآن ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے لیکن اس موقع پر خاص طور پر سورہ بقرہ کا ذکر اس مناسبت سے کیا گیا ہے کہ اس سورت میں حج کے احکام وافعال مذکور ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مناروں پر

کنکریاں مارنا اور صفا اور مروہ کے درمیان پھرنا ذکر اللہ کے قیام کے لئے ہے (ترمذی، دارمی) امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ظاہری طور پر یہ فعل ایسے ہیں کہ ان کا عبادت ہونا معلوم نہیں ہوتا اس لئے فرمایا کہ یہ دونوں فعل اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لئے مقرر ہوئے ہیں، چنانچہ یہ معلوم ہی ہے کہ ہر کنکری مارتے وقت تکبیر سنت اور سعی کے دوران وہ دعائیں پڑھنا بھی سنت ہے جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

رمی کی کنکریوں میں کمی یا زیادتی کرنے کا بیان:

رمی جمار حج کے واجبات سے ہے، جن جمرات کی رمی کی جاتی ہے ان میں سے ہر ایک کی رمی کے وقت سات کا عدد پورا کرنا رمی کا رکن ہے، تاہم چار یا اس سے زیادہ کنکریاں مارنے سے بھی یہ رکن ادا ہو جاتا ہے، تین یا اس سے کم کنکریاں ماری جائیں تو رمی کا رکن ادا نہیں ہوتا، اسی لئے اگر کسی حاجی صاحب نے تین یا اس سے کم کنکریاں ماری ہوں تو ان پر دم واجب ہوگا جس طرح مطلقاً رمی نہ کرنے والے پر واجب ہوتا ہے، اگر وہ دوبارہ سات کنکریاں مار لیں تو دم واجب نہ ہوگا، اس طرح چار یا اس سے زائد کنکریاں ماری جائیں تو رمی کا رکن ادا ہو جائے گا اور دم واجب نہ ہوگا، تاہم جتنی کنکریاں کم ہونگی ہر ایک کے بدلہ صدقہ واجب ہوگا۔

صدقہ کی مقدار گیہوں دینے کی صورت میں آدھا صاع یعنی سوا کلو اور جو یا کھجور دینا چاہیں تو ایک صاع یعنی ڈھائی کلو ہے ،ایک صاع 2کلو 212، گرام کے برابر ہوتا ہے اور آدھا صاع ایک کلو 104، گرام کے معادل ہوتا ہے، بطور احتیاط آدھے صاع کیلئے سوا کلو اور ایک صاع کیلئے ڈھائی کلو صدقہ کرنا چاہئیے۔ شمالی ہند کے علماء کے پاس آدھا صاع ایک کلو 590، گرام اور ایک صاع تین کلو، 180، گرام ہوتا ہے۔

اگر کسی شخص کو اس امر میں شک ہو کہ اس نے چھ کنکریاں ماری ہیں یا سات، اور شک دور کرنے کیلئے اس نے ایک اور کنکری ماری جبکہ وہ سات کنکریاں مار چکا تھا تو کوئی حرج نہیں بالارادہ سات سے زائد کنکریاں مارنا مکروہ تنزیہی ہے۔

جیسا کہ مناسک ملا علی قاری مع حاشیہ ارشاد الساری، فصل فی احکام الرمی وشرائطہ وواجباتہ، ص275، میں ہے: (التاسع اتمام العدد او اتیان اکثرہ) وفیہ ان ھذا رکن الرمی لاشرطہ (فلو نقص الاقل منھا) ای من السبعۃ بان رمی اربعۃ وترک ثلاثۃ اواقل (لزمہ جزاؤہ) ای کماسیاتی (مع الصحۃ) ای مع صحۃ رمیہ لحصول رکنہ (ولو ترک الاکثر) ای بان رمی ثلاثۃ او اقل (فکانہ لم یرم) ای حیث انہ یجب علیہ دم کما لو ترک الکل

نیز اس کے ص 277، میں ھے: (ولو رمی اکثر من سبعۃ یکرہ) ای اذا رماہ عن قصد واما اذا شك فی السابع ورماہ وتبین انہ ثامن فانہ لایضرہ ھذا ۔ صدقہ کے متعلق ص 436، میں ہے: (فالمراد نصف صاع من بر او صاع من غیرہ) کالتمر والشعیر ۔

رمی کی نیابت میں اہل تشیع کا نظریہ:

مسئلہ۱۰۲۰۔ جیسا کہ پہلے بھی اشارہ ہوا جو لوگ عذر کی وجہ سے دن میں رمی نہیں کر سکتے ہیں شب میں رمی کریں اور اگر شب میں بھی اس سے عاجز ہیں یا خوف خطر اور ضرر ہو کسی کو نائب کریں تا کہ دن میں ان کی جگہ رمی کرے۔

مسئلہ۱۰۲۱۔ رمی دوسرے طبقہ سے بلا مانع ہے، مخصوص بوقت از دحام، اور یہ کام نائب اختیار کرنے پر مقدم ہے۔

مسئلہ۱۰۲۲۔ لازم ہے کوئی شخص بچوں، بیماروں اور ان لوگوں کی نیابت میں جو عذر کی وجہ سے بنفس نفیس رمی نہیں کر سکتے ہیں، رمی جمرات انجام دے، البتہ یہ کام لازم ہے ان افراد کی اجازت سے ہو اور غیر ممیّز بچوں کے سلسلے میں ان کے ولی کی اجازت شرط ہے کہ ان کے اذن سے یہ کام ان کی نیابت میں انجام دے۔

مسئلہ۱۰۲۳۔ اگر نائب کے رمی جمرات کرنے کے بقد بیمار اچھا ہو جائے لازم نہیں ہے رمی کو دوبارہ خود انجام دے۔ لیکن اس شخص کے سلسلے میں جو بیہوش تھا. چونکہ اجازت کی ضرورت ہے (اور نائب نے اس کی اجازت کے بغیر یہ کام کیا ہے) احتیاط یہ ہے کہ خود دوبارہ انجام دے۔ لیکن اگر نائب کے رمی کرنے کے درمیان مریض اچھا ہو جائے یا بیہوش ہوش میں آ جائے، لازم ہے خود از سرنو بجالائے اور جس قدر نائب نے انجام دیا ہے اس پر اکتفا نہ کرے (توضیح المسائل، نیابت رمی)

ایک ہی مرتبہ سات کنکریاں پھینکنے کا حکم:

وَلَوْ رَمَى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ جُمْلَةً فَهَذِهِ وَاحِدَةٌ لِأَنَّ الْمَنْصُوصَ عَلَيْهِ تَفَرُّقُ الْأَفْعَالِ ، وَيَأْخُذُ الْحَصَى مِنْ أَيِّ مَوْضِعٍ شَاءَ إلَّا مِنْ عِنْدِ الْجَمْرَةِ فَإِنَّ ذَلِكَ يُكْرَهُ لِأَنَّ مَا عِنْدَهَا مِنْ الْحَصَى مَرْدُودٌ ، هَكَذَا جَاءَ فِي الْأَثَرِ فَيَتَشَاءَمُ بِهِ ، وَمَعَ هَذَا لَوْ فَعَلَ أَجْزَأَهُ لِوُجُودِ فِعْلِ الرَّمْيِ .

وَيَجُوزُ الرَّمْيُ بِكُلِّ مَا كَانَ مِنْ أَجْزَاءِ الْأَرْضِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ فِعْلُ الرَّمْيِ وَذَلِكَ يَحْصُلُ بِالطِّينِ كَمَا يَحْصُلُ بِالْحَجَرِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا رَمَى بِالذَّهَبِ أَوْ الْفِضَّةِ لِأَنَّهُ يُسَمَّى نِثَارًا لَا رَمْيًا .

ترجمہ:

اور اگر اس نے ایک ہی مرتبہ سات کنکریاں پھینک دیں تو وہ ایک ہی کنکری شمار ہوگی۔ کیونکہ اس حکم میں نص فعل کا الگ الگ کرنا ہے۔ جمرہ کے سوا جہاں سے چاہے وہ کنکریاں پکڑے گا کیونکہ جمرہ کنکریاں پکڑنا مکروہ ہے۔ اس لئے جمرہ کے پاس جو کنکریاں ہیں وہ پھینکی گئی ہیں۔ اس بارے میں اثر بھی اسی طرح بیان ہوا ہے لہذا ان کے لینے میں نحوست ہوگی۔ لیکن اس کے باوجود اگر وہ اس طرح کرتا ہے تو اس کیلئے کافی ہوگا کیونکہ رمی کا فعل پایا جا رہا ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک ہر چیز جو زمین کی جنس سے ہے اس سے رمی کرنا جائز ہے۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ اصل مقصد پھینکنا ہے یہ جس طرح پتھر سے حاصل ہو جاتا ہے اسی طرح مٹی سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ بہ خلاف اس کے کہ جب کوئی سونے یا چاندی کے ساتھ رمی کرے۔ کیونکہ اس کا یہ عمل بکھیرنا کہلائے گا اس کا یہ عمل رمی کرنا نہیں کہلائے گا۔

شرح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عقبہ کی صبح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چھوٹی چھوٹی کنکریاں چن لاؤ، میں چھوٹی چھوٹی سات کنکریاں چن لایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا: ہاں ایسی ہی کنکریاں مارو۔ پھر فرمایا: اے لوگو! تم دین میں زیادتی سے بچو کیونکہ تم سے پہلی اُمتیں دین میں زیادتی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ (ابن ماجہ، السنن، کتاب المناسك، باب قدر حصى الرمى، 3:480، رقم(3029)

اس لئے رمی کرنے والے کو چاہئے کہ وہ راہِ اعتدال اختیار کرتے ہوئے چھوٹی کنکریاں مارے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوبیا کے دانہ کے برابر چھوٹی کنکریاں ماریں اور لوگوں سے فرمایا کہ لوبیا کے دانہ کے برابر کنکریاں حاصل کرو تا کہ جمرہ کو رمی کی جا سکے۔ لہٰذا لکڑی، جوتے یا بڑے کنکر مارنے سے گریز کرے کیونکہ ایسا کرنے سے نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ لکڑی، جوتا یا بڑا کنکر کسی شخص کو بھی لگ سکتا ہے اور شدید نقصان کا موجب بن سکتا ہے۔ اسی لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر معاملہ میں اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا ہے۔

جمرات پر ٹھہرنے کے جواز وعدم جواز کا بیان:

حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پہلے دونوں مناروں کے نزدیک بہت دیر تک ٹھہرتے اور (وہاں اللہ کی تکبیر، اللہ کی تسبیح اور اللہ کی تحمید میں مشغول رہتے، نیز (ہاتھ اٹھا کر) اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے اور جمرہ عقبہ کے پاس نہیں ٹھہرتے تھے۔ (مالک)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے دن آخری حصہ میں اس وقت فرض طواف کیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی اس کے بعد منیٰ میں واپس آ گئے اور منیٰ میں ایام تشریق (یعنی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخوں) کی راتیں بسر کیں، ان ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمروں پر اس وقت کنکریاں مارتے جب دو پہر ڈھل جاتی ہر جمرہ پر سات سات کنکریاں مارتے، ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہتے اور پہلے دوسرے، جمرہ (یعنی جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطی) دعا و اذکار کے لئے دیر تک ٹھہرتے اور اس وقت مختلف دعاؤں اور عرض حاجات کے لئے تضرع اختیار کرتے اور پھر جب تیسرے جمرہ یعنی جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارتے تو اس کے پاس نہ ٹھہرتے۔ (ابوداود)

یہ حدیث اس بات کی صریح دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دسویں ذی الحجہ کو ظہر کی نماز مکہ میں پڑھی منیٰ میں

نہیں پڑھی تھی۔

فلا یقف عندھا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمرہ عقبہ کے پاس یا اس کے بعد ذکر ودعا نہیں کرتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح دعا واذکار کے لئے جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ کے پاس دیر تک کھڑے رہتے تھے اس طرح دعا واذکار کے لئے جمرہ عقبہ کے پاس کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ وہاں چلتے چلتے ہی دعا وغیرہ کرلیا کرتے تھے۔

پہلے دونوں مناروں سے مراد جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب ان دونوں جمروں پر رمی کر چکتے تو وہاں ٹھہر کر دعا وغیرہ میں مشغول رہتے، چنانچہ ان جمرات پر وقوف کرنا اور وقوف کے دوران دعا وزاری اور تسبیحات وغیرہ میں مشغول رہنا مسنون ہے۔ مدت وقوف کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ ان جمرات پر اتنی دیر تک ٹھہرنا چاہئے جتنی دیر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ ویسے بعض اہل اللہ کے بارے میں تو یہ منقول ہے کہ وہ ان جمرات پر اتنی دیر تک کھڑے رہے ہیں کہ ان کے پاؤں ورم کر گئے تھے۔

اور جمرہ عقبہ کے پاس نہیں ٹھہرتے تھے کا مطلب یہ ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد دعا کے لئے اس جمرہ پر نہ تو قربانی کے دن ٹھہرتے تھے اور نہ دوسرے ہی دنوں میں وقوف کرتے تھے تاہم اس سے دعا کا بالکل ترک کرنا لازم نہیں آتا۔ باب النحر میں دو روایت آئے گی جس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ وضاحت کی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

ذبح، حلق اور قصر کروانے کا بیان:

قَالَ (ثُمَّ يَذْبَحُ إنْ أَحَبَّ ثُمَّ يَحْلِقُ أَوْ يُقَصِّرُ) لِمَا رُوِىَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ (إنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نَرْمِيَ ثُمَّ نَذْبَحَ ثُمَّ نَحْلِقَ) وَلِأَنَّ : الْحَلْقَ مِنْ أَسْبَابِ التَّحَلُّلِ ، وَكَذَا الذَّبْحُ حَتَّى يَتَحَلَّلَ بِهِ الْمُحْصَرُ فَيُقَدَّمُ الرَّمْيَ عَلَيْهِمَا ، ثُمَّ الْحَلْقُ مِنْ مَحْظُورَاتِ الْإِحْرَامِ فَيُقَدَّمُ عَلَيْهِ الذَّبْحُ ، وَإِنَّمَا عَلَّقَ الذَّبْحَ بِالْمَحَبَّةِ لِأَنَّ الدَّمَ الَّذِي يَأْتِي بِهِ الْمُفْرِدُ تَطَوُّعٌ وَالْكَلَامُ فِي الْمُفْرِدِ

ترجمہ:

فرمایا: اس کے بعد اگر حج کرنے والا چاہے تو وہ ذبح کرے اور پھر وہ حلق کرائے یا قصر کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آج کے دن ہمارا پہلا کام قربانی کرنا ہے کہ ہم رمی کریں پھر قربانی کریں پھر حلق کریں۔ اور اسی وجہ سے حلق کروانا احرام سے نکلنے کے اسباب میں سے ہے۔ اور اسی طرح قربانی کرنا بھی ہے کیونکہ جو بندہ ادائے احرام سے روکا گیا تھا وہ قربانی کرنے سے حلال ہوگیا ہے۔ لہذا رمی کو ان دونوں پر مقدم کیا جائے گا۔ اور حق کروانا احرام کے ممنوعات میں

سے ہے۔ لہذا حلق کو قربانی پر مقدم کیا گیا ہے۔ اور یہاں (مصنف کی عبارت میں) قربانی کو چاہنے کے ساتھ اس لئے معلق کیا گیا ہے۔ کیونکہ قربانی جو اکیلا حاجی کرتا ہے وہ نفلی ہے جبکہ کلام مفرد حج کے بارے میں ہے۔

رمی، ذبح اور حلق کی ترتیب میں وجوب وعدم وجوب کا بیان:

رمی ذبح اور حلق میں ترتیب امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے اور باقی تمام حضرات کے نزدیک سنت لہذا تمام حجاج کے لئے ضروری ہے کہ وہ حتی الامکان اس ترتیب کا پورا لحاظ رکھیں بالخصوص ذبح سے پہلے حلق نہ کریں کیونکہ نص قرآنی:

ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الهدیٰ محله

اس کو بالکل ناجائز قرار دیتی ہے اور اس غرض کے لئے حج کے گروپس کو تاکید کی جائے کہ وہ اپنے گروپ کے لوگوں کے لئے قربانی کا انتظام کریں، تاکہ قربانی یقینی طور پر حلق سے پہلے ہو تاہم اگر کسی شخص سے ناواقفیت یا کسی شدید عذر کے تحت مذکورہ بالا ترتیب کی مخالفت (ہو) تو وہ توبہ واستغفار کرے اور صاحب وسعت ہو تو دم بھی دے البتہ جو غریب حاجی اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو اس کے لئے صاحبین اور جمہور کے مذہب پر عمل کی گنجائش ہے۔

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! سر منڈانے والوں کو بخش دے۔ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! اور بال کترانے والوں کو بھی آپ نے فرمایا اے اللہ حلق کرانے والوں کو بخش دیجئے تین بار یہی فرمایا صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! بال کترانے والوں کو بھی۔ آپ نے فرمایا اور بال کترانے والوں کو بھی۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الحج)

حلق وتقصیر کے نسک ہونے میں مذاہب اربعہ:

والحلق والتقصير نسك فى الحج والعمرة فى ظاهر مذهب أحمد وقول الخرقى وهو قول مالك وأبى حنيفة و الشافعى وعن أحمد أنه ليس بنسك وإنما هو إطلاق من محظور كان محرما عليه بالإحرام فأطلق فيه عند الحل كاللباس والطيب وسائر محظورات الإحرام فعلى هذه روايه ء شيء على تاركه ويحصل الحل بدونه ووجهها أن النبى صلى الله عليه و سلم أمر بالحل من العمرة قبله ف (روى أبو موسى قال : قدمت على رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال لى : بم أهللت ؟ قلت : لبيك باهلال كإهلال رسول الله صلى الله عليه و سلم قال : أحسنت فأمرنى فطفت بالبيت بين الصفا والمروة ثم قال لى : أحل) متفق عليه (المغنى، ۳، ص ۴۶۵، بیروت)

حلق کروانے کی فضیلت کا بیان:

(وَالْحَلْقُ أَفْضَلُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (رَحِمَ اللَّهُ الْمُحَلِّقِينَ) الْحَدِيثَ ،

ظَاهِرٌ بِالتَّرَحُّمِ عَلَيْهِمْ ، لِأَنَّ الْحَلْقَ أَكْمَلُ فِي قَضَاءِ التَّفَثِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ ، وَفِي التَّقْصِيرِ بَعْضُ التَّقْصِيرِ فَأَشْبَهَ الِاغْتِسَالَ مَعَ الْوُضُوءِ . وَيَكْتَفِي فِي الْحَلْقِ بِرُبُعِ الرَّأْسِ اعْتِبَارًا بِالْمَسْحِ ، وَحَلْقُ الْكُلِّ أَوْلَى اقْتِدَاءً بِرَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّقْصِيرُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ رُءُوسِ شَعْرِهِ مِقْدَارَ الْأُنْمُلَةِ .

ترجمہ:

اور حلق افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ نے حلق کروانے والوں پر رحم فرمایا۔ اس حدیث میں ان پر رحم ظاہر ہے۔ کیونکہ حلق کروانا میل کچیل نکالنا ہے اور مقصود بھی یہی ہے۔ اور بال کتروانے میں کچھ کمی ہے لہذا یہ غسل بمع وضو کے مشابہ ہوگیا۔ سر کے مسح پر قیاس کرتے ہوئے سر منڈانے میں چوتھائی حصہ پر اکتفاء کرنا جائز ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کی اقتداء کرتے ہوئے مکمل سر منڈوانا افضل ہے۔ اور کتروانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے سروں سے ایک انگلی کی مقدار کے برابر تراشے۔

سر منڈانے کی فضیلت کے بیان میں احادیث:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنا سر منڈایا اور صحابہ میں سے کچھ نے تو اپنے سر منڈائے اور کچھ نے اپنے بال کتروائے۔ (بخاری ومسلم)

جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے سر منڈائے انہوں نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے جذبے اور حصول افضلیت کو پیش نظر رکھا اور جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے بال کتروانے پر اکتفاء کیا (انہوں نے گویا جواز پر عمل کیا کہ بال کتروانا بھی جائز ہے)۔ صحیحین وغیرہم میں یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرۃ القضاء میں سر منڈانے کی بجائے بال کتروائے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دونوں چیزیں ثابت ہیں لیکن افضل سر منڈانا ہی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے بال مروہ کے قریب تیر کی پیکان سے کترے۔ (بخاری ومسلم)

مشقص کے معنی ہیں تیر کی پیکان لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ مشقص بڑی قینچی کو کہتے ہیں اور یہ معنی زیادہ مناسب اور زیادہ صحیح ہیں۔

احادیث سے چونکہ یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حج میں سر کے بال کتروائے نہیں بلکہ منڈوائے تھے اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس بیان کا تعلق حج سے نہیں بلکہ عمرے سے ہے، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ عند المروۃ (مروہ کے قریب) بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال حج میں کترتے تو مروہ کے قریب نہ کہتے بلکہ یہ کہتے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے بال منیٰ

میں کترے۔

سر منڈانے والوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے رحمت:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا۔ اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما! صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! بال کتروانے والوں کے لئے دعاء رحمت کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما۔ صحابہ نے جب پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ! بال کتروانے والوں کے لئے بھی دعاء رحمت کیجئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (اے اللہ) اور بال کتروانے والوں پر بھی رحم فرما۔ (بخاری ومسلم)

اس بات سے سر منڈانے کی افضلیت ثابت ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر منڈانے والوں کے لئے تو کئی بار دعاء رحمت کی اور بال کتروانے والوں کے لئے کئی بار کے بعد ایک ہی مرتبہ دعاء رحمت کی۔

حضرت یحییٰ بن حصین (تابعی) اپنی دادی محترمہ سے (کہ جن کی کنیت ام الحصین ہے) نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سر منڈانے والوں کے لئے تین مرتبہ اور بال کتروانے والوں کے لئے آخر میں ایک مرتبہ دعا کرتے سنا۔ (مسلم)

اس حدیث سے پہلے بخاری ومسلم کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر منڈانے والوں کے لئے تو دو مرتبہ دعا کی اور تیسری مرتبہ میں بال کتروانے والوں کو بھی شامل فرمایا، نیز بخاری ومسلم ہی کی ایک اور روایت میں یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھی مرتبہ میں بال کتروانے والوں کو شامل فرمایا، جب کہ مسلم کی یہ روایت بتا رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر منڈانے والوں کے لئے تو تین مرتبہ دعا کی اور بال کتروانے والوں کے لئے ایک مرتبہ، اب چاہے تو ان کو تو تیسری ہی مرتبہ میں شامل کیا ہو، چاہے چوتھی مرتبہ ان کے لئے علیحدہ سے دعا کی۔

بہر کیف ان تمام روایتوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے علماء لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا کئی مجلسوں میں کی ہوگی، چنانچہ کسی مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر منڈانے والوں کے لئے دو مرتبہ اور تیسری مرتبہ میں بال کتروانے والوں کے لئے دعا کی اور کسی مجلس میں تین مرتبہ سر منڈانے والوں کے لئے اور چوتھی مرتبہ بال کتروانے والوں کے لئے دعا کی ہوگی، یا پھر یہ کہ جس راوی نے جو سنا اور اس پر جو حقیقت ظاہر ہوئی اس نے اسی کو ذکر کیا۔

سر منڈانے میں دائیں طرف سے ابتداء کرنا سنت ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ میں آنے کے بعد جمرہ عقبہ کے پاس تشریف لائے اور وہاں کنکریاں ماریں پھر منیٰ میں اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے اور اپنی ہدی کے جانوروں کو ذبح کیا، اس کے بعد سر مونڈنے والے کو

نقل (جس کا نام معمر بن عبداللہ تھا) بلایا اور اپنے سر کا دایاں حصہ اس کے سامنے کیا، چنانچہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر (کے اس داہنے حصہ) کو مونڈا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو اپنے وہ مونڈے ہوئے بال دیئے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سر کا بایاں حصہ مونڈنے والے کی طرف کر کے فرمایا کہ اب اسے مونڈو، چنانچہ اس نے مونڈ دیا، یہ بال بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو دے دیئے اور فرمایا کہ یہ بال لوگوں میں تقسیم کر دو۔ (بخاری ومسلم)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سر منڈانے میں دائیں طرف سے ابتداء کرنا سنت ہے، نیز اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دائیں طرف میں منڈوانے والے کا اعتبار ہے کہ وہ اپنے سر کو دائیں طرف سے منڈوانا شروع کرے، جب کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مونڈنے والے کی دائیں طرف کا اعتبار ہے یعنی مونڈنے والا اپنی دائیں طرف سے سر مونڈنا شروع کرے۔

سوائے عورت کے تمام ممنوعات کی حلت کا بیان:

قَالَ (وَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ) وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: وَإِلَّا الطِّيبَ أَيْضًا لِأَنَّهُ مِنْ دَوَاعِي الْجِمَاعِ. وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيهِ (حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ) وَهُوَ مُقَدَّمٌ عَلَى الْقِيَاسِ. وَلَا يَحِلُّ لَهُ الْجِمَاعُ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ عِنْدَنَا، خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ قَضَاءُ الشَّهْوَةِ بِالنِّسَاءِ فَيُؤَخَّرُ إلَى تَمَامِ الْإِحْلَالِ

ترجمہ:

فرمایا: اور اس کیلئے سوائے عورت کے ہر چیز حلال ہوگئی۔ جبکہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے سوائے خوشبو کے کیونکہ وہ جماع کی طرف بلانے والی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کیلئے سوائے عورت کے ہر چیز حلال ہوئی اور یہی دلیل قیاس پر مقدم ہے۔ اور ہمارے نزدیک فرج کے سوا میں جماع حلال نہیں ہے۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے کیونکہ یہ عورتوں کے ساتھ شہوت کو پورا کرنا ہے لہذا اس کو پورے حلال ہونے تک مؤخر کیا جائے گا۔

شرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی رمی جمرہ عقبہ سے فارغ ہو جاتا ہے اور سر منڈوالیتا ہے یا بال کتروالیتا ہے تو اس کے لئے عورت کے علاوہ ہر چیز حلال ہو جاتی ہے یعنی بیوی کے ساتھ جماع ان چیزوں کے بعد بھی حلال نہیں ہوتا، بلکہ یہ طواف زیارت سے فراغت کے بعد ہی حلال ہوتا ہے اس روایت کو صاحب مصابیح نے شرح السنہ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔ اور احمد ونسائی نے اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی

اللہ عنہ سے یوں نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے رمی جمرہ عقبہ کر لی تو سر منڈوانے یا بال کتروانے کے بعد اس کے لئے عورت کے علاوہ ہر چیز حلال ہو جاتی ہے۔

دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد منیٰ ہی میں ہدی ذبح کی جاتی ہے اس کے بعد سر منڈا کر یا بال کتروا کر احرام کھول دیا جاتا ہے اس طرح رفث (عورت سے جماع وغیرہ) کے علاوہ ہر وہ چیز جو احرام کی حالت میں ممنوع تھی، جائز ہو جاتی ہے۔

احرام سے باہر نکلنے کیلئے رمی سبب ہونے یا نہ ہونے کا بیان:

(ثُمَّ الرَّمْيُ لَيْسَ مِنْ أَسْبَابِ التَّحَلُّلِ عِنْدَنَا) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ. هُوَ يَقُولُ: إنَّهُ يَتَوَقَّتُ بِيَوْمِ النَّحْرِ كَالْحَلْقِ فَيَكُونُ بِمَنْزِلَتِهِ فِي التَّحْلِيلِ.

وَلَنَا أَنَّ مَا يَكُونُ مُحَلِّلًا يَكُونُ جِنَايَةً فِي غَيْرِ أَوَانِهِ كَالْحَلْقِ، وَالرَّمْيِ لَيْسَ بِجِنَايَةٍ فِي غَيْرِ أَوَانِهِ، بِخِلَافِ الطَّوَافِ لِأَنَّ التَّحَلُّلَ بِالْحَلْقِ السَّابِقِ لَا بِهِ.

ترجمہ:

فقہاء احناف کے نزدیک رمی احرام سے نکالنے والے اسباب میں سے نہیں ہے جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں رمی بھی حلق کی طرح نحر کے دن کے ساتھ موقت ہے لہذا وہ حلال کرنے کے مرتبے میں ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جو چیز حلال کرنے والی ہوتی ہے وہ حلال ہونے سے پہلے اگر کی تو وہ جرم ہوگا۔ جس طرح حلق کروانا ہے اور رمی جرم نہیں ہے بہ خلاف طواف کے کیونکہ اس کا حلال ہونا پہلے حلق کی وجہ سے ہے طواف کی وجہ سے نہیں ہے۔

شرح بابرتی

(ثُمَّ الرَّمْيُ لَيْسَ مِنْ أَسْبَابِ التَّحَلُّلِ عِنْدَنَا) يَعْنِي إذَا رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ لَا يَتَحَلَّلُ عِنْدَنَا حَتَّى يَحْلِقَ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَتَحَلَّلُ وَيَحِلُّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إلَّا النِّسَاءَ (هُوَ يَقُولُ إنَّهُ يَتَوَقَّتُ بِيَوْمِ النَّحْرِ) وَكُلُّ مَا هُوَ كَذَلِكَ فَهُوَ مُحَلِّلٌ كَالْحَلْقِ (وَلَنَا أَنَّ مَا يَكُونُ مُحَلِّلًا يَكُونُ جِنَايَةً فِي غَيْرِ أَوَانِهِ كَالْحَلْقِ، وَالرَّمْيِ لَيْسَ بِجِنَايَةٍ فِي غَيْرِ أَوَانِهِ) وَنُوقِضَ بِدَمِ الْإِحْصَارِ فَإِنَّهُ مُحَلِّلٌ وَلَيْسَ بِمَحْظُورِ الْإِحْرَامِ. وَأُجِيبَ بِأَنَّ الْمُرَادَ مَا كَانَ مُحَلِّلًا فِي الْأَصْلِ وَدَمُ الْإِحْصَارِ لَيْسَ كَذَلِكَ، وَإِنَّمَا صِيرَ إلَيْهِ لِضَرُورَةِ الْمَنْعِ. وَقَوْلُهُ (بِخِلَافِ الطَّوَافِ) جَوَابٌ عَمَّا يُقَالُ الطَّوَافُ مُحَلِّلٌ فِي حَقِّ النِّسَاءِ وَلَيْسَ بِمَحْظُورِ الْإِحْرَامِ وَإِنَّمَا هُوَ رُكْنٌ. وَتَقْرِيرُهُ أَنَّ التَّحَلُّلَ لَمْ يَكُنْ بِالطَّوَافِ بَلْ بِالْحَلْقِ السَّابِقِ. (العنایہ شرح الهدایہ، ج ۴، ص ۴۷۰، بیروت)

دسویں ذوالحج کو منیٰ میں رمی کرنے کے بعد مکہ میں آنے کا بیان:

قَالَ (ثُمَّ يَأْتِي مَكَّةَ مِنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ أَوْ مِنْ الْغَدِ أَوْ مِنْ بَعْدِ الْغَدِ، فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ طَوَافَ

الزِّيَارَةِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمَّا حَلَقَ أَفَاضَ إِلَى مَكَّةَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ عَادَ إِلَى مِنًى وَصَلَّى الظُّهْرَ بِمِنًى) .

ترجمہ:

فرمایا۔اس کے بعد وہ اسی دن یا گیارہ یا بارہ کو مکہ میں آئے اور وہ طواف زیارت کرے اور اس کے سات چکر ہیں۔کیونکہ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب حلق کروایا تو آپ ﷺ مکہ تشریف لائے پس آپ ﷺ نے بیت (اللہ) کا طواف کیا۔اس کے بعد منیٰ واپس آئے اور منیٰ میں ظہر کی نماز پڑھی۔(مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، مستدرک)

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

حج مفرد کرنے والا اسی دن یعنی یوم نحر میں مکہ آئے۔یا وہ دوسرے دن آئے یا اس کے بعد والے یعنی بارھویں کے دن آئے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب حلق کروایا تو آپ ﷺ مکہ میں تشریف لائے پس آپ ﷺ نے طواف کیا اور اس کے بعد منیٰ کی طرف گئے اور ظہر کی نماز وہاں ادا فرمائی۔اس حدیث کو امام مسلم علیہ الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ یوم نحر کو چلے اور پھر لوٹ کر آپ ﷺ نے ظہر منیٰ میں پڑھی۔

ابو فتح یعمری نے اپنی سیرت میں کہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسی دن لوٹ کی منیٰ میں ظہر کی نماز پڑھی۔(البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص ۱۴۱ حقانیہ ملتان)

گیارہویں اور بارہویں کو رمی کرنے میں فقہی مذاہب:

حضرت وبرہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میں (گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو) رمی جمار کس وقت کروں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جس وقت تمہارا امام رمی کرے، اسی وقت تم بھی رمی کرو (یعنی رمی میں اس شخص کی پیروی کرو جو رمی کے وقت کے بارے میں تم سے زیادہ جانتا ہو) میں نے ان کے سامنے پھر یہ مسئلہ رکھا (یعنی میں نے ان سے رمی کے وقت کی مزید وضاحت چاہی) انہوں نے فرمایا ہم رمی کے وقت کا انتظار کرتے تا آنکہ جب دوپہر ڈھلتی تو ہم کنکریاں مارتے۔(بخاری)

حضرت سالم، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (یعنی ابن عمر) نزدیک کے جمرہ یعنی جمرہ اولیٰ پر سات کنکریاں مارنے اور ہر کنکری کے بعد اللہ اکبر کہتے پھر آگے بڑھتے یہاں تک کہ جب نرم زمین پر پہنچتے تو دیر تک (یعنی بقدر تلاوت سورہ بقرہ) قبلہ رو کھڑے رہتے اور دعا مانگتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، پھر جمرہ وسطیٰ پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہتے، پھر بائیں جانب کو بڑھتے اور نرم زمین پر پہنچ کر قبلہ رو کھڑے ہو جاتے اور دعا مانگتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور دیر تک کھڑے رہتے، پھر وہ وہاں سے واپس ہوتے اور کہتے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔(بخاری)

مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق رمی اگرچہ حنفیہ کے ہاں سنت ہے لیکن احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ اس ترتیب کو ترک نہ کیا جائے کیونکہ یہ ترتیب حضرت امام شافعی وغیرہ کے نزدیک واجب ہے! موالات یعنی تمام جمرات پر پے در پے رمی بھی سنت ہے جب کہ یہ حضرت امام مالک کے مسلک میں واجب ہے۔

من بطن الوادی (بطن وادی سے) یہ بات معلوم ہوئی کہ رمی جمرہ عقبہ بطن وادی سے (یعنی نشیبی حصہ میں کھڑے ہو کر) کی جائے چنانچہ نشیب میں کھڑے ہو کر رمی کرنا مسنون ہے۔لیکن ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر اوپر کی جانب سے جمرہ عقبہ پر کنکریاں پھینکی جائیں تو اس طرح بھی رمی ہو جائے گی مگر یہ خلاف سنت ہے۔

جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ کے پاس ٹھہرنا اور حمد وصلوٰۃ اور وہاں دعا میں مشغول ہونا تو ثابت ہے لیکن تیسرے جمرہ یعنی جمرہ عقبی کے پاس ٹھہرنا اور دعا مانگنا ثابت نہیں ہے اور اس کی کوئی وجہ علت منقول نہیں ہے اگرچہ بعض علماء نے اس بارے میں کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔

طواف زیارت کا وقت نحر کے دن ہیں:

وَوَقْتُهُ أَيَّامُ النَّحْرِ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى عَطَفَ الطَّوَافَ عَلَى الذَّبْحِ قَالَ (فَكُلُوا مِنْهَا) ثُمَّ قَالَ (وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ) فَكَانَ وَقْتُهُمَا وَاحِدًا .وَأَوَّلُ وَقْتِهِ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ ، لِأَنَّ مَا قَبْلَهُ مِنْ اللَّيْلِ وَقْتُ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ وَالطَّوَافُ مُرَتَّبٌ عَلَيْهِ ، وَأَفْضَلُ هَذِهِ الْأَيَّامِ أَوَّلُهَا كَمَا فِي التَّضْحِيَةِ .وَفِي الْحَدِيثِ (أَفْضَلُهَا أَوَّلُهَا) .

ترجمہ:

اور طواف کا وقت قربانی کے دن ہیں۔کیونکہ اللہ نے طواف کا عطف قربانی پر ڈالا ہے اور فرمایا: ''کلوا منھا'' پھر فرمایا: ''وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيق'' لہٰذا ان دونوں کا وقت ایک ہے۔

اور اس کا وقت دسویں کے دن طلوع فجر کے بعد سے شروع ہوتا ہے کیونکہ اس سے پہلے رات ہے جو وقوف مزدلفہ کا وقت ہے اور طواف کو اس پر مرتب کیا گیا ہے۔اور ان دنوں میں سے پہلا دن افضل ہے جس طرح قربانی میں ہے اور حدیث میں بھی اسی طرح ہے کہ ان میں پہلا دن افضل ہے۔

طواف زیارت کے ابتدائی وقت میں شوافع واحناف کا اختلاف:

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف زیارت میں رات تک تاخیر کی امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے بعض اہل علم نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے طواف زیارت میں رات تک تاخیر کی اجازت دی ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ نحر کے دن طواف

زیارت کرنا مستحب ہے بعض علماء نے منیٰ میں قیام کے آخر تک بھی طواف زیارت کی اجازت دی ہے۔ (جامع ترمذی، ابواب الحج)

حضرت عائشہ وحضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف زیارۃ میں قربانی کے دن رات تک تاخیر کی۔ (ترمذی، ابوداود، د، ابن ماجہ)

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کے لئے یا یہ کہ سب ہی کے لئے طواف زیارت میں قربانی کے دن رات تک تاخیر کو جائز قرار دیا۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے طواف زیارت میں رات تک تاخیر کی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں تو یہ صراحت کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے وقت طواف زیارۃ کیا اور اس کے بعد مکہ میں یا منیٰ میں ظہر کی نماز پڑھی۔

علامہ طیبی شافعی کہتے ہیں کہ طواف زیارۃ کا وقت امام شافعی کے نزدیک بقرعید کی آدھی رات کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے جب کہ دیگر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کا وقت بقرعید کے دن طلوع فجر کے بعد شروع ہوتا ہے اور آخری وقت کا کوئی تعین نہیں ہے جب بھی کیا جائے گا جائز ہو جائے گا لیکن امام ابوحنیفہ کے ہاں طواف زیارت کی ادائیگی ایام نحر میں واجب ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اتنی تاخیر کرے کہ ایام نحر پورے گزر جائیں گے اور پھر وہ بعد میں طواف زیارۃ کرے تو اس پر دم یعنی بطور جزاء جانور ذبح کرنا واجب ہوگا۔

طواف قدوم کے بعد سعی کرنے والے کا بیان:

(فَإِنْ كَانَ قَدْ سَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَقِيبَ طَوَافِ الْقُدُومِ لَمْ يَرْمُلْ فِي هَذَا الطَّوَافِ وَلَا سَعْيَ عَلَيْهِ ، وَإِنْ كَانَ لَمْ يُقَدِّمْ السَّعْيَ رَمَلَ فِي هَذَا الطَّوَافِ وَسَعَى بَعْدَهُ) لِأَنَّ السَّعْيَ لَمْ يُشَرَّعْ إلَّا مَرَّةً وَالرَّمَلُ مَا شُرِعَ إلَّا مَرَّةً فِي طَوَافٍ بَعْدَهُ سَعْيٌ (وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ هَذَا الطَّوَافِ) لِأَنَّ خَتْمَ كُلِّ طَوَافٍ بِرَكْعَتَيْنِ فَرْضًا كَانَ لِلطَّوَافِ أَوْ نَفْلًا لِمَا بَيَّنَّا .

قَالَ (وَقَدْ حَلَّ لَهُ النِّسَاءُ) وَلَكِنْ بِالْحَلْقِ السَّابِقِ إذْ هُوَ الْمُحَلِّلُ لَا بِالطَّوَافِ ، إلَّا أَنَّهُ أَخَّرَ عَمَلَهُ فِي حَقِّ النِّسَاءِ .

ترجمہ:

اگر وہ شخص طواف قدوم کے بعد صفا مروہ کی سعی کر چکا ہے تو وہ طواف زیارت میں رمل نہیں کرے گا۔ اور اس پر سعی کرنا بھی لازم نہیں ہے۔ اور اگر اس نے صفا مروہ کے درمیان پہلے سعی نہیں کی تو وہ طواف زیارت میں رمل کرے اور اس کے بعد سعی کرے کیونکہ سعی اور رمل ایک ہی مرتبہ مشروع ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا ایک ہونا اس طرح کے طواف کے بعد ہے جس کے بعد سعی کی جائے

اور طواف زیارت کے بعد وہ دو رکعات نماز پڑھے کیونکہ طواف کا اختتام دو رکعتوں کے ساتھ ہے۔ خواہ وہ طواف فرض ہو یا نفلی ہو اسی دلیل کی بنیاد پر جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور حلق سابق کی وجہ سے عورتیں حلال ہو گئی ہیں۔ کیونکہ حلال کرنے والا (حلق) ہے طواف حلال کرنے والا نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ عمل عورتوں کے حق میں مؤخر کر دیا گیا ہے۔

سعی کے وجوب اور تقدیم کا بیان:

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر وہ طواف زیارت سے پہلے صفا مروہ کی سعی کر چکا ہے تو اب وہ طواف زیارت میں رمل نہیں کرے گا کیونکہ سعی دوبار مشروع نہیں ہے اور اسی طرح رمل بھی بار بار مشروع نہیں ہے۔ اور یہاں پر اصل یہ ہے کہ سعی واجب ہے اور اس کا مقام طواف زیارت کے بعد ہے کیونکہ طواف زیارت حج کا رکن ہے۔ لہٰذا جو اس کے تابع ہوا وہ بھی واجب ہوا۔ جبکہ طواف قدوم میں ایسا نہ ہوگا کیونکہ طواف قدوم سنت ہے لہٰذا اس کے تابع ہونے والا عمل واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ واجب سنت سے بڑا ہوتا ہے لہٰذا واجب کا سنت کی اتباع کرنا صحیح نہیں ہے۔ البتہ سعی کو مقدم کرنا یعنی طواف قدوم کے ساتھ کر لینا یہ جائز ہے کیونکہ اس میں آسانی ہے۔ اور یہ سہولت کے پیش نظر مباح ہے۔

ہر طواف میں رمل نہ ہونے کی علت کا بیان:

اور یہ بھی دلیل ہے کہ یوم نحر افعال حج کی مصروفیت کا دن ہے۔ لہٰذا اس میں تقدیم سعی کی اجازت نہ ہوگی پس وہ طواف زیارت کے بعد سعی کرے گا کیونکہ وہ عزیمت ہے۔ اور رمل میں اصل یہ ہے کہ ہر طواف کے سعی ہوا اور اس میں رمل ہو۔ جبکہ ہر طواف کے بعد سعی نہیں ہے لہٰذا اس میں رمل بھی نہ ہوا۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۱۴۳، حقانیہ ملتان)

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ قدوری کے بعض نسخوں میں "قد حل لہ النساء ای بعد الطواف" یعنی طواف کے بعد وہ حلال ہوگا۔ البتہ عورتوں کیلئے اس کو مؤخر کیا گیا ہے کیونکہ طواف حلت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور یہ مسئلہ طلاق رجعی کی طرح ہے کہ بے شک وہ محرم ہے لیکن عدت ختم ہونے تک اس کا عمل مؤخر ہے۔ لہٰذا فرق اس طرح واضح ہوگا کہ انقضاء کی اضافت طلاق کی طرف کی گئی ہے جبکہ اس کی اضافت انقضاء کی طرف نہیں ہے۔

طواف زیارت کی شرعی حیثیت میں فقہی بیان:

قَالَ (وَهَذَا الطَّوَافُ هُوَ الْمَفْرُوضُ فِي الْحَجِّ) وَهُوَ رُكْنٌ فِيهِ إذْ هُوَ الْمَأْمُورُ بِهِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى (وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ) وَيُسَمَّى طَوَافَ الْإِفَاضَةِ وَطَوَافَ يَوْمِ النَّحْرِ (وَيُكْرَهُ تَأْخِيرُهُ عَنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ) لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ مُوَقَّتٌ بِهَا (وَإِنْ أَخَّرَهُ عَنْهَا لَزِمَهُ دَمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ) وَسَنُبَيِّنُهُ فِي بَابِ الْجِنَايَاتِ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

ترجمہ:

فرمایا: حج میں یہ طواف فرض ہے۔اور یہی اس میں رکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَلْیَطَّوَّفُوا بِالْبَیْتِ الْعَتِیقِ'' اس میں اسی طواف کا ذکر ہے۔اور اس کا نام طواف افاضہ بھی رکھا گیا ہے اور یوم نحر کا یہی طواف ہے۔

اور اس طواف کو ان دنوں سے مؤخر کرنا مکروہ ہے اسی دلیل کی بنیاد پر جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ یہ طواف انہی دنوں کے ساتھ موقت ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر اس نے اس کو مؤخر کیا تو اس پر دم لازم ہے۔اور آئندہ باب الجنایات میں ہم اس کو ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

شرح

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یوم النحر کی شام (کے بعد آنے والی) رات وہی تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس رہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اتنے میں وہب بن زمعہ اور ان کے ساتھ ایک اور شخص ابوامیہ کی نسل میں سے کرتا پہنے ہوئے آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہب سے پوچھا اے ابوعبداللہ تم طواف اضافہ کر چکے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخدا (ابھی طواف نہیں کیا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنی قمیض اتار ڈالو انہوں نے اپنی قمیض اتار ڈالی اور ان کے ساتھی نے بھی اتار ڈالی پھر دریافت کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیوں فرمایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ وہ دن ہے جب تم اس میں کنکریاں مار چکو تو تم پر وہ سب چیزیں حلال ہو جائیں گی جو احرام کی حالت میں حرام تھیں سوائے عورتوں کے پس اگر تم نے طواف سے پہلے شام (رات) کی (یعنی رات سے پہلے طواف نہ کیا) تو تمھارا احرام باقی رہے گا جیسا کہ کنکریاں مارنے سے قبل تھا یہاں تک کہ تم طواف کرلو۔

تمام احکام کو پورے کریں اور صحیح طور پر بجالائیں اور بیت اللہ شریف کا طواف کریں جو یوم النحر کو واجب ہے۔ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حج کا آخری کام طواف ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا جب آپ دس ذی الحجہ کو منی کی طرف واپس آئے تو سب سے پہلے شیطانوں کو سات سات کنکریاں ماریں۔پھر قربانی کی، پھر سر منڈوایا، پھر لوٹ کر بیت اللہ آ کر طواف بیت اللہ کیا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بخاری ومسلم میں مروی ہے کہ لوگوں کو حکم کیا گیا ہے کہ ان کا آخری کام طواف بیت اللہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تو کہا گیا کہ ان کو حیض آ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شاید وہ ہمیں روکنے والی ہے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ طواف افاضہ کر چکی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تب پھر کوئی بات نہیں۔(ابوداؤد)

طواف زیارت کے بعد منیٰ میں جانے کا بیان:

قَالَ (ثُمَّ یَعُودُ إلَی مِنًی فَیُقِیمُ بِهَا) لِأَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ رَجَعَ إلَیْهَا كَمَا رَوَیْنَا ، وَلِأَنَّهُ بَقِیَ عَلَیْهِ الرَّمْیُ وَمَوْضِعُهُ بِمِنًی (فَإِذَا زَالَتْ الشَّمْسُ مِنْ الْیَوْمِ الثَّانِی مِنْ أَیَّامِ النَّحْرِ رَمَی الْجِمَارَ الثَّلَاثَ فَیَبْدَأُ بِالَّتِی تَلِی مَسْجِدَ الْخَیْفِ فَیَرْمِیهَا بِسَبْعِ حَصَیَاتٍ یُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ وَیَقِفُ عِنْدَهَا ، ثُمَّ یَرْمِی الَّتِی تَلِیهَا مِثْلَ ذَلِكَ وَیَقِفُ عِنْدَهَا ، ثُمَّ یَرْمِی جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ كَذَلِكَ وَلَا یَقِفُ عِنْدَهَا) هَكَذَا رَوَی جَابِرٌ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ فِیمَا نَقَلَ مِنْ نُسُكِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مُفَسَّرًا ، وَیَقِفُ عِنْدَ الْجَمْرَتَیْنِ فِی الْمَقَامِ الَّذِی یَقِفُ فِیهِ النَّاسُ وَیَحْمَدُ اللَّهَ وَیُثْنِی عَلَیْهِ وَیُهَلِّلُ وَیُكَبِّرُ وَیُصَلِّی عَلَی النَّبِیِّ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ، وَیَدْعُو بِحَاجَتِهِ .

ترجمہ:

فرمایا: اس کے بعد وہ منیٰ کی طرف جائے اور وہاں ٹھہرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ تشریف لائے تھے جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں کیونکہ اس پر رمی جمار کرنا باقی ہے۔اور اس کا مقام منیٰ ہے۔اس کے بعد قربانی ہی کے دنوں میں دوسرے دن جب سورج زوال پذیر ہو جائے تو وہ تینوں جمرات کی رمی کرے۔اور مسجد خیف کے پاس والے جمرہ سے ابتداء کرے اور اس پر سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور اسی کے پاس ٹھہرے۔اس کے بعد جو اس سے ملا ہوا ہے اس جمرہ کی رمی کرے اسی طرح کرے اور اس کے پاس ٹھہرے اور پھر اسی طرح جمرہ عقبہ کی رمی کرے اور اس کے پاس نہ ٹھہرے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تفسیر کے ساتھ اس حدیث میں بیان کیا ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربانی کے بارے میں روایت کی ہے۔اور وہ دونوں جمروں میں وہاں ٹھہرے جہاں لوگ ٹھہرتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کہے اور ''لا الہ الا اللہ'' کہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور اپنی حاجت کیلئے دعا مانگے۔(مسلم، بخاری، ابوداؤد، حاکم، ابن حبان)

منیٰ میں نماز پڑھنے کے بارے میں احادیث:

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔حضرت عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں پس عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دو رکعت ہی نماز پڑھی ہیں (یعنی قصر کیا) اور ابوبکر کے ساتھ اور عمر رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی دو رکعتیں ہی پڑھیں (اور مسدد نے) حفص کے حوالہ سے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ اور حضرت عثمان کے آغاز خلافت میں خود ان کے ساتھ بھی دو ہی رکعتیں پڑھی ہیں

مگر وہ بعد میں پورے پڑھنے لگے تھے (اس کے بعد مسدد نے) معاویہ کے واسطہ سے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اداء صلوۃ کے سلسلہ میں) پھر تمہارے طریقے مختلف ہو گئے (یعنی کچھ لوگوں نے اتمام کو ختیار کیا اور کچھ لوگ قصر ہی کرتے رہے اور مجھے تو چار کے مقابلہ میں وہ دو رکعت ہی پیاری ہیں جو قبول ہوں اعمش کہتے ہیں کہ معاویہ بن قرہ نے اپنے بعض شیوخ کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ (ایک مرتبہ) عبداللہ بن مسعود نے بھی (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ چار رکعتیں پڑھی ہیں اس پر کچھ لوگوں نے ان سے کہا کہ تم نے (اتمام صلوۃ کے سلسلہ میں) حضرت عثمان پر طعن کیا تھا اور اب تم خود چار پڑھنے لگے فرمایا (امام کی) خلاف ورزی بری ہے۔

حضرت زہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں چار رکعتیں اس لیے پڑھی تھیں کیونکہ انہوں نے حج کے اقامت کی نیت کر لی تھی۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چار رکعتیں اس لیے پڑھی تھیں کیونکہ انہوں نے منیٰ کو وطن بنالیا تھا۔

حضرت زہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان نے طائف میں مکانات بنالیے اور وہیں اقامت کا ارادہ کر لیا تو انہوں نے چار رکعتیں پڑھیں اس کے بعد لوگوں نے یہی طریقہ اختیار کر لیا۔

حضرت زہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں پوری نماز اس لیے پڑھی تھی کہ اس سال بدوی لوگ بہت آئے تھے پس انہوں نے چار رکعتیں پڑھیں تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اصل میں اس نماز میں رکعتیں چار ہی ہیں۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الحج)

جمرتین کے پاس رفع یدین کرنے کا بیان:

وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِى إلَّا فِى سَبْعِ مَوَاطِنَ) وَذَكَرَ مِنْ جُمْلَتِهَا عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ .وَالْمُرَادُ رَفْعُ الْأَيْدِى بِالدُّعَاءِ .

وَيَنْبَغِى أَنْ يَسْتَغْفِرَ لِلْمُؤْمِنِينَ فِى دُعَائِهِ فِى هَذِهِ الْمَوَاقِفِ لِقَوْلِ النَّبِىِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْحَاجِّ وَلِمَنْ اسْتَغْفَرَ لَهُ الْحَاجُّ) ثُمَّ الْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ رَمْيٍ بَعْدَهُ رَمْيٌ يَقِفُ بَعْدَهُ لِأَنَّهُ فِى وَسَطِ الْعِبَادَةِ فَيَأْتِى بِالدُّعَاءِ فِيهِ ، وَكُلُّ رَمْيٍ لَيْسَ بَعْدَهُ رَمْيٍ لَا يَقِفُ لِأَنَّ الْعِبَادَةَ قَدْ انْتَهَتْ ، وَلِهَذَا لَا يَقِفُ بَعْدَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فِى يَوْمِ النَّحْرِ أَيْضًا .

ترجمہ:

اور وہ اپنے ہاتھوں کو بلند کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سات مقامات کے سوا کہیں رفع یدین نہ کرو اور ان تمام کے

ساتھ جمرتین کے رفع یدین کو بھی ذکر کیا اور رفع یدین سے مراد دعا ہے۔ اور اس کیلئے مناسب یہ ہے کہ وہ ان مقامات پر دعا میں مؤمنین کیلئے بخشش کی دعا کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! حج کرنے والے کی بخشش فرما اور جس کیلئے اس نے بخشش طلب کی اس کی بھی بخشش کر۔ اس کے بعد قانون یہ ہے ہر وہ رمی جس کے بعد رمی ہو اس کے بعد وہ وقوف کرے۔ کیونکہ یہ عمل عبادت کے درمیان میں ہے لہذا اس عمل میں دعا کرے اور ہر وہ رمی جس کے بعد رمی نہ ہو اس میں نہ ٹھہرے کیونکہ عبادت ختم ہو گئی ہے لہذا اسی وجہ سے یوم نحر میں جمرہ عقبہ کے بعد وہ نہ ٹھہرے۔

شرح

امام ابن شیبہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رفع یدین نہ کیا جائے مگر سات مواقع پر، جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو۔ جمرتین کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا ہے۔ (بقیہ حج و دیگر مواقع ہیں)۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۲۳۸، مطبوعہ کراچی)

بارہ ذوالحجہ کی رمی کے بعد نکلنے کا بیان:

قَالَ (فَإِذَا كَانَ مِنْ الْغَدِ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلَاثَ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ كَذَلِكَ ، وَإِنْ أَرَادَ أَنْ يَتَعَجَّلَ النَّفْرَ إلَى مَكَّةَ نَفَرَ ، وَإِنْ أَرَادَ أَنْ يُقِيمَ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلَاثَ فِى الْيَوْمِ الرَّابِعِ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى : (فَمَنْ تَعَجَّلَ فِى يَوْمَيْنِ فَلَا إثْمَ عَلَيْهِ ، وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إثْمَ عَلَيْهِ لِمَنْ اتَّقَى) وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُقِيمَ لِمَا رُوِىَ (أَنَّ النَّبِىَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَبَرَ حَتَّى رَمَى الْجِمَارَ الثَّلَاثَ فِى الْيَوْمِ الرَّابِعِ) .

ترجمہ:

فرمایا: جب اس کو دوسرا دن ہو تو وہ سورج کے زوال کے بعد رمی کرے اور ایسے ہی اگر وہ جلدی جانے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ مکہ کی طرف جائے اور اگر وہ ٹھہرے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ چوتھے دن بھی سورج کے زوال کے بعد رمی کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ جو دو دن میں جلدی کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور جو تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ کیونکہ جس نے تقویٰ اختیار کیا۔ اور فضیلت اسی میں ہے کہ وہ ٹھہرا رہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے قیام فرمایا ہے یہاں تک آپ ﷺ نے چوتھے دن تینوں جمرات کی رمی فرمائی۔ (ابوداؤد، ابن حبان، حاکم)

رمی کرنے میں تقدیم وتاخیر کا بیان:

وَاذْكُرُوا اللهَ فِىٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِىْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى وَاتَّقُوا اللهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ .(البقرہ، ۲۰۳)

اور اللہ کو یاد کرو گنے ہوئے دنوں میں۔ تو جو جلدی کر کے دو دن میں چلا جائے اس پر کچھ گنا نہیں اور جو رہ جائے تو اس پر گناہ نہیں پرہیز گار کے لئے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اسی کی طرف اٹھنا ہے۔ (کنز الایمان)

حضرت امام شافعی کا فرمان ہے کہ قربانی کا وقت عید کے دن سے ایام تشریق کے ختم ہونے تک ہے، اور اس سے مراد نمازوں کے بعد کا مقررہ ذکر بھی ہے اور ویسے عام طور پر یہی اللہ کا ذکر مراد ہے، اور اس کے مقررہ وقت میں گو علماء کرام کا اختلاف ہے لیکن زیادہ مشہور قول جس پر عمل درآمد بھی ہے یہ ہے کہ عرفے کی صبح سے ایام تشریق کے آخر دن کی عصر کی نماز تک، اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی دار قطنی میں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے خیمہ میں تکبیر کہتے اور آپ کی تکبیر پر بازار والے لوگ تکبیر کہتے ہیں یہاں تک کہ منی کا میدان گونج اٹھتا اسی طرح یہ مطلب بھی ہے کہ شیطانوں کو کنکریاں مارنے کے وقت تکبیر اور اللہ کا ذکر کیا جائے جو ایام تشریق کے ہر دن ہوگا، ابوداود وغیرہ میں حدیث ہے کہ بیت اللہ کا طواف صفا مروہ کی سعی شیطانوں کو کنکریاں مارنی یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لئے ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حج کی پہلی اور دوسری واپسی کا ذکر کیا اور اس کے بعد لوگ ان پاک مقامات کو چھوڑ کر اپنے اپنے شہروں اور مقامات کو لوٹ جائیں گے اس لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ تمہیں اس کے سامنے جمع ہونا ہے اسی نے تمہیں زمین میں پھیلایا پھر وہی سمیٹ لے گا پھر اسی کی طرف حشر ہوگا پس جہاں کہیں ہو اس سے ڈرتے رہا کرو۔

تیرھویں ذوالحجہ کی فجر سے پہلے نکلنے کا بیان:

وَلَهُ أَنْ يَنْفِرَ مَا لَمْ يَطْلُعْ الْفَجْرُ مِنْ الْيَوْمِ الرَّابِعِ ، فَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَنْفِرَ لِدُخُولِ وَقْتِ الرَّمْيِ ، وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ (وَإِنْ قَدَّمَ الرَّمْيَ فِي هَذَا الْيَوْمِ) يَعْنِي الْيَوْمَ الرَّابِعَ (قَبْلَ الزَّوَالِ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ) وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ ، وَقَالَا لَا يَجُوزُ اعْتِبَارًا بِسَائِرِ الْأَيَّامِ ، وَإِنَّمَا التَّفَاوُتُ فِي رُخْصَةِ النَّفْرِ ، فَإِذْ لَمْ يَتَرَخَّصْ الْتُحِقَ بِهَا ، وَمَذْهَبُهُ مَرْوِيٌّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ، وَلِأَنَّهُ لَمَّا ظَهَرَ أَثَرُ التَّخْفِيفِ فِي هَذَا الْيَوْمِ فِي حَقِّ التَّرْكِ فَلَأَنْ يَظْهَرَ فِي جَوَازِهِ فِي الْأَوْقَاتِ كُلِّهَا أَوْلَى ، بِخِلَافِ الْيَوْمِ الْأَوَّلِ وَالثَّانِي حَيْثُ لَا يَجُوزُ الرَّمْيُ فِيهِمَا إلَّا بَعْدَ الزَّوَالِ فِي الْمَشْهُورِ مِنْ الرِّوَايَةِ ، لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ تَرْكُهُ فِيهِمَا فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْمَرْوِيِّ. فَأَمَّا يَوْمُ النَّحْرِ فَأَوَّلُ وَقْتِ الرَّمْيِ مِنْ وَقْتِ طُلُوعِ الْفَجْرِ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى : أَوَّلُهُ بَعْدَ نِصْفِ اللَّيْلِ لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَرْمُوا لَيْلًا) .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تَرْمُوا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ إلَّا مُصْبِحِينَ) وَيُرْوَى (حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ)

ترجمہ:

اور حج کرنے والے کیلئے اختیار ہے کہ وہ چوتھے دن کی طلوع فجر سے پہلے پہلے نکل سکتا ہے لیکن جب چوتھے دن کی فجر طلوع ہوگئی تو اب اس کیلئے جانا جائز نہیں ہے کیونکہ اب رمی کا وقت داخل ہو گیا ہے اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اسی دن یعنی چوتھے دن کے بعد زوال آفتاب سے پہلے طلوع فجر کے بعد رمی کو مقدم کیا تو جائز ہے۔ اور یہی استحسان ہے۔

صاحبین نے فرمایا: تمام دنوں پر قیاس کرتے ہوئے اس کیلئے جائز نہیں ہے۔ جبکہ فرق صرف روانگی کی اجازت میں ہے۔ لہذا جب حج کرنے والے نے جانے کا ارادہ نہ کیا تو چوتھا دن بھی دوسرے ایام کے ساتھ لاحق ہو گیا ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا مذہب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے۔ اور اسی دلیل کی بنیاد پر کہ اس دن میں رمی رہ جانے کے حق میں تخفیف کا حکم ظاہر ہو گیا لہذا وہ تمام اوقات میں بدرجہ اولیٰ جائز ہونے میں ظاہر ہوگا۔ بہ خلاف پہلے اور دوسرے دن کے کیونکہ ان دونوں دنوں میں مشہور روایت کے مطابق رمی جائز نہیں ہے۔ البتہ زوال کے بعد جائز ہے کیونکہ ان دونوں دنوں اس کا ترک جائز نہیں ہے لہذا رمی اپنی اصل پر باقی رہے گی جو روایت میں اس کی دلیل بیان کی گئی ہے۔

بہر حال یوم نحر کا حکم تو اس میں رمی کا اول وقت طلوع فجر کے وقت سے ہے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اول وقت آدھی رات کے بعد سے ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے چراہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم جمرہ عقبہ کی رمی نہ کرنا حتیٰ کہ صبح کرنے والے ہو جاؤ۔ اور یہ بھی روایت بیان کی گئی ہے یہاں تک سورج طلوع ہو جائے۔

رات کو رمی کرنے میں فقہ حنفی وشافعی کے اختلاف کا بیان:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں مزدلفہ کی رات (یعنی شب عید الاضحیٰ) میں (منیٰ کے لئے) روانہ کیا اور عبدالمطلب کے خاندان کے ہم کئی بچے تھے (جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات میں روانہ کیا تھا اور گدھے ہماری سواری تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ہماری روانگی کے وقت از راہ محبت والفت) ہماری

رانوں پر ہاتھ مارتے اور فرماتے تھے۔ میرے چھوٹے بچو! جب تک سورج نہ نکلے تم منارے (یعنی جمرہ عقبہ) پر کنکریاں نہ پھینکنا۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رات میں رمی جائز نہیں ہے چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ اور اکثر علماء کا یہی مسلک ہے جب کہ حضرت امام شافعی کے ہاں آدھی رات کے بعد سے رمی جائز ہے، نیز طلوع فجر کے بعد اور آفتاب نکلنے سے پہلے رمی اگر چہ تمام علماء کے نزدیک جائز ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کراہت کے ساتھ جواز کے قائل ہیں، حنفی مسلک کے مطابق طلوع آفتاب کے بعد رمی مستحب ہے۔

امام شافعی کی مستدل حدیث اور اس کی تاویل:

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بقرعید کی رات میں (مزدلفہ سے منیٰ) بھیج دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے (وہاں پہنچ کر) فجر سے پہلے جمرہ عقبہ پر کنکریاں ماریں اور پھر وہاں سے (مکہ) آئیں اور طواف افاضہ (جو فرض ہے) کیا اور یہ وہ دن تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تھے یعنی یہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا۔ (ابوداؤد)

حدیث کے آخری الفاظ میں دراصل اس طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کو اس رات میں منیٰ کیوں بھیجا، انہوں نے رات میں رمی کیوں کی اور دن ہی میں طواف افاضہ سے فارغ کیوں ہوگئیں جب کہ دیگر ازواج مطہرات نے اگلی رات میں طواف افاضہ کیا؟

حضرت امام شافعی فجر سے پہلے رمی جمرہ کے جواز کے لئے اس حدیث کو دلیل قرار دیتے ہیں اگر چہ افضل فجر کے بعد ہے حضرت امام شافعی کے علاوہ دیگر علماء اس حدیث کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ یہ سہولت ورعایت ہے جو صرف حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دی گئی تھی دوسروں کے لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کے پیش نظر فجر سے پہلے رمی جائز نہیں ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں فجر سے مراد نماز فجر ہو کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نماز فجر سے پہلے اور طلوع فجر کے بعد رمی کی۔

یوم نحر میں اصل کے باقی رہنے اور فضیلت کے ثابت ہونے کا بیان:

فَيَثْبُتُ أَصْلُ الْوَقْتِ بِالْأَوَّلِ وَالْأَفْضَلِيَّةُ بِالثَّانِي .وَتَأْوِيلُ مَا رُوِيَ اللَّيْلَةَ الثَّانِيَةَ وَالثَّالِثَةَ ، وَلِأَنَّ لَيْلَةَ النَّحْرِ وَقْتُ الْوُقُوفِ وَالرَّمْيِ يَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ فَيَكُونُ وَقْتُهُ بَعْدَهُ ضَرُورَةً .

ثُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَمْتَدُّ هَذَا الْوَقْتُ إلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِي هَذَا الْيَوْمِ الرَّمْيُ) ، جَعَلَ الْيَوْمَ وَقْتًا لَهُ وَذَهَابُهُ بِغُرُوبِ الشَّمْسِ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَمْتَدُّ إلَى وَقْتِ الزَّوَالِ ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا

رَوَيْنَا .

ترجمہ:

لہذا اول وقت حدیث اول سے ثابت ہو گیا اور فضیلت حدیث ثانی سے ثابت ہوگئی۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ روایت کی دوسری تیسری رات مراد ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ دسویں کی رات وقوف مزدلفہ کا وقت ہے جبکہ رمی کا حکم وقوف مزدلفہ پر صادر ہوتا ہے۔ لہذا رمی کا وقت ضروری طور پر وقوف کے بعد ہوگا۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ وقت سورج کے غروب ہونے تک لمبا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس دن میں ہمارا پہلا کام قربانی کرنا ہے پس نبی کریم ﷺ نے رمی کا وقت یہی دن قرار دیا ہے۔ اور سورج غروب ہو جانے سے دن چلا جاتا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ یہ وقت سورج کے زوال تک لمبا ہو جاتا ہے اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے خلاف وہ حدیث حجت ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔

رمی میں وقت وفضیلت ثابت کرنے والی احادیث کا بیان:

صاحب ہدایہ نے دو احادیث سے استدلال کیا ہے کہ ان میں سے پہلی حدیث سے رمی کا وقت اور دوسری فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ان دونوں احادیث کو امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یوم النحر کی شام (کے بعد آنے والی) رات وہی تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس رہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اتنے میں وہب بن زمعہ اور ان کے ساتھ ایک اور شخص ابوامیہ کی نسل میں سے کرتا پہنے ہوئے آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہب سے پوچھا اے ابوعبداللہ تم طواف اضافہ کر چکے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخدا (ابھی طواف نہیں کیا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنی قمیض اتار ڈالو انہوں نے اپنی قمیض اتار ڈالی اور ان کے ساتھی نے بھی اتار ڈالی پھر دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیوں فرمایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ وہ دن ہے جب تم اس میں کنکریاں مار چکو تو تم پر وہ سب چیزیں حلال ہو جائیں گی جو احرام کی حالت میں حرام تھیں سوائے عورتوں کے پس اگر تم نے طواف سے پہلے شام (رات) کی (یعنی رات سے پہلے طواف نہ کیا) تو تمہارا احرام باقی رہے گا جیسا کہ کنکریاں مارنے سے قبل تھا یہاں تک کہ تم طواف کرلو۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الحج)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لوگوں میں سے جو کمزور ہوتے تھے (جیسے عورتیں اور بچے) ان کو اندھیرے منہ ہی (منیٰ کی طرف) روانہ فرما دیتے تھے اور فرما دیتے تھے کہ کنکریاں نہ مارنا جب تک کہ سورج

نہ نکلے۔(سنن ابوداؤد، کتاب الحج)

یوم نحر کی رات کو رمی کرنے کا بیان:

وَإِنْ أَخَّرَ إِلَى اللَّيْلِ رَمَاهُ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِحَدِيثِ الدُّعَاءِ .وَإِنْ أَخَّرَ إِلَى الْغَدِ رَمَاهُ لِأَنَّهُ وَقْتُ جِنْسِ الرَّمْيِ ، وَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِتَأْخِيرِهِ عَنْ وَقْتِهِ كَمَا هُوَ مَذْهَبُهُ .

قَالَ (فَإِنْ رَمَاهَا رَاكِبًا أَجْزَأَهُ) لِحُصُولِ فِعْلِ الرَّمْيِ (وَكُلُّ رَمْيٍ بَعْدَهُ رَمْيٌ فَالْأَفْضَلُ أَنْ يَرْمِيَهُ مَاشِيًا وَإِلَّا فَيَرْمِيهِ رَاكِبًا) لِأَنَّ الْأَوَّلَ بَعْدَهُ وُقُوفٌ وَدُعَاءٌ عَلَى مَا ذَكَرْنَا فَيَرْمِيهِ مَاشِيًا لِيَكُونَ أَقْرَبَ إِلَى التَّضَرُّعِ ، وَبَيَانُ الْأَفْضَلِ مَرْوِيٌّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ .

ترجمہ:

اور اگر حج کرنے والے نے جمرہ عقبہ کی رمی کو رات تک مؤخر کیا تو وہ رات رمی کرے اور اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔حدیث رعاء کی دلیل کی بنیاد پر اجازت ہے۔اور اگر اس نے دوسرے دن تک تاخیر کی تو بھی رمی کرے کیونکہ جنس رمی کا وقت ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس صورت میں اس پر ایک دم لازم ہے کیونکہ رمی اپنے وقت سے مؤخر ہو چکی ہے اور یہی آپ علیہ الرحمہ کا مذہب ہے۔

فرمایا: اگر اس نے سوار ہو کر رمی جمار کی تو ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ رمی کا عمل حاصل ہو گیا ہے اور ہر وہ رمی جس کے بعد رمی ہو تو اس میں فضیلت یہ ہے کہ اس کی رمی پیدل کرے۔یا پھر سوار ہو کر رمی کرے۔کیونکہ پہلی کے بعد ٹھہرنا اور دعا کرنا ہے اسی حدیث کی دلیل کی بنیاد پر جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔اور وہ پیدل رمی کرے تا کہ عاجزی کی وجہ سے قرب نصیب ہو جائے اور فضیلت کا بیان حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت کیا گیا ہے۔

شرح

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منیٰ میں (حج کے متعلق) کچھ سوالات کئے گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر سوال کے جواب میں فرمایا کچھ حرج نہیں ایک شخص نے سوال کیا کہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈا دیا (تو اب میں کیا کروں؟) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قربانی کر اور کوئی مضائقہ نہیں (ایک دوسرے شخص نے سوال کیا کہ مجھے شام ہو گئی اور میں نے اب تک رمی نہیں کی پس اب میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رمی کر لے کوئی بات نہیں۔(سنن ابوداؤد، کتاب الحج)

سواری اور پیدل دونوں طرح سے رمی کی اجازت کا بیان:

حضرت سلیمان بن عمرو بن الاحوص اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جمرہ عقبہ کے پاس (اونٹ پر) سوار دیکھا ہے اور میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں انگلیوں کے بیچ میں کنکریاں تھیں پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ کنکری پھینکی اور دوسرے لوگوں نے بھی پھینکی۔

حضرت بن ابی الزیاد سے بھی اسی طرح مروی ہے اس حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (رمی جمار سے فراغت کے بعد جمرہ عقبہ پر) ٹھہرے نہیں رہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نحر کے بعد تین دن تک رمی جمار کے لیے آتے تھے پیدل آتے اور پیدل واپس جاتے اور فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نحر کے دن چاشت کے وقت اور اس کے بعد (دوسرے دن) زوال آفتاب کے بعد اونٹنی پر سوار ہو کر رمی جمار کرتے دیکھا ہے۔(سنن ابوداؤد)

رمی کی راتوں میں رات منیٰ میں گزارنے کا بیان:

وَيُكْرَهُ أَنْ لَا يَبِيتَ بِمِنًى لَيَالِيَ الرَّمْيِ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بَاتَ بِمِنًى ، وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يُؤَدِّبُ عَلَى تَرْكِ الْمَقَامِ بِهَا .وَلَوْ بَاتَ فِي غَيْرِهَا مُتَعَمِّدًا لَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ عِنْدَنَا ، خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ وَجَبَ لِيَسْهُلَ عَلَيْهِ الرَّمْيُ فِي أَيَّامِهِ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ أَفْعَالِ الْحَجِّ فَتَرْكُهُ لَا يُوجِبُ الْجَابِرَ .

قَالَ (وَيُكْرَهُ أَنْ يُقَدِّمَ الرَّجُلُ ثِقَلَهُ إِلَى مَكَّةَ وَيُقِيمَ حَتَّى يَرْمِيَ) لِمَا رُوِيَ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَمْنَعُ مِنْهُ وَيُؤَدِّبُ عَلَيْهِ ، وَلِأَنَّهُ يُوجِبُ شَغْلَ قَلْبِهِ

ترجمہ:

اور رمی کی راتوں میں منی میں رات نہ گزارنا مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے منی میں رات بسر کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ منی میں قیام رات ترک کرنے والے کو ادب سکھاتے تھے۔

فقہاء احناف کے نزدیک اگر حج کرنے والے نے بغیر ارادے کے منی کے علاوہ رات گزاری تو اس پر کچھ واجب نہ ہو گا۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ ثبوت قیام اس لئے ہے کہ حج کرنے والے پر رمی کے ایام میں رمی کرنا آسان ہو جائے لہذا یہ عمل حج کے افعال سے نہ ہوا۔تو اس کو چھوڑنے سے نقصان کو پورا کرنے والے پر کچھ واجب نہ ہو گا۔

فرمایا: حج کرنے والے کیلئے مکروہ ہے کہ سامان مکہ کی طرف پہلے روانہ کردے اور خود ٹھہرا رہے۔حتیٰ کہ رمی کرے۔اس لئے کہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عمل سے منع کرتے تھے۔اور اس پر لوگوں کو خبردار کرتے تھے۔اس دلیل کی بنیاد پر کہ اس کا یہ عمل اس کے دل کو مصروف کردے گا۔

منیٰ والی راتوں کو منیٰ میں رہنے میں مذاہب اربعہ کا بیان:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ہم لوگوں کا مال بیچا کرتے ہیں (جس کی بناء پر ہمارے ساتھ بہت سامال رہتا ہے جس کی حفاظت ضروری ہے) تو کیا ہم میں سے کوئی شخص (منیٰ سے آکر) مکہ میں اپنے مال کے پاس رہ سکتا ہے؟ فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات اور دن کو منیٰ ہی میں رہتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منیٰ والی راتوں میں پانی پلانے کی غرض سے مکہ میں رہنے کی اجازت چاہی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت اور مجبوری کے وقت ایسا کرنا جائز ہے۔

اب مسئلہ کی طرف آیئے، جو راتیں منیٰ میں گزاری جاتی ہیں ان میں منیٰ میں قیام اکثر علماء کے نزدیک واجب ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں ان راتوں میں منیٰ میں رہنا سنت ہے، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کا ایک قول بھی یہی ہے۔

اس ضمن میں یہ بات ذہن میں رہے کہ رات کے قیام کے سلسلہ میں رات کے اکثر حصہ یعنی آدھی رات سے زیادہ کے قیام کا اعتبار ہے اور یہی حکم ان راتوں کا بھی ہے جن میں عبادت وغیرہ کے لئے شب بیداری مستحب ہے مثلاً لیلۃ القدر وغیرہ کہ ان راتوں کے اکثر حصہ کی شب بیداری کا اعتبار ہے۔ بہرکیف جن علماء کے نزدیک منیٰ میں رات کا قیام سنت ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، ان کی دلیل مذکورہ بالا حدیث ہے کہ اگر منیٰ میں رات میں قیام واجب ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ان راتوں میں مکہ میں رہنے کی اجازت کیسے دیتے۔

بعض حنفی علماء کہتے ہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرح جس شخص کے سپرد زمزم کا پانی پلانے کی خدمت ہو یا جس کو کوئی شدید عذر لاحق ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ جو راتیں منیٰ میں گزاری جاتی ہیں وہ ان میں منیٰ کا قیام ترک کردے، گویا اس سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ بلا عذر سنت کو ترک کرنا جائز نہیں ہے اور یہ کہ کسی عذر کی بناء پر سنت کو ترک کرنے میں اساءۃ بھی نہیں ہے۔

منیٰ میں رہنے والوں کیلئے رمی کرنے کا حکم:

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ چرانے والوں کو رخصت دی رات کو منیٰ میں رہنے کی اور ان کو یوم النحر کو رمی کرنے کا حکم فرمایا پھر دوسرے اور تیسرے دن دو دن کے لیے (اور اگر منیٰ میں رہیں) تو چوتھے

دن بھی رمی کریں۔

حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ چرانے والوں کو رخصت دی کہ ایک دن وہ رمی کریں اور ایک دن چھوڑ دیں (اور پھر رمی کریں یعنی ایک دن چھوڑ کر رمی کریں)۔(سنن ابوداؤد)

مقام محصب میں ٹھہرنے کا بیان:

(وَإِذَا نَفَرَ إِلَى مَكَّةَ نَزَلَ بِالْمُحَصَّبِ) وَهُوَ الْأَبْطَحُ وَهُوَ اسْمُ مَوْضِعٍ قَدْ نَزَلَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ نُزُولُهُ قَصْدًا هُوَ الْأَصَحُّ حَتَّى يَكُونَ النُّزُولُ بِهِ سُنَّةً عَلَى مَا رُوِيَ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَصْحَابِهِ (إِنَّا نَازِلُونَ غَدًا بِالْخَيْفِ خَيْفِ بَنِي كِنَانَةَ حَيْثُ تَقَاسَمَ الْمُشْرِكُونَ فِيهِ عَلَى شِرْكِهِمْ) يُشِيرُ إِلَى عَهْدِهِمْ عَلَى هِجْرَانِ بَنِي هَاشِمٍ فَعَرَفْنَا أَنَّهُ نَزَلَ بِهِ إِرَاءَةً لِلْمُشْرِكِينَ لَطِيفَ صُنْعِ اللَّهِ تَعَالَى بِهِ ، فَصَارَ سُنَّةً كَالرَّمَلِ فِي الطَّوَافِ .

ترجمہ:

اور جب وہ مکہ روانہ ہو تو محصب میں اترے اور وہی ابطح ہے اور یہ ایک جگہ کا نام ہے جہاں رسول اللہ ﷺ اترے تھے اور محصب میں آپ ﷺ کا اترنا بطور ارادہ تھا۔اور صحیح روایت یہی ہے۔لہذا محصب میں اترنا سنت ہو گیا اور اس دلیل کی بنیاد پر جو روایت کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ہم کل کے دن خیف میں اتریں گے خیف بنو کنانہ میں ہے جہاں مشرکین نے اپنے شرک پر قسمیں اٹھائیں تھیں۔آپ ﷺ کا یہ کلام بات کی طرف اشارہ ہے۔کہ مشرکوں نے بنو ہاشم کو چھوڑنے میں بڑی کوشش کی تھی تو ہم نے سمجھ لیا کہ آپ ﷺ وہاں محصب میں اترے۔تاکہ مشرکین دیکھائیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت لطیفہ آپ کے ساتھ ہے لہذا طواف میں رمل کی طرح یہ سنت ہو گیا۔

مقام محصب میں اترنے کے سنت ہونے کا بیان:

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابطح میں اترنا یعنی ٹھہرنا سنت نہیں ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو وہاں صرف اس لئے اترے تھے کہ مکہ سے چلنے میں آسانی ہو جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے واپس ہوئے تھے۔(بخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تیرہویں ذی الحجہ کو منیٰ سے لوٹے تو ابطح یعنی محصب میں صرف اس غرض سے ٹھہر گئے تھے تاکہ وہاں اپنا سامان وغیرہ چھوڑ کر مکہ جائیں اور وہاں طواف الوداع کریں اور

جب مکہ سے مدینہ واپس ہوں تو اس وقت سامان وغیرہ ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے آسانی ہو۔ اس بارہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ تحصب یعنی محصب میں ٹھہرنا سنت ہے اور افعال حج کا ایک تتمہ ہے۔ یہ حضرت ابن عمر کا قول ہے، ان کے نزدیک قیام محصب کے مسنون ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منیٰ میں فرمایا تھا کہ کل ہم انشاءاللہ خیف بنی کنانہ یعنی محصب میں ٹھہریں گے، اور اس کا سبب یہ تھا کہ خیف بنی کنانہ ہی وہ جگہ ہے جہاں مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی میں باہم یہ عہد و پیمان کیا تھا اور یہ قسم کھائی تھی کہ ہم بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب یعنی ان دونوں خاندانوں کے لوگوں سے میل جول، نکاح بیاہ، خرید وفروخت اور ان میں اٹھنا بیٹھنا اس وقت تک چھوڑے رہیں گے جب تک یہ لوگ محمد کو ہمارے سپرد نہ کر دیں گے گویا اس مقام پر انہوں نے ان خاندانوں سے مکمل مقاطعہ اور بائیکاٹ کا اعلان کر کے شعائر کفر کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی قوت کو غالب فرمایا اور کفر وشرک کا پھیلاؤ دور ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقوع پر منیٰ سے مکہ کو واپس ہوتے ہوئے یہ چاہا کہ اس جگہ یعنی خیف بنی کنانہ (محصب) میں ٹھہر کر شعائر اسلام کو ظاہر کریں جہاں کچھ ہی سال پیشتر کفار نے شعائر کفر کو ظاہر کیا تھا اور اس طرح وہاں اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کیا جو اس نے اسلام کو غلبہ اور عظمت دے کر عطا فرمائی تھیں۔ طبرانی نے اوسط میں حضرت عمر فاروق کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یوم النفر کی رات میں ابطح میں ٹھہرنا منجملہ سنت ہے، نیز یہ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں کو اس رات میں ابطح میں ٹھہرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

فقہ حنفی کی مشہور تین کتاب ہدایہ میں لکھا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابطح میں اس مقصد سے قیام فرماتے تھے کہ مشرکین کو اللہ تعالیٰ کی قدرت دکھائیں کہ کل جس جگہ انہوں نے مکمل مقاطعہ کا عہد و پیمان کر کے اپنی برتری کا اظہار کیا تھا آج وہی جگہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کے زیر تسلط ہے، چنانچہ اس جگہ رات میں قیام سنت ہے۔ اس کے برخلاف، بعض حضرات کہتے ہیں کہ محصب میں قیام سنت نہیں ہے کہ کیونکہ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام محض اتفاقی طور پر ہو گیا تھا جس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامان سفر کے نگران تھے اپنی رائے سے اور اتفاقی طور پر وہاں رک گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیمہ نصب کر دیا، اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی حکم نہیں تھا۔

قیام محصب کو سنت نہ کہنے والوں میں حضرت ابن عباس کے علاوہ حضرت عائشہ بھی ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا۔ بہرکیف اس بارہ میں بہتر بات یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محصب میں ٹھہرنا منقول ہے چاہے وہ ٹھہرنا اتفاقی طور پر ہی کیوں نہ رہا ہو تو اچھا یہی ہے کہ وہاں قیام کر لیا جائے جیسا کہ دیگر صحابہ اور خلفاء راشدین بھی اس پر عمل کرتے تھے اور اگر کوئی شخص وہاں نہ ٹھہرے تو اس میں کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ محصب میں اترنا کوئی عبادت نہیں ہے وہ تو صرف ایک منزل ہے جہاں رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم (یونہی) ٹھہرا کرتے تھے۔ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے (مقام) ذی طویٰ میں جو کہ مکہ کے ساتھ متصل ہے اور مکہ سے مدینہ لوٹتے وقت اس کنکر یلے میدان (بطحاء) میں ٹھہرنا جو ذوالحلیفہ میں ہے حدیث نمبر 862۔

محصب میں ٹھہرنا کوئی حج کا رکن نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں آرام کے لیے اس خیال سے کہ مدینہ کی روانگی وہاں سے آسان ہوگی ٹھہر گئے تھے، چنانچہ عصرین ومغربین آپ نے وہیں ادا کیں، اس پر بھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہرے تو یہ ٹھہرنا مستحب ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں ٹھہرا کرتے تھے۔

طواف صدور کے بیان میں فقہی حکم:

قَالَ (ثُمَّ دَخَلَ مَكَّةَ وَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ لَا يَرْمُلُ فِيهَا وَهَذَا طَوَافُ الصَّدْرِ) وَيُسَمَّى طَوَافَ الْوَدَاعِ وَطَوَافُ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ لِأَنَّهُ يُوَدِّعُ الْبَيْتَ وَيَصْدُرُ بِهِ (وَهُوَ وَاجِبٌ عِنْدَنَا) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ، لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ حَجَّ هَذَا الْبَيْتَ فَلْيَكُنْ آخِرَ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ الطَّوَافُ) وَرَخَّصَ لِلنِّسَاءِ الْحُيَّضِ تَرْكَهُ. قَالَ (إلَّا عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ) لِأَنَّهُمْ لَا يُصْدَرُونَ وَلَا يُوَدِّعُونَ، وَلَا رَمَلَ فِيهِ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ شُرِعَ مَرَّةً وَاحِدَةً وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْ الطَّوَافِ بَعْدَهُ لِمَا قَدَّمْنَا.

ترجمہ:

فرمایا: اس کے بعد وہ مکہ میں داخل ہو جائے اور بیت اللہ کے سات چکر لگائے جن میں رمل نہیں کرے گا۔ اور یہ طواف صدور ہے۔ اور اسی کا نام طواف وداع بھی ہے اور حج کے زمانے میں آخری عمل طواف صدور ہے کیونکہ اسی طواف کے ساتھ وہ بیت اللہ کو وداع کرتا ہوا روانہ ہوتا ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک یہ طواف واجب ہے۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے اس گھر کا طواف کیا تو اس کا آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے سوائے اہل مکہ کے حائض کو اجازت دی ہے۔ کیونکہ مکہ والے نہ روانہ ہوتے ہیں اور نہ ہی وداع کہتے ہیں اور اس طواف میں رمل نہیں ہے اسی دلیل کی بنیاد پر جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ رمل صرف ایک مرتبہ مشروع ہے اور اس کے بعد طواف کی دو رکعات پڑھے۔ اسی حدیث کے پیش نظر جو ہم پہلے روایت کر چکے ہیں۔

شرح

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ لوگوں کو اس کا حکم تھا کہ ان کا آخری وقت بیت اللہ کے ساتھ ہو (یعنی طواف وداع کریں) البتہ حائضہ سے یہ معاف ہو گیا تھا۔ (صحیح بخاری، رقم ۱۷۵۵)

کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فتوی حائضہ اور نفساء عورتوں کے متعلق پہلے یہ تھا کہ وہ حیض اور نفاس کا خون بند ہونے کا انتظار کریں اور پاک ہونے پر طواف وداع کر کے رخصت ہوں، مگر جب ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث معلوم ہوئی تو انہوں نے اپنے اس مسلک سے رجوع کرلیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام دستور العمل یہی تو تھا کہ وہ حدیث صحیح کے سامنے اپنے خیالات کو چھوڑ دیا کرتے تھے اور اپنے مسلک سے رجوع کرلیا کرتے تھے،

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء پڑھی، پھر تھوڑی دیر محصب میں آرام فرمارہے، اس کے بعد سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لے گئے اور وہاں طواف زیارۃ عمرو بن حارث کے ساتھ کیا، اس روایت کی متابعت لیث نے کی ہے۔ (صحیح بخاری، رقم ۱۷۵۶)

حج کرنے والے کیلئے آب زم زم پینے کی فضیلت کا بیان:

(ثُـمَّ یَـأْتِی زَمْزَمَ فَیَشْرَبُ مِنْ مَائِهَا) لِمَا رُوِیَ (أَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اسْتَقَی دَلْوًا بِنَفْسِهِ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ أَفْرَغَ بَاقِیَ الدَّلْوِ فِی الْبِئْرِ) وَیُسْتَحَبُّ أَنْ یَأْتِیَ الْبَابَ وَیُقَبِّلُ الْعَتَبَةَ (ثُـمَّ یَـأْتِـی الْمُلْتَزَمَ ، وَهُوَ مَا بَیْنَ الْحَجَرِ إلَی الْبَابِ فَیَضَعُ صَدْرَهُ وَوَجْهَهُ عَلَیْهِ وَیَتَشَبَّثُ بِالْأَسْتَارِ سَاعَةً ثُمَّ یَعُودُ إلَی أَهْلِهِ) هَکَذَا رُوِیَ أَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَعَلَ بِالْمُلْتَزَمِ ذَلِكَ .

قَالُوا : وَیَنْبَغِی أَنْ یَنْصَرِفَ وَهُوَ یَمْشِی وَرَاءَهُ وَوَجْهُهُ إلَی الْبَیْتِ مُتَبَاکِیًا مُتَحَسِّرًا عَلَی فِرَاقِ الْبَیْتِ حَتَّی یَخْرُجَ مِنْ الْمَسْجِدِ .فَهَذَا بَیَانُ تَمَامِ الْحَجِّ .

ترجمہ:

اس کے بعد وہ زمزم کے پاس آئے اور اس سے پئے۔ کیونکہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے ایک ڈول بھرا اور اس سے خود نوش فرمایا پھر بقیہ ڈول کو کنوئیں میں ڈال دیا۔ اور مستحب یہ ہے کہ باب کعبہ سے آئے اور چوکھٹ کو چومے اور ملتزم آئے اور وہ حجر اسود سے لیکر کعبہ کے باب تک ہے۔ اب وہ اس پر اپنے سینے اور چہرے کو رکھے اور ایک ساعت کیلئے کعبہ کے پردوں سے لپٹ جائے اور پھر اپنے اہل وعیال کے پاس آئے۔ اسی طرح روایت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ملتزم کے ساتھ اسی طرح کیا تھا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، مصنف عبدالرزاق، دار قطنی، حاکم)

مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ اپنے پیچھے کی جانب چلتا ہوا لوٹے اس حال میں کہ اس کا چہرہ بیت اللہ کی طرف رہے۔ اور وہ روتا ہوا بیت اللہ کی جدائی سے حسرت کرتا ہوا آئے یہاں تک مسجد حرام سے باہر آئے۔ یہ مکمل حج کا بیان ہے۔

شرح

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کی درخواست کی کہ جن راتوں میں منیٰ میں قیام کیا جاتا ہے ان میں انہیں سبیل زمزم کی خدمت کے لئے مکہ رہنے کی اجازت دے دی جائے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ (بخاری ومسلم)

طواف افاضہ کے بعد آب زمزم پینا مستحب ہے چنانچہ اس زمانہ میں زمزم کے کنوئیں کے قریب ہی کئی حوض زمزم کے پانی سے بھرے رہتے تھے تاکہ اگر کوئی شخص اژدحام وغیرہ کی وجہ سے کنوئیں سے پانی نہ پی سکے تو وہ ان حوضوں میں سے پی لے، سبیل زمزم کی نگرانی کی سعادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی، اس طرح زمزم کا پانی پلانے کی اس عظیم السعادت خدمت کو وہ اپنے کئی مددگاروں کے ذریعہ انجام دیتے تھے! چنانچہ جن راتوں میں حاجی منیٰ میں قیام کرتے ہیں انہیں راتوں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگی کہ اگر حکم ہو تو میں ان راتوں میں مکہ میں رہوں تاکہ سبیل زمزم کی جو مقدس خدمت میرے سپرد ہے اسے انجام دے سکوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔

آب زمزم کی برکت کا بیان:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبیل پر تشریف لائے اور زمزم کا پانی مانگا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے کہا کہ فضل! اپنی والدہ کے پاس جاؤ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ان سے (زمزم کا وہ) پانی مانگ لاؤ جو ان کے پاس رکھا ہوا ہے اور ابھی استعمال نہیں ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ تم تو مجھے اسی سبیل سے پانی پلا دو۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! لوگ اس میں اپنے ہاتھ ڈالتے ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ہے مجھے اسی میں سے پلا دو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پانی میں سے پیا اور پھر زمزم کے کنویں کے پاس تشریف لائے جہاں لوگ (یعنی عبدالمطلب کے خاندان والے) لوگوں کو پانی پلا رہے تھے اور اس خدمت میں پوری طرح مصروف تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا اپنا کام کئے جاؤ، کیونکہ تم ایک نیک کام میں لگے ہوئے ہو۔ پھر فرمایا۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غلبہ پالیں گے تو میں اپنی اونٹنی پر سے اترتا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار تھے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے سامنے رہیں اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حج کے عملی احکام سیکھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مونڈھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ رسی اس پر رکھتا (یعنی اگر مجھے اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ مجھے پانی کھینچتا دیکھ کر میری سنت کی اتباع میں پانی کھینچنے لگیں گے اور اس سعادت کے حصول کے لئے اتنا اژدحام کریں گے کہ وہ تم پر غالب آجائیں گے اور تمہیں پانی نہ کھینچنے دیں گے جس کی وجہ سے یہ مقدس خدمت تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے گی تو میں بھی اپنی اونٹنی سے اتر کر اس کنویں سے پانی کھینچتا۔ (بخاری)

لوگ اس میں اپنے ہاتھ ڈالتے ہیں اس بات سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ یہاں پانی پینے والوں کا

اژدحام رہتا ہے اس میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جن کے ہاتھ صاف ستھرے نہیں ہوتے اور وہ پانی پینے کے لئے اس حوض میں اپنے ہاتھ ڈالتے رہتے ہیں اس لئے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس پانی میں سے منگایا ہے جو بالکل الگ رکھا ہوا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے منظور نہیں کیا اور فرمایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے تم تو مجھے اسی حوض میں سے پانی پلا دو چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی حوض سے پانی پیا گویا یہ بات اس روایت کی مانند ہے جس میں منقول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچا ہوا پانی از راہ تبرک پینا پسند فرماتے تھے! نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بطریق مرفوع (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی) نقل کیا ہے کہ، یہ چیز تواضع میں داخل ہے کہ انسان اپنے (کسی) بھائی کا جھوٹا پئے۔ لیکن لوگوں میں جو یہ حدیث مشہور ہے کہ سورہ المؤمنین شفاء (مومنین کا جھوٹا شفا ہے) تو اس کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ حدیث غیر معروف ہے۔ اس کے صحیح ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

مذکورہ بالا روایت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمزم کے کنوئیں سے پانی کھینچنے اور پینے کے لئے اونٹنی سے اترے نہیں، جب کہ ایک اور روایت میں جو حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب طواف افاضہ کر چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمزم کے کنویں سے ڈول (میں پانی کھینچا اور اس کھینچنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے پیا اور ڈول میں جو پانی بچ گیا اسے کنویں میں ڈال دیا۔

ان دونوں روایتوں میں مطابقت یہ ہے کہ پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیڑ کی وجہ سے اونٹنی سے نہ اترے ہوں گے پھر دوبارہ تشریف لائے تو بھیڑ دیکھ کر پانی کھینچا اور پیا چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کا تعلق پہلی مرتبہ سے ہے اور حضرت عطاء رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق دوسری مرتبہ سے ہے۔

فَصْل

﴿ یہ فصل اس حاجی کے بیان میں ہے جو مکہ میں داخل نہ ہو ﴾

فصل بغیر احرام کے دخول مکہ میں فقہی مطابقت کا بیان:

یہ فصل افعال حج میں سے مسائل شتیٰ کی ہے۔ اس میں بعض اس طرح کے مسائل کا ذکر ہے جو باب سے متعلق ہیں۔ اور باب مسائل باب کے موضوع سے مختلف ہیں۔ اسی لئے اس فصل کو ابواب الحج میں مسائل شتیٰ کی فصل کا نام دیا گیا ہے۔

جو محرم مکہ میں گئے بغیر عرفات چلا گیا:

(فَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ الْمُحْرِمُ مَكَّةَ رَتَوَجَّهَ إِلَى عَرَفَاتٍ وَوَقَفَ بِهَا) عَلَى مَا بَيَّنَّا (سَقَطَ عَنْهُ طَوَافُ الْقُدُومِ) لِأَنَّهُ شُرِعَ فِي ابْتِدَاءِ الْحَجِّ عَلَى وَجْهٍ يَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ سَائِرُ الْأَفْعَالِ ، فَلَا يَكُونُ الْإِتْيَانُ بِهِ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ الْوَجْهِ سُنَّةً (وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ بِتَرْكِهِ) لِأَنَّهُ سُنَّةٌ ، وَبِتَرْكِ السُّنَّةِ لَا يَجِبُ الْجَابِرُ

ترجمہ:

اگر محرم مکہ میں داخل نہ ہوا اور وہ عرفات چلا گیا اور وہاں کا وقوف کیا جس طرح ہم نے بیان کیا ہے تو اس سے طواف قدوم ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ طواف قدوم حج کے شروع میں اس طرح مشروع ہے کہ حج کے تمام افعال اس پر مرتب ہوں لہذا اس طریقے کے خلاف طواف قدوم کو لانا خلاف سنت ہوگا۔ اور اس کے ترک پر کچھ واجب بھی نہ ہوگا کیونکہ وہ سنت ہے۔ اور ترک سنت پر کوئی جابر واجب نہیں ہوتا۔

شرح

طواف قدوم کرنے کی بجائے اگر کوئی شخص عرفات میں چلا جائے تو اس سے طواف قدوم جو سنت ہے وہ رہ جائے گا حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ کا پہلا طواف (طواف قدوم) کرتے تو تین چکروں میں ر[illegible] کرتے (پہلوانوں اور سپاہیوں کی طرح کندھے ہلا کر تیز تیز چلتے) اور باقی چار چکروں میں عام اندازے سے چلتے حجر اسود سے حجر اسود تک ایک چکر ہوتا اور خود حضرت ابن عمر بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الحج)

طواف قدوم کا طریقہ اور اس کی شرعی حیثیت حج کے طریقے میں گزر چکی ہے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

طواف قدوم آفاقی کیلئے مسنون ہے:

طواف قدوم آفاقی کے لئے مسنون ہے، مکی، حلی، اور میقات کے اندر رہنے والے حضرات کے لئے طواف قدوم کا حکم نہیں ہے، طواف زیارت فرض ہے اور حج کی سعی کرنا، واجب ہے، لہذا آپ کو مزدلفہ سے آنے کے بعد طواف اور سعی کرنا شرعاً ضروری ہے۔ طواف زیارت کا وقت دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے اور دسویں تاریخ کو کرنا افضل ہے، اگر بغیر کسی عذر کے اس مدت میں طواف زیارت نہ کیا جائے تو تاخیر کی وجہ دم واجب ہوگا اور طواف تو بہر صورت کرنا ہی پڑے گا جب تک طواف زیارت نہ کیا جائے ذمہ میں باقی رہتا ہے نہ یہ فوت ہوتا ہے اور نہ کسی جزاء یا کفارہ سے ساقط ہوتا ہے طواف زیارت سے پہلے ازدواجی تعلق جائز نہیں خواہ کتنی ہی مدت گزر جائے۔ اور اگر حج کی سعی نہیں کی تو دم واجب ہوگا۔ جیسا کہ معلوم ہوا طواف زیارت فرض اور سعی واجب ہے فرض کے بغیر حج ادا نہیں ہوتا اور سعی نہ ہو تو ناقص ہوتا ہے مناسک حج کی ادائیگی میں سنن و مستحبات کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔

ردالمحتار، کتاب الحج فصل فی الاحرام وصفة المفرد میں طواف قدوم کے تحت ھے: (قوله للافاقی) ای لاغیر فتح فلا یسن للمکی ولا لا هل المواقیت ومن دونها الی مکة سراج .

مناسك ملاعلی قاری مع حاشیۂ ارشاد الساری باب طواف الزیارة ص 257-256 میں ھے: (وهذا الطواف هو المفروض فی الحج ولایتم الحج الا به) ای لکونه رکنا بالاجماع (طلوع الفجر الثانی من یوم النحر فلایصح قبله)(ولاآخرله فی حق الصحة فلواتی به ولوبعد سنین صح ولکن یجب فعله فی ایام النحر)(فلواخره عنها)ای بغیرعذر (ولوالی آخرایام التشریق لزمه دم) ای علی الاصح (ولافوات قبل الممات ولایجزی عنه البدل) ای الجزاء .

وقوف عرفہ میں ادائے فرض کا بیان:

(وَمَنْ أَدْرَكَ الْوُقُوفَ بِعَرَفَةَ مَا بَيْنَ زَوَالِ الشَّمْسِ مِنْ يَوْمِهَا إلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ) فَأَوَّلُ وَقْتِ الْوُقُوفِ بَعْدَ الزَّوَالِ عِنْدَنَا لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَقَفَ بَعْدَ الزَّوَالِ ، وَهَذَا بَيَانُ أَوَّلِ الْوَقْتِ .

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ أَدْرَكَ عَرَفَةَ بِلَيْلٍ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ ، وَمَنْ فَاتَهُ عَرَفَةُ بِلَيْلٍ فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ) وَهَذَا بَيَانُ آخِرِ الْوَقْتِ .

وَمَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ إنْ كَانَ يَقُولُ : إنَّ أَوَّلَ وَقْتِهِ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ أَوْ بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ فَهُوَ مَحْجُوجٌ عَلَيْهِ بِمَا رَوَيْنَا

ترجمہ:

اور جس شخص نے زوال آفتاب اور طلوع فجر کے درمیان عرفہ کے دن وقوف پایا تو اس نے حج کو پالیا۔ لہذا ہمارے نزدیک وقوف کا اول وقت زوال آفتاب کے بعد ہے کیونکہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے زوال کے بعد وقوف فرمایا اور یہ اس کے اول وقت کا بیان ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے عرفہ کو رات میں پایا اس نے حج پالیا۔ اور جس سے عرفہ کی رات کا وقوف فوت ہوگیا تو اس کا حج فوت ہوگیا۔ اور یہ اس کے آخری وقت کا بیان ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وقوف عرفہ کا اول وقت طلوع فجر یا طلوع سورج کے بعد ہے اگرچہ یہ امام مالک علیہ الرحمہ کا قول ہے لیکن حدیث ان کے خلاف حجت ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

حج عرفہ کے دن میں ہونے کا بیان:

حضرت عبدالرحمٰن بن یعمر الدیلی سے روایت ہے کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفہ میں تھے تو چند نجد کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے ایک شخص کو حکم دیا پس اس نے پکار کر پوچھا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کس طرح ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایک آدمی کو حکم دیا تو اس نے بلند آواز میں جواب دیا کہ حج عرفہ کے دن ہے جو شخص دسویں شب کو فجر سے پہلے عرفہ میں آجائے گا تو اس کا حج پورا ہو جائیگا اور منیٰ میں رہنے کے تین دن ہیں جس نے دو دن کے اندر کوچ کرنے میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے تاخیر کی اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور وہ یہی پکارتے چلا گیا ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو مہران نے سفیان سے روایت کرتے ہوئے الحج الحج دو مرتبہ کہا ہے۔ اور یحیی بن سعید القطان نے سفیان سے الحج صرف ایک مرتبہ ذکر کیا ہے۔ وقوف عرفہ فرض ہے اس کا وقت نویں تاریخ کے زوال سے لے کر دسویں تاریخ کی شب میں طلوع فجر تک ہے اس کے درمیان اگر ایک ساعت بھی ٹھہر گیا تو اس کا حج صحیح ہے۔

حضرت عروہ بن مضرس الطائی سے روایت ہے کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موقف میں آیا یعنی مزدلفہ میں میں نے کہا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں طے کے پہاڑوں میں سے چلا آتا ہوں میں نے اپنی اونٹنی کو تھکا مارا ہے اور خود کو بھی تھکایا ہے خدا کی قسم مجھے راستہ میں کوئی پہاڑ نہیں ملا جس پر میں نہ ٹھہرا ہوں تو کیا میرا حج درست ہوگیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہمارے ساتھ اس نماز کو پائے (یعنی مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز) اور وہ اس کے بعد پہلی رات کو یا دن کو عرفات میں ٹھہر چکا ہو تو اس کا حج پورا ہوگیا پس وہ اپنا میل کچیل دور کرے۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الحج)

وقوف عرفہ کے بعد جب حاجی اسی وقت چلا جائے:

(ثُمَّ إذَا وَقَفَ بَعْدَ الزَّوَالِ وَأَفَاضَ مِنْ سَاعَتِهِ أَجْزَأَهُ) عِنْدَنَا لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ذَكَرَهُ بِكَلِمَةِ أَوْ فَإِنَّهُ قَالَ (الْحَجُّ عَرَفَةَ فَمَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ سَاعَةً مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ قَدْ تَمَّ حَجُّهُ) وَهِيَ كَلِمَةُ التَّخْيِيرِ .

وَقَالَ مَالِكٌ : لَا يُجْزِيهِ إلَّا أَنْ يَقِفَ فِي الْيَوْمِ وَجُزْءٍ مِنْ اللَّيْلِ ، وَلَكِنَّ الْحُجَّةَ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ

ترجمہ:

اس کے بعد جب حج کرنے والا زوال کے بعد وقوف عرفہ کرے اور اسی وقت چلا جائے تو ہمارے نزدیک اس کیلئے کافی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کلمہ کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: حج عرفہ کا نام ہے جس نے ایک گھڑی بھی دن یا رات میں وقوف عرفہ کیا تو اس کا حج پورا ہو گیا اور لفظ ''او'' اختیار کیلئے آتا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس کیلئے کافی نہیں ہے ہاں البتہ وہ دن میں اور رات کے ایک حصے میں وقوف کرے لیکن ان کے خلاف وہی حدیث جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

شرح

عن ابنِ عُمَرَ , قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَنْ أَدْرَكَ لَيْلَةَ عَرَفَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ ، وَمَنْ فَاتَهُ لَيْلَةُ عَرَفَةَ فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ " (رواه مسلم)

(ا) عبد الله بن عمر مصنف ابن أبى شيبة13421،13835،ابن ابى شيبة، 235 (٢)عبد الله بن عمر ،جزء أبى العباس بن عصم، 96أبو العباس بن عصم، 405(٣)عبد الله بن عمر ،إتحاف المهرة، 90289672_4126،ابن حجر العسقلانى، 852(٤) عبد الله بن عمر ،الكامل فى ضعفاء الرجال، 7255،7 : 393،أبو أحمد بن عدى الجرجانى، 365(٥)عبد الله بن عمر ،سنن الدارقطنى 2214 2496 الدارقطنى، 385(٦)عبد الله بن عمر ،حجة الوداع لابن حزم، 524،548،ابن حزم الظاهرى 456(٧) عبد الله بن عمر ،السنن الصغير للبيهقى، 807،1794،البيهقى، 458(٨)عبد الله بن عمر ،التحقيق فى مسائل الخلاف لابن الجوزى، 1353،1563 أبو الفرج ابن الجوزى597 .

جو حالت نیند یا بے ہوشی میں میدان عرفات سے گزرا:

(وَمَنْ اجْتَازَ بِعَرَفَاتٍ نَائِمًا أَوْ مُغْمًى عَلَيْهِ أَوْ لَا يَعْلَمُ أَنَّهَا عَرَفَاتٌ جَازَ عَنْ الْوُقُوفِ) لِأَنَّ مَا هُوَ الرُّكْنُ قَدْ وُجِدَ وَهُوَ الْوُقُوفُ ، وَلَا يَمْتَنِعُ ذَلِكَ بِالْإِغْمَاءِ وَالنَّوْمِ كَرُكْنِ الصَّوْمِ ، بِخِلَافِ الصَّلَاةِ لِأَنَّهَا لَا تَبْقَى مَعَ الْإِغْمَاءِ ، وَالْجَهْلُ يُخِلُّ بِالنِّيَّةِ وَهِيَ لَيْسَتْ

بِشَرْطٍ لِكُلِّ رُكْنٍ

ترجمہ:

اور جو بندہ حالت نیند یا بے ہوشی میں عرفہ سے سے گزرا یا اس کو علم ہی نہ ہوا کہ یہ عرفات ہے تو اس کا وقوف جائز ہوگا کیونکہ جو رکن ہے وہ پایا گیا ہے۔ اور وہ رکن وقوف ہے جو اغماء و نیند کی وجہ سے ممتنع نہ ہوگا جس طرح رکن صوم کا مسئلہ ہے بہ خلاف نماز کے کیونکہ نماز اغماء کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی۔ اور جہل نیت میں مخل ہونے والا ہے اور ہر رکن کیلئے نیت شرط نہیں ہے۔

شرح

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ نیت شرط اسی طرح ہے جس طرح نماز میں ہوتی ہے۔ اور یہاں اغماء کی وجہ سے نیت منتفی ہوگئی ہے۔ لہذا شرط بھی منتفی ہوئی۔ اور جب شرط ختم ہوئی تو مشروط بھی ختم ہو جائے گا۔ پس اس کا وقوف نہ ہوا۔

صاحب ہدایہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اگرچہ جہل کی خلل اندازی ہوئی ہے اور نیت میں جہل کی خلل اندازی کا ہونا حج کے ہر رکن یا مناسک میں خلل انداز ہونے والی نہیں ہے۔ کیونکہ جب اس نے حج شروع کیا ہے تو حج کے ہر رکن و مناسک کے لئے الگ نیت کرنا شرط نہیں ہے۔ اور دیگر عبادات میں بھی اسی طرح ہوتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

احرام باندھا گیا مُحرِم کے احکام اس پر جاری ہوں گے، کسی ممنوع کا ارتکاب کیا تو کفارہ وغیرہ اسی پر لازم آئے گا، اس پر نہیں جس نے اس کی طرف سے احرام باندھ دیا اور احرام باندھنے والا خود بھی مُحرِم ہے اور جرم کیا تو ایک ہی جزا واجب ہوگی دو نہیں کہ اس کا ایک ہی احرام ہے۔ مریض اور سونے والے کی طرف سے احرام باندھنے میں یہ ضروری ہے کہ احرام باندھنے کا انھوں نے حکم دیا ہو اور بیہوش میں اس کی ضرورت نہیں۔

تمام افعالِ حج ادا کرنے تک بے ہوش رہا اور احرام کے وقت ہوش میں تھا اور اپنے آپ احرام باندھا تھا تو اُس کے ساتھ والے تمام مقامات میں لے جائیں اور اگر احرام کے وقت بھی بے ہوش تھا انھیں لوگوں نے احرام باندھ دیا تھا تو لے جانا بہتر ہے ضروری نہیں احرام کے بعد مجنون ہوا تو حج صحیح ہے اور جرم کریگا تو جزا لازم۔

(درمختار، ردالمحتار، کتاب الحج)

بے ہوش کی طرف رفقاء کے احرام باندھنے کا بیان:

(وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فَأَهَلَّ عَنْهُ رُفَقَاؤُهُ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) رَحِمَهُ اللَّهُ (وَقَالَا : لَا يَجُوزُ ، وَلَوْ أَمَرَ إنْسَانًا بِأَنْ يُحْرِمَ عَنْهُ إذَا أُغْمِيَ عَلَيْهِ أَوْ نَامَ فَأَحْرَمَ الْمَأْمُورُ عَنْهُ صَحَّ) بِالْإِجْمَاعِ ، حَتَّى إذَا أَفَاقَ أَوْ اسْتَيْقَظَ وَأَتَى بِأَفْعَالِ الْحَجِّ جَازَ .

لَهُمَا أَنَّهُ لَمْ يُحْرِمْ بِنَفْسِهِ وَلَا أَذِنَ لِغَيْرِهِ بِهِ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَمْ يُصَرِّحْ بِالْإِذْنِ وَالدَّلَالَةُ تَقِفُ عَلَى الْعِلْمِ ، وَجَوَازُ الْإِذْنِ بِهِ لَا يَعْرِفُهُ كَثِيرٌ مِنْ الْفُقَهَاءِ فَكَيْفَ يَعْرِفُهُ الْعَوَامُّ ، بِخِلَافِ مَا إذَا أَمَرَ غَيْرَهُ بِذَلِكَ صَرِيحًا

وَلَهُ أَنَّهُ لَمَّا عَاقَدَهُمْ عَقْدَ الرُّفْقَةِ فَقَدْ اسْتَعَانَ بِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فِيمَا يَعْجِزُ عَنْ مُبَاشَرَتِهِ بِنَفْسِهِ .

وَالْإِحْرَامُ هُوَ الْمَقْصُودُ بِهَذَا السَّفَرِ فَكَانَ الْإِذْنُ بِهِ ثَابِتًا دَلَالَةً ، وَالْعِلْمُ ثَابِتٌ نَظَرًا إلَى الدَّلِيلِ وَالْحُكْمُ يُدَارُ عَلَيْهِ .

ترجمہ:

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز ہے جب کسی پر بے ہوشی طاری ہوئی اور اس کی طرف سے اس کے ساتھیوں نے تلبیہ کہہ لیا۔ جبکہ صاحبین نے کہا ہے جائز نہیں ہے۔ اور اگر اس شخص نے کسی کو حکم دیا تھا کہ جب اس پر بے ہوشی طاری ہو یا وہ سو جائے تو اس کی طرف سے احرام باندھے اور اس طرح اگر محکوم نے احرام باندھ لیا بہ اجماع صحیح ہے۔ حتیٰ کہ اس کو افاقہ ہوا یا وہ بیدار ہوا اور اس نے حج کے افعال ادا کیے ہیں تو جائز ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے خود احرام باندھا نہیں ہے اور دوسرے کو احرام باندھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور اس دلیل کی وجہ سے کہ اس صراحت کے ساتھ اجازت نہیں دی۔ جبکہ دلالت اجازت علم پر موقوف ہے۔ اور احرام کی اجازت کے جائز ہونے کو بہت سے فقہاء نہیں جانتے تو لوگوں کو کیسے علم ہوگا۔ بہ خلاف اس کے جب اس نے کسی دوسرے کو صراحت میں حکم دے دیا۔

امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ اس بندے نے ساتھیوں کے ساتھ رفاقت کا عقد کیا ہے تو اس نے ساتھیوں میں ہر ایک سے اس طرح کے کام میں مدد مانگی ہے جس کو وہ خود کرنے عاجز ہو۔ جبکہ احرام اس سفر کا خاص مقصود ہے لہذا بطور دلالت احرام کی اجازت ثابت ہوگئی۔ اور بطور نظر علم حاصل ہوگیا اور حکم کا دار مدار دلیل پر ہوتا ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

نیابت احرام میں امام اعظم وصاحبین کا اختلاف:

علامہ سرخسی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر کسی بے ہوش ہونے والے شخص کا احرام اس کے ساتھیوں نے باندھا تو جائز ہے کیونکہ اس کے ساتھیوں کا احرام باندھنا نیابت کے طور پر ہے۔ لہذا اگر اس نے شکار کو قتل کیا تو اس پر ایک دم واجب ہوگا۔ مبسوط میں اسی طرح ہے۔ کہ مسئلے کی صورت یہ ہے کہ جب اس کے ساتھیوں نے اس کو چادر پہنائی اور اس کو ممنوعات سے بچایا تو وہ محرم ہوگیا۔ پس اس میں دو احرام داخل ہو گئے۔ اور اس کا احرام ساتھیوں کی طرف سے اسی طرح ہوگیا

جس طرح چھوٹے بچے کا احرام باپ کی طرف ہوتا ہے۔

صاحبین اور عامہ فقہاء نے کہا ہے جائز نہیں ہے۔ اور یہ اختلاف اس طرح ہے کہ احرام کا اذن دیا گیا ہو۔ یعنی اگر صراحت کے ساتھ اذن ہو تو پھر بہ اتفاق جائز ہے۔ اور صاحبین نے عدم اذن کی صورت میں کہا ہے کہ جائز نہیں ہے۔ اور جہاں بہ اتفاق جائز کی صورت ہے تو اس میں فقہاء احناف کا اجماع ہے اور امام مالک و امام شافعی علیہم الرحمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

(مبسوط، ۴، ص ۱۶۰، بیروت)

مرد و عورت کے مناسک حج کی ادائیگی کا بیان:

قَالَ (وَالْمَرْأَةُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ كَالرَّجُلِ) لِأَنَّهَا مُخَاطَبَةٌ كَالرَّجُلِ (غَيْرَ أَنَّهَا لَا تَكْشِفُ رَأْسَهَا) لِأَنَّهُ عَوْرَةٌ (وَتَكْشِفُ وَجْهَهَا) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إحْرَامُ الْمَرْأَةِ فِي وَجْهِهَا) (وَلَوْ سَدَلَتْ شَيْئًا عَلَى وَجْهِهَا وَجَافَتْهُ عَنْهُ جَازَ) هَكَذَا رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَلِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الِاسْتِظْلَالِ بِالْمَحْمَلِ (وَلَا تَرْفَعُ صَوْتَهَا بِالتَّلْبِيَةِ) لِمَا فِيهِ مِنْ الْفِتْنَةِ (وَلَا تَرْمُلُ وَلَا تَسْعَى بَيْنَ الْمِيلَيْنِ) لِأَنَّهُ مُخِلٌّ بِسَتْرِ الْعَوْرَةِ (وَلَا تَحْلِقُ وَلَكِنْ تُقَصِّرُ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى النِّسَاءَ عَنْ الْحَلْقِ وَأَمَرَهُنَّ بِالتَّقْصِيرِ) وَلِأَنَّ حَلْقَ الشَّعْرِ فِي حَقِّهَا مُثْلَةٌ كَحَلْقِ اللِّحْيَةِ فِي حَقِّ الرَّجُلِ (وَتَلْبَسُ مِنْ الْمَخِيطِ مَا بَدَا لَهَا) لِأَنَّ فِي لُبْسِ غَيْرِ الْمَخِيطِ كَشْفُ الْعَوْرَةِ .

قَالُوا : وَلَا تَسْتَلِمُ الْحَجَرَ إذَا كَانَ هُنَاكَ جَمْعٌ ، لِأَنَّهَا مَمْنُوعَةٌ عَنْ مُمَاسَّةِ الرِّجَالِ إلَّا أَنْ تَجِدَ الْمَوْضِعَ خَالِيًا .

ترجمہ:

فرمایا: عورت حج کے تمام احکام میں مرد کی طرح ہے کیونکہ عورت بھی مردوں کی طرح احکام شرعیہ کی مخاطبہ ہے۔ ہاں البتہ عورت اپنا سر نہیں کھولے گی کیونکہ اس کیلئے سر کو ڈھانپنا واجب ہے۔ اور وہ اپنا چہرہ کھولے گی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے۔ اور اگر عورت نے اپنے چہرے پر کسی چیز کو لٹکایا اور اس کو چہرے سے علیحدہ رکھا تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ کیونکہ محمل سے سایہ لینے کے مشابہ ہے۔ عورت تلبیہ میں اپنی آواز کو بلند نہیں کرے گی۔ کیونکہ اس میں فتنہ ہے اور عورت رمل بھی نہ کرے اور میلین کے درمیان نہ دوڑے کیونکہ اس کا دوڑنا ستر میں خلل انداز ہونے والا ہے۔ اور عورت سر نہ منڈوائے بلکہ قصر کرے۔ کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ نبی

کریم ﷺ نے عورتوں کو سر منڈوانے سے منع فرمایا ہے۔ اور ان کو قصر کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ عورت کے حق میں سر منڈوانا مثلہ ہے جس طرح مردوں کے حق میں داڑھی منڈوانا (مثلہ) ہے۔ اور عورت جو چاہے سلا ہوا کپڑا پہنے کیونکہ سلا ہوا کپڑا نہ پہننے میں کشف عورت ہوگا۔ مشائخ متاخرین نے کہا ہے کہ عورت حجر اسود کا استلام نہ کرے جب وہاں بھیڑ ہو کیونکہ عورت کو مردوں کے ساتھ بدن چھونے سے منع کیا گیا ہے۔ ہاں البتہ عورت جب خالی جگہ پائے۔ (تب استلام کرلے)

عورت کیلئے حکم شرعی قصر ہے حلق نہیں ہے:

حج اور عمرہ کے موقع پر عورت اپنے سر کے بال کتروا سکتی ہے۔ اس کی مشروعیت شریعت میں مذکور ہے۔ سنن ابوداؤد اور دار قطنی میں حدیث ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں پر سر منڈانا نہیں بلکہ بال کترنا ہے" (ابوداؤد)

یہ حدیث عورتوں کے بال کترانے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس مسئلہ پر ائمہ کا اجماع نقل کیا ہے۔

اس حدیث کی تائید سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے سر مُنڈانے سے منع کیا ہے۔ یعنی عورتوں کے ذمہ صرف بال کترانا ہے، مَردوں کی طرح مُنڈانا نہیں۔

طواف کی سنتوں میں حجر اسود کا بوسہ لینا بھی ایک سنت مؤکدہ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ بوسہ لینے میں آسانی ہو اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے آپ کے فعل سے کسی دوسرے کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور بغیر دھکم پیل کیے بوسہ لیا جائے، لیکن اگر بغیر کسی کو تکلیف دیے اور دھکم پیل کیے بوسہ لینا آسان نہ ہو تو اسے ترک کر کے ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرنے پر ہی اکتفاء کرلینا چاہیے۔

اور خاص کر عورت کیلیے تو ایسا کرنا اور بھی مشکل ہے کیونکہ عورت کو مکمل ستر ہے اسے باپردہ رہنا چاہیے، اور اس لیے بھی کہ مردوں کے حق میں بھی دھکم پیل کرنی مشروع نہیں تو پھر عورتوں کے حق میں تو یہ زیادہ اولی اور بہتر ہے کہ وہ ایسا نہ کریں۔

اور اسی طرح عورت کیلیے یہ بھی جائز نہیں کہ اگر اس کے لیے بغیر دھکم پیل کیے بوسہ لینا آسان بھی ہو تو غیر محرم لوگوں کی موجودگی میں اس جگہ وہ اپنا چہرہ ننگا کرے۔

جس نے بدنہ کو قلادہ ڈالا اور حج کیلئے چل پڑا:

قَالَ (وَمَنْ قَلَّدَ بَدَنَةً تَطَوُّعًا أَوْ نَذْرًا أَوْ جَزَاءَ صَيْدٍ أَوْ شَيْئًا مِنْ الْأَشْيَاءِ وَتَوَجَّهَ مَعَهَا

يُرِيدُ الْحَجَّ فَقَدْ أَحْرَمَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ قَلَّدَ بَدَنَةً فَقَدْ أَحْرَمَ) وَلِأَنَّ سَوْقَ الْهَدْيِ فِي مَعْنَى التَّلْبِيَةِ فِي إظْهَارِ الْإِجَابَةِ لِأَنَّهُ لَا يَفْعَلُهُ إلَّا مَنْ يُرِيدُ الْحَجَّ أَوْ الْعُمْرَةَ ، وَإِظْهَارُ الْإِجَابَةِ قَدْ يَكُونُ بِالْفِعْلِ كَمَا يَكُونُ بِالْقَوْلِ فَيَصِيرُ بِهِ مُحْرِمًا لِاتِّصَالِ النِّيَّةِ بِفِعْلٍ وَهُوَ مِنْ خَصَائِصِ الْإِحْرَامِ .

ترجمہ:

فرمایا: اور جس نے بدنہ کو تقلید کیا خواہ وہ نفلی ہو یا نذر کا ہو یا شکار کی جزاء کیلئے ہو یا اشیاء میں سے ہو اور کسی بھی چیز کا ہو اور اس کی توجہ بھی بدنہ کے ساتھ ہو ایسی حالت میں کہ وہ خود حج کا ارادہ کرے تو اس کا احرام ہوگیا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے بدنہ تقلید کیا وہ محرم ہوگیا۔ کیونکہ قبولیت کا جواب دینے میں ہدی کو چلانا تلبیہ کا مفہوم رکھتا ہے۔ کیونکہ اس طرح کا کام وہی آدمی کرتا ہے جو حج یا عمرے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور قبولیت کا اظہار کبھی فعل سے ہوتا ہے جس طرح قول ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ تقلید سے محرم ہو جائے گا۔ کیونکہ اس شخص کی نیت ایسے فعل کے ساتھ ملی ہوئی ہے جو احرام کے خصائص میں سے ہے۔

شرح

حضرت ابو میمون بن مہران سے روایت ہے کہ جس سال شام والوں نے عبداللہ بن زبیر کا مکہ میں محاصرہ کیا تھا اس سال میں عمرہ کی نیت سے نکلا میری قوم کے کچھ لوگوں نے میرے ساتھ ہدی بھیجی تو شام والوں نے ہمیں حرم میں داخل ہونے سے روک دیا میں نے اسی جگہ ہدی کی قربانی کی اور احرام کھول دیا (اور واپس چلا آیا) جب دوسرا سال آیا تو میں اپنے عمرہ کی قضا کے لیے پھر نکلا تو میں ابن عباس کے پاس گیا اور ان سے مسئلہ دریافت کیا انھوں نے کہا ہدی بھی بدل ڈال (یعنی دوسری ہدی لا) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا تھا کہ وہ اس ہدی کو بدل دیں جو انھوں نے حدیبیہ کے سال میں عمرہ قضاء میں قربان کی تھی (کیونکہ وہ ہدی حرم میں ذبح نہیں ہوئی تھی۔ (سنن ابوداؤد)

تقلید کی تعریف کا بیان:

وَصِفَةُ التَّقْلِيدِ أَنْ يَرْبِطَ عَلَى عُنُقِ بَدَنَتِهِ قِطْعَةَ نَعْلٍ أَوْ عُرْوَةَ مَزَادَةٍ أَوْ لِحَاءَ شَجَرَةٍ (فَإِنْ قَلَّدَهَا وَبَعَثَ بِهَا وَلَمْ يَسُقْهَا لَمْ يَصِرْ مُحْرِمًا) لِمَا رُوِيَ عَنْ (عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ : كُنْت أَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَبَعَثَ بِهَا وَأَقَامَ فِي أَهْلِهِ حَلَالًا) (فَإِنْ تَوَجَّهَ بَعْدَ ذَلِكَ لَمْ يَصِرْ مُحْرِمًا حَتَّى يَلْحَقَهَا) لِأَنَّ

عِنْدَ التَّوَجُّهِ إذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ هَدْيٌ يَسُوقُهُ لَمْ يُوجَدْ مِنْهُ إلَّا مُجَرَّدَ النِّيَّةِ ، وَبِمُجَرَّدِ النِّيَّةِ لَا يَصِيرُ مُحْرِمًا ، فَإِذَا أَدْرَكَهَا وَسَاقَهَا أَوْ أَدْرَكَهَا فَقَدْ اقْتَرَنَتْ نِيَّتُهُ بِعَمَلٍ هُوَ مِنْ خَصَائِصِ الْإِحْرَامِ فَيَصِيرُ مُحْرِمًا كَمَا لَوْ سَاقَهَا فِي الِابْتِدَاءِ .

قَالَ (إلَّا فِي بَدَنَةِ الْمُتْعَةِ فَإِنَّهُ مُحْرِمٌ حِينَ تَوَجَّهَ) مَعْنَاهُ إذَا نَوَى الْإِحْرَامَ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ .وَجْهُ الْقِيَاسِ فِيهِ مَا ذَكَرْنَا .وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ هَذَا الْهَدْيَ مَشْرُوعٌ عَلَى الِابْتِدَاءِ نُسُكًا مِنْ مَنَاسِكِ الْحَجِّ وَضْعًا لِأَنَّهُ مُخْتَصٌّ بِمَكَّةَ ، وَيَجِبُ شُكْرًا لِلْجَمْعِ بَيْنَ أَدَاءِ النُّسُكَيْنِ ، وَغَيْرُهُ قَدْ يَجِبُ بِالْجِنَايَةِ وَإِنْ لَمْ يَصِلْ إلَى مَكَّةَ فَلِهَذَا اكْتَفَى فِيهِ بِالتَّوَجُّهِ ، وَفِي غَيْرِهِ تَوَقُّفٌ عَلَى حَقِيقَةِ الْفِعْلِ

ترجمہ:

اورتقلید کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بدنہ کی گردن پراپنے نعل کاٹکڑایالوٹے کادستہ یادرخت کی ٹہنی باندھ دے۔اگراس نے بدنہ کوقلادہ پہنایااوراس کوبھیج دیالیکن خودنہ گیاتووہ محرم نہ ہوگا۔کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہدی کے قلادہ کوگرہ باندھتی تھی۔اورآپ ﷺ نے اپنی ہدی کوبھیج دیااورخودبغیراحرام کے اپنے اہل میں ٹھہرے۔ اس کے بعداگروہ خودبھی متوجہ ہواتومحرم نہ ہوگاحتیٰ کہ ہدی کے جانورکوجاملے۔اس لئے کہ جب وہ روانہ ہواتواس وقت اس کے سامنے ہدی نہ تھی جس کووہ لے جائے لہذایہاں اس کے پاس سوائے نیت کے کچھ بھی نہیں ہے۔اورخالی نیت سے تومحرم نہیں ہوتا۔ پھرجب اس نے ہدی پائی اوراس کووہ لے گیایاصرف ہدی پائی تواس صورت میں اس کی نیت ایسے عمل کے ساتھ ملنے والی ہے جو احرام کے خصائص میں سے ہے۔پس وہ محرم ہوگیا۔جس طرح اگرکسی نے شروع میں ہدی کوچلایا۔

فرمایا:جب اس نے بدنہ متعہ کہاتواس کی طرف متوجہ ہوتے ہی محرم ہوجائے گا۔یعنی جب اس نے احرام کی نیت کی ہو۔اوریہ استحسان ہےاوراس میں قیاس کی وہی دلیل ہے جوہم نے ذکرکردی ہےاوراستحسان کی دلیل یہ ہے کہ اس طرح کی ہدی کوشریعت نے مناسک حج میں ایک قربانی بناکروضع کیا ہے۔اس لئے کہ یہ ہدی مکہ کے ساتھ خاص ہے۔اورقربانیاں حج وعمرہ جمع کرنے میں بطورشکرواجب ہیں۔اورہدی تمتع کے سواکبھی جنایت کے طورپربھی واجب ہوتی ہے۔اگرچہ اس میں تکرارنہیں۔اسی لئے تمتع کی ہدی میں توجہ پراکتفاءکیاہےاورتمتع کے سوامیں ہدی فعل کی حقیقت پرموقوف ہے۔

اشعاروتقلید کے مستحسن ہونے میں ائمہ وفقہاءکااجماع:

اس فقہی مسئلہ کی طرف آیئے،جمہورائمہ اس بات پرمتفق ہیں کہ اشعاریعنی جانورکواس طرح زخمی کرناسنت ہےلیکن بھیڑیعنی

بکری،دنبہ اوربھیڑمیں اشعارکوترک کردیناچاہئے کیونکہ یہ جانوربہت کمزورہوتے ہیں ان جانوروں کے لئے صرف تقلیدیعنی گلے میں ہارڈال دیناکافی ہے۔حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک تقلیدتومستحب ہےلیکن اشعارمطلقاً مکروہ ہے خواہ بکری وچھترہ ہویا اونٹ وغیرہ علماءحضرت امام اعظم کی اس بات کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ حضرت امام اعظم مطلق طورپراشعارکی کراہت کے قائل نہیں تھے بلکہ انہوں نے صرف اپنے زمانے کے لئے اشعارکومکروہ قراردیاتھاکیونکہ اس وقت لوگ اس مقصدکے لئے ہدی کوبہت زیادہ زخمی کردیتے تھے جس سے زخم کے سرایت کرجانے کاخوف ہوتاتھا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتاہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہرکی نمازذوالحلیفہ کی مسجدمیں پڑھی جب کہ باب صلوٰۃ السفرکی پہلی حدیث میں جوبخاری ومسلم نے روایت کی ہے یہ بات واضح طورپرثابت ہوچکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہرکی نمازتومدینہ ہی میں پڑھ لی تھی اورعصرکی نمازذوالحلیفہ میں پڑھی۔لہٰذاان دونوں روایتوں کے تضادکویوں دورکیاجائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہرکی نمازتومدینہ ہی میں پڑھی تھی مگرحضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے چونکہ مدینہ میں ظہرکی نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نہیں پڑھی ہوگی اس لئے جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوذوالحلیفہ میں نماز پڑھتے دیکھاتویہ گمان کیاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں ظہرکی نمازپڑھ رہے ہیں اسی لئے انہوں نے یہاں یہ بیان کیاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہرکی نمازذوالحلیفہ میں پڑھی۔

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے لئے لبیک کہی)سے یہ نہ سمجھئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واقعۃً صرف حج ہی کے لئے لبیک کہی بلکہ یہ مفہوم مرادلیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج اورعمرہ دونوں کے لئے لبیک کہی کیونکہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول اس روایت نے اس بات کوبالکل واضح کردیاہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حج اورعمرہ کے لئے لبیک کہتے سناہے۔چنانچہ اس موقع پرراوی نے یاتوعمرہ کاذکراس لئے نہیں کیاکہ اصل چونکہ حج ہی ہے اس لئے صرف اسی کے ذکرپراکتفاءکیایایہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دونوں کے لئے لبیک کہی توراوی نے صرف حج کوسنا عمرہ کاذکرنہیں سنا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہاکہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ بکریوں کوبطورہدی خانہ کعبہ کو بھیجااوران کے گلے میں ہارڈالا۔(بخاری ومسلم)

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ تمام علماءاس بات پرمتفق ہیں کہ بکریوں میں اشعاریعنی ان کوزخمی کرنامشروع نہیں ہےالبتہ ان میں تقلید یعنی ان کے گلے میں ہارڈالناسنت ہےلیکن اس بارے میں حضرت امام مالک کااختلافی قول ہے۔

بدنہ پرجل ڈالنے یااشعارکرنے کابیان:

(فَإِنْ جَلَّلَ بَدَنَةً أَوْ أَشْعَرَهَا أَوْ قَلَّدَ شَاةً لَمْ يَكُنْ مُحْرِمًا) لِأَنَّ التَّجْلِيلَ لِدَفْعِ الْحَرِّ

وَالْبَرْدِ وَالذُّبَابِ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ خَصَائِصِ الْحَجِّ .

وَالْإِشْعَارُ مَكْرُوهٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فَلَا يَكُونُ مِنْ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ .

وَعِنْدَهُمَا إنْ كَانَ حَسَنًا فَقَدْ يُفْعَلُ لِلْمُعَالَجَةِ ، بِخِلَافِ التَّقْلِيدِ لِأَنَّهُ يَخْتَصُّ بِالْهَدْيِ ، وَتَقْلِيدُ الشَّاةِ غَيْرُ مُعْتَادٍ وَلَيْسَ بِسُنَّةٍ أَيْضًا .

ترجمہ:

اگر کسی شخص نے بدنہ پر جل ڈالی یا اس کو اشعار کیا یا اس نے بکری کو قلادہ پہنایا تو محرم نہ ہوگا کیونکہ جل ڈالنا خواہ گرمی، سردی اور مکھیوں کے دور کرنے کیلئے ہی کیوں نہ ہو یہ افعال حج کے خصائص میں سے نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اشعار کرنا مکروہ ہے لہذا وہ افعال حج میں نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک اگرچہ اچھا ہے۔اس لئے کہ کبھی یہ علاج کے طور پر کیا جاتا ہے بہ خلاف تقلید کے اس لئے کہ وہ ہدی کے ساتھ خاص ہے جبکہ بکری کو تقلید کرنا نہ معتاد ہے اور نہ ہی سنت ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک اشعار کرنے کا بیان:

علامہ سرخسی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ۔حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اشعار کرنا مکروہ ہے ۔جبکہ صاحبین کے نزدیک اشعار کرنا اچھا عمل ہے۔لیکن جب وہ اشعار کو چھوڑ دیتا ہے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

اشعار کی تعریف یہ ہے کہ نشتر یا تیز دھار دار چیز سے اونٹ کے کوہان کو دونوں اطراف میں سے کسی ایک جانب سے کھال کو اتنا کاٹا جائے کہ اس کا خون نکل آئے اور پھر اس خون کو اس کی کوہان کے ساتھ مل دیا جائے ۔اسے اشعار کہتے ہیں ۔اسی ہدی کی نشانی قائم ہوتی ہے۔کیونکہ اشعار کا معنی اعلام ہے۔

ابن ابی یعلی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ کوہان کی بائیں جانب سے کاٹا جائے گا کیونکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ہاتھوں سے اونٹوں کا اشعار کیا اور ان کو کوہان کی بائیں طرف سے کاٹ دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح کا اشعار روایت کیا گیا ہے۔

حضرت امام ابوجعفر طحاوی حنفی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کے نزدیک اشعار مکروہ نہیں ہے کیونکہ جب کثیر احادیث سے اشعار ثابت ہے۔حضرت امام اعظم نے صرف اپنے دور کے لوگوں کو اس وجہ سے منع کیا تھا کہ لوگ گہرا چھرا گھونپ دیتے تھے جس کی وجہ سے اونٹ کی ہلاکت کا خطرہ ہوتا تھا۔کیونکہ انہیں اشعار کا صحیح طریقہ ہی نہیں آتا تھا۔البتہ جو لوگ اشعار کرنا جانتے ہیں ان کیلئے اونٹ کی کھال وغیرہ کاٹنا مکروہ نہیں ہے۔(مبسوط ج ۴ ،ص ،۱۴۰، بیروت)

اونٹ گائے کے بدنہ ہونے کا بیان:

قَالَ (وَالْبُدْنُ مِنْ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : مِنْ الْإِبِلِ خَاصَّةً لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثِ الْجُمُعَةِ (فَالْمُتَعَجِّلُ مِنْهُمْ كَالْمُهْدِي بَدَنَةً ، وَاَلَّذِي يَلِيه كَالْمُهْدِي بَقَرَةً) فَصَلَ بَيْنَهُمَا .

وَلَنَا أَنَّ الْبَدَنَةَ تُنْبِئُ عَنْ الْبَدَانَةِ وَهِيَ الضَّخَامَةُ ، وَقَدْ اشْتَرَكَا فِي هَذَا الْمَعْنَى وَلِهَذَا يُجْزِي كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَنْ سَبْعَةٍ .وَالصَّحِيحُ مِنْ الرِّوَايَةِ فِي الْحَدِيثِ (كَالْمُهْدِي جَزُورًا) وَاَللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ .

ترجمہ:

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ بدنہ اونٹ گائے میں سے ہے۔جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ صرف اونٹ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حدیث جمعہ میں ارشاد فرمایا: لوگوں میں سے جلدی آنے والا اس شخص کی طرح ہے جس نے بدنہ کی ہدی بھیجی۔ اور جو اس کے بعد جلد آئے وہ اس کی طرح ہے جس نے ہدی میں گائے بھیجی۔ نبی کریم ﷺ نے بدنہ اور گائے میں فصل کیا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ کہ بدانہ تو ایک ضخامت کو بیان کرنا ہے اور اونٹ اور گائے اس مفہوم میں مشترک ہیں ۔اسی وجہ سے ان دونوں میں ہر ایک میں سے سات آدمیوں کی طرف قربانی کرنا جائز ہوئی ہے اور حدیث میں صحیح روایت ''اس کی طرح ہے جس نے اونٹ ہدی بھیجا'' ۔اور اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

افضل قربانی کے بارے میں مذاہب اربعہ کا بیان:

جن جانوروں کی قربانی کا ذکر نص میں ملتا ہے ان میں اونٹ، گائے ،، بھیڑ بکری شامل ہیں، اور علماء کرام کا کہنا ہے کہ سب سے افضل قربانی اونٹ کی ہے، اس کے بعد گائے ، اور اس کے بعد بکری کی ، اور اس کے بعد اونٹ یا گائے کی قربانی میں حصہ ڈالنا، اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ کے بارہ میں مندرجہ ذیل فرمان ہے :(جو کوئی اول وقت میں جائے گویا کہ اس نے اونٹ کی قربانی کی ۔

حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، اور امام احمد رحمہم اللہ تعالی نے بھی یہی کہا ہے، تو اس طرح بکرا و دنبہ، مینڈھے کی قربانی اونٹ یا گائے میں حصہ ڈالنے سے افضل ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: مینڈھے کی قربانی افضل ہے اور اس کے بعد گائے اور اس کے بعد اونٹ کی قربانی افضل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے ذبح کیے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل کام ہی کرتے تھے ۔اس کا جواب یہ ہے کہ : نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی خیر خواہی کرتے ہوئے اولی اختیار کرتے تھے اور امت

کومشقت میں ڈالنا پسندنہیں فرماتے تھے ۔گائے اوراونٹ کے سات حصے ہوتے ہیں لھذا مندرجہ ذیل حدیث کی بناپراس میں سات اشخاص شریک ہوسکتے ہیں:

حضرت جابررضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ہم نے حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات آدمیوں کی جانب سے اونٹ اورسات ہی کی جانب سے گائے ذبح کی تھی۔

اورایک روایت کے الفاظ ہیں: ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم اونٹ اورگائے میں سات سات افراد شریک ہوجائیں ۔اورایک روایت کے الفاظ ہیں: تو گائے سات اشخاص کی جانب سے ذبح کی جاتی تھی اورہم اس میں شریک ہوتے۔(صحیح مسلم، کتاب الاضحیہ)

گائے اونٹ کی قربانی کی فضیلت میں مذاہب اربعہ کا بیان:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قربانی میں سب سے افضل اونٹ اور پھر گائے اور پھر بکرا اور پھراونٹ یا گائے میں حصہ ڈالنا ہے،امام شافعی اورامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہی ہے،کیونکہ جمعہ کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے": جوشخص نماز جمعہ کے لیے پہلے وقت گیا گویا کہ اس نے اونٹ کی قربانی کی،اور جوشخص دوسرے وقت میں گیا گویا کہ اس نے گائے کی قربانی کی،اورجوشخص تیسرے وقت گیا گویا کہ اس نے سینگوں والا مینڈھا قربان کیا،اورجوشخص چوتھے وقت گیا گویا کہ اس نے مرغی قربان کی،اورجوشخص پانچویں وقت گیا گویا کہ اس نے انڈے کی قربانی کی۔صحیح بخاری حدیث نمبر(881) صحیح مسلم حدیث نمبر((850وقت سے مراد گھڑی ہے.

اوراس لیے بھی کہ جانورذبح کرنے میں اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہےاس لیے ھدی کی طرح سب افضل اونٹ کی قربانی ہوگی.

اوراونٹ یا گائے میں حصہ ڈالنے سے بکرے کی قربانی کرنا اس لیے افضل ہے کہ قربانی کرنے کا مقصد خون بہانا ہے،اورایک بکرے کا ایک شخص کی جانب سے خون بہانا سات افراد کی جانب سے ایک خون بہانے سے افضل ہے،اور پھر مینڈھا قربانی کرنا بکرے سے افضل ہے،کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ نے خود بھی مینڈھا ذبح کیا ہےاوراس کا گوشت بھی اچھا ہوتا ہے

(المغنی ابن قدامہ(13/366).)

مینڈھے یا گائے کی قربانی کی فضیلت میں مذاہب اربعہ؟

قربانی میں افضل اونٹ ہے،اور پھر گائے،اور پھر بکرا اور پھراونٹ یا گائے میں حصہ ڈالنا افضل ہے؛ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ کے متعلق فرمان ہے": جوشخص پہلی گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے اونٹ قربان کیا

وجہ دلالت یہ ہے کہ: اونٹ گائے،اور بکری اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے قربان کرنے میں تفاضل یعنی فرق پایا جاتا ہے،اور بلاشک وشبہ قربانی سب سے بہتر چیز ہے جس سے اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے،اوراس لیے بھی کہ اونٹ کی قیمت بھی

زیادہ ہےاور گوشت اور نفع بھی زیادہ ہے آئمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ،امام شافعی،اورامام احمد رحمہم اللہ کا قول یہی ہے.

اورامام مالک رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ: بھیڑ میں سے جذعہ افضل ہےاور پھر گائے، پھراونٹ افضل ہے، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے ذبح کیے تھے،اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہی کام کرتے ہیں جوسب سے افضل اور بہتر ہو.

اس کا جواب یہ ہے کہ: بعض اوقات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پرنرمی اور شفقت کرتے ہوئے غیراولی اورافضل چیز اختیار کرتے ہیں؛ کیونکہ امت نے ان کی پیروی واطاعت کرنا ہوتی ہے،اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر مشقت کرنا پسند نہیں فرماتے،اوراونٹ کی گائے پرفضیلت بیان بھی فرمائی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

باب القران

﴿یہ باب حج قران کے بیان میں ہے﴾

باب القران کی فقہی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اس باب میں حج قران کو بیان کیا گیا ہے اور اس کا مصدر ''قرنت'' ہے اور اس کا معنی جمع ہے یعنی حج اور عمرے کو جمع کرنا ہے۔اور حج قران سے پہلے حج مفرد کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ حج قران حج مفرد کے بعد پہچانا گیا ہے۔اور اس کے بعد حج قران کو حج تمتع پر مقدم اس لئے کیا گیا ہے کیونکہ حج قران حج تمتع سے افضل ہے۔

تاج الشریعہ نے کہا ہے کہ حج قران کو حج مفرد سے اس لئے موخر کیا ہے کیونکہ حج قران حج مفرد پر مرتب ہوتا ہے۔البتہ بیان وذکر میں قران ہی مقدم ہے۔حج مفرد اس لئے قران پر مقدم ہوا ہے کہ وہ ذات کے درجے میں ہے اور ذات ہمیشہ مقدم ہوا کرتی ہے۔کیونکہ اس کو طبعی طور پر بھی تقدم حاصل ہے۔(البنایہ شرح الہدایہ،۵،ص،۱۷۷،حقانیہ ملتان)

حج قران کی تمتع ومفرد سے فضیلت کا بیان:

(الْقِرَانُ أَفْضَلُ مِنْ التَّمَتُّعِ وَالْإِفْرَادِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : الْإِفْرَادُ أَفْضَلُ . وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : التَّمَتُّعُ أَفْضَلُ مِنْ الْقِرَانِ لِأَنَّ لَهُ ذِكْرًا فِي الْقُرْآنِ وَلَا ذِكْرَ لِلْقِرَانِ فِيهِ . وَلِلشَّافِعِيِّ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْقِرَانُ رُخْصَةٌ) وَلِأَنَّ فِي الْإِفْرَادِ زِيَادَةَ التَّلْبِيَةِ وَالسَّفَرِ وَالْحَلْقِ .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (يَا آلَ مُحَمَّدٍ أَهِلُّوا بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ مَعًا) وَلِأَنَّ فِيهِ جَمْعًا بَيْنَ الْعِبَادَتَيْنِ فَأَشْبَهَ الصَّوْمَ مَعَ الِاعْتِكَافِ وَالْحِرَاسَةَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَعَ صَلَاةِ اللَّيْلِ . وَالتَّلْبِيَةُ غَيْرُ مَحْصُورَةٍ وَالسَّفَرُ غَيْرُ مَقْصُودٍ ، وَالْحَلْقُ خُرُوجٌ عَنْ الْعِبَادَةِ فَلَا تَرْجِيحَ بِمَا ذُكِرَ . وَالْمَقْصِدُ بِمَا رُوِيَ نَفْيُ قَوْلِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ إنَّ الْعُمْرَةَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ مِنْ أَفْجَرِ الْفُجُورِ .

وَلِلْقِرَانِ ذِكْرٌ فِي الْقُرْآنِ لِأَنَّ الْمُرَادَ مِنْ قَوْلِهِ تَعَالَى (وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ) أَنْ يُحْرِمَ بِهِمَا مِنْ دُوَيْرَةِ أَهْلِهِ عَلَى مَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ .

ثُمَّ فِيهِ تَعْجِيلُ الْإِحْرَامِ وَاسْتِدَامَةُ إحْرَامِهِمَا مِنْ الْمِيقَاتِ إلَى أَنْ يَفْرُغَ مِنْهُمَا ، وَلَا كَذَلِكَ التَّمَتُّعُ فَكَانَ الْقِرَانُ أَوْلَى مِنْهُ . وَقِيلَ الِاخْتِلَافُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْقَارِنَ عِنْدَنَا يَطُوفُ طَوَافَيْنِ وَيَسْعَى سَعْيَيْنِ ، وَعِنْدَهُ طَوَافًا وَاحِدًا سَعْيًا وَاحِدًا .

ترجمہ:

قران حج تمتع اور حج مفرد سے افضل ہے۔جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے افراد افضل ہے اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے تمتع قران سے افضل ہے۔کیونکہ اس کا ذکر قرآن میں ہے۔جبکہ قرآن میں قران کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قران رخصت ہے۔اور اس لئے بھی کہ افراد میں تلبیہ، سفر اور حلق کی زیادتی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے آل محمد ﷺ! تم حج وعمرے کا احرام ایک ساتھ باندھو۔اس لئے کہ اس میں دو عبادتوں کو جمع کرنا ہے۔لہذا یہ روزہ اور اس کے ساتھ اعتکاف کو جمع کرنے اور اسی طرح اللہ کی راہ میں پہرہ دینے اور تہجد پڑھنے کو جمع کرنے والے کے مشابہ ہوگیا ہے۔جبکہ تلبیہ بے شمار ہے اور سفر مقصود نہیں ہے اور حلق عبادت سے خارج ہونا ہے۔لہذا ان اشیاء کے ساتھ ترجیح نہ دی جائے گی۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث کا مقصود اہل جاہلیت کے قول کی نفی کرنا ہے۔(ان کا قول یہ ہے) کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ ہے اور قرآن مجید میں قران کا ذکر بھی ہے کیونکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:'''' کہ اپنے جھونپڑوں سے دونوں کا احرام باندھ لیں۔یہ روایت اسی کے مطابق ہے۔جس ہم بیان کر چکے ہیں۔اس کے بعد قران میں احرام کو جلدی باندھنا ہے اور ان دونوں کا احرام میقات سے لیکر فارغ ہونے تک رہتا ہے۔جبکہ تمتع میں ایسا نہیں ہے۔لہذا تمتع سے قران افضل ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ احناف اور شوافع میں اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ احناف کے نزدیک قارن دو طواف اور دو مرتبہ سعی کرے گا جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ایک مرتبہ طواف اور ایک مرتبہ سعی کرے گا۔

حج تمتع کی تعریف وطریقہ:

حج تمتع یہ ہے کہ: حج کے مہینوں میں صرف عمرہ کا احرام باندھا جائے (شوال، ذوالقعدہ، اور ذوالحجہ حج کے مہینے ہیں۔لھذا جب حاجی مکہ پہنچے اور عمرہ کا طواف اور سعی کرکے سر منڈالے یا پھر بال چھوٹے کروالے تو وہ احرام کھول دے اور جب یوم ترویہ یعنی آٹھ ذوالحجہ والے دن صرف حج کا احرام باندھے اور حج کے سب اعمال مکمل کرے گا، یعنی حج تمتع کرنے والا عمرہ بھی مکمل کرے گا اور اسی طرح حج بھی۔

حج افراد کی تعریف وطریقہ:

حج افراد یہ ہے کہ صرف اکیلے حج کا احرام باندھا جائے اور جب مکہ مکرمہ پہنچے تو طواف قدوم اور حج کی سعی کرلے نہ تو اپنے سر کو منڈائے اور نہ ہی بال چھوٹے کروائے اور نہ ہی احرام کھولے گا بلکہ وہ عید کے دن جمرہ عقبہ کو رمی کرنے تک اپنے اسی احرام میں رہے گا، اور اگر وہ حج کی سعی کو طواف حج یعنی طواف افاضہ کے بعد تک مؤخر کرنا چاہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں وہ ایسا کرسکتا ہے

حج قران کی تعریف وطریقہ:

قران کی لغوی واصطلاحی تعریف:

قران کے لغوی معنی: دو چیزوں کو جمع کرنا، قران کے اصطلاحی معنی: میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھنا ہمارے یہاں قران تمتع سے افضل ہے، اور تمتع افراد سے افضل ہے۔ قارن کو اس طرح کے الفاظ کہنا مسنون ہے " اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ وَالْحَجَّ فَیَسِّرْھُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّیْ " اے اللہ میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں اور دونوں کو میرے لئے آسان فرما۔ اور ان دونوں کو مجھ سے قبول فرما۔ پھر تلبیہ کہے۔

جب قارن مکہ آئے تو عمرہ کے طواف مع سات چکروں سے شروعات کرے صرف پہلے تین چکروں میں رمل کرے، پھر طواف کی دو رکعت نماز پڑھے، پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے اور میلین اخضرین کے درمیان تیزی سے چلے اور سات چکر پورے کرے، یہ عمرہ کے افعال ہیں، پھر اعمال حج کی شروعات کرے، حج کے لئے طواف قدوم کرے، پھر حج کے اعمال پورے کرے، جس طرح اس کی تفصیل گزر چکی۔

حج قران یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا جائے یا پھر پہلے عمرہ کا احرام باندھے اور پھر بعد میں عمرہ کا طواف کرنے سے قبل اس پر حج کو بھی داخل کردے (وہ اس طرح کہ وہ اپنے طواف اور سعی کو حج اور عمرہ کی سعی کرنے کی نیت کرے)۔

حج قران اور حج افراد کرنے والے شخص کے اعمال حج ایک جیسے ہی ہیں صرف فرق یہ ہے کہ حج قران کرنے والے پر قربانی ہے اور حج افراد کرنے والے پر قربانی نہیں۔

ان تینوں اقسام میں افضل قسم حج تمتع ہے اور یہی وہ قسم ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو جس کا حکم دیا اور اس پر انہیں ابھارا، حتی کہ اگر کوئی انسان حج قران یا حج افراد کا احرام باندھے تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے احرام کو عمرہ کا احرام بنا لے اور عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول کر حلال ہوجائے تاکہ وہ حج تمتع کرسکے اگرچہ وہ طواف قدوم اور سعی کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سال جب طواف اور سعی کرلی اور آپ کیساتھ صحابہ کرام بھی تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے ساتھ بھی قربانی نہ تھی اسے حکم دیا کہ وہ اپنے احرام کو عمرہ کیا حرام میں بدل لے اور بال چھوٹے کروا کر حلال ہوجائے اور فرمایا: اگر میں اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا تو میں بھی وہی کام کرتا جس کا تمہیں حکم دے رہا ہوں۔

حج مفرد، قران وتمتع میں سے افضل ہونے میں مذاہب اربعہ:

علامہ شرف الدین نووی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ تمام ائمہ وفقہاء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ حج افراد، تمتع اور قران کرنا جائز ہے۔ لیکن ان میں فضیلت کس کو حاصل ہے اس میں اختلاف ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، سفیان ثور، اسحاق بن رہویہ، مزی ما بن منذر اور ابواسحاق مروزی علیہم الرحمہ کے نزدیک حج قران افضل ہے۔

حضرت امام شافعی، امام مالک اور داؤد بن علی اصفہانی (منکر تقلید) کے نزدیک حج افراد افضل ہے۔ جبکہ حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک تمتع افضل ہے اور امام ابویوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک تمتع اور قران یہ دونوں حج مفرد سے افضل ہیں۔

(شرح مہذب، ج ۷، ص ۱۵۰، بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں سواری پر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور اکثر صحابہ دونوں چیزوں یعنی حج وعمرہ کے لئے چلاتے تھے۔ (یعنی آواز بلند کہتے تھے) (بخاری)

اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قران افضل ہے چنانچہ حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔ اس حدیث کو متدل قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف عمل کرنا کب گوارا کرسکتے تھے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قران کیا ہوگا اس لئے اکثر صحابہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہی میں قران کیا۔

حج قران کرنے کے طریقے کا بیان:

قَالَ (وَصِفَةُ الْقِرَانِ أَنْ يُهِلَّ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ مَعًا مِنَ الْمِيقَاتِ وَيَقُولُ عَقِيبَ الصَّلَاةِ : اللَّهُمَّ إنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَا لِي وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّي) لِأَنَّ الْقِرَانَ هُوَ الْجَمْعُ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ مِنْ قَوْلِك قَرَنْت الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ إذَا جَمَعْت بَيْنَهُمَا ، وَكَذَا إذَا أَدْخَلَ حَجَّةً عَلَى عُمْرَةٍ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ لَهَا أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ لِأَنَّ الْجَمْعَ قَدْ تَحَقَّقَ إذْ الْأَكْثَرُ مِنْهَا قَائِمٌ ، وَمَتَى عَزَمَ عَلَى أَدَائِهِمَا يَسْأَلُ التَّيْسِيرَ فِيهِمَا وَقَدَّمَ الْعُمْرَةَ عَلَى الْحَجِّ فِيهِ وَلِذَلِكَ يَقُولُ : لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ مَعًا لِأَنَّهُ يَبْدَأُ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ فَكَذَلِكَ يَبْدَأُ بِذِكْرِهَا ، وَإِنْ أَخَّرَ ذَلِكَ فِي الدُّعَاءِ وَالتَّلْبِيَةِ لَا بَأْسَ بِهِ لِأَنَّ الْوَاوَ لِلْجَمْعِ ، وَلَوْ نَوَى بِقَلْبِهِ وَلَمْ يَذْكُرْهُمَا فِي التَّلْبِيَةِ أَجْزَأَهُ اعْتِبَارًا بِالصَّلَاةِ

ترجمہ:

فرمایا: حج قران کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کیلئے ایک ساتھ تلبیہ کہے اور اسے نماز کے بعد کہے اے اللہ! میں حج اور عمرے کا ارادہ کرتا ہوں تو ان دونوں کو میرے لئے آسان فرما دے۔ اور ان دونوں کو مجھ سے قبول فرما۔ کیونکہ تیرے قول "" سے قران کو اخذ کیا گیا ہے۔ یعنی جب دونوں کو ایک ساتھ جمع کرے۔ اور اسی طرح جب تو حج کو عمرہ میں داخل کرے اس طرح عمرہ کیلئے چار چکر طواف کر لئے ہوں۔ لہذا جمع ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ سات چکروں میں سے ابھی اکثر باقی ہیں۔ اور جب تو دونوں کو ادا کرنے کا ارادہ کرے تو ان کی ادائیگی میں آسانی کیلئے دعا کر اور ادا کرنے میں عمرے کو حج پر مقدم کر اور اس طرح تلبیہ کہہ "" اس لئے کہ تو افعال عمرہ پہلے کرے گا لہذا ان کا ذکر بھی پہلے کر۔ اور اگر اس نے تلبیہ اور دعا میں عمرے کو مؤخر کیا تو بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ واؤ جمع کیلئے آتی ہے اور اگر اس نے دل سے نیت کی اور دونوں کو تلبیہ میں ذکر نہ کیا تو نماز پر قیاس کرتے ہوئے اسے کفایت کر جائے گا۔

نبی کریم ﷺ کے حج قران و تمتع ہونے میں توجیہات:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں کس قسم کے لئے احرام باندھا تھا، آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مفرد تھے یا قارن اور یا متمتع؟ علماء لکھتے ہیں کہ اس بارہ میں مختلف احادیث منقول ہیں، بعض حدیثوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مفرد تھے چنانچہ یہاں جو حدیث نقل کی گئی ہے یہ بھی انہیں میں سے ہے، اکثر احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قارن تھے۔ اور بعض احادیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متمتع تھے۔ لہٰذا ان تمام احادیث میں تطبیق یوں کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقاء میں سے بعض تو احرام باندھتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف لبیک بحجۃ ہی سنا اور لفظ وعمرۃ نہ سنا لہٰذا انہوں نے یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مفرد تھے۔ بعض نے لبیک بحجۃ وعمرۃ سنا لہٰذا انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قارن تھے، اور بعض نے لبیک بعمرۃ سنا لہٰذا انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متمتع تھے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی تو لبیک بحجۃ کہا ہو کبھی لبیک بعمرۃ اور کبھی لبیک بحجۃ وعمرہ کہا ہو، لہٰذا جس نے جو کچھ سنا وہی روایت کیا نیز یہ کہ قران و تمتع کے افعال آپس میں چونکہ مشابہ ہیں اس لئے بعض صحابہ نے جانا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج قران کیا ہے انہوں نے اسی کو نقل کیا اور بعض صحابہ نے جانا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمتع کیا ہے اس لئے انہوں نے اسی کو نقل کیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس روایت میں " تمتع " منقول ہے وہاں اس کے لغوی معنی مراد ہوں کیونکہ تمتع کے معنی ہیں نفع اٹھانا اور ظاہر ہے کہ یہ مفہوم قران سے بھی حاصل ہوتا ہے بایں طور کہ قارن عمرہ سے منتفع ہوتا ہے جو وہ حج کے ساتھ کرتا ہے۔ فاما من اہل بعمرۃ فحل الخ (لہٰذا جس نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ تو حلال ہو گیا الخ) کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے حج کے پہلے صرف عمرہ کے لئے احرام باندھا تھا وہ طواف و سعی کرنے اور حلق یعنی سر منڈانے کے بعد عمرہ کے احرام سے باہر ہو گئے اور پھر انہوں نے

حج کا احرام باندھا اور جن لوگوں نے صرف حج کا یا حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا وہ احرام سے باہر نہیں ہوئے یہاں تک کہ نحر (قربانی) کا دن گزر گیا، نحر کے دن وہ بھی رمی جمرۃ العقبہ (جمرہ عقبہ پر کنکری مارنے اور حلق کے بعد احرام سے باہر آ گئے جس کے بعد تمام ممنوعات احرام ان کے لئے جائز ہو گئے علاوہ عورت کے ساتھ مباشرت کے کہ یہ طواف رکن (کہ جس کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں) کے بعد جائز ہوئی۔

حج قران کی نیت میں مذاہب اربعہ کا بیان:

علامہ ابن مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

فمن أراد الإحرام بعمرة فالمستحب أن يقول : اللهم إني أريد العمرة فيسرها لي وتقلبها مني ومحلي تحبسني فإنه يتسحب للإنسان النطق بما أرحم به ليزول الالتباس فإن لم ينطق بشيء واقتصر على مجرد النية كفاه في قول أمامنا و مالك و الشافعي وقال أبو حنيفة : لا ينعقد بمجرد النية حتى تنضاف إليها التلبية أو سوق الهدى لما روى خلاد بن السائب الأنصارى عن أبيه (عن رسول الله صلى الله قال : جاء نى جبريل فقال : يا محمد مر أصحابك أن يرفعوا أصواتهم بالتلبية) رواه النسائي وقال الترمذي : هو حديث حسن صحيح ولأنها عبادة ذات تحريم وتحليل فكان لها نطق واجب كالصلاة ولأن الهدى والأضحية لا يجبان بمجرد النية كذلك النسك

ولنا أنها عبادة ليس في آخرها نطق واجب فلم يكن في أولها كالصيام والخبر المراد به الأستحباب فإن منطوقه رفع الصوت ولا خلاف في أنه غير واجب فما هو من ضرورته أولى ولو وجب النطق لم يلزم كونه شرطا فإن كثيرا من واجبات الحج غير مشترطة فيه والصلاة في آخرها نطق واجب بخلاف الحج والعمرة وأما الهدى والأضحية فإيجاب مال فأشبه النذر بخلاف الحج فإنه عبادة بدنية فعلى هذا لو نطق بغير ما نواه نحو أن ينوى العمرة فيسبق لسانه إلى الحج أو بالعكس انعقد ما نواه دون ما لفظ به قال ابن المنذر : أجمع كل من تحفظ عنه من أهل العلم على هذا وذلك لأن الواجب النية وعليها واللفظ لا عبرة به فلم يؤثر كما لو يؤثر اختلاف النية فيما يعتبر له اللفظ دون النية .(المغنى، ج٣، ص ٢٣٩ ،بيروت)

پہلے تین چکروں میں رمل کرنے کا بیان:

(فَإِذَا دَخَلَ مَكَّةَ ابْتَدَأَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ يَرْمُلُ فِي الثَّلَاثِ الْأُوَلِ مِنْهَا ، وَيَسْعَى بَعْدَهَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ، وَهَذِهِ أَفْعَالُ الْعُمْرَةِ ، ثُمَّ يَبْدَأُ بِأَفْعَالِ الْحَجِّ فَيَطُوفُ طَوَافَ الْقُدُومِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ وَيَسْعَى بَعْدَهُ كَمَا بَيَّنَّا فِي الْمُفْرِدِ) وَيُقَدِّمُ أَفْعَالَ

الْعُمْرَةِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ) وَالْقِرَانُ فِي مَعْنَى الْمُتْعَةِ .
وَلَا يَحْلِقُ بَيْنَ الْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ لِأَنَّ ذَلِكَ جِنَايَةٌ عَلَى إِحْرَامِ الْحَجِّ ، وَإِنَّمَا يَحْلِقُ فِي يَوْمِ النَّحْرِ كَمَا يَحْلِقُ الْمُفْرِدُ .

ترجمہ:

اس کے بعد جب قارن مکہ میں داخل ہوتو وہ بیت اللہ کے طواف کے سات چکروں سے شروع کرے اوران میں سے پہلے تین میں رمل کرے۔اوراس کے بعد صفا مروہ کی سعی کرے اور یہی عمرہ کے افعال ہیں۔اس کے بعد حج کے افعال شروع کرے اور طواف قدوم کے ساتھ سات چکر لگائے اوراس کے بعد سعی کرے جس طرح ہم حج مفرد میں بیان کر دیا ہے۔اورعمرہ کے افعال کو پہلے ادا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:'' فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ ''جوشخص عمرے کے ساتھ تمتع کرے حج تک۔اورقران تمتع کے معنی میں ہے اورعمرہ وحج کے درمیان حلق نہ کروائے۔کیونکہ حلق حج کے احرام پر جنایت ہے ہاں نحر کے دن حلق کروائے گا جس طرح مفرد حلق کرواتا ہے

طواف حج قران کے متعلق احادیث:

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔حضرت صبی بن معبد کہتے ہیں کہ میں نصرانی تھا پھر میں نے اسلام قبول کیا اورحج اورعمرہ دونوں کا احرام باندھا۔سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان نے مجھے قادسیہ میں حج اورعمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھا (ہم اہلال کرتے لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحِجَّةٍ کہتے) سنا تو کہنے لگے یہ تو اپنے اونٹ سے بڑھ کر گمراہ اور نادان ہے انہوں نے یہ بات کہہ کر میرے اوپر پہاڑ لادیا پھر میں حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا اوران سے یہ بات عرض کی۔حضرت عمران دونوں کی طرف متوجہ ہوئے اوران کو ملامت کی پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تمہاری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی طرف رہنمائی کردی گئی تمہاری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی طرف رہنما کردی گئی۔شقیق کہتے ہیں کہ میں اورمسروق بہت مرتبہ گئے اورصبی سے یہ حدیث پوچھی۔حضرت صبی بن معبد فرماتے ہیں کہ میں نصرانیت کو چھوڑ کر نیا نیا مسلمان ہوا تھا میں نے کوشش میں کوتاہی نہیں کی اور میں حج اورعمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھا۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج اورعمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھ کرحج قران کیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ،ابن عمراورابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اورآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) مکہ آئے تو حج اورعمرہ کیلئے سب نے ایک ہی طواف کیا۔ابوزبیر،جابرفرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج اورعمرہ کیلئے ایک ہی طواف کیا۔

حضرت ابن عمر حج قران کا احرام باندھ کرآئے تو بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے اورصفاومروہ کے درمیان سعی کی پھرفرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جوحج اورعمرہ کا احرام باندھے تو دونوں کیلئے ایک ہی طواف کافی ہے اوروہ جب تک حج پورا نہ کرلے حلال نہ ہوگا اورحج کے بعد حج اورعمرہ دونوں کے احرام سے حلال ہوگا۔
(سنن ابن ماجہ،کتاب الحج)

حج قران سے متعلق احادیث:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حج اورعمرہ کا ایک ساتھ تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں فرمارہے تھے لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات ذوالحلیفہ میں گذاری اگلے دن صبح کو (ظہر کی نماز کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہوئے جب بیداء پر پہنچے تو اللہ کی حمد بیان کی اور تسبیح وتکبیر کہی پھرحج وعمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھا اورباقی لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا جب ہم مکہ میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو (جن کے ساتھ ہدی کا جانور نہ تھا) احرام کھول دینے کا حکم فرمایا اورلوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیل کرتے ہوئے احرام کھول ڈالا اورترویہ کے دن (آٹھویں تاریخ کو) لوگوں نے حج کا احرام باندھا اوررسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے سات اونٹ کھڑے کرکے قربان کیے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کا امیر بنا کر بھیجا تو میں ان کے ساتھ تھا میں نے وہاں کئی اوقیہ چاندی جمع کی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے توانہوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رنگین کپڑے پہنے ہوئے دیکھا اور دیکھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھر میں خوشبو بسا رکھی ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہا کہ آپ کو کیا ہوا کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو احرام کھولنے کا حکم فرمایا تو انہوں نے احرام کھول ڈالا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے اس چیز کی نیت کی جس چیز کی نیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قران کیا ہے اورمیں نے بھی قران کی نیت کی) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا تم نے کیا کیا؟ وہ بولے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیت پر نیت کی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تو ہدی ساتھ لایا ہوں اورقران کرچکا ہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے چھیاسٹھ (یا سرسٹھ) اونٹ قربان کرنے کا حکم فرمایا اورفرمایا تینتیس (یا چونتیس) اپنے لیے رکھ لے (یعنی چھیاسٹھ یا سرسٹھ اونٹ میری طرف سے قربان کر اورباقی اپنی طرف سے) اورفرمایا ہراونٹ میں سے گوشت کا ایک ٹکڑا میرے لیے رکھ چھوڑ۔

حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صبی بن معبد نے بیان کیا کہ میں نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا (یعنی قران کیا) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو نے نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کیا۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الحج)

قارن کے حلق یا ذبح سے حلال ہونے کا بیان:

وَيَتَحَلَّلُ بِالْحَلْقِ عِنْدَنَا لَا بِالذَّبْحِ كَمَا يَتَحَلَّلُ الْمُفْرِدُ ثُمَّ هَذَا مَذْهَبُنَا . وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَطُوفُ طَوَافًا وَاحِدًا وَيَسْعَى سَعْيًا وَاحِدًا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (دَخَلَتْ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ إلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ) وَلِأَنَّ مَبْنَى الْقِرَانِ عَلَى التَّدَاخُلِ حَتَّى اكْتَفَى فِيهِ بِتَلْبِيَةٍ وَاحِدَةٍ وَسَفَرٍ وَاحِدٍ وَحَلْقٍ وَاحِدٍ فَكَذَلِكَ فِي الْأَرْكَانِ .

وَلَنَا أَنَّهُ لَمَّا طَافَ صَبِيُّ بْنُ مَعْبَدٍ طَوَافَيْنِ وَسَعَى سَعْيَيْنِ قَالَ لَهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ : هُدِيتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ ، وَلِأَنَّ الْقِرَانَ ضَمُّ عِبَادَةٍ إلَى عِبَادَةٍ وَذَلِكَ إنَّمَا يَتَحَقَّقُ بِأَدَاءِ عَمَلِ كُلِّ وَاحِدٍ عَلَى الْكَمَالِ ، وَلِأَنَّهُ لَا تَدَاخُلَ فِي الْعِبَادَاتِ .

وَالسَّفَرُ لِلتَّوَسُّلِ ، وَالتَّلْبِيَةُ لِلتَّحْرِيمِ ، وَالْحَلْقُ لِلتَّحَلُّلِ ، فَلَيْسَتْ هَذِهِ الْأَشْيَاءُ بِمَقَاصِدَ ، بِخِلَافِ الْأَرْكَانِ ، أَلَا تَرَى أَنَّ شَفْعَيْ التَّطَوُّعِ لَا يَتَدَاخَلَانِ وَبِتَحْرِيمَةٍ وَاحِدَةٍ يُؤَدَّيَانِ وَمَعْنَى مَا رَوَاهُ دَخَلَ وَقْتُ الْعُمْرَةِ فِي وَقْتِ الْحَجِّ

ترجمہ:

فقہاء احناف کے نزدیک وہ حلق کے ساتھ حلال ہو جائے گا ذبح کے ساتھ نہ ہوگا جس طرح مفرد حلق کے ساتھ حلال ہوتا ہے اور ہمارا مذہب یہی ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ایک طواف اور ایک سعی کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت تک کیلئے عمرہ حج میں داخل ہوگیا ہے۔ کیونکہ قران کی بنیاد ہی مداخلت پر ہے کیونکہ اس میں ایک تلبیہ ایک سفر اور ایک حلق کفایت کرنے والا ہے۔ لہذا یہ اسی طرح ارکانوں میں سے ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے۔

حضرت صبی بن معبد نے جب دو طواف اور دو مرتبہ سعی کی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: تو نے اپنے نبی ﷺ کی سنت کی راہ اپنالی۔ کیونکہ قران ایک عبادت کو دوسری عبادت کے ساتھ ملانے کا نام ہے۔ لہذا یہ ہر ایک کے مکمل افعال کے ادا کرنے کے ساتھ ثابت ہوگا۔ کیونکہ عبادات مقصودہ میں مداخلت نہیں ہوتی۔ جبکہ سفر وسیلہ ہے اور تلبیہ احرام کیلئے ہے اور حلق حلال ہونے کیلئے ہے۔ پس یہ اشیاء بالذات مقصود نہیں ہیں۔ جبکہ ارکان میں ایسا نہیں ہے۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ نفل کے دو شفعے میں

مداخلت نہیں ہے حالانکہ دونوں ایک تحریمہ سے ادا ہونے والے ہیں۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ عمرے کا وقت حج کے وقت میں داخل ہوگیا ہے۔

قارن کیلئے دو طواف و دو مرتبہ سعی کرنے میں مذاہب اربعہ:

حضرت امام شافعی، امام مالک اور امام احمد، حضرت زہری، حسن بصری، طاؤس، سالم، ابن سیرین کا یہ قول ہے کہ وہ ایک طواف اور ایک سعی کرے گا۔ ان فقہاء کی دلیل درج ذیل احادیث ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ، ابن عمر اور ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ (رضی اللہ تعالی عنہم) مکہ آئے تو حج اور عمرہ کیلئے سب نے ایک ہی طواف کیا۔

ابوزبیر، جابر فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج اور عمرہ کیلئے ایک ہی طواف کیا۔

حضرت ابن عمر حج قران کا احرام باندھ کر آئے تو بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو حج اور عمرہ کا احرام باندھے تو دونوں کیلئے ایک ہی طواف کافی ہے اور وہ جب تک حج پورا نہ کرلے حلال نہ ہوگا اور حج کے بعد حج اور عمرہ دونوں کے احرام سے حلال ہوگا۔

حضرت سراقہ بن جعشم بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وادی میں کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا اس (خطبہ) میں ارشاد فرمایا غور سے سنو عمرہ حج میں داخل ہوگیا تا روز قیامت۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الحج)

عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حجۃ الوداع میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مدینہ سے) نکلے اور ہم نے عمرہ کا احرام باندھا۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہو وہ حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھے۔ ایسے لوگ دونوں کے احرام سے ایک ساتھ حلال ہوں گے۔ میں بھی مکہ آئی تھی لیکن مجھ پر حیض کے دن آگئے۔ اس لیے جب ہم نے حج کے کام پورے کر لیے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عبدالرحمن کے ساتھ تنعیم کی طرف بھیجا۔ میں نے وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارے اس عمرہ کے بدلہ میں ہے (جسے تم نے حیض کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا) جن لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا انہوں نے سعی کے بعد احرام کھول دیا اور دوسرا طواف منی سے واپسی پر کیا لیکن جن لوگوں نے حج اور عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھا تھا انہوں نے صرف ایک طواف کیا۔ (صحیح بخاری، رقم، ۱۶۳۸)

تنعیم ایک مشہور مقام ہے جو مکہ سے تین میل دور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تطییب خاطر کے لیے وہاں بھیج کر عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے فرمایا تھا۔ آخر حدیث میں ذکر ہے کہ جن لوگوں نے حج اور عمرہ کا ایک ہی احرام باندھا تھا۔ انہوں نے بھی ایک ہی طواف کیا اور ایک ہی سعی کی۔

فقہاء احناف کے نزدیک وہ دو مرتبہ طواف کرے اور دو مرتبہ سعی کرے گا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ صبی بن معبد رضی اللہ

عنہ نے کہا کہ میں حج وعمرہ دونوں کے ساتھ اکٹھا حلال ہوا۔تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے اپنے نبی ﷺ کی سنت کو پالیا ہے۔اسی طرح اس روایت کو ابن حبان، دار قطنی، ابن ابیہ شیبہ نے روایت کیا ہے اور امام دار قطنی نے کہا ہے کہ حدیث صحیح ہے۔

امام محمد بن حسن علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حضرت صبی بن معبد نے دو طواف کیے اور دو مرتبہ سعی کی۔تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے اپنے نبی ﷺ کی سنت کو پالیا ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۱۸۶، حقانیہ ملتان)

دو مرتبہ طواف وسعی کرنے کا بیان:

قَالَ (فَإِنْ طَافَ طَوَافَيْنِ لِعُمْرَتِهِ وَحَجَّتِهِ وَسَعَى سَعْيَيْنِ يُجْزِيهِ) لِأَنَّهُ أَتَى بِمَا هُوَ الْمُسْتَحَقُّ عَلَيْهِ وَقَدْ أَسَاءَ بِتَأْخِيرِ سَعْيِ الْعُمْرَةِ وَتَقْدِيمُ طَوَافِ التَّحِيَّةِ عَلَيْهِ وَلَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ .أَمَّا عِنْدَهُمَا فَظَاهِرٌ لِأَنَّ التَّقْدِيمَ وَالتَّأْخِيرَ فِي الْمَنَاسِكِ لَا يُوجِبُ الدَّمَ عِنْدَهُمَا .وَعِنْدَهُ طَوَافُ التَّحِيَّةِ سُنَّةٌ وَتَرْكُهُ لَا يُوجِبُ الدَّمَ فَتَقْدِيمُهُ أَوْلَى .وَالسَّعْيُ بِتَأْخِيرِهِ بِالِاشْتِغَالِ بِعَمَلٍ آخَرَ لَا يُوجِبُ الدَّمَ فَكَذَا بِالِاشْتِغَالِ بِالطَّوَافِ .

ترجمہ:

فرمایا: اگر اس نے اپنے عمرے وحج کیلئے دو طواف کیے ہیں اور اس نے دو سعیں کی ہیں تو اس کیلئے یہی کافی ہوگا۔کیونکہ وہ شخص وہی چیز لایا ہے جو اس پر واجب تھی۔البتہ اس نے عمرے کی سعی کو مؤخر کر کے اور طواف قدوم کو سعی پر مقدم کر کے اچھا نہیں کیا اس پر کچھ لازم نہ ہوگا۔یہ مسئلہ صاحبین کے نزدیک تو ظاہر ہے کیونکہ ان کے نزدیک مناسک میں تقدم وتاخیر کی وجہ سے کوئی دم واجب نہیں ہوتا۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک طواف قدوم سنت ہے۔لہذا اس کا ترک دم کو واجب کرنے والا نہیں ہے۔تو اس کو مقدم کرنا بدرجہ اولیٰ دم واجب کرنے والا نہ ہوگا۔اور سعی کی تاخیر ہے تو وہ دوسرے عمل میں مصروف ہو کر دم کو واجب کرنے والی نہیں ہے لہذا اس کا طواف کے ساتھ مصروف ہونا بھی دم کو واجب کرنے والا نہ ہوگا۔

شرح

چنانچہ جمہور علماء کے نزدیک قران والے کو دو مرتبہ سعی کرنی ہوگی, ایک سعی طواف عمرہ کے ساتھ اور دوسری طواف حج کے ساتھ, جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے, کہ جن صحابہ نے حج تمتع کیا تھا اور عمرہ کر کے حلال ہو گئے تھے انہوں نے دوبارہ سعی کی تھی, ایک طواف عمرہ کے ساتہ اور دوسری طواف حج کے ساتھ کرے۔

کہ قارن کو ایک طواف عمرہ اور حج دونوں کے لئے کافی ہے، جیسا کہ حضرت امام شافعی کا مسلک ہے لیکن حنفیہ کے ہاں قارن

کو دو طواف کرنے ضروری ہیں ایک طواف تو عمرہ کے لئے جو مکہ میں داخل ہونے کے بعد کیا جائے اور دوسرا طواف حج کے لئے وقوف عرفات کے بعد کیا جائے کیونکہ حدیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقوع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قارن تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے تو ایک طواف اس وقت کیا اور دوسری مرتبہ طواف الزیارۃ وقوف عرفات کے بعد کیا نیز دار قطنی نے ایک روایت نقل کی ہے جس کا حاصل بھی یہی ہے کہ قارن دو طواف کرے اور صفا ومروہ کے درمیان دو مرتبہ سعی کرے! حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی بات منقول ہے کہ قارن دو طواف اور دو مرتبہ سعی کرے۔

قارن جب رمی جمرہ عقبہ کر چکے تو ذبح کرے:

قَالَ (وَإِذَا رَمَى الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ذَبَحَ شَاةً أَوْ بَقَرَةً أَوْ بَدَنَةً أَوْ سُبُعَ بَدَنَةٍ فَهَذَا دَمُ الْقِرَانِ) لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمُتْعَةِ وَالْهَدْيُ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ فِيهَا ، وَالْهَدْيُ مِنْ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ عَلَى مَا نَذْكُرُهُ فِي بَابِهِ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ، وَأَرَادَ بِالْبَدَنَةِ هَاهُنَا الْبَعِيرَ وَإِنْ كَانَ اسْمُ الْبَدَنَةِ يَقَعُ عَلَيْهِ وَعَلَى الْبَقَرَةِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا ، وَكَمَا يَجُوزُ سُبُعُ الْبَعِيرِ يَجُوزُ سُبُعُ الْبَقَرَةِ

ترجمہ:

فرمایا: اور جب نحر کے دن رمی جمرہ عقبہ کر چکے تو وہ ذبح کرے ایک بکری یا ھائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ ہے۔یہ قران کا دم ہے کیونکہ یہاں قران تمتع کے معنی میں ہے۔اور تمتع کی ہدی (قران میں) منصوص علیہ ہے۔قربانی اونٹ، گائے اور بکری سے ہوگی جس کو ہم ان شاء اللہ اس کے باب میں بیان کریں گے۔یہاں پر بدنہ سے مراد اونٹ ہے اگرچہ بدنہ کا لفظ اونٹ اور گائے دونوں کیلئے بولا جاتا ہے۔جیسے ہم نے بیان کیا ہے اور گائے کا ساتواں حصہ اسی طرح جائز ہے جس طرح اونٹ کا ساتواں حصہ جائز ہے۔

اس کی شرح باب الہدی میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔

اگر ذبح کرنے والا جانور نہ پائے تو دس روزے رکھنے کا بیان:

(فَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ مَا يَذْبَحُ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ آخِرُهَا يَوْمُ عَرَفَةَ ، وَسَبْعَةَ أَيَّامٍ إذَا رَجَعَ إلَى أَهْلِهِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ) فَالنَّصُّ وَإِنْ وَرَدَ فِي التَّمَتُّعِ فَالْقِرَانُ مِثْلُهُ لِأَنَّهُ مُرْتَفِقٌ بِأَدَاءِ

النُّسُكَيْنِ .وَالْمُرَادُ بِالْحَجِّ وَاللَّهُ أَعْلَمُ وَقْتُهُ لِأَنَّ نَفْسَهُ لَا يَصْلُحُ ظَرْفًا ، إِلَّا أَنَّ الْأَفْضَلَ أَنْ يَصُومَ قَبْلَ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ وَيَوْمَ التَّرْوِيَةِ وَيَوْمَ عَرَفَةَ لِأَنَّ الصَّوْمَ بَدَلٌ عَنْ الْهَدْيِ فَيُسْتَحَبُّ تَأْخِيرُهُ إِلَى آخِرِ وَقْتِهِ رَجَاءَ أَنْ يَقْدِرَ عَلَى الْأَصْلِ .

ترجمہ:

اگر قارن کے پاس ذبح کرنے کیلئے کچھ نہ ہو تو حج میں تین دن کے روزے رکھے۔ یہاں تک کہ آخری دن عرفہ کا ہو اور سات روزے تب رکھے جب اپنے اہل کی طرف لوٹ آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ '' پس جو ہدی نہ پائے وہ تین روزے حج میں اور سات جب تم واپس آؤ تو رکھو یہ دس مکمل ہو گئے۔ اگرچہ یہ نص تمتع کے بارے میں ہے لیکن قران بھی اسی کی مثل ہے۔ کیونکہ قرانی بھی حج وعمرے دونوں میں قربانی سے نفع پانے والا ہے۔ اور حج سے مراد اس کا وقت ہے اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔ کیونکہ نفس حج ظرف بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا البتہ افضل یہ ہے کہ یوم ترویہ سے ایک دن پہلے کا اور یوم ترویہ اور یوم عرفہ کا روزہ رکھے کیونکہ روزہ رکھنا ہدی کا بدل ہے لہذا اصل کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے آخر وقت تک روزے کو مؤخر کرنا مستحب ہے۔

قارن کے عدم ہدی کی صورت میں روزوں کے اختیار میں مذاہب اربعہ:

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ چاروں اماموں کا بھی یہی مذہب ہے، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف اونٹ اور گائے ہی ہے، غالبًا ان کی دلیل حدیبیہ والا واقعہ ہوگا اس میں کسی صحابی سے بکری کا ذبح کرنا منقول نہیں، گائے اور اونٹ ہی ان بزرگوں نے قربان کئے ہیں، بخاری ومسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم سات سات آدمی گائے اور اونٹ میں شریک ہو جائیں،

حضرت ابن عباس سے یہ بھی منقول ہے کہ جس جانور کے ذبح کرنے کی وسعت ہو اسے ذبح کر ڈالے، اگر مالدار ہے تو اونٹ اس سے کم حیثیت والا ہے تو گائے ورنہ پھر بکری حضرت عروہ فرماتے ہیں مہنگے سستے داموں پر موقوف ہے، جمہور کے اس قول کی کہ بکری کافی ہے کہ یہ دلیل ہے کہ قرآن نے میسر آسان ہونے کا ذکر فرمایا ہے یعنی کم سے کم وہ چیز جس پر قربانی کا اطلاق ہو سکے اور قربانی کے جانور اونٹ گائے بکریاں اور بھیڑیں ہیں جیسے حبر البحر ترجمان قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ بکری کی قربانی کی۔ پھر فرمایا جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے تم اپنے سروں کو نہ منڈواؤ، اس کا عطف آیت (واتموا الحج)الخ پر ہے، آیت (فان احصرتم) پر نہیں امام ابن جریر سے یہاں سہو ہو گیا ہے وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے حدیبیہ والے سال جبکہ مشرکین رکاوٹ بن گئے تھے اور آپ کو حرم میں نہ جانے دیا تو حرم سے باہر ہی سب

نے سر بھی منڈوائے اور قربانیاں بھی کر دیں، لیکن امن کی حالت میں جبکہ حرم میں پہنچ سکتے ہوں تو جائز نہیں جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اور حاجی حج وعمرے کے جملہ احکام سے فارغ نہ ہو لے اگر وہ حج وعمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے ہوئے ہو تو ان میں سے ایک کو کرنے والے ہو تو خواہ اس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو خواہ تمتع کی نیت کی ہو،

بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! سب تو احرام کھول ڈالے لیکن آپ تو احرام میں ہی ہیں آپ نے فرمایا ہاں میں نے اپنا سر منڈوالیا ہے اور اپنی قربانی کے جانور کے گلے میں علامت ڈال دی ہے جب تک یہ ذبح نہ ہو جائے میں احرام نہیں اتار سکتا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ بیمار اور سر کی تکلیف والا شخص فدیہ دے دے صحیح بخاری شریف میں ہے عبداللہ بن معقل کہتے ہیں کہ میں کوفے کی مسجد میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا میں نے ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ مجھے لوگ اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے جوئیں میرے منہ پر چل رہی تھیں آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا تمہاری حالت یہاں تک پہنچ گئی ہوگی میں خیال بھی نہیں کر سکتا کیا تمہیں اتنی طاقت نہیں کہ ایک بکری ذبح کر ڈالو میں نے کہا حضور! میں تو مفلس آدمی ہوں آپ نے فرمایا جاؤ اپنا سر منڈوا دو اور تین روزے رکھ لینا یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع (تقریبا سوا سیر سوا چھٹانک) اناج دے دینا یہ آیت میرے بارے میں اتری ہے اور حکم کے اعتبار سے ہر ایک ایسے معذور شخص کو شامل ہے ایک اور روایت میں ہے کہ میں ہنڈیا تلے آگ سلگا رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری یہ حالت دیکھ کر مجھے یہ مسئلہ بتایا، ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے اور میرے سر پر بڑے بڑے بال تھے جن میں بکثرت جوئیں ہو گئی تھیں، ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ پھر میں نے سر منڈوا دیا اور ایک بکری ذبح کر دی، ایک اور حدیث میں ہے (نسک) یعنی قربانی ایک بکری ہے اور روزے اگر رکھے تو تین رکھے اگر صدقہ دے تو ایک فرق (پیمانہ) چھ مسکینوں کے درمیان تقسیم کر دینا ہے،

حضرت علی، محمد بن کعب، علقمہ، ابراہیم، مجاہد، عطا، سدی اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے، ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو تینوں مسئلے بتا کر فرما دیا تھا کہ اس میں سے جس پر تم چاہو عمل کرو کافی ہے،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جہاں دو تین صورتیں لفظ "او" کے ساتھ بیان ہوئی ہوں وہاں اختیار ہوتا ہے جسے چاہے کر لے، حضرت مجاہد، عکرمہ، عطاء، طاؤس، حسن، حمید، اعرج، ابراہیم نخعی اور ضحاک سے بھی یہی مروی ہے۔

چاروں اماموں کا اور اکثر علماء کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر چاہے روزے رکھ لے اگر چاہے صدقہ کر دے اگر چاہے قربانی کر لے روزے تین ہیں صدقہ ایک فرق یعنی تین صاع یعنی آٹھ سیر میں آدھی چھٹانک کم ہے چھ مسکینوں پر تقسیم کر دے اور قربانی ایک بکری کی ہے، ان تینوں صورتوں میں سے جو چاہے کر لے، پروردگار رحمٰن ورحیم کو چونکہ یہاں رخصت دینی تھی اس لئے سب سے پہلے روزے بیان فرمائے جو سب سے آسان صورت ہے، صدقہ کا ذکر کیا پھر قربانی کا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چونکہ

افضلیت پر عمل کرانا تھا اس لئے پہلے قربانی کا ذکر کیا پھر چھ مسکینوں کو کھلانے کا پھر تین روزے رکھنے کا، سبحان اللہ دونوں مقام کے اعتبار سے دونوں ترکیبیں کس قدر درست اور برمحل ہیں۔

سعید بن جبیر سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ غلہ کا حکم لگایا جائے گا اگر اس کے پاس ہے تو ایک بکری خرید لے ورنہ بکری کی قیمت درہموں سے لگائی جائے اور اس کا غلہ خریدا جائے اور صدقہ کر دیا جائے ورنہ ہر آدھے صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے، حضرت حسن فرماتے ہیں جب محرم کے سر میں تکلیف ہو تو بال منڈوا دے اور ان تین میں سے ایک فدیہ ادا کر دے روزے دس ہیں، صدقہ دس مسکینوں کا کھانا بتلاتے ہیں لیکن یہ اقوال ٹھیک نہیں اس لئے کہ مرفوع حدیث میں آچکا ہے کہ روزے تین ہیں اور چھ مسکینوں کا کھانا ہے اور ان تینوں صورتوں میں اختیار ہے قربانی کی بکری کر دے خواہ تین روزے رکھ لے خواہ چھ فقیروں کو کھانا کھلا دے، ہاں یہ ترتیب احرام کی حالت میں شکار کرنے والے پر ہے جیسے کہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں اور فقہاء کا اجماع ہے لیکن یہاں ترتیب ضروری نہیں اختیار ہے، طاؤس فرماتے ہیں یہ قربانی اور یہ صدقہ مکہ میں ہی کر دے لیکن روزے جہاں چاہے رکھ لے، ایک اور روایت میں ہے ابو اسماء جو ابن جعفر کے مولی ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حج کو نکلے آپ کے ساتھ حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی تھے میں ابو جعفر کے ساتھ تھا ہم نے دیکھا کہ ایک شخص سویا ہوا ہے اور اس کی اونٹنی اس کے سرہانے بندھی ہوئی ہے میں نے اسے جگایا دیکھا تو وہ حضرت حسین تھے ابن جعفر انہیں لے کر چلے یہاں تک کہ ہم سقیا میں پہنچے وہاں بیس دن تک ہم ان کی تیمارداری میں رہے ایک مرتبہ حضرت علی نے پوچھا کیا حال ہے؟ جناب حسین نے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا آپ نے حکم دیا کہ سر منڈوا لو پھر اونٹ منگوا کر ذبح کر دیا، تو اگر اس اونٹ کا نحر کرنا احرام سے حلال ہونے کے لئے تھا تو خیر اور اگر یہ فدیہ کے لئے تھا تو ظاہر ہے کہ مکہ کے باہر یہ قربانی ہوئی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمتع والا شخص بھی قربانی کرے، خواہ حج وعمرے کا ایک ساتھ احرام باندھا ہو یا پہلے عمرے کا احرام باندھا ہو یا اس سے فارغ ہو کر حج کا احرام باندھ لیا ہو، اصل تمتع یہی ہے اور فقہاء کے کلام میں بھی مشہور یہی ہے۔

اور عام تمتع ان دونوں قسموں میں شامل ہے، جیسے کہ اس پر صحیح حدیثیں دلالت کرتی ہیں بعض راوی تو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود حج تمتع کیا تھا بعض کہتے ہیں آپ قارن تھے اور اتنا سب کہتے ہیں کہ قربانی کے جانور آپ کے ساتھ تھے، پس آیت میں یہ حکم ہے کہ تمتع کرنے والا جس قربانی پر قادر ہو وہ کر ڈالے جس کا ادنی درجہ ایک بکری کو قربان کرنا ہے گو گائے کی قربانی بھی کر سکتا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی جو سب کی سب تمتع والی تھیں (ابن مردویہ) اس سے ثابت ہوا کہ تمتع بھی مشروع ہے، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمتع کی آیت بھی قرآن میں نازل ہو چکی ہے اور ہم نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا پھر نہ تو قرآن میں اس کی ممانعت نازل ہوئی نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے روکا لیکن لوگوں نے اپنی رائے سے اسے ممنوع قرار دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد غالباً حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں حضرت امام المحدثین کی یہ بات بالکل صحیح ہے،

حضرت عمر سے منقول ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ہم کتاب اللہ کو لیں تو اس میں بھی حج وعمرے کے پورا کرنے کا حکم موجود ہے آیت (واتموا الحج والعمرة لله) لیکن یہ یاد رہے کہ لوگ بکثرت بیت اللہ شریف کا قصد حج وعمرے کے ارادے سے کریں جیسے کہ آپ سے صراحۃ مروی ہے رضی اللہ عنہ۔ پھر فرمایا جو شخص قربانی نہ کر سکے وہ تین روزے حج میں رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھ لے جب حج سے لوٹے یہ پورے دس ہو جائیں گے، یعنی قربانی کی طاقت جسے نہ ہو وہ روزے رکھ لے تین تو ایام حج میں اور بقیہ بعد میں، علماء کا فرمان ہے کہ اولی یہ ہے کہ یہ روزے عرفے سے پہلے ذی الحج کے دنوں میں رکھ لے حضرت طاؤس مجاہد وغیرہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اول شوال میں بھی یہ روزے جائز ہیں،

حضرت شعبی وغیرہ فرماتے ہیں روزوں کو اگر عرفہ کے دن کا روزہ شامل کر کے ختم کرے تو بھی اختیار ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ منقول ہے کہ اگر عرفے سے پہلے دو دنوں میں دو روزے رکھ لے اور تیسرا عرفہ کے دن ہو تو بھی جائز ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ بھی فرماتے ہیں ایک روزہ یوم الترویہ سے پہلے ایک یوم الترویہ کا اور یک عرفہ کا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی وہی ہے۔ اگر کسی شخص سے یہ تینوں روزے یا ایک دو چھوٹ گئے ہوں اور ایام تشریق یعنی بقرعید کے بعد کے تین دن آجائیں تو حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ وہ ان دنوں میں بھی یہ روزے رکھ سکتا ہے (بخاری) امام شافعی کا بھی پہلا قول یہی ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی یہی مروی ہے، حضرت عکرمہ، حسن بصری اور عروہ بن زبیر سے بھی شامل ہے،

حضرت امام شافعی کا نیا قول یہ ہے کہ ان دنوں میں یہ روزے ناجائز ہیں، کیونکہ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔ پھر سات روزے لوٹنے کے وقت اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ جب لوٹ کر اپنی قیام گاہ پہنچ جاؤ پس لوٹتے وقت راستہ میں بھی یہ سات روزے رکھ سکتا ہے مجاہد اور عطا یہی کہتے ہیں، یا مراد وطن میں پہنچ جانے سے ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ یہی فرماتے ہیں اور بھی بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے بلکہ ابن جریر تو اس پر اجماع بتاتے ہیں۔

احکام حج سے فراغت کے بعد بقیہ روزے رکھنے کا بیان:

(وَإِنْ صَامَهَا بِمَكَّةَ بَعْدَ فَرَاغِهِ مِنَ الْحَجِّ جَازَ) وَمَعْنَاهُ بَعْدَ مُضِيِّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ لِأَنَّ الصَّوْمَ فِيهَا مَنْهِيٌّ عَنْهُ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ مُعَلَّقٌ بِالرُّجُوعِ، إلَّا أَنْ يَنْوِيَ الْمُقَامَ فَحِينَئِذٍ يُجْزِيهِ لِتَعَذُّرِ الرُّجُوعِ.

وَلَنَا أَنَّ مَعْنَاهُ رَجَعْتُمْ عَنْ الْحَجِّ: أَيْ فَرَغْتُمْ، إذْ الْفَرَاغُ سَبَبُ الرُّجُوعِ إلَى أَهْلِهِ فَكَانَ الْأَدَاءُ بَعْدَ السَّبَبِ فَيَجُوزُ

ترجمہ:

اگر وہ شخص مکہ میں حج سے فارغ ہونے کے بعد سات روزے رکھے تو جائز ہے اور اس کا مطلب یہ ہے ایام تشریق گزر جانے کے بعد روزے رکھے۔ کیونکہ ایام تشریق میں روزہ رکھنا منع ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے جائز نہیں ہے کیونکہ بقیہ ساتوں روزے رجوع کے ساتھ معلق ہیں ہاں اگر وہ بندہ مکہ میں رہنے کی نیت کر لے تو تب رجوع کے تعذر کی وجہ سے روزے رکھنا جائز ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ''رَجَعْتُم'' کا معنیٰ ''فَرَغْتُمْ'' کا ہے۔ لہذا فراغت اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹنے کا سبب ہے۔ پس ادا سبب کے بعد ہوئی اس لئے جائز ہے۔

شرح

اس مسئلہ کی شرح کا کچھ حصہ سابقہ عبارت میں گزر چکا ہے اور بقیہ فقہی اختلاف آنے والی عبارت کی شرح میں ملاحظہ فرمائیں

نحر کے دن سے پہلے تین روزے نہ رکھنے کی صورت میں دم کا بیان:

(فَإِنْ فَاتَهُ الصَّوْمُ حَتَّى أَتَى يَوْمَ النَّحْرِ لَمْ يُجْزِهِ إلَّا الدَّمُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَصُومُ بَعْدَ هَذِهِ الْأَيَّامِ لِأَنَّهُ صَوْمٌ مُوَقَّتٌ فَيَقْضِي كَصَوْمِ رَمَضَانَ .وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَصُومُ فِيهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ) وَهَذَا وَقْتُهُ .

وَلَنَا النَّهْيُ الْمَشْهُورُ عَنْ الصَّوْمِ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ فَيَتَقَيَّدُ بِهِ النَّصُّ أَوْ يَدْخُلُهُ النَّقْصُ فَلَا يَتَأَدَّى بِهِ مَا وَجَبَ كَامِلًا ، وَلَا يُؤَدِّى بَعْدَهَا لِأَنَّ الصَّوْمَ بَدَلٌ وَالْأَبْدَالُ لَا تُنْصَبُ إلَّا شَرْعًا ، وَالنَّصُّ خَصَّهُ بِوَقْتِ الْحَجِّ وَجَوَازُ الدَّمِ عَلَى الْأَصْلِ .وَعَنْ عُمَرَ أَنَّهُ أَمَرَ فِي مِثْلِهِ بِذَبْحِ الشَّاةِ ، فَلَوْ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى الْهَدْيِ تَحَلَّلَ وَعَلَيْهِ دَمَانِ : دَمُ التَّمَتُّعِ ، وَدَمُ التَّحَلُّلِ قَبْلَ الْهَدْيِ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے فوت شدہ روزے نہ رکھے حتیٰ کہ نحر کا دن آ گیا تو اس کیلئے دم کے سوا کوئی چیز کفایت کرنے والی نہ ہوگی۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ ان دنوں کے بعد روزے رکھے کیونکہ اس کے یہ روزے معین وقت میں تھے۔ پس رمضان کے روزوں کی طرح ان کی بھی قضاء کرے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا: وہ روزے ایام تشریق میں رکھے کیونکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا جو شخص ہدی نہ پائے تو

وہ حج کے وقت میں تین روزے رکھے۔ اور ایام تشریق بھی حج کے اوقات میں سے ہیں۔

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے ایام تشریق میں روزے رکھنے کی ممانعت ہے۔ جو مشہور ہے اور یہ نص اس ممانعت کے ساتھ مقید ہوگئی یا ان روزوں میں نقصان داخل ہو جائے گا لہذا ان ناقص روزوں سے وہ ادا نہ ہوں گے جو اس پر کامل طریقے سے واجب ہوئے تھے۔

اور وہ ایام تشریق کے بعد ادا نہیں ہوں گے کیونکہ روزہ بدل ہے اور بدل صرف شریعت کی طرف قائم ہو سکتے ہیں۔ اور نص نے اس بدل کو وقت حج کے ساتھ خاص کر دیا ہے جبکہ قربانی کا جائز ہونا اپنی اصل پر ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اس طرح واقعہ میں بکری ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اگر قارن قربانی کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ حلال ہو جائے گا اور اس پر دو قربانیاں واجب ہیں ایک قربانی تمتع کی ہے اور ایک قربانی ہدی سے پہلے حلال ہونے کی ہے۔

حاجی کے ایام تشریق میں روزے رکھنے میں مذاہب اربعہ:

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ وہ ان سات دنوں میں روزے نہ رکھے گا کیونکہ یہ روزے اپنے اہل کی طرف لوٹ کر آنے کی شرط کے ساتھ معلق ہیں۔ اور جب اس سے شرط مفقود ہوگئی تو حکم بھی ختم ہو جائے گا۔

احناف کے نزدیک اس کی فراغت ہی اس کے وجوع کا سبب ہے۔ پس یہ اداء سبب کے بعد ہوئی۔ یعنی وجود سبب کے بعد ادا پائی گئی ہے۔ لہذا اس باب میں سبب کے ذکر سے ارادہ مسبب ہے۔ اور وہ فراغت ہے۔ پس اس کو مجاز کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ تو بہ اتفاق یہ شرط نہیں ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جب کوئی مکہ میں اقامت کی نیت کرے تو اس کیلئے مکہ میں روزے رکھنا جائز ہے۔ حالانکہ رجوع الی اہل نہیں پایا گیا۔ اس کا مطلب ہے۔ یہاں رجوع سے مراد فراغت ہے۔

اگر اس نے روزے نہ رکھے یہاں تک کہ یوم نحر آ گیا تو اس کی کفایت صرف دم ہے۔ حضرت علی، ابن عباس، رضی اللہ عنہم، سعید بن جبیر، طاؤس، مجاہد، حسن، عطا سے روایت کی گئی ہے۔

حضرت حماد، ثوری، ابن منذر اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا ایک قول اسی طرح ہے کہ ان ایام کے گزر جانے کے بعد روزے رکھنا کفایت کرے گا۔ لہذا امام شافعی علیہا الرحمہ کا مذہب یہی ہے کہ ان دنوں کے بعد روزے رکھے جائیں۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے اس مسئلہ میں چھ اقوال ہیں۔ (۱) روزہ نہیں ہے وہ ہدی کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ (۲) دس دنوں کے روزے اس پر ہیں۔ خواہ وہ متفرق ہوں یا مسلسل رکھے جائیں۔ (۳) وہ متفرق دس دنوں کے روزے رکھے۔ (۴) چار دنوں کے متفرق رکھے۔ (۵) امکان سہولت تک متفرق رکھے (۶) چار دنوں کے روزے متفرق حتی الامکان رکھے۔ جب تک اس کو سہولت ہو۔ (شرح مہذب، امام نووی)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ ایام تشریق میں روزے رکھے گا۔ کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے جو نہ پائے تو وہ حج

کے دنوں میں تین روزے رکھے۔

فقہاء احناف کے نزدیک ایام تشریق کی نفی مشہور ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ تم ان دنوں میں روزے نہ رکھو کیونکہ یہ کھانے پینے کے ایام ہیں۔

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (فقہاء حنابلہ کے موقف سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بھی وہی موقف ہے جو احناف کا موقف ہے)۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۱۹۲، حقانیہ ملتان)

قارن جب مکہ میں نہ جائے بلکہ عرفات میں جائے:

(فَإِنْ لَمْ يَدْخُلِ الْقَارِنُ مَكَّةَ وَتَوَجَّهَ إلَى عَرَفَاتٍ فَقَدْ صَارَ رَافِضًا لِعُمْرَتِهِ بِالْوُقُوفِ) لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ أَدَاؤُهَا لِأَنَّهُ يَصِيرُ بَانِيًا أَفْعَالَ الْعُمْرَةِ عَلَى أَفْعَالِ الْحَجِّ ، وَذَلِكَ خِلَافُ الْمَشْرُوعِ . وَلَا يَصِيرُ رَافِضًا بِمُجَرَّدِ التَّوَجُّهِ هُوَ الصَّحِيحُ مِنْ مَذْهَبِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَيْضًا .

وَالْفَرْقُ لَهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مُصَلِّي الظُّهْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إذَا تَوَجَّهَ إلَيْهَا أَنَّ الْأَمْرَ هُنَالِكَ بِالتَّوَجُّهِ مُتَوَجِّهٌ بَعْدَ أَدَاءِ الظُّهْرِ ، وَالتَّوَجُّهُ فِي الْقِرَانِ وَالتَّمَتُّعِ مَنْهِيٌّ عَنْهُ قَبْلَ أَدَاءِ الْعُمْرَةِ فَافْتَرَقَا .

ترجمہ:

اور جب قارن مکہ میں داخل نہ ہوا بلکہ عرفات کو چلا گیا تو وہ اپنے عمرے کو وقوف عرفہ کے ساتھ چھوڑنے والا ہے کیونکہ اب اس پر عمرے کا ادا کرنا ناممکن ہوگیا ہے لہذا وہ عمرے کے افعال کو حج کے افعال پر بناء کرنے والا ہو جائے گا یہ خلاف شرع ہے۔ البتہ صرف عرفات کی طرف جانے سے عمرے کو چھوڑنے والا نہ ہوگا۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا صحیح مذہب یہی ہے۔ اور آپ علیہ الرحمہ کے نزدیک اس شخص کے درمیان اور جو جمعہ کے دن ظہر پڑھ جمعہ کی طرف متوجہ ہوا اس کے درمیان فرق یہ ہے کہ جمعہ کے مسئلہ میں ادائے ظہر کے بعد متوجہ ہونے کی صورت میں حکم متوجہ ہوگا جبکہ قران وتمتع کے مسئلہ میں ادائے عمرہ سے پہلے عرفات کی طرف جانے سے اس کو منع کیا گیا ہے لہذا دونوں مسائل میں فرق واضح ہو چکا ہے۔

قارن کا سیدھا عرفات جانے میں فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف:

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قارن کا مکہ جانے کی بہ جائے عرفات میں جانا غیر مشروع ہے۔ کیونکہ وقوف

افعال عمرہ پر مرتب ہونے والا ہے۔

حضرت حسن نے حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت کیا ہے کہ وہ عرفات میں جانے کی وجہ سے عمرہ کو چھوڑنے والا ہے۔ کیونکہ وہ اس کو جمعہ پر قیاس کرتے ہیں۔ جبکہ صحیح دلیل وہی ہے جس کو کتاب میں ذکر کیا گیا ہے اور ان دونوں میں فرق واضح ہے۔ اور ان دونوں میں نہی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عمرے کے افعال کا حکم دیا ہے۔ ”فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ“ اور کسی چیز کا امر اس کی ضد کی کراہت کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور کراہت صرف نہی سے حاصل ہوتی ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے وہ عمرے کو چھوڑنے والا نہیں ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ عمرہ حج میں داخل ہے۔ لہذا ان کے نزدیک طواف عمرے کیلئے مقصود نہیں ہے۔ اور اس کا فائدہ وجوب دم میں ظاہر ہے۔

ہمارے نزدیک اس سے قران کا دم ساقط ہو جائے گا اور وہ قربانی ہے اور عمرے چھوڑنے کی وجہ سے اس پر دم واجب ہے۔ کیونکہ افعال کی ادائیگی سے پہلے احرام کا اٹھانا دم واجب کرنے والا ہے جس احصار میں حکم ہے۔ جبکہ امام شافعی کے نزدیک دم واجب نہیں ہے۔ لہذا صحت مشروع کی وجہ سے وہ اس کی قضاء کرے گا۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۳۷، بیروت)

عمرے کے ترک پر دم قران کے سقوط کا بیان:

قَالَ (وَسَقَطَ عَنْهُ دَمُ الْقِرَانِ) لِأَنَّهُ لَمَّا ارْتَفَضَتْ الْعُمْرَةُ لَمْ يَرْتَفِقْ بِأَدَاءِ النُّسُكَيْنِ (وَعَلَيْهِ دَمٌ لِرَفْضِ الْعُمْرَةِ) بَعْدَ الشُّرُوعِ فِيهَا (وَعَلَيْهِ قَضَاؤُهَا) لِصِحَّةِ الشُّرُوعِ فِيهَا فَأَشْبَهَ الْمُحْصَرَ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ اس کے ذمہ سے قران کی قربانی ساقط ہو جائے گی کیونکہ جب عمرہ ترک ہو چکا ہے کیونکہ اس کو حج وعمرہ ادا کرنے کی ہمت نہ مل سکی۔ ہاں عمرہ شروع کرنے کے بعد اس کو ترک کرنے کی وجہ سے اس پر قربانی واجب ہوگئی ہے اور اس پر عمرہ قضاء کرنا واجب ہے اس لئے عمرے کو شروع کرنا صحیح ہے لہذا وہ محصر کے مشابہ ہوگیا ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک یہ مسئلہ احصار پر قیاس کیا گیا ہے اور قیاس بالکل صحیح ہے کیونکہ جس طرح احصار میں سقوط کا حکم اسی طرح اس میں حکم سقوط ہوگا۔ اور ان دونوں مسائل کی علل میں اشتراک باہمی موجود ہے۔ اور اس مسئلہ میں حضرت امام شافعی کے ساتھ ہمارا اختلاف اس سے پہلے مسئلہ میں بمع دلائل ذکر کر چکے ہیں۔

باب التمتع

﴿یہ باب حج تمتع کے بیان میں ہے﴾

باب تمتع کی فقہی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔یہ باب حج تمتع کے بیان میں ہے اور اسکو حج قران کے باب سے اس لئے مؤخر کیا ہے کہ ہمارے نزدیک حج قران تمتع سے افضل ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۵ ص ۱۹۷، حقانیہ ملتان)

حج تمتع کرنے کی فضیلت کا بیان:

(التَّمَتُّعُ أَفْضَلُ مِنَ الْإِفْرَادِ عِنْدَنَا) وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْإِفْرَادَ أَفْضَلُ ، لِأَنَّ الْمُتَمَتِّعَ سَفَرُهُ وَاقِعٌ لِعُمْرَتِهِ وَالْمُفْرِدَ سَفَرُهُ وَاقِعٌ لِحَجَّتِهِ .وَجْهُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ أَنَّ فِي التَّمَتُّعِ جَمْعًا بَيْنَ الْعِبَادَتَيْنِ فَأَشْبَهَ الْقِرَانَ ثُمَّ فِيهِ زِيَادَةُ نُسُكٍ وَهِيَ إرَاقَةُ الدَّمِ وَسَفَرُهُ وَاقِعٌ لِحَجَّتِهِ ، وَإِنْ تَخَلَّلَتْ الْعُمْرَةُ ؛ لِأَنَّهَا تَبَعُ الْحَجِّ كَتَخَلُّلِ السُّنَّةِ بَيْنَ الْجُمُعَةِ وَالسَّعْيِ إلَيْهَا .

ترجمہ:

فقہاء احناف کے نزدیک حج تمتع حج مفرد سے افضل ہے۔حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے اسی طرح روایت بیان کی گئی ہے کہ افراد افضل ہے۔اس لئے کہ تمتع کرنے والے کا سفر عمرے کیلئے ہوتا ہے جبکہ افراد کرنے والے کا سفر حج کیلئے ہوتا ہے۔ظاہر الروایت میں اس کی دلیل یہ ہے کہ تمتع میں دوعبادتوں کا جمع کرنا ہے لہذا یہ قران کے مشابہ ہوگیا۔اس کے بعد تمتع میں ایک قربانی زائد ہے اور وہ قربانی کرنا ہے اور تمتع کرنے والے کا سفر حج کیلئے واقع ہوتا ہے۔اگرچہ اس کے درمیان میں عمرہ ہے کیونکہ عمرہ حج کے تابع ہے۔جس طرح جمعہ اور اس کی طرف سعی درمیان سنت کے طور پر آجاتی ہے۔

حج تمتع کی فضیلت کا بیان:

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم نے نبی کے ساتھ صرف حج کا احرام باندھا عمرے کو اس میں شامل نہیں کیا پھر مکہ مکرمہ میں پہنچے جب ذوالحجہ کی چار راتیں گزر چکیں تب ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا اور سعی کر لی صفا و مروہ میں تو نبی نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اس احرام کو عمرہ میں بدل ڈالیں اور حلال ہو کر اپنی بیویوں سے صحبت کر لیں۔ہم نے عرض کیا کہ اب عرفہ میں صرف پانچ دن باقی ہیں تو ہم عرفات کو اس حال میں نکلیں گے کہ ہماری شرمگاہوں سے منی ٹپک رہی ہوگی؟ نبی ﷺ نے فرمایا بے شک میں تم سب

سے زیادہ پارسا اور سچا ہوں اور اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں بھی احرام کھول ڈالتا۔سراقہ بن مالک نے اس وقت عرض کیا کہ یہ متعہ ہمارے اس سال کیلئے ہے یا ہمیشہ کیلئے؟ آپ نے فرمایا نہیں!(بلکہ) ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہے۔(ابن ماجہ)

دوعبادات کو جمع کرنے میں معیار فضیلت کا بیان:

حج تمتع کو حج افراد فضیلت ثابت کرنے کی نصوص کے بعد جو فقہاء احناف کے نزدیک علت ہے وہ عبادات کو جمع کرنا ہے۔کیونکہ دوعبادات کو جمع کرنے میں زیادہ جہد و مشقت ہے لہذا اسی وجہ سے اس کا اجر و ثواب بھی زیادہ کر دیا گیا ہے۔

مکہ میں رہنے والے کیلئے حج مفرد کی فضیلت کا بیان:

مروان بن حکم سے روایت کرتے ہیں۔انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کے بارے میں گواہی دیتا ہوں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تمتع اور قران سے منع کرتے تھے جب حضرت علی نے دیکھا، تو حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اور لبیک بعمرۃ وحجۃ فرمایا کہ کسی ایک شخص کی بات پر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتا۔(حضرت عثمان اور دوسرے بعض صحابہ سے بھی منقول ہے کہ تمتع اور قران کو پسند نہیں کرتے تھے اس کی وجہ یہ تھی ان حضرات کے نزدیک افضل اور بہتر بات یہ تھی کہ حج کے سفر میں صرف حج کیا جائے اور عمرے کے لئے مستقلا سفر کیا جائے مگر یہ بات ایسے آدمی کے لئے ہے جو دو مرتبہ سفر کی استطاعت رکھتا ہو)۔

حج تمتع کرنے کی دوصورتوں کا بیان:

(وَالْمُتَمَتِّعُ عَلَى وَجْهَيْنِ مُتَمَتِّعٌ بِسَوْقِ الْهَدْيِ وَمُتَمَتِّعٌ لَا يَسُوقُ الْهَدْيَ) وَمَعْنَى التَّمَتُّعِ التَّرَفُّقُ بِأَدَاءِ النُّسُكَيْنِ فِي سَفَرٍ وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُلِمَّ بِأَهْلِهِ بَيْنَهُمَا إلْمَامًا صَحِيحًا ، وَيَدْخُلُهُ اخْتِلَافَاتٌ نُبَيِّنُهَا إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

ترجمہ:

تمتع کرنے والے کی دو اقسام ہیں (۱) جو ہدی کو چلائے (۲) جو ہدی کو نہ چلائے۔اور تمتع کا معنی یہ ہے کہ ایک ہی سفر میں دو عبادتوں کا فائدہ حاصل کرنا ہے۔سوائے اس کے کہ دونوں کے درمیان اس کے اہل ساتھ المام صحیح پایا جائے۔اور اس کی تعریفات میں اختلاف ہیں جن کو ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

المام کی تعریف کا بیان:

المام کی تعریف یہ ہے کہ کسی شخص کا اپنے وطن میں خوشی سے صفت احرام کو باقی رکھے بغیر چلے جانا ہے۔اس کی دو اقسام ہیں۔

(۱) المام صحیح (۲) المام فاسد۔

الامام صحیح اس وقت ہوگا جب حج تمتع کرنے والا قربانی کا جانور اپنے ساتھ لایا ہو۔ اور اگر وہ تمتع والا قربانی کا جانور اپنے ساتھ نہ لایا ہو تو الامام صحیح نہ ہوگا۔

حج تمتع کرنے کا طریقہ:

(وَصِفَتُهُ أَنْ يَبْتَدِئَ مِنْ الْمِيقَاتِ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ فَيُحْرِمَ بِالْعُمْرَةِ وَيَدْخُلَ مَكَّةَ فَيَطُوفَ لَهَا وَيَسْعَى وَيَحْلِقَ أَوْ يُقَصِّرَ وَقَدْ حَلَّ مِنْ عُمْرَتِهِ) وَهَذَا هُوَ تَفْسِيرُ الْعُمْرَةِ ، وَكَذَلِكَ إذَا أَرَادَ أَنْ يُفْرِدَ بِالْعُمْرَةِ فَعَلَ مَا ذَكَرْنَا ، هَكَذَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ .

وَقَالَ مَالِكٌ : لَا حَلْقَ عَلَيْهِ ، إنَّمَا الْعُمْرَةُ الطَّوَافُ وَالسَّعْيُ ، وَحُجَّتُنَا عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَا .

وَقَوْلُهُ تَعَالَى (مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ) الْآيَةَ . نَزَلَتْ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ ؛ وَلِأَنَّهَا لَمَّا كَانَ لَهَا تَحَرُّمٌ بِالتَّلْبِيَةِ كَانَ لَهَا تَحَلُّلٌ بِالْحَلْقِ كَالْحَجِّ .

ترجمہ:

حج تمتع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ حج کے مہینوں میں میقات سے ابتداء کرے اور عمرے کا احرام باندھے اور مکہ میں داخل ہو کر عمرے کیلئے طواف اور سعی کرے اور حلق کروائے یا قصر کروائے تو وہ اپنے عمرے میں حلال ہوگیا۔ عمرے کی تفسیر یہی ہے۔ اور اسی طرح جب صرف عمرہ کرنا چاہے تو وہی طریقہ ہے جو ہم نے ذکر کردیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قضاء عمرہ اسی طرح فرمایا تھا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ عمرہ کرنے والے پر حلق نہیں ہے کیونکہ عمرہ صرف طواف وسعی کا نام ہے۔ اور ان کے خلاف حجت ہماری وہی روایت ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرمانا 'مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ' قضاء عمرے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لہذا جب عمرے کیلئے تلبیہ سے تحریم ہوئی ہے تو حلق سے اس کی تحلیل ہوگی جس طرح حج میں ہوتا ہے۔

حج تمتع کی تعریف:

حج تمتع اس حج کو کہتے ہیں جس میں میقات سے اشہر حج میں عمرہ کی نیت سے احرام باندھا جاتا ہے اور مناسک عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کھل جاتا ہے پھر جب حج کے دن شروع ہوتے ہیں اس وقت دوبارہ حج کا احرام باندہ کر حج ادا کیا جاتا ہے۔

حج کو تمتع بنانے کا بیان:

حضرت ابوشہاب نے کہا کہ میں مکہ میں عمرہ کا احرام باندھ کر آیا تو یوم ترویہ سے تین دن پہلے پہنچا، مکہ کے چند لوگوں نے کہا

کہ اب تیرا حج مکی ہو جائے گا، میں عطاء کے پاس مسئلہ پوچھنے گیا تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے جابر بن عبداللہ نے کہا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا، جس دن قربانی کا جانور آپ ساتھ ہانک کر لائے تھے، ان لوگوں نے حج مفرد کا احرام باندھا تھا، آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اپنے احرام سے خانہ کعبہ کا طواف کر کے اور صفا و مروہ کے درمیان طواف کر کے باہر جاؤ۔

فسخ حج کی خصوصیت خاصہ کا بیان:

حرث بن بلال بن حارث فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول بتایئے حج ختم کر کے عمرہ شروع کرنا ہماری خصوصیت ہے؟ یا سب لوگوں کیلئے اس کا عمومی حکم ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ یہ صرف ہماری خصوصیت ہے۔

حضرت بلال بن حارث سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا حج کا فسخ کرنا اور عمرہ کر لینا خاص ہمارے لئے ہے یا سب کیلئے عام ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! ہمارے لئے خاص ہے۔ (ابن ماجہ)

آغاز طواف میں تلبیہ ختم کرنے کا بیان:

(وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ إذَا ابْتَدَأَ بِالطَّوَافِ) وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : كُلَّمَا وَقَعَ بَصَرُهُ عَلَى الْبَيْتِ ؛ لِأَنَّ الْعُمْرَةَ زِيَارَةُ الْبَيْتِ وَتَتِمُّ بِهِ .

وَلَنَا (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ قَطَعَ التَّلْبِيَةَ حِينَ اسْتَلَمَ الْحَجَرَ) وَلِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الطَّوَافُ فَيَقْطَعُهَا عِنْدَ افْتِتَاحِهِ ، وَلِهَذَا يَقْطَعُهَا الْحَاجُّ عِنْدَ افْتِتَاحِ الرَّمْيِ .

قَالَ (وَيُقِيمُ بِمَكَّةَ حَلَالًا) ؛ لِأَنَّهُ حَلَّ مِنْ الْعُمْرَةِ ، قَالَ (فَإِذَا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ مِنْ الْمَسْجِدِ) وَالشَّرْطُ أَنْ يُحْرِمَ مِنْ الْحَرَمِ أَمَّا الْمَسْجِدُ فَلَيْسَ بِلَازِمٍ ؛ وَهَذَا لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمَكِّيِّ ، وَمِيقَاتُ الْمَكِّيِّ فِي الْحَجِّ الْحَرَمُ عَلَى مَا بَيَّنَّا (وَفَعَلَ مَا يَفْعَلُهُ الْحَاجُّ الْمُفْرِدُ) ؛ لِأَنَّهُ مُؤَدٍّ لِلْحَجِّ إلَّا أَنَّهُ يَرْمُلُ فِي طَوَافِ الزِّيَارَةِ وَيَسْعَى بَعْدَهُ ؛ لِأَنَّ هَذَا أَوَّلُ طَوَافٍ لَهُ فِي الْحَجِّ ، بِخِلَافِ الْمُفْرِدِ ؛ لِأَنَّهُ قَدْ سَعَى مَرَّةً ،

ترجمہ:

اور جب وہ طواف شروع کرے تو وہ تلبیہ ختم کردے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے جب وہ کعبہ کو دیکھے۔ کیونکہ عمرہ صرف بیت اللہ کی زیارت کا نام ہے اور وہ نظر پڑنے کے ساتھ مکمل ہوجاتی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قضاء

عمرے میں تلبیہ اس وقت ختم کیا جب آپ ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ کیونکہ مقصد صرف طواف ہے۔ لہذا جب وہ طواف شروع کرے تو تلبیہ اسی وقت ختم کردے۔ اور یہی دلیل اس حاجی کیلئے ہے جو رمی کو شروع کرے تو بھی ختم کردے۔

فرمایا: وہ مکہ میں حلال ہو کر ٹھہر جائے کیونکہ وہ عمرہ کر کے حلال گیا ہے اور اس کے بعد جب یوم ترویہ آئے تو وہ مسجد حرام سے احرام باندھے اور اس کیلئے شرط ہے کہ وہ احرام حرم سے باندھے۔ مسجد سے باندھنا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بندہ مکہ میں رہنے والے کے حکم میں ہے۔ اور مکی کیلئے میقات حج حرم کے اندر ہی ہے۔ اسی دلیل کی وجہ سے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور وہ ایسے افعال کرے جس طرح حج مفرد والا کرتا ہے کیونکہ یہ بھی حج کرنے والا ہے البتہ طواف زیارت میں رمل کرے گا اور طواف کے بعد سعی کرے گا۔ اس لئے کہ حج کرنے میں اس شخص کا یہ پہلا طواف ہے۔ جبکہ مفرد میں ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ ایک سعی کر چکا ہے۔

تمتع والے کا ابتدائے طواف میں تلبیہ ختم کرنے میں فقہ مالکی وحنفی کا اختلاف:

علامہ علی بن سلطان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حج تمتع کرنے والا جیسے ہی طواف کو شروع کرے گا تو وہ تلبیہ ختم کردے کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔

ہمارے نزدیک وہ طواف کرتے وقت تلبیہ ختم نہ کرے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ طواف کرتے وقت تلبیہ بھی پڑھتے تھے۔ جب وہ عمرے کرتے اور استلام کرتے تھے۔

(شرح الوقایہ، ۲، ص ۳۰۴، بیروت)

(ثُمَّ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ) مِن الحَرَمِ لأنه صار مَكّياً، وميقاتُ المكّي في الحَجِّ الحَرَم (وقَبْلَهُ) عندنا وعند مالك (أَفْضَلُ) لما فيه مِنَ المسارعةِ إلى الطاعة. وقال أصحابُ الشافعيّ في غَيْرِ واجِدِ الهَدْيِ: إنَّ المُسْتَحَبَّ لَهُ أَنْ يُحْرِمَ بالحجِّ قَبْلَ السَّادِسِ، والأفضل لسائقِ الهَدْيِ أَنْ يُحْرِمَ بالحَجِّ يَوْمَ التروية قَبْلَ الزَّوالِ، لما رَوَى جابر أَنَّهُ صلى الله عليه وسلم قال: إذا توجّهتم إلى مِنَى رائحينَ فأَهِلُّوا بالحَجِّ. وذلك يكونُ يومَ التَّرْوِيَةِ قبل الزَّوال.

تمتع کرنے والے کے رمل وسعی کا بیان:

وَلَوْ كَانَ هَذَا الْمُتَمَتِّعُ بَعْدَمَا أَحْرَمَ بِالْحَجِّ طَافَ وَسَعَى قَبْلَ أَنْ يَرُوحَ إلَى مِنًى لَمْ يَرْمُلْ فِي طَوَافِ الزِّيَارَةِ وَلَا يَسْعَى بَعْدَهُ ؛ لِأَنَّهُ قَدْ أَتَى بِذَلِكَ مَرَّةً (وَعَلَيْهِ دَمُ الْمُتَمَتِّعِ) لِلنَّصِّ الَّذِي تَلَوْنَاهُ (فَإِنْ لَمْ يَجِدْ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةً إذَا رَجَعَ إلَى أَهْلِهِ) عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي بَيَّنَّاهُ فِي الْقِرَانِ (فَإِنْ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ ثُمَّ اعْتَمَرَ لَمْ يُجْزِهِ

عَنْ الثَّلَاثَةِ) ؛ لِأَنَّ سَبَبَ وُجُوبِ هَذَا الصَّوْمِ التَّمَتُّعُ ؛ لِأَنَّهُ بَدَلٌ عَنْ الْهَدْيِ وَهُوَ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ غَيْرُ مُتَمَتِّعٍ فَلَا يَجُوزُ أَدَاؤُهُ قَبْلَ وُجُودِ سَبَبِهِ (وَإِنْ صَامَهَا) بِمَكَّةَ (بَعْدَمَا أَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ جَازَ عِنْدَنَا) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَهُ قَوْلُهُ تَعَالَى (فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ) وَلَنَا أَنَّهُ أَدَّاهُ بَعْدَ انْعِقَادِ سَبَبِهِ، وَالْمُرَادُ بِالْحَجِّ الْمَذْكُورِ فِي النَّصِّ وَقْتُهُ عَلَى مَا بَيَّنَّا. (وَالْأَفْضَلُ تَأْخِيرُهَا إلَى آخِرِ وَقْتِهَا وَهُوَ يَوْمُ عَرَفَةَ) لِمَا بَيَّنَّا فِي الْقِرَانِ.

ترجمہ:

اور اگر تمتع کرنے والے نے حج کا احرام باندھ کر منی میں جانے سے قبل طواف وسعی کر لی تو وہ طواف زیارت میں رمل نہیں کرے گا۔ اور اس کے بعد وہ سعی بھی نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ وہ ایک مرتبہ سعی کر چکا ہے۔ اور تمتع کرنے والے پر تمتع کی قربانی واجب ہے۔ اس نص کے پیش نظر جو ہم تلاوت کر آئے ہیں۔ پس جو ہدی نہ پائے وہ تین روزے حج میں اور سات جب تم واپس آؤ تو رکھو یہ دس مکمل ہو گئے۔ اسی دلیل کے پیش نظر جو پہلے بیان کر چکے ہیں اور اگر اس نے شوال میں تین روزے رکھے اور اس نے پھر عمرہ کیا تو یہ تمتع کے تین روزے شمار نہ ہوں گے کیونکہ ان روزوں کے وجوب کا سبب تمتع ہے۔ اس لئے کہ وہ روزہ دم کا بدلہ ہے جبکہ اس حال میں وہ تمتع کرنے والا نہیں ہے۔ تو اس کا روزہ ثبوت سبب سے پہلے ہوگا جو جائز نہیں ہے۔ اور اگر اس شخص نے عمرے کا احرام باندھنے سے پہلے دو روزے رکھے تو وہ ہمارے نزدیک جائز ہیں۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے اور ان کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان "فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ" پس ایام حج میں تین روزے ہیں۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تمتع کرنے والے نے روزوں کا سبب موجود ہونے کے بعد ادا کیا ہے اور نص میں ذکر کردہ حج جو ہے اس سے مراد وقت ہے اسی دلیل کی وجہ سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ جبکہ آخری وقت تک ان روزوں میں تاخیر کرنا افضل ہے۔ اور عرفہ کا دن ہے۔ جس کی دلیل ہم قران میں بیان کر آئے ہیں۔

شرح: حج قران میں اس مسئلہ کی وضاحت مذاہب اربعہ کے مطابق بیان کر دی گئی ہے۔

تمتع کرنے والے ہدی لے جانے اور احرام باندھنے کا بیان:

(وَإِنْ أَرَادَ الْمُتَمَتِّعُ أَنْ يَسُوقَ الْهَدْيَ أَحْرَمَ وَسَاقَ هَدْيَهُ) وَهَذَا أَفْضَلُ ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاقَ الْهَدَايَا مَعَ نَفْسِهِ ؛ وَلِأَنَّ فِيهِ اسْتِعْدَادًا وَمُسَارَعَةً (فَإِنْ كَانَتْ بَدَنَةً قَلَّدَهَا بِمَزَادَةٍ أَوْ نَعْلٍ) لِحَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَلَى مَا رَوَيْنَاهُ. وَالتَّقْلِيدُ أَوْلَى مِنْ التَّجْلِيلِ ؛ لِأَنَّ لَهُ ذِكْرًا فِي الْكِتَابِ وَلِأَنَّهُ لِلْإِعْلَامِ وَالتَّجْلِيلَ لِلزِّينَةِ،

وَيُلَبِّى ثُمَّ يُقَلِّدُ ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ مُحْرِمًا بِتَقْلِيدِ الْهَدْيِ وَالتَّوَجُّهِ مَعَهُ عَلَى مَا سَبَقَ. وَالْأَوْلَى أَنْ يَعْقِدَ الْإِحْرَامَ بِالتَّلْبِيَةِ وَيَسُوقَ الْهَدْيَ .وَهُوَ أَفْضَلُ مِنْ أَنْ يَقُودَهَا (؛ لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْرَمَ بِذِى الْحُلَيْفَةِ وَهَدَايَاهُ تُسَاقُ بَيْنَ يَدَيْهِ) ؛ وَلِأَنَّهُ أَبْلَغُ فِى التَّشْهِيرِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ لَا تَنْقَادُ فَحِينَئِذٍ يَقُودُهَا .

ترجمہ:

اگر تمتع کرنے والا ہدی لے جانے کا ارادہ کرے تو وہ احرام باندھے اور ہدی لے جائے اس کیلئے یہی افضل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ ہدی کے جانور کو لے گئے۔ کیونکہ ہدی لے جانے میں خیر اور جلدی ہے اگر وہ ہدی بدنہ میں سے ہے۔ تو اس کو چمڑے کے ٹکڑے یا نعل کے ساتھ قلادہ پہنائے۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ قلادہ پہنانا جھول ڈالنے سے افضل ہے کیونکہ قلائد کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے کیونکہ تقلید خبردار کرنے کیلئے ہے جبکہ جھول ڈالنا محض سجانے کیلئے ہے۔ اور وہ تلبیہ کہے اس کے بعد تقلید کرے۔ کیونکہ یہ بندہ ہدی کو تقلید کرنے اور اس کی طرف توجہ کرنے سے محرم ہو جائے گا۔ جس بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اس کیلئے افضل یہ ہے کہ تلبیہ سے احرام باندھے اور ہدی کو لے جائے اور ہدی کو ہانک کر لے جائے اور یہ کھینچنے سے افضل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کے مقام پر احرام باندھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدی کے جانور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہانکے جاتے تھے۔ اور شہرت میں بھی یہی زیادہ ابلغ ہے۔ اور اگر ہدی چلے ہی نہ تو پھر اس کو آگے سے کھینچے۔

تمتع والے کیلئے ہدی ساتھ لے جانے کی فضیلت کا بیان:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس سے متعہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ حجۃ الوداع میں مہاجرین وانصار اور ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا اور ہم نے بھی احرام باندھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے احرام کو حج اور عمرہ کا احرام بنا دو، مگر وہ شخص جس نے ہدی کے جانور کو قلادہ ڈالا، ہم نے خانہ کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان طواف کیا اور ہم اپنی بیویوں کے پاس آئے (صحبت کی) اور کپڑے پہنے۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے ہدی کو قلادہ پہنایا، تو اس کے لئے احرام کھولنا جائز نہیں، جب تک کہ ہدی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے۔ پھر ترویہ کی شام کو ہمیں حکم دیا کہ ہم حج کا احرام باندھیں، پھر جب تمام ارکان سے فارغ ہوئے، تو ہم نے خانہ کعبہ اور صفا و مروہ کا طواف کیا اور ہمارا حج پورا ہو گیا اور ہم پر قربانی واجب ہے جیسا کہ اللہ بزرگ و برتر نے فرمایا کہ جس کو قربانی کا جانور میسر ہو وہ قربانی کرے اور جسے میسر نہ ہو، تو تین دن روزے رکھنا اس کے ذمہ حج میں واجب ہے اور سات روزے جب تم اپنے شہروں کو واپس جاؤ اور قربانی میں ایک بکری بھی کافی ہے، لوگوں نے ایک ہی سال میں دو عبادتیں یعنی حج اور عمرہ کو جمع کیا اور اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں اس کو نازل کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنت قرار دیا اور اہل مکہ کے سواء دوسری جگہ کے لوگوں کے لئے جائز قرار دیا۔ اللہ تعالی نے فرمایا کہ یہ اس کے لئے ہے جو مسجد

حرام (خانہ کعبہ) کے پاس نہ رہنے والے ہوں اور حج کے مہینے وہ ہیں جو اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں بیان کئے ہیں، شوال، ذی تعدہ، ذی الحجہ، جس نے ان مہینوں میں عمرہ کیا، اس پر قربانی واجب ہے، یا روزہ، اور رفث سے مراد جماع ہے اور فسوق سے مراد گناہ اور جدال سے مراد لوگوں سے جھگڑا کرنا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

ہدی کے جانوروں کی مزید تفصیل و تحقیق باب الہدی میں اور پوری تحقیق کتاب الاضحیہ میں ان شاءاللہ بیان کی جائے گی۔

بدنہ کو اشعار کرنے یا نہ کرنے میں اختلاف کا بیان:

قَالَ (وَأَشْعَرَ الْبَدَنَةَ عِنْدَ أَبِى يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ) رَحِمَهُمَا اللَّهُ (وَلَا يُشْعِرُ عِنْدَ أَبِى حَنِيفَةَ) رَحِمَهُ اللَّهُ (وَيُكْرَهُ) وَالْإِشْعَارُ هُوَ الْإِدْمَاءُ بِالْجُرْحِ لُغَةً (وَصِفَتُهُ أَنْ يَشُقَّ سَنَامَهَا) بِأَنْ يَطْعَنَ فِى أَسْفَلِ السَّنَامِ (مِنْ الْجَانِبِ الْأَيْمَنِ أَوْ الْأَيْسَرِ) قَالُوا : وَالْأَشْبَهُ هُوَ الْأَيْسَرُ ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَنَ فِى جَانِبِ الْيَسَارِ مَقْصُودًا وَفِى جَانِبِ الْأَيْمَنِ اتِّفَاقًا ، وَيُلَطِّخُ سَنَامَهَا بِالدَّمِ إِعْلَامًا ، وَهَذَا الصُّنْعُ مَكْرُوهٌ عِنْدَ أَبِى حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعِنْدَهُمَا حَسَنٌ ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ سُنَّةٌ ؛ لِأَنَّهُ مَرْوِيٌّ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

وَلَهُمَا أَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْ التَّقْلِيدِ أَنْ لَا يُهَاجَ إِذَا وَرَدَ مَاءً أَوْ كَلَأً أَوْ يُرَدُّ إِذَا ضَلَّ وَإِنَّهُ فِى الْإِشْعَارِ أَتَمُّ ؛ لِأَنَّهُ أَلْزَمُ ، فَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ يَكُونُ سُنَّةً ، إِلَّا أَنَّهُ عَارَضَهُ جِهَةُ كَوْنِهِ مُثْلَةً فَقُلْنَا بِحُسْنِهِ وَلِأَبِى حَنِيفَةَ أَنَّهُ مُثْلَةٌ وَأَنَّهُ مَنْهِيٌّ عَنْهُ .وَلَوْ وَقَعَ التَّعَارُضُ فَالتَّرْجِيحُ لِلْمُحَرِّمِ وَإِشْعَارُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لِصِيَانَةِ الْهَدْيِ ؛ لِأَنَّ الْمُشْرِكِينَ لَا يَمْتَنِعُونَ عَنْ تَعَرُّضِهِ إِلَّا بِهِ .وَقِيلَ : إِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ كَرِهَ إِشْعَارَ أَهْلِ زَمَانِهِ لِمُبَالَغَتِهِمْ فِيهِ عَلَى وَجْهٍ يَخَافُ مِنْهُ السِّرَايَةَ ، وَقِيلَ : إِنَّمَا كَرِهَ إِيثَارَهُ عَلَى التَّقْلِيدِ .

ترجمہ:

امام قدوری نے کہا ہے کہ صاحبین کے نزدیک وہ بدنہ کو اشعار کرے گا جبکہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک بدنہ کو اشعار کرنا مکروہ ہے۔ اشعار کا لغوی معنی یہ ہے کہ زخم لگا کر خون نکالنا ہے۔ اور اشعار کا طریقہ یہ ہے کہ بدنہ کی کوہان کو پھاڑے اس طرح کہ اس کے نیچے والی جانب پر نیزہ مارے۔

متاخرین فقہاء نے کہا ہے زیادہ مشابہ بائیں کوہان ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بطور ارادہ بائیں جانب نیزہ مارا تھا۔ اور دائیں جانب اتفاقی طور پر نیزہ مارا تھا۔ اور اس کو کوہان کے خون سے آلودہ کرے تا کہ ہدی کے جانور کی خبر ہو جائے۔ ایسا عمل امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مکروہ ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک اچھا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اس طرح کرنا سنت ہے۔ کیونکہ اشعار کی روایت نبی کریم ﷺ سے اور خلفاء راشدین سے بیان کی گئی ہے۔

صاحبین نے دلیل یہ دی ہے کہ تقلید کا مقصد یہ ہے کہ جب ہدی کا جانور پانی یا گھاس پر جائے تو اس کو ہٹایا نہ جائے یا جس وقت وہ گم ہو جائے تو اسے واپس کر دیا جائے۔ اور معنی اشعار سے مکمل ہوتا ہے لہذا وہ لازم کر دیا گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے سنت ہو گیا مگر جب یہ مثلہ ہونے کی طرف سے معارض ہو گیا تو پھر ہم اس کے مستحسن ہونے کے قائل ہو گئے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مثلہ ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب تعارض واقع ہو تو حرام کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا اشعار ہدی کی حفاظت کیلئے تھا۔ کیونکہ مشرکین سوائے اشعار کے ہدی سے معارضہ کرنے سے نہیں رکتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے امام اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے دور کیلئے اشعار کو مکروہ کہا ہے کیونکہ وہ لوگ اشعار میں حد سے زیادہ بڑھ جاتے تھے۔ اور اس سے سرایت کا خوف تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اشعار کو تقلید پر ترجیح دینا مکروہ ہے۔

جانوروں کی تقلید و اشعار کا حکم:

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدی کی دائیں کوہان چیر کر اس کا خون نکالا پھر وہ خون صاف کر دیا۔ دوسری روایت ہے کہ آپ نے یہ اشعار ذوالحلیفہ میں کیا اور اونٹ کی گردن میں دو نعل بھی لٹکائے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانور کی گردن میں قلادہ لٹکایا اور اشعار کیا اور جن امور سے محرم پرہیز کرتا ہے ان سے پرہیز نہ فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ)

اس مسئلہ کی فقہی تحقیق باب الہدی میں ان شاء اللہ بیان کر دیں گے۔ یہاں اور وہاں کے تکرار کے اندیشے کے پیش نظر اس کو باب الہدی تک موقوف کر دیا گیا ہے۔

تمتع کرنے والا جب ہدی نہ لے جائے:

قَالَ : (فَإِذَا دَخَلَ مَكَّةَ طَافَ وَسَعَى) وَهَذَا لِلْعُمْرَةِ عَلَى مَا بَيَّنَّا فِي مُتَمَتِّعٍ لَا يَسُوقُ الْهَدْيَ (إِلَّا أَنَّهُ لَا يَتَحَلَّلُ حَتَّى يُحْرِمَ بِالْحَجِّ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (لَوْ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْيَ وَلَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً وَتَحَلَّلْتُ مِنْهَا) وَهَذَا يَنْفِي التَّحَلُّلَ عِنْدَ سَوْقِ الْهَدْيِ (وَيُحْرِمُ بِالْحَجِّ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ) كَمَا يُحْرِمُ أَهْلُ

مَكَّةَ عَلَى مَا بَيَّنَّا .

ترجمہ:

فرمایا: جب تمتع والا مکہ میں داخل ہو تو وہ طواف وسعی کرے اور اس کا یہ طواف وسعی عمرے کیلئے ہے۔ جس طرح ہم تمتع کرنے والے کے بیان میں بتا چکے ہیں۔ اور جو ہدی کو ساتھ نہ لے جائے وہ اس وقت تک حلال نہ ہو گا حتیٰ کہ یوم ترویہ کو حج کا احرام باندھ لے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اپنے بارے میں پہلے اس بات کا خیال آتا جو اب ظاہر ہوا ہے تو میں ہدی کو ساتھ نہ لاتا اور میں اس کو عمرہ کر دیتا۔ اور اس سے حلال ہو جاتا۔ اور یہی حدیث ہدی لے جانے کے وقت حلال ہونے کی نفی کرنے والی ہے۔ اور وہ ترویہ کے دن حج کا احرام باندھے جس طرح اہل مکہ باندھتے ہیں۔ اسی دلیل کے پیش نظر جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

شرح

حضرت اسماء بنت ابی بکر فرماتی ہیں کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ احرام باندھ کر نکلے اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس ہدی ہو تو وہ اپنے احرام پر قائم رہے اور جس کے پاس ہدی نہ ہو تو وہ احرام ختم کر دے فرماتی ہیں کہ میرے پاس ہدی نہ تھی اس لئے میں نے احرام ختم کر دیا اور زبیر کے پاس ہدی تھی اس لئے وہ حلال نہ ہوئے میں نے اپنے کپڑے پہنے اور زبیر کے پاس آئی تو زبیر کہنے لگے میرے پاس سے اٹھ جاؤ تو میں نے کہا کیا آپ کو اس بات کا ڈر ہے کہ میں آپ پر غلبہ پا لوں گی۔ (سنن ابن ماجہ)

اہل مکہ کیلئے عدم تمتع وقران کا بیان:

(وَإِنْ قَدَّمَ الْإِحْرَامَ قَبْلَهُ جَازَ ، وَمَا عَجَّلَ الْمُتَمَتِّعُ مِنْ الْإِحْرَامِ بِالْحَجِّ فَهُوَ أَفْضَلُ) لِمَا فِيهِ مِنْ الْمُسَارَعَةِ وَزِيَادَةِ الْمَشَقَّةِ ، وَهَذِهِ الْأَفْضَلِيَّةُ فِي حَقِّ مَنْ سَاقَ الْهَدْيَ وَفِي حَقِّ مَنْ لَمْ يَسُقْ (وَعَلَيْهِ دَمٌ) وَهُوَ دَمُ الْمُتَمَتِّعِ عَلَى مَا بَيَّنَّا .

(وَإِذَا حَلَقَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَدْ حَلَّ مِنْ الْإِحْرَامَيْنِ) ؛ لِأَنَّ الْحَلْقَ مُحَلِّلٌ فِي الْحَجِّ كَالسَّلَامِ فِي الصَّلَاةِ فَيَتَحَلَّلُ بِهِ عَنْهُمَا .

قَالَ : (وَلَيْسَ لِأَهْلِ مَكَّةَ تَمَتُّعٌ وَلَا قِرَانٌ ، وَإِنَّمَا لَهُمْ الْإِفْرَادُ خَاصَّةً) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ قَوْله تَعَالَى (ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) ؛ وَلِأَنَّ شَرْعَهُمَا لِلتَّرَفُّهِ بِإِسْقَاطِ إحْدَى السَّفْرَتَيْنِ وَهَذَا فِي حَقِّ الْآفَاقِيِّ ، وَمَنْ كَانَ دَاخِلَ الْمِيقَاتِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمَكِّيِّ حَتَّى لَا يَكُونَ لَهُ مُتْعَةٌ وَلَا قِرَانٌ ، بِخِلَافِ

الْـمَكِّيِّ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْكُوفَةِ وَقَرَنَ حَيْثُ يَصِحُّ ؛ لِأَنَّ عُمْرَتَهُ وَحَجَّتَهُ مِيقَاتِيَّتَانِ فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ الْآفَاقِيِّ .

ترجمہ:

اور اگر اس شخص نے یوم ترویہ سے قبل احرام باندھ لیا تو بھی جائز ہے۔ اور تمتع کرنے والا جس قدر ہو سکے احرام جلدی باندھے کیونکہ فضیلت اسی میں ہے۔ اور اس لئے بھی جلدی اور زیادہ مشقت ہے۔ اور یہ فضیلت اس تمتع کرنے والے کے حق میں ہے جس نے ہدی لائی ہو۔ اور اس کے حق میں بھی ہے جو ہدی نہ لایا ہو۔ اس تمتع کرنے والے پر قربانی ہے اور یہ تمتع کی قربانی ہے جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور جب نحر کے دن حلق کروائے تو وہ دونوں احرام سے حلال ہو جائے گا۔ اس لئے کہ حلق کروانا سے حج میں حلال ہونا ہے۔ جس طرح نماز میں سلام ہے۔ لہذا اس حلق کے ذریعے حج وعمرہ دونوں میں حلال ہو جائے گا۔

مکہ میں رہنے والوں کیلئے حج قران وتمتع نہیں ہے۔ ان کیلئے صرف حج مفرد ہے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور ان کے خلاف اللہ تعالی کا فرمان دلیل ہے ''ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ '' کیونکہ یہ تمتع اور قارن کو دو سفروں میں ایک کو ساقط کرتے ہوئے آرام کی خاطر مشروع ہے۔ اور یہ راحت آفاقی کے حق میں ہے اور جو بندہ میقات کے اندر رہنے والا ہے وہ بھی مکی کے حکم میں ہے کیونکہ اس کیلئے بھی تمتع اور قران نہیں ہے۔ بہ خلاف اس مکی کے جو کوفہ کی طرف نکلا اور قران کیا تو صحیح ہے کیونکہ اس کا عمرہ وحج دونوں میقاتی ہیں۔ لہذا وہ آفاقی کے حکم میں ہو گیا۔

مکی کیلئے عدم قران وتمتع میں مذاہب اربعہ کا بیان:

علامہ علی بن سلطان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ وہ اہل مکہ خاص ہیں اور امام شافعی نے کہا کہ وہ اہل مکہ خاص تو ہیں اور اس میں وہ بھی ہیں جن کا گھر اتنے فاصلے پر ہو اس پر قصر کرنا جائز نہ ہو۔ تو وہ صرف مفرد کریں اور وہ تمتع قران نہ کریں۔ کیونکہ اہل مکہ کیلئے تمتع وقران نہیں ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی تمتع یا قران کیا تو درست ہوگا۔ اگرچہ ایسا کرنے والا برا ہوگا اور اس پر اس کے بدلے میں دم ہوگا۔ اور اس دم کو حکم اس لئے کہ اس نے اس کا قائم مقام روزہ نہیں رکھا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مکی تمتع اور قران کر سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے۔'' (فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ '' لہذا یہ حکم مکی کو اسی طرح شامل ہے جس طرح غیر مکی کو شامل ہے۔

ہمارے نزدیک یہ آیت غیر مکی کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ اس میں تمتع کا اشارہ ہے اور وہ اللہ تعالی کے اس فرمان ہے۔ لہذا اس میں ہدی وصوم نہیں ہے جس طرح امام شافعی نے کہا ہے۔ (شرح الوقایہ، ج ۲، ص ۳۰۰، بیروت)

تمتع کرنے والا جب اپنے شہر میں لوٹ آئے تو حکم تمتع:

(وَإِذَا عَادَ الْمُتَمَتِّعُ إِلَى بَلَدِهِ بَعْدَ فَرَاغِهِ مِنَ الْعُمْرَةِ وَلَمْ يَكُنْ سَاقَ الْهَدْيَ بَطَلَ تَمَتُّعُهُ) ؛ لِأَنَّهُ أَلَمَّ بِأَهْلِهِ فِيمَا بَيْنَ النُّسُكَيْنِ إِلْمَامًا صَحِيحًا وَبِذَلِكَ يَبْطُلُ التَّمَتُّعُ ، كَذَا رُوِيَ عَنْ عِدَّةٍ مِنَ التَّابِعِينَ ، وَإِذَا سَاقَ الْهَدْيَ فَإِلْمَامُهُ لَا يَكُونُ صَحِيحًا وَلَا يَبْطُلُ تَمَتُّعُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ : رَحِمَهُ اللَّهُ يَبْطُلُ ؛ لِأَنَّهُ أَدَّاهُمَا بِسَفْرَتَيْنِ .

وَلَهُمَا أَنَّ الْعَوْدَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ مَا دَامَ عَلَى نِيَّةِ التَّمَتُّعِ ؛ لِأَنَّ السَّوْقَ يَمْنَعُهُ مِنَ التَّحَلُّلِ فَلَمْ يَصِحَّ إِلْمَامُهُ ، بِخِلَافِ الْمَكِّيِّ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْكُوفَةِ وَأَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَسَاقَ الْهَدْيَ حَيْثُ لَمْ يَكُنْ مُتَمَتِّعًا ؛ لِأَنَّ الْعَوْدَ هُنَاكَ غَيْرُ مُسْتَحَقٍّ عَلَيْهِ فَصَحَّ إِلْمَامُهُ بِأَهْلِهِ .

ترجمہ:

اور اگر تمتع کرنے والا عمرے سے فراغت کے بعد اپنے وطن میں لوٹ آیا اور اس نے کوئی ہدی بھی نہیں کی ہے تو اس کا تمتع باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے نسکین یعنی حج وعمرہ کے درمیان المام صحیح کر لیا ہے اور اس طرح کرنے سے تمتع ختم ہو جاتا ہے۔ تابعین فقہاء کی ایک جماعت سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔

اور اگر وہ قربانی کا جانور ساتھ لے گیا تو المام صحیح نہ ہوگا۔ اور شیخین کے نزدیک اس کا تمتع ختم نہ ہوگا جبکہ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: تمتع ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے حج وعمرہ دونوں کو دو سفروں میں ادا کیا ہے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ جب تک وہ تمتع کی نیت پر ہے اس پر لوٹنا واجب ہے۔ کیونکہ قربانی کے جانور کو لے جانا اس کیلئے حلال ہونے سے مانع ہے لہذا اس کا المام صحیح نہ ہوگا۔ بہ خلاف اس مکی کے جو کوفہ کی جانب نکلا اور اس نے عمرے کا احرام باندھا اور ہدی کو بھی ساتھ لے گیا تو وہ تمتع کرنے والا نہ ہوگا۔ کیونکہ یہاں اس پر لوٹنا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا المام اس کے وطن میں صحیح ہوگا۔

شرح

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ

اے ایمان والو حلال نہ ٹھہرالو اللہ کے نشان۔ اور نہ ادب والے مہینے۔ اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیاں اور نہ۔ جن کے گلے میں علامتیں آویزاں اور نہ ان کا مال آبرو جو عزت والے گھر کا قصد کر کے آئیں۔ (کنز الایمان، المائدہ ۲)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ عرب کے لوگ قربانیوں کے گلے میں حرم شریف کے اشجار کی

چھالوں وغیرہ سے گلو بند بُن کر ڈالتے تھے تاکہ دیکھنے والے جان لیں کہ یہ حَرم کو بھیجی ہوئی قربانیاں ہیں اوران سے تعرُّض نہ کریں۔
شُرَیح بن ہند ایک مشہور شقی تھا وہ مدینہ طیّبہ میں آیا اور سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ آپ خَلقِ خدا کو کیا دعوت دیتے ہیں؟ فرمایا اپنے ربّ کے ساتھ ایمان لانے اور اپنی رسالت کی تصدیق کرنے اور نماز قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی، کہنے لگا بہت اچھی دعوت ہے میں اپنے سرداروں سے رائے لے لوں تو میں بھی اسلام لاؤں گا اور انہیں بھی لاؤں گا، یہ کہہ کر چلا گیا حضور سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے آنے سے پہلے ہی اپنے اصحاب کو خبر دے دی تھی کہ قبیلہ ربیعہ کا ایک شخص آنے والا ہے جو شیطانی زبان بولے گا اس کے چلے جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافِر کا چہرہ لے کر آیا اور غادِر و بدعہد کی طرح پیٹھ پھیر کر گیا یہ اسلام لانے والا نہیں چنانچہ اس نے غدر کیا اور مدینہ شریف سے نکلتے ہوئے وہاں کے مویشی اور اموال لے گیا، اگلے سال یمامہ کے حاجیوں کے ساتھ تجارت کا کثیر سامان اور حج کی قلادہ پوش قربانیاں لے کر بِارادہ حج نکلا، سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے، راہ میں صحابہ نے شُرَیح کو دیکھا اور چاہا کہ مویشی اس سے واپس لے لیں، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ جس کی ایسی شان ہو اس سے تعرُّض نہ چاہئے۔ (خزائن العرفان)

حج کے مہینوں سے پہلے عمرے کا احرام باندھنے کا بیان:

(وَمَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ فَطَافَ لَهَا أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعَةِ أَشْوَاطٍ ثُمَّ دَخَلَتْ أَشْهُرُ الْحَجِّ فَتَمَّمَهَا وَأَحْرَمَ بِالْحَجِّ كَانَ مُتَمَتِّعًا) ؛ لِأَنَّ الْإِحْرَامَ عِنْدَنَا شَرْطٌ فَيَصِحُّ تَقْدِيمُهُ عَلَى أَشْهُرِ الْحَجِّ . وَإِنَّمَا يُعْتَبَرُ أَدَاءُ الْأَفْعَالِ فِيهَا ، وَقَدْ وُجِدَ الْأَكْثَرُ وَلِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ (وَإِنْ طَافَ لِعُمْرَتِهِ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ فَصَاعِدًا ثُمَّ حَجَّ مِنْ عَامِهِ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ مُتَمَتِّعًا) ؛ لِأَنَّهُ أَدَّى الْأَكْثَرَ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّهُ صَارَ بِحَالٍ لَا يَفْسُدُ نُسُكُهُ بِالْجِمَاعِ فَصَارَ كَمَا إذَا تَحَلَّلَ مِنْهَا قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ .
وَمَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَعْتَبِرُ الْإِتْمَامَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا ذَكَرْنَا ؛ وَلِأَنَّ التَّرَفُّقَ بِأَدَاءِ الْأَفْعَالِ ، وَالْمُتَمَتِّعُ مُتَرَفِّقٌ بِأَدَاءِ النُّسُكَيْنِ فِي سَفْرَةٍ وَاحِدَةٍ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ .

ترجمہ:

اور جو شخص حج کے مہینوں سے پہلے عمرے کا احرام باندھے اور اس نے عمرے کیلئے چار چکروں سے کم طواف کیا یہاں تک کہ

حج کے مہینے آگئے۔ اور اس نے عمرہ مکمل کیا اور حج کا احرام باندھا تو یہ آدمی تمتع کرنے والا ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک احرام شرط ہے۔ کیونکہ حج کے مہینوں پر اس کو مقدم کرنا صحیح ہے۔ اور اس کا اعتبار حج کے مہینوں میں عمرے کے مناسک ادا کرنا ہیں۔ جبکہ اس حالت میں اکثر کی ادائیگی بھی پائی جا رہی ہے اور اکثر کیلئے کل کا حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس نے حج کے مہینوں سے پہلے اکثر کو ادا کیا ہے تو یہ ایسی حالت میں ہو گیا کہ اب جماع کرنے سے اس کا عمرہ ختم نہ ہوگا۔ لہذا یہ اس طرح ہو گیا ہے کہ جس طرح اس نے حج کے دنوں سے پہلے عمرے سے حلال ہو گیا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ حج کے دنوں میں عمرے کو پورا کرنے کا اعتبار کرتے ہیں اور ان کے خلاف دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ نفع اٹھانا افعال کی ادائیگی کے ساتھ ہے۔ اور تمتع کرنے والا مترفق وہ ہے جو حج کے دنوں میں ایک سفر میں دو نسکوں کو ادا کر کے فائدہ اٹھایا جائے۔

چار چکروں سے کم طواف والے کے متمتع ہونے میں مذاہب ثلاثہ:

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور جو شخص حج کے مہینوں سے پہلے عمرے کا احرام باندھے اور اس نے عمرے کیلئے چار چکروں سے کم طواف کیا یہاں تک کہ حج کے مہینے آگئے۔ اس کے متمتع ہونے میں تین مذاہب ہیں۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب اس نے حج کے مہینوں سے پہلے عمرے کا احرام باندھا تو وہ تمتع کرنے والا نہ ہوگا۔ اگرچہ وہ اس کے افعال ادا کرے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ تمتع کرنے والا ہوگا اگرچہ وہ اس میں افعال ادا نہ کرے۔ کیونکہ ان کے نزدیک وہ عمرے کے احرام سے حلال ہونے والا ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک اگر اس نے چار چکر لگائے ہیں تو وہ تمتع کرنے والا بن گیا ہے۔ اور اگر اس نے چار چکر نہ لگائے تو وہ تمتع کرنے والا نہ ہوگا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ حج کے مہینے میں عمرے کے رکن کے تقدم کی وجہ سے وہ دو قربانیاں جمع نہیں کر سکتا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ ان دونوں کو جمع کر سکتا ہے۔ کیونکہ دونوں کی تکمیل موجود ہے اور وہ حلال ہونا ہے ہمارے نزدیک اس کی دلیل وہی جو کتاب میں ذکر کر دی گئی ہے کہ احرام شرط ہے اور جائز ہے جس طرح طہارت کو نماز کے وقت پر مقدم کرنا جائز ہے۔ اور اس میں افعال کی ادائیگی کا اعتبار ہے۔ اور وہ اکثر کا پایا جانا ہے اور اکثر کیلئے کل کا حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس پر اعتراض وارد کیا جائے کہ ظہر کی تین رکعات اکثر ہیں لہذا ان کو چار کے قائم مقام کرتے ہوئے نماز جائز قرار دینی چاہے تو اس کا جواب یہ ہے۔ یہاں حکم کل نص کے معارض نہیں ہے۔ جس طرح ظہر کی رباعیہ میں معارض ہونے والا ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۵۷، بیروت)

حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے جواز میں فقہی بیان:

علامہ نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ علماء کرام میں بغیر کسی اختلاف کے حج کے مہینوں میں عمرہ کی ادائیگی جائز ہے، اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس برس حج کی نیت ہو یا حج کی نیت نہ کی جائے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار بار عمرہ کیا اور یہ سارے عمرے ذی القعدہ کے مہینہ میں ہی کیے جو کہ حج کے مہینوں میں سے ایک ہے، حج کے مہینے یہ ہیں: شوال، ذی القعدہ، اور ذی الحجہ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف آخری عمرہ کیساتھ حج کیا جو حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔

امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے انس رضی اللہ تعالی سے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے اور یہ سارے عمرے ذی القعدہ کے مہینہ میں تھے صرف وہ عمرہ جو آپ نے حج کیساتھ کیا وہ نہیں۔

ایک عمرہ حدیبیہ سے یا حدیبیہ کے زمانے میں ذی القعدہ کے مہینہ میں، اور ایک عمرہ اس کے اگلے برس وہ بھی ذی القعدہ میں ہی، اور ایک عمرہ جعرانہ سے جہاں آپ نے غزوہ حنین کی غنائم تقسیم کیں وہ بھی ذی القعدہ میں ہی تھا اور ایک عمرہ اپنے حج کے ساتھ ۔صحیح بخاری حدیث نمبر (4148) اور صحیح مسلم حدیث نمبر (1253)۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں: (انس اور ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دونوں کا چار عمروں میں اتفاق ہے اور ان میں سے ایک چھ ہجری ذی القعدہ کے مہینہ میں حدیبیہ کیسال تھا اس میں انہیں روک دیا گیا تھا تو وہ حلال ہو گئے اور ان کے لیے یہ عمرہ شمار کر لیا گیا۔

اور دوسرا عمرہ ذی القعدہ سات ھجری میں عمرہ قضاء تھا، اور تیسرا عمرہ ذی القعدہ آٹھ ھجری میں جسے عام الفتح کہا جاتا ہے میں کیا، اور چوتھا عمرہ آپ صلی اللہ وسلم نے اپنے حج کیساتھ کیا اور اس کا احرام ذی القعدہ میں تھا اور عمل ذی الحجہ میں کیا)،

اور ایک جگہ پر کہتے ہیں۔

(علماء کرام کہتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمرہ ذی القعدہ میں اس مہینہ کی فضیلت اور اہل جاھلیت کی مخالفت کی بنا پر کیے تھے کیونکہ وہ اسے افجر الفجور شمار کرتے تھے۔۔۔لھذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینے اس لیے کیا تا کہ اس کے جواز کا بیان بلیغ ہو اور دور جاہلیت کی رسم کے باطل کرنے میں بھی زیادہ بالغ ہو۔

حج کے مہینوں کا بیان:

قَالَ (: وَأَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالُ وَذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرٌ مِنْ ذِى الْحِجَّةِ) كَذَا رُوِىَ عَنْ الْعَبَادِلَةِ الثَّلَاثَةِ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِىَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَلِأَنَّ الْحَجَّ يَفُوتُ بِمُضِىِّ عَشْرِ ذِى الْحِجَّةِ ، وَمَعَ بَقَاءِ الْوَقْتِ لَا يَتَحَقَّقُ الْفَوَاتُ ، وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ مِنْ

قَوْله تَعَالَى (الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ) شَهْرَانِ وَبَعْضُ الثَّالِثِ لَا كُلُّهُ .

ترجمہ:

امام قدوری نے کہا ہے۔ کہ حج کے مہینے شول، ذی قعد اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور عبادلہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح روایت کی گئی ہے۔ کیونکہ ذوالحجہ کے دس گزرنے سے حج فوت ہو جاتا ہے۔ جبکہ بقائے وقت کے ساتھ فوت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور اس کی دلیل اللہ کے فرمان ''الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ'' سے ہے کہ دو مہینے اور تیسرے کا بعض مراد ہے اس کا کل نہیں ہے۔

حضرت ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو حج کے مہینوں کا نام لیتے ہوئے سنا ہے؟ حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں! حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ شوال ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کو حج کے مہینے شمار کرتے تھے۔ میں نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے کہا اگر انسان ان حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھ لے تو پھر؟ تو حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اس بارے میں ان سے کچھ نہیں سنا (کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے۔) اسے شافعی نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ آدمی حج کا احرام حج کے مہینوں میں ہی باندھے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

اشہر معلومات سے مراد میں فقہی مذاہب اربعہ:

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج میں خطبہ پڑھا تو فرمایا زمانہ پلٹ کر ویسا ہی ہو گیا ہے جیسا اس دن تھا جس دن اللہ تعالی نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں چار حرام (حرمت وعظمت والے) ہیں (اور ان چار میں سے) تین پے در پے ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب جو کہ جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے۔ (سنن ابوداؤد)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ عربی دان حضرات نے کہا ہے کہ مطلب اگلے جملہ کا یہ ہے کہ حج حج ہے ان مہینوں کا جو معلوم اور مقرر ہیں، پس حج کے مہینوں میں احرام باندھنا دوسرے مہینوں کے احرام سے زیادہ کامل ہے، گو اور ماہ کا احرام بھی صحیح ہے،

حضرت امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام اسحٰق، امام ابراہیم نخعی، امام ثوری، امام لیث، اللہ تعالی ان پر سب رحمتیں نازل فرمائے فرماتے ہیں کہ سال بھر میں جس مہینہ میں چاہے حج کا احرام باندھ سکتا ہے ان بزرگوں کی دلیل (آیت یسئلونك عن الاهلة الخ) ہے، دوسری دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کو نسک کہا گیا ہے اور عمرے کا احرام حج کے مہینوں میں ہی باندھنا صحیح ہوگا بلکہ اگر اور ماہ میں حج کا احرام باندھا تو غیر صحیح ہے لیکن اس سے عمرہ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں امام

صاحب کے دوقول ہیں۔

حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت عطا مجاہد رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں کے سوا باندھنا غیر صحیح ہے اور اس پر دلیل (آیت الحج اشهر معلومات) ہے عربی دان حضرات کی ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ آیت کے ان الفاظ سے مطلب یہ ہے کہ حج کا وقت خاص خاص مقرر کردہ مہینے میں تو ثابت ہوا کہ ان مہینوں سے پہلے حج کا جو احرام باندھے گا وہ صحیح نہ ہوگا جس طرح نماز کے وقت سے پہلے کوئی نماز پڑھ لے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مسلم بن خالد نے خبر دی انہوں نے ابن جریج سے سنا اور انہیں عمرو بن عطاء نے کہا ان سے عکرمہ نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ کسی شخص کو لائق نہیں کہ حج کے مہینوں کے سوا بھی حج کا احرام باندھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (الحج اشهر معلومات) اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں ایک سند میں ہے کہ سنت یہی ہے، صحیح ابن خزیمہ میں بھی یہ روایت منقول ہے، اصول کی کتابوں میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ صحابی کا فرمان حکم میں مرفوع حدیث کے مساوی ہوتا ہے پس یہ حکم رسول ﷺ ہو گیا اور صحابی بھی یہاں وہ صحابی ہیں جو مفسر قرآن اور ترجمان القرآن ہیں، علاوہ ازیں ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ حج کا احرام باندھنا کسی کو سوا حج کے مہینوں کے لائق نہیں، اس کی اسناد بھی اچھی ہیں، لیکن شافعی اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا جائے تو آپ نے فرمایا نہیں، یہ موقوف حدیث ہی زیادہ ثابت اور زیادہ صحیح ہے اور صحابی کے اس فتویٰ کی تقویت حضرت عبداللہ بن عباس کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ سنت یوں ہے واللہ اعلم۔ اشہر معلومات سے مراد حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں شوال ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے ہیں (بخاری)

یہ روایت ابن جریر میں بھی ہے، مستدرک حکم میں بھی ہے اور امام حاکم اسے صحیح بتلاتے ہیں، حضرت عمر، حضرت عطا، حضرت مجاہد، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت شعبی، حضرت حسن، حضرت ابن سیرین، حضرت مکحول، حضرت قتادہ، حضرت ضحاک بن مزاحم، حضرت ربیع بن انس، حضرت مقاتل بن حیان رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں، حضرت امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، ابو یوسف اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے، امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں اشہر کا لفظ جمع ہے تو اس کا اطلاق دو پورے مہینوں اور تیسرے کے بعض حصے پر بھی ہوسکتا ہے، جیسے عربی میں کہا جاتا ہے کہ میں نے اس سال یا آج کے دن اسے دیکھا ہے پس حقیقت میں سارا سال اور پورا دن تو دیکھتا نہیں رہتا بلکہ دیکھنے کا وقت تھوڑا ہی ہوتا ہے مگر اغلباً (تقریبا) ایسا بول دیا کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی اغلبا تیسرے مہینہ کا ذکر ہے قرآن میں بھی ہے (آیت فمن تعجل فی یومین) حالانکہ وہ جلدی ڈیڑھ دن کی ہوتی ہے مگر گنتی میں دو دن کہے گئے،

حضرت امام مالک، امام شافعی کا ایک پہلا قول یہ بھی ہے کہ شوال ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہے، ابن عمر سے بھی یہی

مروی ہے، ابن شہاب، عطاء، جابر بن عبداللہ سے بھی یہی مروی ہے طاؤس، مجاہد، عروہ ربیع اور قتادہ سے بھی یہی مروی ہے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے لیکن وہ موضوع ہے، کیونکہ اس کا راوی حسین بن مخارق ہے جس پر احادیث کو وضع کرنے کی تہمت ہے، بلکہ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں واللہ اعلم۔

حضرت امام مالک کے اس قول کو مان لینے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوالحجہ کے مہینے میں عمرہ کرنا صحیح نہ ہوگا یہ مطلب نہیں کہ دس ذی الحجہ کے بعد بھی حج ہوسکتا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ درست نہیں، امام ابن جریر بھی ان اقوال کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ حج کا زمانہ تو منیٰ کے دن گزرتے ہی جاتا رہا۔

محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ میرے علم میں تو کوئی اہل علم ایسا نہیں جو حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنے کو ان مہینوں کے اندر عمرہ کرنے سے افضل ماننے شک کرتا ہو، قاسم بن محمد سے ابن عون نے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کے مسئلہ کو پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ اسے لوگ پورا عمرہ نہیں مانتے، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے بھی حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنا پسند فرماتے تھے بلکہ ان مہینوں میں عمرہ کرنے کو منع کرتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ، ۱۹۷)

حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھنے کا بیان:

(فَإِنْ قَدَّمَ الْإِحْرَامَ بِالْحَجِّ عَلَيْهَا جَازَ إِحْرَامُهُ وَانْعَقَدَ حَجًّا) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فَإِنَّ عِنْدَهُ يَصِيرُ مُحْرِمًا بِالْعُمْرَةِ ؛ لِأَنَّهُ رُكْنٌ عِنْدَهُ وَهُوَ شَرْطٌ عِنْدَنَا فَأَشْبَهُ الطَّهَارَةَ فِي جَوَازِ التَّقْدِيمِ عَلَى الْوَقْتِ ؛ وَلِأَنَّ الْإِحْرَامَ تَحْرِيمُ أَشْيَاءَ وَإِيجَابُ أَشْيَاءَ ، وَذَلِكَ يَصِحُّ فِي كُلِّ زَمَانٍ فَصَارَ كَالتَّقْدِيمِ عَلَى الْمَكَانِ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے احرام حج کو ان مہینوں سے پہلے باندھا تو اس کا احرام باندھنا جائز ہے اور حج کا انعقاد ہو جائے۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک عمرے سے محرم ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک احرام ایک رکن ہے جبکہ ہمارے نزدیک شرط ہے۔ لہذا احرام کی تقدیم کا جواز طہارت کے مشابہ ہو گیا۔ کیونکہ احرام بعض اشیاء کو حرام کرنے اور بعض چیزوں کو واجب کرنے کا نام ہے۔ اور ہر وقت صحیح ہے۔ لہذا یہ مکان پر مقدم کرنے کی طرح ہو گیا ہے۔

حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھنے میں انعقاد حج پر مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ وہ عمرے کے ساتھ محرم ہوگا۔ یہ ان کا نیا قول ہے اور حضرت عطاء، طاؤس، اور مجاہد کا قول بھی یہی ہے۔ جبکہ ان قدیم قول ہمارے یعنی احناف کے ساتھ ہے۔ اور یہ قول حضرت ابراہیم نخعی، حسن بصری، ابن شبرمہ، اور حکم کا ہے۔ اور حضرت امام مالک و امام احمد نے اسی طرح کہا ہے جبکہ داؤد ظاہری نے

کہا ہے کہ حج منعقد نہ ہوگا۔ اور حضرت جابر و حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہما کا قول بھی یہی ہے۔

عدم انعقاد والے فقہاء کے نزدیک احرام رکن ہے لہذا تمام ارکانوں کی طرف اس کی تقدیم بھی جائز نہ ہوگی۔ جبکہ ہمارے نزدیک یہ شرط ہے اور اس کی تقدیم جائز ہے لہذا یہ طہارت والے مسئلہ کے مشابہ ہوگیا۔ کیونکہ نماز سے وضو کی تقدیم جائز ہے۔ البتہ احرام باندھنے سے اس پر احرام والی اشیاء حرام ہوجائیں گی۔

(البنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۲۱۹، حقانیہ ملتان)

جب کوفی عمرے سے فراغت کے بعد مکہ میں مقیم ہوگیا:

قَالَ (وَإِذَا قَدِمَ الْكُوفِيُّ بِعُمْرَةٍ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ ، وَفَرَغَ مِنْهَا وَحَلَقَ أَوْ قَصَّرَ ثُمَّ اتَّخَذَ مَكَّةَ أَوْ الْبَصْرَةَ دَارًا وَحَجَّ مِنْ عَامِهِ ذَلِكَ فَهُوَ مُتَمَتِّعٌ) أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّهُ تَرَفَّقَ بِنُسُكَيْنِ فِي سَفَرٍ وَاحِدٍ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ . وَأَمَّا الثَّانِي فَقِيلَ هُوَ بِالِاتِّفَاقِ . وَقِيلَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ .

وَعِنْدَهُمَا لَا يَكُونُ مُتَمَتِّعًا ؛ لِأَنَّ الْمُتَمَتِّعَ مَنْ تَكُونُ عُمْرَتُهُ مِيقَاتِيَّةً وَحَجَّتُهُ مَكِّيَّةً وَنُسُكَاهُ هَذَانِ مِيقَاتِيَّانِ . وَلَهُ أَنَّ السَّفْرَةَ الْأُولَى قَائِمَةٌ مَا لَمْ يَعُدْ إلَى وَطَنِهِ ، وَقَدْ اجْتَمَعَ لَهُ نُسُكَانِ فِيهَا فَوَجَبَ دَمُ التَّمَتُّعِ

ترجمہ:

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے۔ جب کوفی حج کے مہینوں میں عمرے کیلئے آیا اور وہ عمرے سے فارغ ہوگیا اور اس نے حلق کروایا یا قصر کروایا۔ اور اس کے بعد مکہ کو یا بصرہ کو اس نے جائے اقامت بنالیا اور اس نے اسی سال حج ادا کیا تو وہ تمتع کرنے والا ہے۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ اس نے ایک سفر میں دو عبادتوں کو جمع کر کے فائدہ اٹھایا ہے اور دوسری صورت کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ بہ اتفاق ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ صرف حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا قول ہے۔

صاحبین کے نزدیک وہ تمتع کرنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ تمتع کرنے والا وہ بندہ ہے جس کا عمرہ میقاتی ہو اور حج مکی ہو اور اس کے دونوں نسکوں کا مکی ہونا ہو۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ اس کا پہلا سفر موجود ہے یہاں تک کہ وہ اپنے وطن کو واپس نہ لوٹ جائے۔ اور موجود صورت میں اسی سفر میں اس کے دو نسک جمع ہوگئے لہذا اس پر تمتع کی قربانی واجب ہے۔

شرح

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں۔ (۱) پہلی صورت یہ ہے کہ اس نے مکہ کو جائے سکونت بنالیا۔ یعنی عمرے سے فارغ ہونے کے بعد اس میں مقیم ہوگیا۔ اور اس نے حلق کروایا اور پھر اس نے اسی سال حج کیا تو اس کی دلیل کے پیش نظر تمتع والا ہوگیا۔

(۲) اور دوسری صورت یہ ہے۔ کہ اس نے بصرہ کو جائے سکونت بنایا اور پھر اس نے اسی سال حج کیا تو وہ تمتع والا ہوگیا۔ اور یہ دونوں صورتیں جامع صغیر میں بیان ہوئی ہیں۔

اور ان میں کوئی اختلاف ذکر نہیں کیا گیا۔ (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ وہ مکہ سے نکلے لیکن میقات سے اس نے تجاوز نہیں کیا یہاں تک کہ اس نے اسی سال حج کیا تو وہ اسی طرح تمتع والا ہوگا۔ اگرچہ اس کو جامع صغیر میں ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اس کا حکم پہلی صورت کے مطابق جان لیا گیا ہے۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ مکہ سے نکلا اور میقات سے تجاوز کر گیا اور اپنے اہل کی طرف لوٹ آیا پھر اس نے اسی سال حج کیا۔ وہ اس حالت میں تمتع کرنے والا نہ ہوگا کیونکہ اس کا المام اس کے اہل کی طرف صحیح ہوگیا۔ اور اس کی مثل والا بھی تمتع کرنے والا نہ ہوگا۔ اگرچہ اس کو پہلے بیان نہیں کیا گیا۔ (عنایہ شرح الہدایہ ج ۴، ص ۶۶، بیروت)

عمرے کیلئے آنے والے نے جب عمرہ فاسد کر دیا تو حکم:

(فَإِنْ قَدِمَ بِعُمْرَةٍ فَأَفْسَدَهَا وَفَرَغَ مِنْهَا وَقَصَّرَ ثُمَّ اتَّخَذَ الْبَصْرَةَ دَارًا ثُمَّ اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ وَحَجَّ مِنْ عَامِهِ لَمْ يَكُنْ مُتَمَتِّعًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) رَحِمَهُ اللَّهُ (وَقَالَا : هُوَ مُتَمَتِّعٌ) ؛ لِأَنَّهُ إنْشَاءُ سَفَرٍ وَقَدْ تَرَفَّقَ فِيهِ بِنُسُكَيْنِ .

وَلَهُ أَنَّهُ بَاقٍ عَلَى سَفَرِهِ مَا لَمْ يَرْجِعْ إلَى وَطَنِهِ (فَإِنْ كَانَ رَجَعَ إلَى أَهْلِهِ ثُمَّ اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ ، وَحَجَّ مِنْ عَامِهِ يَكُونُ مُتَمَتِّعًا فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا) ؛ لِأَنَّ هَذَا إنْشَاءُ سَفَرٍ لِانْتِهَاءِ السَّفَرِ الْأَوَّلِ ، وَقَدْ اجْتَمَعَ لَهُ نُسُكَانِ صَحِيحَانِ فِيهِ ،

ترجمہ:

اگر کوئی شخص عمرے کیلئے آیا اور اس نے اسکو فاسد کر دیا اور اس سے فارغ ہوگیا اور پھر اس نے قصر کیا اور بصرہ میں رہنے لگا اور اس کے بعد حج کے مہینوں میں عمرہ کیا اور اس نے اسی سال حج کیا۔ تو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ تمتع کرنے والا نہیں ہے۔

صاحبین نے فرمایا: کہ وہ تمتع کرنے والا ہے کیونکہ یہ اس کا نیا سفر ہے اور اس حالت میں اس نے دو عبادتوں کو جمع کر کے فائدہ

اٹھایا ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ بندہ اپنے سفر پر باقی ہے جب تک اپنے وطن کو نہ لوٹ جائے ۔اور اگر وہ اپنے وطن کو لوٹ گیا ہو اور پھر حج کے دنوں میں اس نے عمرہ کیا اور اسی سال حج کیا تو وہ بہ اتفاق فقہاء احناف تمتع کرنے والا ہوگا کیونکہ اس کا یہ سفر نیا ہے اور اس کا پہلا سفر عمرے سے فاسد ہو چکا ہے۔اور دوسرے سفر میں اس نے دونسک صحیح طور جمع کر لئے ہیں۔

شرح

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ۔(فَإِنْ قَدِمَ بِعُمْرَةٍ) أَيْ : بِإِحْرَامِ عُمْرَةٍ (فَأَفْسَدَهَا) بِأَنْ جَامَعَ امْرَأَتَهُ قَبْلَ أَعْمَالِ الْعُمْرَةِ (وَفَرَغَ مِنْهَا) يَعْنِي مَضَى (وَقَصَّرَ) وَتَحَلَّلَ (ثُمَّ اتَّخَذَ الْبَصْرَةَ دَارًا ثُمَّ اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ) أَيْ : قَضَى الْعُمْرَةَ الَّتِي أَفْسَدَهَا ، (وَحَجَّ مِنْ عَامِهِ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ مُتَمَتِّعًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) يَعْنِي إذَا كَانَ خُرُوجُهُ إلَى الْبَصْرَةِ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ ، وَأَمَّا إذَا خَرَجَ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ وَاعْتَمَرَ وَحَجَّ مِنْ عَامِهِ ذَلِكَ فَإِنَّهُ يَكُونُ مُتَمَتِّعًا بِلَا خِلَافٍ ، كَذَا فِي النِّهَايَةِ نَاقِلًا عَنْ مَبْسُوطِ شَيْخِ الْإِسْلَامِ وَالْفَوَائِدِ الظَّهِيرِيَّةِ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : هُوَ مُتَمَتِّعٌ ، وَالْوَجْهُ مِنْ الْجَانِبَيْنِ مَا ذَكَرَهُ فِي الْكِتَابِ . (عنایه شرح الهدایه ج ۴،ص ۶۷ ،بیروت)

مکہ میں سکونت اختیار کرنے والے کیلئے تمتع نہیں ہوگا:

وَلَوْ بَقِيَ بِمَكَّةَ وَلَمْ يَخْرُجْ إلَى الْبَصْرَةِ حَتَّى اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ وَحَجَّ مِنْ عَامِهِ لَا يَكُونُ مُتَمَتِّعًا بِالِاتِّفَاقِ ؛ لِأَنَّ عُمْرَتَهُ مَكِّيَّةٌ وَالسَّفَرُ الْأَوَّلُ انْتَهَى بِالْعُمْرَةِ الْفَاسِدَةِ وَلَا تَمَتُّعَ لِأَهْلِ مَكَّةَ .

(وَمَنْ اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ وَحَجَّ مِنْ عَامِهِ فَأَيُّهُمَا أَفْسَدَ مَضَى فِيهِ) ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ الْخُرُوجَ عَنْ عُهْدَةِ الْإِحْرَامِ إلَّا بِالْأَفْعَالِ (وَسَقَطَ دَمُ الْمُتْعَةِ) ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَتَرَفَّقْ بِأَدَاءِ نُسُكَيْنِ صَحِيحَيْنِ فِي سَفْرَةٍ وَاحِدَةٍ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے مکے میں سکونت اختیار کی اور وہ بصرہ گیا ہی نہیں یہاں تک کہ حج کے مہینوں میں اس نے عمرہ کیا تو وہ بہ اتفاق تمتع کرنے والا نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا عمرہ ہی مکی ہے اور اس کا پہلا سفر فاسد عمرے سے فاسد ہو چکا ہے۔اور اہل مکہ کیلئے تمتع نہیں ہے

اور جس شخص نے حج کے مہینوں میں عمرہ کر لیا اور پھر اسی سال حج کیا تو وہ دونوں میں سے جس فاسد کرنا چاہے کر دے کیونکہ اس کیلئے احرام کے عہد سے باہر نکلنا غیر ممکن ہے۔ ہاں البتہ جب وہ افعال ادا کر چکا ہو۔اور ایک سفر میں دونسکوں کو صحیح ادا کرنے کی

ہمت نہ ملنے کی وجہ سے اس سے تمتع کا دم ساقط ہو گیا ہے۔

شرح

حج قران وتمتع غیر مکی کیلئے ہے۔اس کی وضاحت سابقہ عبارات کی شرح دلائل کے بیان کر دی گئی ہے۔

عورت کی قربانی سے ایک دم تمتع کو کفایت کرنے والا نہ ہوگا:

(وَإِذَا تَمَتَّعَتْ الْمَرْأَةُ فَضَحَّتْ بِشَاةٍ لَمْ يُجِزْهَا عَنْ الْمُتْعَةِ) ؛ لِأَنَّهَا أَتَتْ بِغَيْرِ الْوَاجِبِ ، وَكَذَا الْجَوَابُ فِي الرَّجُلِ .

(وَإِذَا حَاضَتْ الْمَرْأَةُ عِنْدَ الْإِحْرَامِ اغْتَسَلَتْ وَأَحْرَمَتْ وَصَنَعَتْ كَمَا يَصْنَعُهُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنَّهَا لَا تَطُوفُ بِالْبَيْتِ حَتَّى تَطْهُرَ) لِحَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حِينَ حَاضَتْ بِسَرِفٍ وَلِأَنَّ الطَّوَافَ فِي الْمَسْجِدِ وَالْوُقُوفَ فِي الْمَفَازَةِ ، وَهَذَا الِاغْتِسَالُ لِلْإِحْرَامِ لَا لِلصَّلَاةِ فَيَكُونُ مُفِيدًا .

ترجمہ:

اور جب عورت نے تمتع کیا اور اس نے ایک قربانی کی (جو عید بقر کی ہے) تو اس سے تمتع کی قربانی نہ ہوگی کیونکہ اس نے ایسی قربانی کی ہے جو اس پر واجب نہیں ہے۔اور اس میں مرد کیلئے بھی اسی طرح حکم ہے۔

اور عورت جب احرام کے وقت حائض ہو گئی تو وہ غسل کر کے احرام باندھے جس طرح حج کرنے والے کریں وہ بھی ویسے ہی کرے۔ ہاں وہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائے ۔اس کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے۔ کہ جب مقام سرف پر ان پر ایام حیض آ گئے ۔اور اس دلیل کے پیش نظر کہ اس کا طواف مسجد میں ہوتا ہے اور وقوف جنگل میں ہوتا ہے اور اس کا یہ غسل کرنا احرام کیلئے ہے نماز کیلئے نہیں ہے لہذا اس کیلئے مفید نہ ہوگا۔

شرح: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حیض ونفاس والی عورتیں جب میقات پر آئیں تو غسل کر کے احرام باندھ لیں اور حج کے تمام ارکان ادا کریں سوائے طواف کعبہ کے۔ ابومعمر نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ نقل کیا ہے حتی تطهر یعنی یہاں تک کہ پاک صاف ہو جائیں اور ابن عیسیٰ نے عکرمہ اور مجاہد کو ذکر نہیں کیا بلکہ یوں کہا عن عطاء عن ابن عباس ، نیز ابن عیسیٰ نے لفظ کلها بھی ذکر نہیں کیا۔(سنن ابوداؤد)

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور جب عورت نے تمتع کیا اور اس نے ایک قربانی کی (جو عید بقر کی ہے) تو اس سے تمتع کی قربانی نہ ہوگی۔ کیونکہ اس پر تمتع کا دم واجب ہے۔قربانی اس پر واجب نہیں ہے۔اور اگر اس پر قربانی واجب ہو اور اس نے جانور قربانی کی نیت سے خریدا تو اس پر

ایک دوسری بھی واجب ہوگی۔ کیونکہ وہ تمتع کی وجہ سے واجب ہوگی۔ اوراس کی دلیل یہ بھی ہے کہ ایک دم اس پر تمتع کا ہے اور دوسرا دم اس لئے ہے کہ وہ وقت سے پہلے حلال ہوئی ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ،۴،ص ۶۹، بیروت)

عورت جب وقوف وطواف زیارت کے بعد حائض ہوئی:

(فَإِنْ حَاضَتْ بَعْدَ الْوُقُوفِ وَطَوَافِ الزِّيَارَةِ انْصَرَفَتْ مِنْ مَكَّةَ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا لِطَوَافِ الصَّدْرِ) ؛ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ رَخَّصَ لِلنِّسَاءِ الْحُيَّضِ فِي تَرْكِ طَوَافِ الصَّدْرِ (وَمَنْ اتَّخَذَ مَكَّةَ دَارًا فَلَيْسَ عَلَيْهِ طَوَافُ الصَّدْرِ) ؛ لِأَنَّهُ عَلَى مَنْ يَصْدُرُ إلَّا إذَا اتَّخَذَهَا دَارًا بَعْدَمَا حَلَّ النَّفْرُ الْأَوَّلُ فِيمَا يُرْوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَيَرْوِيهِ الْبَعْضُ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ ؛ لِأَنَّهُ وَجَبَ عَلَيْهِ بِدُخُولِ وَقْتِهِ فَلَا يَسْقُطُ بِنِيَّةِ الْإِقَامَةِ بَعْدَ ذَلِكَ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ترجمہ:

اگرعورت وقوف اورطواف زیارت کے بعد حائض ہوئی تو وہ مکہ سے چلی جائے اورطواف صدور کی وجہ سے اس پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حائض عورتوں کوطواف صدر ترک کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔

اور جس بندے نے مکہ کو جائے سکونت بنالیا اس پرطواف صدر نہیں ہے کیونکہ طواف صدر اس پر ہے جو مکے سے اپنے وطن کو واپس جائے۔ ہاں البتہ جب اس نے پہلے نفر کے وقت آجانے کے بعد مکے کو گھر بنایا۔ اسی روایت کے مطابق جو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت کی گئی ہے اور بعض نے اس کو حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت کیا ہے۔ اس لئے طواف صدور اس پر واجب ہوگیا ہے کیونکہ جب اس کا وقت آجائے۔ لہذا اس کے بعد وہ اقامت کی نیت ساقط نہ ہوگا۔

حائض کے طواف وسعی نہ کرنے کا بیان:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ حج کے لئے روانہ ہوئے تو ہم لبیک کہتے وقت صرف حج کا ذکر کرتے تھے بعض حضرات نے یہ معنی لکھے ہیں کہ ہم صرف حج کا قصد کرتے تھے یعنی مقصود اصلی حج تھا عمرہ نہیں تھا، لہٰذا عمرہ کا ذکر نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عمرہ نیت میں بھی نہیں تھا۔ پھر جب ہم مقام سرف میں پہنچے تو میرے ایام شروع ہوگئے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں اس خیال سے رو رہی تھی کہ حیض کی وجہ سے میں حج نہ کر پاؤں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری کیفیت دیکھ کر فرمایا کہ شاید تمہارے ایام شروع ہوگئے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تو ایک ایسی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لئے مقرر فرمادیا ہے اس کی وجہ سے رونے اور مضطرب ہونے کی کیا ضرورت ہے تم بھی وہی افعال کرو جو حاجی کرتے ہیں۔ ہاں جب تک پاک نہ ہو

جاؤ (یعنی ایام ختم نہ ہوجائیں اوراس کے بعد نہا نہ لو۔ اس وقت تک بیت اللہ کا طواف نہ کرنا اور نہ سعی کرنا کیونکہ سعی طواف کے بعد ہی صحیح ہوتی ہے۔ (بخاری ومسلم)

سرف ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے تقریباً چھ میل اور مقام تنعیم سے جانب شمال تین یا چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اس جگہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی اسی جگہ ہوا، شب زفاف بھی یہیں گزری اور انتقال بھی یہیں ہوا۔

اس حدیث کے پیش نظر ایک خلجان پیدا ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ **لا نذكر الا لحج** (ہم صرف حج کا ذکر کرتے تھے) خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی اس روایت کے بالکل متضاد ہیں جو گزشتہ باب میں (دو) گزر چکی ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بارے میں یہ بتایا تھا کہ **ولم اهلل الا بعمرة** (یعنی میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا) لہٰذا اس ظاہر تضاد کو دفع کرنے کے لئے یہ تاویل کی جائے گی کہ یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ **لانذكر الا الحج** کی مراد یہ ہے کہ اس سفر سے ہمارا اصل مقصد حج تھا اور چونکہ حج کی تین قسمیں ہیں یعنی افراد، تمتع اور قران، اس لئے ہم میں سے بعض تو مفرد تھے اور بعض متمتع اور بعض قارن۔ میں نے تمتع کا قصد کیا تھا، چنانچہ میں نے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا مگر مکہ پہنچنے سے پہلے ہی میرے ایام شروع ہوگئے جس کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ عرفہ کا دن اور وقوف عرفات کا وقت آگیا اور اس طرح عمرہ کا وقت گزر کر ایام حج شروع ہوگئے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں عمرہ کا احرام تو کھول دوں اور حج کا احرام باندھ لوں اور پھر طواف اور سعی کے علاوہ دیگر افعال حج کروں۔

حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ ؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نے حج کا احرام باندھا اور ان میں سے کسی کے پاس قربانی نہ تھی سوائے نبی ﷺ اور سیدنا طلحہ ؓ کے سیدنا علی ؓ یمن سے آئے اور ان کے ہمراہ قربانی تھی پس انہوں نے کہا کہ میں نے بھی اسی چیز کا احرام باندھا ہے جس کا نبی ﷺ نے احرام باندھا ہے۔ پھر نبی ﷺ نے اصحاب کو یہ حکم دیا: اس احرام کو عمرہ کا احرام کر دیں اور طواف کر کے بال کتروا دیں اور احرام سے باہر ہو جائیں سوائے اس شخص کے کہ جس کے ہمراہ قربانی ہو۔ پھر صحابہ ؓ نے کہا کہ ہم منیٰ کیوں کر جائیں؟ حالانکہ ہمارے عضو مخصوص سے منی ٹپک رہی ہوگی۔ یہ خبر نبی ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کاش! اگر میں پہلے سے اس بات کو جان لیتا جس کو میں نے اب جانا ہے تو میں اپنے ہمراہ قربانی نہ لاتا اور اگر میرے ساتھ قربانی ہوتی تو میں احرام سے باہر ہو جاتا۔ (بخاری)

دوا کے ذریعہ سے حیض روک کر طوافِ زیارت؟

عورت کو اگر یہ خطرہ ہے کہ طوافِ زیارت یا طوافِ عمرہ کے زمانہ میں حیض آجائے گا اور ایامِ حیض گزر جانے تک انتظار کرنا بھی بہت مشکل ہے تو ایسی صورت میں پہلے سے مانعِ حیض دوا استعمال کر کے حیض روک لیتی ہے اور اسی حالت میں طوافِ زیارت یا طوافِ عمرہ کر لیتی ہے تو صحیح اور درست ہو جائے گا؛ اس پر کوئی جرمانہ بھی نہ ہوگا؛ بشرطیکہ اس مدت میں کسی قسم کا خون کا

دھبہ وغیرہ نہ آیا ہو؛ مگر شدید ضرورت کے بغیر اس طرح کی دوا استعمال نہ کرے، اس لیے کہ اس سے عورت کی صحت پر نقصان دہ اثر پڑتا ہے۔

(انوار مناسک)

دورانِ حیض دوا کے ذریعہ حیض روک لیا؟

اگر دورانِ حیض دوا کے ذریعہ سے حیض رُوک لیا ہے اور طوافِ زیارت سے فارغ ہونے کے بعد اگر عادت کے ایام میں دوبارہ حیض آ گیا ہے تو یہ سمجھا جائیگا کہ اس نے حالتِ حیض میں طواف کیا ہے؛ لہٰذا جرمانہ میں اُونٹ یا گائے کی قربانی لازم ہوجائے گی؛ البتہ اگر پاک ہونے کے بعد اعادہ کرلے گی تو جرمانہ ساقط ہوجائے گا اور مناسک ملاعلی قاری میں ہے کہ اس طرح کرنا ایک قسم کی معصیت بھی ہے، اس لیے اعادہ کے ساتھ توبہ کرنا بھی لازم ہوجائے گا اور اگر اعادہ نہیں کیا تو بدنہ کے کفارہ کے ساتھ ساتھ توبہ بھی لازم ہوگی اور اگر دوا کے ذریعہ سے حیض اس طرح رُک گیا کہ طواف کے بعد عادت کا زمانہ ختم ہونے تک حیض آیا ہی نہیں تو ایسی صورت میں طواف بلا کراہت صحیح ہوجائے گا اور کوئی جرمانہ بھی لازم نہ ہوگا۔

(انوار مناسک، ۳۸۷)

باب الجنایات

﴿یہ باب جنایات کے بیان میں ہے﴾

باب الجنایات کی فقہی مطابقت کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے احرام کے احوال کو بیان کرنے کے بعد ان عوارض کا ذکر کیا ہے جو احرام والے پر وارد ہوتے ہیں اور عوارض ہمیشہ مؤخر ہوتے ہیں۔ جس طرح احصار وفوات وغیرہ عوارض ہیں۔

جنایات یہ جنایة کی جمع ہے۔ اور جنایت اس عمل ممنوع کو کہتے ہیں جو محرم سے اس کی حالت احرام میں صادر ہوں۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۴۷، بیروت)

جنایت کا مفہوم:

حج کے بیان میں جنایت اس حرام فعل کو کہتے ہیں جس کی حرمت احرام یا حرم کے سبب سے ہو اور جس کے مرتکب پر کوئی چیز مثلاً قربانی یا صدقہ بطور جزاء یعنی بطور کفارہ واجب ہوتی ہو۔

جنایات کے احکام:

چنانچہ اس کی کچھ تفصیل اس طرح ہے کہ اگر محرم اپنے کسی ایک پورے عضو پر خوشبو لگائے یا کوئی خوشبودار چیز کھا کر منہ کو خوشبو دار کرے بشرطیکہ وہ خوشبو خالص ہو اور اس میں کسی دوسری چیز کی آمیزش نہ ہو یا رقیق مہندی کا استعمال کرے خواہ سر میں لگائے یا داڑھی یا ہاتھ وغیرہ میں یا زیتون لگائے یا پورے ایک دن سلے ہوئے کپڑے رواج وعادت کے موافق استعمال کرے یا پورا دن اپنا سر ڈھانکے رکھے یا سر، داڑھی چوتھائی یا اس سے زیادہ منڈوائے یا پوری ایک بغل کے بال یا زیر ناف بال یا گردن کے بالوں کو دور کرے یا دونوں ہاتھوں یا دونوں پیروں یا ایک ہاتھ اور ایک پیر کے ناخن ترشوائے یا طواف قدوم یا طواف صدر حالت جنابت میں کرے یا طواف زیارت (یعنی طواف فرض) بے وضو کرے یا عرفات سے امام سے پہلے واپس آ جائے یا سعی چھوڑے یا وقوف مزدلفہ چھوڑ دے یا تمام دنوں کی رمی یا ایک دن کی یا پہلے دن کی رمی نہ کرے،

یا حلق وتقصیر حرم سے باہر کرائے یا احرام کی حالت میں بیوی کا بوسہ لے لے یا اس کو شہوت کے ساتھ چوے یا حلق وتقصیر یا طواف زیارت ایام نحر گزر جانے کے بعد کرے، یا افعال حج کی واجب ترتیب کو بدل دے مثلاً قربانی سے پہلے سر منڈوا لے تو ان تمام صورتوں میں اس پر بطور جزاء ایک قربانی واجب ہوگی۔ اور اگر محرم تلبید کرے یعنی اپنے سر کے بال گوند وغیرہ لگا کر جما لے یا قارن ہونے کی صورت میں قربانی سے پہلے حلق یا تقصیر کرائے تو اس پر دو قربانی واجب ہوں گی۔ اور اگر محرم ایک عضو سے کم میں خوشبو استعمال کرے یا ایک دن سے کم اپنا سر ڈھانکے یا سلا ہوا کپڑا پہنے یا سر داڑھی چوتھائی حصہ سے کم منڈوائے یا پانچ ناخن سے کم

ترشوائے یا پانچ ناخن مختلف مجلسوں میں ترشوائے یا طواف صدر یا طواف قدوم بے وضو کرے

یا یوم نحر کے بعد تینوں جمرات میں سے کسی ایک جمرہ کی رمی ترک کر دے تو ان سب صورتوں میں اس پر صدقہ واجب ہوگا جس کی مقدار نصف صاع گیہوں ہے۔ اگر محرم کسی عذر یا بیماری کی وجہ سے خوشبو استعمال کرے یا سر منڈوائے یا سلا ہوا کپڑا پہنے تو ان صورتوں میں اسے اختیار ہوگا کہ چاہے تو ایک بکری ذبح کرے چاہے چھ مسکینوں ایک ایک مقدار صدقہ فطر دے دے اور چاہے تین روزے مسلسل یا غیر مسلسل رکھ لے۔ خوشبو یا خوشبودار پھول یا خوشبودار میوہ سونگھنے سے محرم پر کچھ واجب نہیں ہوتا تاہم یہ مکروہ ہے۔ اگر کوئی محرم جوں مارے تو بطور صدقہ تھوڑی سی کھانے کی چیز مثلاً ایک مٹھی آٹا دے دے بشرطیکہ اس نے وہ جوں اپنے بدن سے یا سر سے یا کپڑے سے نکال کر ماری ہو، اور اگر زمین سے پکڑ کر مارے تو کچھ بھی واجب نہیں ہوتا۔

اور اگر اس نے اپنے کپڑے دھوپ میں اس نیت سے ڈال دیئے کہ اس میں موجود جوئیں مر جائیں اور پھر بہت ساری جوئیں مر جائیں تو اس پر نصف صاع گیہوں کا صدقہ واجب ہوگا۔ ہاں اگر کپڑے کو خشک کرنے کی نیت سے دھوپ میں ڈالے اور جوئیں مارنا اس کا مقصد نہ ہو اور پھر اس صورت میں جوئیں مر جائیں تو اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔ اگر محرم شکار مارے یا کسی کو شکار کی راہ بتائے یا شکار کی طرف کسی کو متوجہ کرے تو اس پر بطور جزاء اس شکار کی وہ قیمت واجب ہوگی جو دو عادل شخص تجویز کریں اور وہ قیمت اس مقام کے اعتبار سے ہو جہاں شکار مارا گیا ہے ہو یا اس کے قریب تر مقام کے اعتبار سے ہو،

اس بارہ میں محرم کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ اس قیمت سے قربانی کا کوئی جانور خرید کر ذبح ہونے کے لئے حرم بھیج دے چاہے اس قیمت سے گیہوں وغیرہ خرید کر ہر فقیر کو صدقہ فطر کی ایک مقدار تقسیم کر دے اور چاہے ہر فقیر کی مقدار صدقہ کے عوض ایک ایک روزہ رکھ لے۔

آخر میں یہ بات بھی بتا دینی ضروری ہے کہ ان تمام جنایات کے ارتکاب میں قصداً اور اضطرار علم اور لاعلمی، رغبت اور جبر سب برابر ہے یعنی محرم ممنوعات احرام میں سے جو بھی فعل کرے گا اس پر جزاء بہر صورت واجب ہوگی خواہ اس سے اس فعل کا ارتکاب قصداً ہوا ہو یا بلا قصد اس کے علم کے باوجود ہوا ہو یا اس کی لاعلمی کی وجہ سے اور اس نے وہ فعل اپنی رغبت سے کیا ہو یا کسی دوسرے کی زبردستی کی وجہ سے کیا ہو۔

احرام والے کا کامل عضو پر خوشبو لگانا سبب وجوب دم ہے:

(وَإِذَا تَطَيَّبَ الْمُحْرِمُ فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ فَإِنْ طَيَّبَ عُضْوًا كَامِلًا فَمَا زَادَ فَعَلَيْهِ دَمٌ) وَذَلِكَ مِثْلُ الرَّأْسِ وَالسَّاقِ وَالْفَخِذِ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّ الْجِنَايَةَ تَتَكَامَلُ بِتَكَامُلِ الِارْتِفَاقِ ، وَذَلِكَ فِي الْعُضْوِ الْكَامِلِ فَيَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ كَمَالُ الْمُوجِبِ (وَإِنْ طَيَّبَ أَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ فَعَلَيْهِ الصَّدَقَةُ) ؛ لِقُصُورِ الْجِنَايَةِ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَجِبُ بِقَدْرِهِ مِنْ الدَّمِ

اعْتِبَارًا لِلْجُزْءِ بِالْكُلِّ .

وَفِي الْمُنْتَقَى أَنَّهُ إذَا طَيَّبَ رُبُعَ الْعُضْوِ فَعَلَيْهِ دَمٌ اعْتِبَارًا بِالْحَلْقِ ، وَنَحْنُ نَذْكُرُ الْفَرْقَ بَيْنَهُمَا مِنْ بَعْدُ إنْ شَاءَ اللَّهُ .

ترجمہ:

اور جب محرم نے خوشبو لگائی تو اس پر دم واجب ہے خواہ نے پورے عضو پر لگائی ہو یا نصف عضو پر لگائی ہو دم واجب ہے۔ جس طرح سر، ران، پنڈلی اور اسی جیسے اعضاء ہیں۔ کیونکہ انتفائے کامل سے جرم کامل ہوتا ہے۔ اور مکمل انتفاع کامل عضو میں ہے لہذا عضو کامل پر موجب بھی پورا لازم ہوگا۔

اور اگر اس نے عضو سے کم پر خوشبو لگائی تو اس پر صدقہ واجب ہو گیا کیونکہ اس کا جرم کم ہے۔ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ دم میں سے جرم کی مقدار واجب ہوگا۔ سوائے اس کے کہ جب اس کو کل پر قیاس کیا جائے۔

منتقی میں ہے کہ جب اس نے عضو کے چوتھائی پر خوشبو لگائی تو اس پر دم واجب ہے۔ اس کو حلق پر قیاس کیا گیا ہے۔ اور ہم ان شاء اللہ تعالی ان دونوں کے درمیان فرق ذکر کریں گے۔

حالت احرام میں خوشبودار تیل استعمال کرنا ممنوع ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام کی حالت میں بغیر خوشبو کا زیتون کا تیل استعمال کرتے تھے۔ (ترمذی)

مقتت اس تیل کو کہتے ہیں جس میں خوشبو کے پھول ڈال کر اسے پکا لیا جائے تا کہ وہ تیل خوشبودار ہو جائے یا اس تیل میں کوئی خوشبودار تیل وغیرہ ملا دیا جائے۔

احرام کی حالت میں خوشبودار تیل استعمال کرنا مکروہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی محرم کسی ایک عضو کے پورے حصہ پر یا کئی یا سب اعضاء پر روغن بنفشہ، روغن گلاب، روغن موتیا یا اسی قسم کا کوئی بھی خوشبودار تیل لگائے گا تو حنفیہ کے ہاں بالاتفاق اس پر دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہوگا اور اگر زیتون یا تل کا ایسا تیل کہ جس میں خوشبو نہ ملی ہوئی ہو زیادہ مقدار میں لگائے گا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں بھی دم واجب ہوگا۔

جب کہ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کہتے ہیں کہ صدقہ واجب ہوگا۔ لیکن یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ یہ دونوں تیل خوشبو سے بالکل خالی اور کسی خوشبودار پھول کے پکائے ہوئے نہ ہوں، کیونکہ اگر زیتون کے یا تل کے تیل میں خوشبو ملی ہوگی یا اس میں خوشبودار پھول ڈال کر پکایا گیا ہو تو پھر سب ہی کے نزدیک اس کو استعمال کرنے کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔ اسی طرح یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ یہ تیل زیادہ مقدار میں لگائے جائیں اور اگر کم مقدار میں لگایا جائے

گا تو متفقہ طور پر سب کے نزدیک اس کے استعمال کرنے سے صرف صدقہ واجب ہوگا۔

اور پھر ایک بات یہ بھی جان لیجئے کہ ان تیلوں کے استعمال کی وجہ سے دم یا صدقہ اسی وقت واجب ہوگا جب کہ ان کو محض خوشبو کی خاطر استعمال کیا جائے اور اگر انہیں دوا کے طور پر استعمال کیا جائے گا تو پھر علی الاتفاق کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ جب کہ مشک یا دوسری خوشبوؤں کے استعمال کا مسئلہ اس سے مختلف ہے کہ ان کے استعمال سے بہر صورت دم واجب ہوتا ہے خواہ بطور خوشبو استعمال ہو خواہ بطور دوا۔

دم کی ادائیگی بکری سے متعلق ہے:

ثُمَّ وَاجِبُ الدَّمِ يَتَأَدَّى بِالشَّاةِ فِي جَمِيعِ الْمَوَاضِعِ إِلَّا فِي مَوْضِعَيْنِ نَذْكُرُهُمَا فِي بَابِ الْهَدْيِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

ترجمہ:

اس کے بعد اس دم کی ادائیگی دم بکری سے ادا ہو جاتی ہے۔ دو مقامات کے سوا تمام مقامات میں حکم اسی طرح ہے ہم ان کو باب الهدی میں ان شاء بیان کریں گے۔

شرح

ہَدی اُس جانور کو کہتے ہیں جو قربانی کے لیے حرم کو لے جایا جائے۔ یہ تین قسم کے جانور ہیں (۱) بکری، اس میں بھیڑ اور دُنبہ بھی داخل ہے۔ (۲) گائے، بھینس بھی اسی میں شمار ہے۔ (۳) اونٹ ہَدی کا ادنیٰ درجہ بکری ہے تو اگر کسی نے حرم کو قربانی بھیجنے کی منّت مانی اور معیّن نہ کی تو بکری کافی ہے۔

قربانی کی نیت سے بھیجا یا لے گیا جب تو ظاہر ہے کہ قربانی ہے اور اگر بَدنہ کے گلے میں ہار ڈال کر ہانکا جب بھی ہَدی ہے اگرچہ نیت نہ ہو۔ اس لیے کہ اس طرح قربانی ہی کو لے جاتے ہیں۔

قربانی کے جانور میں جو شرطیں ہیں وہ ہدی کے جانور میں بھی ہیں مثلاً اونٹ پانچ سال کا، گائے دو سال کی، بکری ایک سال کی مگر بھیڑ دُنبہ چھ مہینے کا اگر سال بھر والی کی مثل ہو تو ہو سکتا ہے اور اونٹ گائے میں یہاں بھی سات آدمی کی شرکت ہو سکتی ہے۔

(درمختار، کتاب الاضحیہ)

احرام میں واجب ہونے والے صدقے کی مقدار کا بیان:

وَكُلُّ صَدَقَةٍ فِي الْإِحْرَامِ غَيْرُ مُقَدَّرَةٍ فَهِيَ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ إِلَّا مَا يَجِبُ بِقَتْلِ الْقَمْلَةِ وَالْجَرَادَةِ ، هَكَذَا رُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى.

ترجمہ:

احرام کا ہر وہ صدقہ جس کی کوئی معین مقدار نہ ہو تو وہ نصف صاع گندم ہے ہاں یہ جوں اور ٹڈی کے مارنے سے بھی واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔

جوں مارنے کی صورت میں دم کا بیان:

امام ترمذی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت کعب بن عُجرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے میں اس وقت ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہا تھا اور میری پیشانی یا ابروؤں پر جوئیں بار بار گر رہی تھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تمہاری جوئیں تمہیں تکلیف دیتی ہیں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سر منڈواؤ اور جانور قربانی کرو یا تین دن کے روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔

(ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب القراء ات، باب ومن سورة البقرة، 5:84، رقم (2974)

امام بخاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے جب کہ وہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے حدیبیہ میں تھے اور وہ کعب رضی اللہ عنہ احرام کی حالت میں تھے یعنی یہ اس موقع کا ذکر ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفقاء کے ہمراہ عمرہ کے لئے مکہ روانہ ہوئے تھے لیکن مشرکین نے حدیبیہ میں سب کو روک دیا تھا چنانچہ سب کے ساتھ کعب رضی اللہ عنہ بھی مکہ میں داخل ہونے کے متوقع تھے مگر پھر بعد میں ایک معاہدہ کے تحت کہ جس کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں، سب لوگ عمرہ کئے بغیر واپس ہو گئے تھے، بہر کیف جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعب کے پاس سے گزرے تو وہ ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور جوئیں سر سے جھڑ کر ان کے منہ پر گر رہی تھیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کیا یہ جوئیں تمہیں تکلیف پہنچا رہی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا۔ جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پھر تم اپنا سر منڈوالو اور بطور جزاء ایک فرق کھانا چھ مسکینوں کو کھلا دو اور فرق تین صاع کا ہوتا ہے یا تین روزے رکھ لو اور یا ایک جانور جو ذبح کرنے کے قابل ہو، ذبح کرو۔ (بخاری و مسلم)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن عجرہ ایک جلیل القدر انصاری صحابی ہیں، صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ بھی موجود تھے، ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بڑا دلچسپ بھی ہے اور بڑا سبق آموز بھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس ایک بت تھا جس کو یہ پوجا کرتے تھے، عبادہ بن صامت ان کے دوست تھے، ایک دن عبادہ کعب کے پاس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ کعب بت کی پوجا کرنے کے بعد گھر سے نکل کر گئے ہیں، عبادہ گھر میں داخل ہوئے اور اس بت کو توڑ ڈالا، جب کعب گھر میں آئے تو دیکھا کہ بت ٹوٹا پڑا ہے، انہیں معلوم ہوا کہ یہ کام عبادہ کی ہے، بڑے غضب ناک ہوئے اور چاہا کہ عبادہ کو برا بھلا کہیں مگر پھر سوچ میں پڑ گئے، دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر اس بت کو کچھ بھی قدرت حاصل ہوتی تو اپنے آپ کو بچا لیتا، بس یہ خیال گزرنا تھا کہ شرک و کفر کا اندھیرا اچھٹ گیا اور

ایمان وصداقت کے نور نے قلب ودماغ کے ایک ایک گوشہ کو منور کر دیا اور اس طرح وہ مشرف باسلام ہو گئے، سچ ہے اللہ تعالیٰ جسے ہدایت یافتہ بناتا ہے اسی طرح ہدایت کی توفیق بخش دیتا ہے۔

بہر کیف اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی محرم کسی عذر مثلاً جوئیں، زخم اور درد سر وغیرہ کی وجہ سے اپنا سر منڈوائے تو اسے اختیار ہے کہ بطور جزاء چاہے تو چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے بایں طور کہ ہر مسکین کو آدھا صاع گیہوں دے دے، چاہے تین روزے رکھ لے اور چاہے جانور ذبح کرے۔ چنانچہ یہ حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے کہ (فَمَنْ كَانَ مِنكُمْ مَّرِيضاً اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ) 2 ۔ البقرة 196:)۔ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو اور وہ اپنا سر منڈا دے تو وہ بطور فدیہ یا تو روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔

مہندی کے خضاب سے لزوم دم کا بیان:

قَالَ (فَإِنْ خَضَبَ رَأْسَهُ بِحِنَّاءٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ) ؛ لِأَنَّهُ طِيبٌ .قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : (الْحِنَّاءُ طِيبٌ) وَإِنْ صَارَ مُلَبَّدًا فَعَلَيْهِ دَمَانِ دَمٌ لِلتَّطَيُّبِ وَدَمٌ لِلتَّغْطِيَةِ .وَلَوْ خَضَبَ رَأْسَهُ بِالْوَسْمَةِ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِطِيبٍ .

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ إذَا خَضَبَ رَأْسَهُ بِالْوَسْمَةِ ؛ لِأَجْلِ الْمُعَالَجَةِ مِنْ الصُّدَاعِ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ بِاعْتِبَارِ أَنَّهُ يُغَلِّفُ رَأْسَهُ وَهَذَا صَحِيحٌ .

ثُمَّ ذَكَرَ مُحَمَّدٌ فِي الْأَصْلِ رَأْسَهُ وَلِحْيَتَهُ ، وَاقْتَصَرَ عَلَى ذِكْرِ الرَّأْسِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ دَلَّ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَضْمُونٌ .

ترجمہ:

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔ اگر محرم نے اپنے سر میں مہندی لگائی تو اس پر دم واجب ہے کیونکہ حنا خوشبو ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حنا خوشبو ہے۔ اور اس کے سر بال لیپ ہو گئے تو اس پر دو دم واجب ہیں۔ ایک دم خوشبو لگانے کی وجہ سے ہے اور دوسرا دم سر ڈھانپنے کی وجہ سے ہے۔ اور اگر کسی شخص نے اپنے سر کو وسمہ سے خضاب کیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ اس لئے کہ وسمہ خوشبو نہیں ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جب محرم نے وسمہ کو سر درد کے علاج کی وجہ سے خضاب کر لیا تو اس پر کفارہ واجب ہے۔ اسی قیاس کے مطابق کہ اس نے اپنے سر کو ڈھانپ لیا ہے اور صحیح روایت یہی ہے۔ اس کے بعد مبسوط میں سر اور داڑھی کا ذکر ہے۔ جبکہ جامع صغیر میں صرف سر کا ذکر اکتفاء کیا گیا ہے۔ لہذا جامع صغیر کی دلالت اس بات پر ہوئی کہ ان دونوں میں سے ہر ایک دم لازم ہے۔

خوشبو کی ممانعت کے بارے میں حکم شرعی:

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ کہ عطا بن ابی رباح سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حنین میں تھے اور وہ اعرابی ایک کرتہ پہنے ہوئے تھا جس میں زرد رنگ کا نشان تھا تو کہا اس نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نیت کی ہے عمرہ کی پس میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا کرتہ اتار اور زردی دھو ڈال اپنے بدن سے اور جو حج میں کرتا ہے وہی عمرہ میں کر۔

"اسلم جو مولی ہیں عمر بن خطاب کے ان سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب کو خوشبو آئی اور وہ شجرہ میں تھے سو کہا کہ یہ خوشبو کس شخص سے آتی ہے معاویہ بن ابی سفیان بولے مجھ سے اے امیر المومنین، حضرت عمر نے کہا ہاں تمہیں قسم ہے خداوند کریم کے بقا کی، معاویہ بولے کہ حبیبہ نے خوشبو لگا دی میرے اے امیر المومنین۔ حضرت عمر نے کہا میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم دھو ڈالو اس کو جا کر۔"

"صلت بن زبید سے روایت ہے کہ انہوں نے کئی اپنے عزیزوں سے سنا کہ حضرت عمر بن خطاب کو خوشبو آئی اور وہ شجرہ میں تھے اور آپ کے پہلو میں کثیر بن صلت تھے تو کہا عمر نے کس میں سے یہ خوشبو آتی ہے کثیر نے کہا مجھ میں سے میں نے اپنے بال جمائے تھے کیونکہ میرا ارادہ سر منڈانے کا نہ تھا بعد احرام کھولنے کے، حضرت عمر نے کہا شربہ (وہ گڑھا جو کھجور کے درخت کے پاس ہوتا ہے جس میں پانی بھرا رہتا ہے) کے پاس جا اور سر کو مل کر دھو ڈال تب ایسا کیا کثیر بن صلت نے۔" (مؤطا امام مالک)

زیتون کے تیل لگانے میں لزوم دم وصدقے کے اختلاف کا بیان:

(فَإِنْ ادَّهَنَ بِزَيْتٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا : عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : إذَا اسْتَعْمَلَهُ فِي الشَّعْرِ فَعَلَيْهِ دَمٌ لِإِزَالَةِ الشَّعَثِ ، وَإِنْ اسْتَعْمَلَهُ فِي غَيْرِهِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِانْعِدَامِهِ .وَلَهُمَا أَنَّهُ مِنْ الْأَطْعِمَةِ إلَّا أَنَّ فِيهِ ارْتِفَاقًا بِمَعْنَى قَتْلِ الْهَوَامِّ وَإِزَالَةِ الشَّعَثِ فَكَانَتْ جِنَايَةً قَاصِرَةً .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ أَصْلُ الطِّيبِ ، وَلَا يَخْلُو عَنْ نَوْعِ طِيبٍ ، وَيَقْتُلُ الْهَوَامَّ وَيُلَيِّنُ الشَّعْرَ وَيُزِيلُ التَّفَثَ وَالشَّعَثَ فَتَتَكَامَلُ الْجِنَايَةُ بِهَذِهِ الْجُمْلَةِ فَتُوجِبُ الدَّمَ ، وَكَوْنُهُ مَطْعُومًا لَا يُنَافِيهِ كَالزَّعْفَرَانِ ، وَهَذَا الْخِلَافُ فِي الزَّيْتِ الْبَحْتِ وَالْخَلِّ الْبَحْتِ .أَمَّا الْمُطَيِّبُ مِنْهُ كَالْبَنَفْسَجِ وَالزَّنْبَقِ وَمَا أَشْبَهَهُمَا يَجِبُ بِاسْتِعْمَالِهِ الدَّمُ بِالِاتِّفَاقِ ؛ لِأَنَّهُ طِيبٌ ، وَهَذَا إذَا اسْتَعْمَلَهُ عَلَى وَجْهِ التَّطَيُّبِ ،

ترجمہ:

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر کوئی شخص زیتون کا تیل لگائے تو اس پر دم واجب ہے۔ صاحبین نے کہا ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ جب اس روغنی زیتون کو بال میں استعمال کیا تو اس پر دم واجب ہے۔ کیونکہ اس نے بالوں کو بکھیریت سے دور کیا ہے۔ اور اگر اس نے بالوں کے علاوہ استعمال کیا تو اس تو پر کچھ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے کوئی بالوں کی بکھریت زائل نہیں ہوئی ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ روغنی زیتون کھانے کی اشیاء میں سے ہے البتہ اس میں جوں مارنے اور بالوں سے آلودگی دور کرنے کی وجہ سے ایک طرح کا نفع ہے۔ لہذا یہ انتفاع ناقص جرم ہوگا۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ روغنی زیتون خوشبو کی اصل ہے۔ اور خوشبو خود ایک خوشبو سے خالی نہیں ہے۔ اور وہ جوں وغیرہ کو مارنا ہے۔ اور بالوں کو نرم کرنے والا ہے۔ اور میل کچیل و آلودگی کو دور کرنے والا ہے۔ لہذا ان تمام کی وجہ سے یہ جرم ہو گیا اسی لئے اس پر دم واجب ہے۔ جبکہ اس کا کھایا جانا مذکورہ اشیاء کے منافی نہیں ہے۔ جس طرح زعفران ہے اور اختلاف خالص روغنی زیتون اور خالص تلوں کے تیل میں ہے۔ البتہ روغن زیتون یا تل والا تیل تو وہ خوشبودار بنایا گیا ہو جس طرح بنفشہ چنبیلی اور اسی طرح کے تیل تو ان کے استعمال میں بہ اتفاق دم واجب ہے۔ کیونکہ یہ خوشبو ہے اور یہ وجوب اس صورت میں ہوگا کہ جب ان کا استعمال خوشبو کیلئے کیا جاتا ہو۔

حالت احرام میں خوشبودار تیل استعمال کرنے میں فقہی اختلاف کا بیان:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام کی حالت میں بغیر خوشبو کا زیتون کا تیل استعمال کرتے تھے۔ (ترمذی)

مقتت اس تیل کو کہتے ہیں جس میں خوشبو کے پھول ڈال کر اسے پکالیا جائے تاکہ وہ تیل خوشبودار ہو جائے یا اس تیل میں کوئی خوشبودار تیل وغیرہ ملا دیا جائے۔

احرام کی حالت میں خوشبودار تیل استعمال کرنا مکروہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی محرم کسی ایک عضو کے پورے حصہ پر یا کئی یا سب اعضاء پر روغن بنفشہ، روغن گلاب، روغن موتیا یا اسی قسم کا کوئی بھی خوشبودار تیل لگائے گا تو حنفیہ کے ہاں بالاتفاق اس پر دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہوگا اور اگر زیتون یا تل کا ایسا تیل کہ جس میں خوشبو نہ ملی ہوئی ہو زیادہ مقدار میں لگائے گا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں بھی دم واجب ہوگا جب کہ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کہتے ہیں کہ صدقہ واجب ہوگا۔ لیکن یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ یہ دونوں تیل خوشبو سے بالکل خالی اور کسی خوشبودار پھول کے پکائے ہوئے نہ ہوں، کیونکہ اگر زیتون کے یا تل کے تیل میں خوشبو ملی ہوگی یا اس میں خوشبودار پھول ڈال کر پکایا گیا ہو تو پھر سب ہی کے نزدیک اس کو استعمال کرنے کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔ اسی طرح یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ یہ تیل زیادہ

مقدار میں لگائے جائیں اور اگر کم مقدار میں لگایا جائے گا تو متفقہ طور پر سب کے نزدیک اس کے استعمال کرنے سے صرف صدقہ واجب ہوگا۔

اور پھر ایک بات یہ بھی جان لیجئے کہ ان تیلوں کے استعمال کی وجہ سے دم یا صدقہ اسی وقت واجب ہوگا جب کہ ان کو محض خوشبو کی خاطر استعمال کیا جائے اور اگر انہیں دوا کے طور پر استعمال کیا جائے گا تو پھر علی الاتفاق کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ جب کہ مشک یا دوسری خوشبوؤں کے استعمال کا مسئلہ اس سے مختلف ہے کہ ان کے استعمال سے بہر صورت دم واجب ہوتا ہے خواہ بطور خوشبو استعمال ہو خواہ بطور دوا۔

پاؤں کے زخم وغیرہ پر دوائی لگانے کی صورت میں عدم کفارے کا بیان:

وَلَوْ دَاوَى بِهِ جُرْحَهُ أَوْ شُقُوقَ رِجْلَيْهِ فَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِطِيبٍ فِي نَفْسِهِ إنَّمَا هُوَ أَصْلُ الطِّيبِ أَوْ طِيبٌ مِنْ وَجْهٍ فَيُشْتَرَطُ اسْتِعْمَالُهُ عَلَى وَجْهِ التَّطَيُّبِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا تَدَاوَى بِالْمِسْكِ وَمَا أَشْبَهَهُ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے روغنی زیتون کے ساتھ اپنے زخم یا پاؤں کے پھٹنے کا علاج کیا تو اس پر کفارہ نہیں ہے کیونکہ روغنی زیتون خود خوشبو نہیں ہے۔ بلکہ وہ خوشبو کی اصل ہے۔ یا وہ ایک طرح کی خوشبو ہے لہذا خوشبو میں بطور خوشبو کے استعمال کی شرط ہے بہ خلاف اس کے جب مشک اور اس کی طرح کی کوئی دوا ہو۔

شرح

جب محرم بغیر کسی عذر کے اپنی اعضاء میں سے کسی بڑے عضو کو کسی بھی قسم کی خوشبو لگائے جیسے: ران، پنڈلی، ہاتھ، چہرے اور سر، اسی طرح جب مکمل ایک دن خوشبودار کپڑے پہنے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَاذَا تَأْمُرُنَا أَنْ نَلْبَسَ مِنْ الثِّيَابِ فِي الْإِحْرَامِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْبَسُوا الْقَمِيصَ وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا الْبَرَانِسَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَحَدٌ لَيْسَتْ لَهُ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسْ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْ أَسْفَلَ مِنْ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوا شَيْئًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا الْوَرْسُ وَلَا تَنْتَقِبْ الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ وَلَا تَلْبَسْ الْقُفَّازَيْنِ (بخاری بَاب مَا يُنْهَى مِنْ الطِّيبِ لِلْمُحْرِمِ وَالْمُحْرِمَةِ الخ)

مذکورہ حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ احرام کی کچھ ممنوعہ چیزوں کو بتلایا جس میں زعفران اور الورس کے ذریعہ خوشبودار اشیاء کے استعمال سے بھی منع فرمایا، اس کے علاوہ اور بھی احادیث کے پیش نظر فقہاء کرام نے خوشبو یا خوشبودار

اشیاء کے استعمال کو حالتِ احرام میں ناجائز قرار دیا ۔

عَنْ ابْنِ عَبّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَنّ رَجُلًا وَقَصَهُ بَعِيرُهُ وَنَحْنُ مَعَ النّبِيّ صَلّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَقَالَ النّبِیُّ صَلّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَكَفِّنُوهُ فِی ثَوْبَيْنِ وَلَا تُمِسّوهُ طِيبًا وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ فَإِنّ اللّٰهَ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا (بخاری بَاب كَيْفَ يُكَفّنُ الْمُحْرِمُ) فَإِنْ طَيّبَ عُضْوًا كَامِلًا : كَالرّأْسِ، وَالْفَخِذِ ، وَالسّاقِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ فَعَلَيْهِ دَمٌ ، وَإِنْ طَيّبَ أَقَلّ مِنْ عُضْوٍ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ .

(بدائع الصنائع فصل تطیب المحرم۵ /۱۲۷) .

<u>سارادن سلہ ہوا کپڑا پہننے کی صورت میں وجوب دم کا بیان:</u>

(وَإِنْ لَبِسَ ثَوْبًا مَخِيطًا أَوْ غَطّٰی رَأْسَهُ يَوْمًا كَامِلًا فَعَلَيْهِ دَمٌ ، وَإِنْ كَانَ أَقَلّ مِنْ ذٰلِكَ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنّهُ إِذَا لَبِسَ أَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ يَوْمٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَوّلًا .وَقَالَ الشّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ : يَجِبُ الدّمُ بِنَفْسِ اللُّبْسِ ؛ لِأَنّ الِارْتِفَاقَ يَتَكَامَلُ بِالِاشْتِمَالِ عَلَی بَدَنِهِ .

وَلَنَا أَنّ مَعْنَی التّرَفُّقِ مَقْصُودٌ مِنْ اللُّبْسِ ، فَلَا بُدّ مِنْ اعْتِبَارِ الْمُدّةِ ؛ لِيَحْصُلَ عَلَی الْكَمَالِ وَيَجِبُ الدّمُ ، فَقُدِّرَ بِالْيَوْمِ ؛ لِأَنّهُ يُلْبَسُ فِيهِ ثُمّ يُنْزَعُ عَادَةً وَتَتَقَاصَرُ فِيمَا دُونَهُ الْجِنَايَةُ فَتَجِبُ الصّدَقَةُ ، غَيْرَ أَنّ أَبَا يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَقَامَ الْأَكْثَرَ مَقَامَ الْكُلِّ .

<u>ترجمہ:</u>

اور اگر محرم نے مکمل دن سلا ہوا کپڑا پہنا یا اپنا سر ڈھانپ لیا تو اس پر دم واجب ہے۔اور اس سے تھوڑی مدت ہے تو صدقہ واجب ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جب اس نے آدھے دن سے زیادہ پہنا تو اس پر دم واجب ہے۔اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا پہلا قول بھی یہی ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ پہنتے ہی دم واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ راحت میں فائدہ اٹھایا ہے جو اس کے بدن کو شامل ہوتے کامل ہو جائے گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ پہننے سے راحت کا معنی مقصود ہے۔ جس کیلئے ایک مدت کا اعتبار کرنا ضروری ہے تا کہ مکمل طور پر راحت حاصل ہو جائے جس پر دم ہے۔لہذا وہ مدت ایک دن مقرر کی گئی ہے۔ کیونکہ عرف کے مطابق ایک دن کیلئے لباس پہنا جاتا ہے اور اس کے بعد اتار دیا جاتا ہے۔ایک دن سے کم میں جنایت کم ہے اس لئے اس میں صدقہ واجب ہوگا۔ جبکہ حضرت امام ابو یوسف

علیہ الرحمہ نے اکثر کو کل کے قائم مقام کیا ہے۔

<u>محرمہ کے نقاب کی ممانعت واباحت کا فقہی مفہوم:</u>

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے منع فرماتے تھے کہ عورتیں اپنے احرام کی حالت میں دستانے پہنیں اور اس طرح نقاب ڈالیں کہ وہ نقاب ان کے منہ پر لگتی ہو اور ایسے کپڑے پہنیں جس میں زعفران اور ورس لگی ہو، ہاں اس کے بعد یعنی احرام سے نکلنے کے بعد وہ کپڑوں کی انواع سے جو چاہیں پہنچیں خواہ وہ کسم کا رنگا ہوا ہو۔ ریشم ہو، یا زیور ہو اور خواہ پائجامہ ہو، قمیص ہو یا موزہ ہو۔ (ابوداؤد)

بعد ذالک (اس کے بعد) کا مطلب شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو احرام سے نکلنے کے بعد ہی لکھا ہے لیکن ملاعلی قاری نے یہ معنی لکھے ہیں کہ ان مذکورہ چیزوں کے بعد یعنی حدیث میں جن چیزوں کے استعمال سے منع کیا گیا ہے ان کے علاوہ اور جس قسم کا بھی کپڑا چاہے پہنے۔

نیز ملاعلی قاری نے یہ بھی لکھا ہے کہ (بعد ذالک کے یہ معنی مراد لینے کی صورت میں) حدیث سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ احرام کی حالت میں زعفران کا رنگا ہوا کپڑا پہننا تو ممنوع ہے لیکن کسم کا رنگا ہوا کپڑا پہننا ممنوع نہیں جب کہ حنفیہ کے مسلک میں حالت احرام میں جس طرح زعفرانی کپڑا پہننا ممنوع ہے اسی طرح کسم کا رنگا کپڑا پہننا بھی ممنوع ہے، چنانچہ خزانۃ الاکمل اور ولوالجی اور فقہ کی دوسری کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ اگر کسی محرم نے زعفران یا کسم میں رنگا ہوا کپڑا ایک دن پہنا تو اس پر بطور جزاء دم واجب ہوتا ہے اور اگر ایک دن سے کم پہنا تو صدقہ لازم ہوگا، لہٰذا اول تو یہی بہتر ہے کہ بعد ذالک کے وہی معنی مراد لئے جائیں جو شیخ عبدالحق نے لکھے ہیں، یا پھر یہ تاویل کی جائے کہ حدیث میں کسم کا وہ رنگا ہوا کپڑا مراد ہے جو دھل چکا ہو اور جس میں خوشبو باقی نہ رہ گئی ہو۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث کے آخر میں کپڑوں کے ساتھ زیور کا ذکر مجازاً کیا گیا ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنّ رَجُلًا أَوْقَصَتْهُ رَاحِلَتُهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَكَفِّنُوهُ فِی ثَوْبَيْهِ وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ وَلَا وَجْهَهُ فَإِنّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا (مسلم، بَاب مَا يُفْعَلُ بِالْمُحْرِمِ إِذَا مَاتَ)

وَبَيَانُ هَذِهِ الْجُمْلَةِ إذَا لَبِسَ الْمَخِيطَ : مِنْ قَمِيصٍ ، أَوْ جُبّةٍ ، أَوْ سَرَاوِيلَ ، أَوْ عِمَامَةٍ ، أَوْ قَلَنْسُوَةٍ أَوْ خُفّيْنِ ، أَوْ جَوْرَبَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ وَضَرُورَةٍ يَوْمًا كَامِلًا . فَعَلَيْهِ الدّمُ لَا يَجُوزُ غَيْرُهُ ؛ لِأَنّ لُبْسَ أَحَدِ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ يَوْمًا كَامِلًا ارْتِفَاقٌ كَامِلٌ فَيُوجِبُ كَفّارَةً كَامِلَةً وَهِيَ : الدّمُ لَا يَجُوزُ غَيْرُهُ ؛ لِأَنّهُ فَعَلَهُ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ وَكَذَا لَوْ غَطّی رُبْعَ رَأْسِهِ

يَوْمًا فَصَاعِدًا فَعَلَيْهِ دَمٌ ، وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنَ الرُّبْعِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ (بدائع الصنائع ۵ / ۱۱۶) .

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہم بیان کر آئے ہیں کہ وہ طواف کے وقت جب لوگوں کا ہجوم ہوتا تو کپڑا ڈال لیتیں تا کہ حجاب قائم رہے۔ لہذا ان احوال میں جو عورتوں کو عدم نقاب کی اباحت ہے اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ کھلم کھلا رہیں اور لوگوں سے اختلاف میں بے تکلف ہوں ایسا ہرگز نہیں۔ اور اگر اس قسم کے تکلفات کو عوام نے مباح کر دیا تو پھر حج کا مقصد تو فوت ہو جائے گا۔ کیونکہ عبادت انسان کو بشری تقاضوں سے روحانیت کی منازل کی طرف لے جانے والی ہے۔

قمیص کو بطور اضطباع بنانے میں عدم کفارے کا بیان:

وَلَوِ ارْتَدَى بِالْقَمِيصِ أَوِ اتَّشَحَ بِهِ أَوِ ائْتَزَرَ بِالسَّرَاوِيلِ فَلَا بَأْسَ بِهِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَلْبَسْهُ لُبْسَ الْمَخِيطِ .

وَكَذَا لَوْ أَدْخَلَ مَنْكِبَيْهِ فِي الْقَبَاءِ وَلَمْ يُدْخِلْ يَدَيْهِ فِي الْكُمَّيْنِ خِلَافًا لِزُفَرَ ؛ لِأَنَّهُ مَا لَبِسَهُ لُبْسَ الْقَبَاءِ وَلِهَذَا يَتَكَلَّفُ فِي حِفْظِهِ .

وَالتَّقْدِيرُ فِي تَغْطِيَةِ الرَّأْسِ مِنْ حَيْثُ الْوَقْتُ مَا بَيَّنَّاهُ ، وَلَا خِلَافَ أَنَّهُ إِذَا غَطَّى جَمِيعَ رَأْسِهِ يَوْمًا كَامِلًا يَجِبُ عَلَيْهِ الدَّمُ ؛ لِأَنَّهُ مَمْنُوعٌ عَنْهُ ، وَلَوْ غَطَّى بَعْضَ رَأْسِهِ فَالْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ اعْتَبَرَ الرُّبْعَ اعْتِبَارًا بِالْحَلْقِ وَالْعَوْرَةِ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ سَتْرَ الْبَعْضِ اسْتِمْتَاعٌ مَقْصُودٌ يَعْتَادُهُ بَعْضُ النَّاسِ ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَعْتَبِرُ أَكْثَرَ الرَّأْسِ اعْتِبَارًا لِلْحَقِيقَةِ .

ترجمہ:

اگر محرم نے قمیص کو چادر کے طور پر اوڑھ لیا یا اس نے قمیص سے اتشاح کیا۔ یا پائجامے کے ساتھ لنگی باندھ لی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کو اس نے کپڑے کے طور نہیں پہنا اور ایسے ہی اگر قباء میں اپنے کندھے ڈالے اور آستینوں میں اپنے ہاتھ نہیں ڈالے۔ بہ خلاف امام زفر علیہ الرحمہ کے قول کے مطابق کیونکہ اس نے قباء کو پہننے کیلئے نہیں پہنا۔ اسی دلیل کے پیش نظر وہ اس کی حفاظت میں مشقت میں ہوتا ہے۔ اور سر ڈھانپنے کے حق میں بھی وقت کے اعتبار سے وہی اصول ہے جو ہم نے بیان کر دیا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کہ جب اس نے اپنے سر کو تمام دن ڈھانپا تو اس پر قربانی واجب ہے۔ کیونکہ یہ عمل

ممنوع ہے۔ اور اگر اس نے تھوڑا سا سر ڈھانپا تو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے یہ روایت ہے کہ چوتھائی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اس کو حلق اور عورت پر قیاس کیا جائے گا۔ کیونکہ بعض کے ستر سے مقصود منفعی ہے۔ اور یہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ وہ حقیقت کا اعتبار کرتے ہوئے سر کے اکثر کا اعتبار کرتے ہیں۔

سلے ہوئے کپڑوں کی ممانعت کو عرف پر محمول کیا جائے گا:

حضرت نافع (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو (حالت احرام میں ایک موقع پر) سردی لگنے لگی تو انہوں نے فرمایا کہ نافع رضی اللہ عنہ! مجھ پر کوئی کپڑا ڈال دو، چنانچہ میں نے ان کے بدن پر برساتی ڈال دی تو انہوں نے فرمایا کہ تم میرے بدن پر یہ برساتی ڈال رہے ہو؟ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محرم کو اس کے پہننے سے منع فرمایا ہے (ابوداؤد)

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ سلے ہوئے کپڑے کو اس طرح استعمال کرنا محرم کے لئے ممنوع ہے جس طرح اسے عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے بصورت دیگر ممنوع نہیں ہے مثلاً برساتی عام طور پر پہنی جاتی ہے۔ اگر کوئی محرم اسے پہنے نہیں بلکہ ایسے ہی جسم پر ڈال لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ اس بارے میں پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے برساتی کو اپنے جسم پر ڈال لینے سے بھی منع یا تو اس لئے فرمایا کہ وہ اپنے خیال کی بناء پر سلے ہوئے کپڑے کو مطلقاً کسی بھی استعمال کرنے سے اجتناب کرتے ہوں گے یا پھر یہ کہ نافع نے ان کا سر بھی ڈھانک دیا ہوگا۔ اس وجہ سے انہوں نے منع فرمایا۔

احرام میں پردہ کرنے کا طریقہ:

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم سفر کے دوران حالت احرام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے اور احرام کی وجہ سے ہمارے منہ کھلے ہوئے تھے اور ہمارے قریب سے قافلے گزرتے رہے، چنانچہ جب کوئی قافلہ ہمارے سامنے سے گزرتا تو ہم میں سے ہر عورت پردہ کی غرض سے اپنی چادر اپنے سر پر تان کر اپنے منہ پر اس طرح ڈال لیتی تھی کہ وہ چادر اس کے منہ کو نہ لگتی اور جب قافلہ ہمارے سامنے سے گزر جاتا تو ہم اپنا منہ کھول دیتے تھے۔ (ابوداؤد) ابن ماجہ نے بھی اسی مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے۔

چوتھائی کے برابر سر یا داڑھی کا حلق کرنے میں دم کا بیان:

(وَإِذَا حَلَقَ رُبْعَ رَأْسِهِ أَوْ رُبْعَ لِحْيَتِهِ فَصَاعِدًا فَعَلَيْهِ دَمٌ ، فَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنَ الرُّبْعِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ) وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَجِبُ إِلَّا بِحَلْقِ الْكُلِّ : وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجِبُ بِحَلْقِ الْقَلِيلِ اعْتِبَارًا بِنَبَاتِ الْحَرَمِ .

وَلَنَا أَنَّ حَلْقَ بَعْضِ الرَّأْسِ ارْتِفَاقٌ كَامِلٌ ؛ لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ فَتَتَكَامَلُ بِهِ الْجِنَايَةُ وَتَتَقَاصَرُ فِيمَا دُونَهُ بِخِلَافِ تَطْيِيبِ رُبْعِ الْعُضْوِ ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مَقْصُودٍ ، وَكَذَا حَلْقُ بَعْضِ اللِّحْيَةِ مُعْتَادٌ

بِالْعِرَاقِ وَأَرْضِ الْعَرَبِ .

ترجمہ:

اور جب اس نے چوتھائی سر یا چوتھائی داڑھی یا اس سے زائد کا حلق کروایا تو اس پر دم ہے اور اگر چوتھائی سے کم ہو تو صدقہ واجب ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے دم صرف کل حلق میں واجب ہوگا۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ دم واجب ہو جائے گا خواہ حلق کی مقدار قلیل ہو۔ وہ حرم کی گھاس پر قیاس کرتے ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ تھوڑی مقدار میں سر کو حلق کرنا بھی انتفائے مقصود ہے کیونکہ یہ بھی معتاد ہے لہذا اسی کی مقدار کے مطابق جرم کو پورا کیا جائے گا۔ اور اس سے تھوڑی مقدار میں جرم ناقص ہوگا بہ خلاف چوتھائی عضو کو خوشبو لگانے کے کیونکہ وہ مقصود نہیں ہے۔

اور اسی طرح داڑھی کا کچھ حصہ مونڈنا عرب و عراق میں معتاد ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

سر یا داڑھی کے چہارم بال یا زیادہ کسی طرح دُور کیے تو دَم ہے اور کم میں صدقہ اور اگر چند تارے یا داڑھی میں کم بال ہیں، تو اگر چوتھائی کی مقدار ہیں تو کُل میں دَم ورنہ صدقہ۔ چند جگہ سے تھوڑے تھوڑے بال لیے تو سب کا مجموعہ اگر چہارم کو پہنچتا ہے تو دَم ہے ورنہ صدقہ ہے۔

پوری گردن یا پوری ایک بغل میں دَم ہے اور کم میں صدقہ اگرچہ نصف یا زیادہ ہو۔ یہی حکم زیرِ ناف کا ہے۔ دونوں بغلیں پوری مونڈائے، جب بھی ایک ہی دَم ہے۔

پورا سر چند جلسوں میں مونڈایا، تو ایک ہی دَم واجب ہے مگر جب کہ پہلے کچھ حصہ مونڈا کر اُس کا کفارہ ادا کر دیا پھر دوسرے جلسہ میں مونڈایا تو اب نیا کفارہ دینا ہوگا۔ یونہی دونوں بغلیں دو جلسوں میں مونڈائیں تو ایک ہی کفارہ ہے۔ سر مونڈایا اور دَم دیدیا پھر اسی جلسہ میں داڑھی مونڈائی تو اب دوسرا دَم دے۔ سر اور داڑھی اور بغلیں اور سارے بدن کے بال ایک ہی جلسہ میں مونڈائے تو ایک ہی کفارہ ہے اور اگر ایک ایک عضو کے ایک ایک جلسہ میں تو اتنے ہی کفارے۔ سر اور داڑھی اور گردن اور بغل اور زیرِ ناف کے سوا باقی اعضا کے مونڈانے میں صرف صدقہ ہے۔ مونچھ اگرچہ پوری مونڈائے یا کتروائے صدقہ ہے۔

روٹی پکانے میں کچھ بال جل گئے تو صدقہ ہے، وضو کرنے یا کھجانے یا کنگھا کرنے میں بال گرے، اس پر بھی پورا صدقہ ہے اور بعض نے کہا دو تین بال تک ہر بال کے لیے ایک مٹھی اناج یا ایک ٹکڑا روٹی یا ایک چھوہارا۔)

اپنے آپ بغیر ہاتھ لگائے بال گر جائے یا بیماری سے تمام بال گر پڑیں تو کچھ نہیں۔ مُحرِم نے دوسرے مُحرِم کا سر مونڈا اس پر بھی صدقہ ہے، خواہ اُس نے اُسے حکم دیا ہو یا نہیں، خوشی سے مونڈایا ہو یا مجبور ہو کر اور غیر مُحرِم کا مونڈا تو کچھ خیرات کر دے۔ غیر مُحرِم

نے مُحرِم کا سر مونڈا اُس کے حکم سے یا بلا حکم تو مُحرِم پر کفارہ ہے اور مونڈنے والے پر صدقہ اور وہ مُحرِم اس مونڈنے والے سے اپنے کفارہ کا تاوان نہیں لے سکتا اور اگر مُحرِم نے غیر کی مونچھیں لیں یا ناخن تراشے تو مساکین کو کچھ صدقہ کھلا دے۔

مونڈنا، کترنا، موچنے سے لینا یا کسی چیز سے بال اُوڑانا، سب کا ایک حکم ہے۔ عورت پورے یا چہارم سر کے بال ایک پورے برابر کترے تو دَم دے اور کم میں صدقہ۔ (ردمحتار، عالمگیری، ابواب الجنایات فی الحج)

بغل کے بال مونڈنے سے وجوب دم کا بیان:

(وَإِنْ حَلَقَ الرَّقَبَةَ كُلَّهَا فَعَلَيْهِ دَمٌ) ؛ لِأَنَّهُ عُضْوٌ مَقْصُودٌ بِالْحَلْقِ (وَإِنْ حَلَقَ الْإِبْطَيْنِ أَوْ أَحَدَهُمَا فَعَلَيْهِ دَمٌ) ؛ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَقْصُودٌ بِالْحَلْقِ لِدَفْعِ الْأَذَى وَنَيْلِ الرَّاحَةِ فَأَشْبَهَ الْعَانَةَ .

ذَكَرَ فِي الْإِبْطَيْنِ الْحَلْقَ هَاهُنَا وَفِي الْأَصْلِ النَّتْفُ وَهُوَ السُّنَّةُ (وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ) رَحِمَهُمَا اللَّهُ (إذَا حَلَقَ عُضْوًا فَعَلَيْهِ دَمٌ ، وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ فَطَعَامٌ) أَرَادَ بِهِ الصَّدْرَ وَالسَّاقَ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ مَقْصُودٌ بِطَرِيقِ التَّنَوُّرِ فَتَتَكَامَلُ بِحَلْقِ كُلِّهِ وَتَتَقَاصَرُ عِنْدَ حَلْقِ بَعْضِهِ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے ساری گردن منڈوائی تو اس پر دم واجب ہے۔ کیونکہ وہ بھی ایسا عضو ہے جس کا حلق مقصود ہے۔ اور اسی طرح اگر اس نے دونوں بغل یا ان میں سے ایک کے بال مونڈے تو بھی اس دم واجب ہے۔ کیونکہ تکلیف کو دور کرنے اور آرام کے حصول کیلئے دونوں بغلوں میں سے ہر ایک کی منڈائی ارادے کے ساتھ کی جاتی ہے۔ لہذا یہ زیر ناف کے مشابہ ہو گیا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے یہاں بغلوں کے حلق کا لفظ استعمال کیا ہے جبکہ مبسوط میں نتف کا لفظ ذکر ہوا ہے اور یہی سنت ہے صاحبین نے کہا ہے کہ جب ایک عضو کا حلق کرے تو اس پر ایک دم واجب ہے۔ اگر عضو سے کم تو کھانا لازم ہے۔ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کی مراد یہ ہے کہ پنڈلی، سینہ اور ان کی طرح ہیں۔ وہ ہیں کیونکہ بطریقہ تنور یہی مقصود ہیں۔ لہذا ان کے کل حلق سے جرم کامل جبکہ بعض سے ناقص ہوگا۔

شرح

جب محرم سر کے چوتھائی سے کم یا داڑھی کے چوتھائی سے کم کا حلق کرے۔

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ (البقرة :) فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ (البقرة :) وَأَمَّا الْكَلَامُ بَيْنَ أَصْحَابِنَا فَمَبْنِيٌّ عَلَى أَنَّ حَلْقَ الْكَثِيرِ يُوجِبُ

الدَّمَ ، وَالْقَلِيلِ يُوجِبُ الصَّدَقَةَ ، وَاخْتَلَفُوا فِي الْحَدِّ الْفَاصِلِ بَيْنَ الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ ، فَجَعَلَ أَبُو حَنِيفَةَ مَا دُونَ الرُّبُعِ قَلِيلًا ، وَالرُّبُعَ وَمَا فَوْقَهُ كَثِيرًا (بدائع الصنائع،۵، ۱۵۱)

مونچھ کاٹنے والے پر وجوب طعام کا بیان:

(وَإِنْ أَخَذَ مِنْ شَارِبِهِ فَعَلَيْهِ) طَعَامٌ (حُكُومَةُ عَدْلٍ) وَمَعْنَاهُ أَنَّهُ يُنْظَرُ أَنَّ هَذَا الْمَأْخُوذَ كَمْ يَكُونُ مِنْ رُبُعِ اللِّحْيَةِ فَيَجِبُ عَلَيْهِ الطَّعَامُ بِحَسَبِ ذَلِكَ ، حَتَّى لَوْ كَانَ مَثَلًا مِثْلَ رُبُعِ الرُّبُعِ لَزِمَهُ قِيمَةُ رُبُعِ الشَّاةِ ، وَلَفْظَةُ الْأَخْذِ مِنْ الشَّارِبِ تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ هُوَ السُّنَّةُ فِيهِ دُونَ الْحَلْقِ ، وَالسُّنَّةُ أَنْ يُقَصَّ حَتَّى يُوَازِيَ الْإِطَارَ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے مونچھ کو کاٹا تو اس پر ایک حکومت عدل کا طعام ہے اور حکومت عدل کا معنی یہ ہے کہ وہ دیکھے کہ اس نے جتنی مونچھ کاٹی ہے وہ چوتھائی داڑھی سے کتنی ہے پس اسی کے مطابق طعام واجب ہے۔ یہاں تک کہ اگر چوتھائی داڑھی کا چوتھائی ہو تو اس پر ایک بکری کی قیمت کا چوتھائی لازم ہے۔ اور اخذ من شارب کے لفظ کی دلالت بھی اسی پر ہے۔ کیونکہ مونچھ کتروانا سنت ہے حلق کروانا سنت نہیں ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ مونچھ اتنی مقدار میں کاٹے کہ اطار کے مقابل ہو جائے۔

شرح

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مونچھ ایک خاص عضو ہے جس کا حلق کروانا مقصود ہوتا ہے۔ لہذا اس میں جنایت کاملہ پائی گئی اور اس میں ایک دم واجب ہوگا۔ اس کے عضو کاملہ ہونے کی دلیل اس حدیث سے بیان کی گئی ہے۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس چیزیں فطرت میں سے ہیں۔ مونچھیں کاٹنا، داڑھی کو معاف رکھنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن کاٹنا، جوڑوں کا دھونا، بغل کے بال صاف کرنا، زیر ناف بال مونڈنا، استنجا کرنا۔ مصعب کہتے ہیں کہ میں دسویں بات بھول گیا، شاید یہ کلی کرنا ہو۔ (مسلم، کتاب الطہارہ، حدیث (261)

صاحب مُغرب نے کہا ہے کہ اطار ہونٹ کے اس گوشت کو کہتے ہیں جو مونچھ سے ملنے والا ہے۔ اور مونچھ کتروانا سنت ہے حلق سنت نہیں ہے اس کی دلیل قص شارب جو حدیث میں استعمال ہوا ہے جس کا معنی مونچھوں کو کاٹنا سنت ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج، ص، بیروت)

پچھنے والی جگہ کا حلق کیا تو وجوب دم کا بیان:

قَالَ (وَإِنْ حَلَقَ مَوْضِعَ الْمَحَاجِمِ فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) رَحِمَهُ اللَّهُ (وَقَالَا : عَلَيْهِ صَدَقَةٌ) ؛ لِأَنَّهُ إِنَّمَا يَحْلِقُ الْحِجَامَةَ وَهِيَ لَيْسَتْ مِنْ الْمَحْظُورَاتِ فَكَذَا مَا يَكُونُ

وَسِيلَةً إِلَيْهَا ، وَإِلَّا أَنَّ فِيهِ إِزَالَةَ شَيْءٍ مِنْ التَّفَثِ فَتَجِبُ الصَّدَقَةُ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ حَلْقَهُ مَقْصُودٌ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَوَسَّلُ إِلَى الْمَقْصُودِ إِلَّا بِهِ ، وَقَدْ وُجِدَ إِزَالَةُ التَّفَثِ عَنْ عُضْوٍ كَامِلٍ فَيَجِبُ الدَّمُ .

ترجمہ:

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر اس نے پچھنے والی جگہ کا حلق کروایا تو اس پر دم واجب ہے۔ جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ اس پر صدقہ واجب ہے۔ کیونکہ اس نے صرف پچھنے لگوانے کی وجہ سے حلق کروایا ہے۔ اور پچھنا لگوانا ممنوعات میں سے نہیں ہے۔ اور اسی طرح اس میں بھی نہ ہوگا جو اس کا وسیلہ ہے۔ البتہ اس میں کچھ آلودگی دور کرنے کیلئے مونڈنا ہے لہذا صدقہ واجب ہوگا۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ حلق کروانا مقصود ہے لہذا اس کو وسیلہ نہیں کہا جائے گا کیونکہ یہ خود حلق ہے۔ اور ایک کامل عضو سے آلودگی کو دور پایا جا رہا ہے لہذا دم واجب ہے۔

حالت احرام میں پچھنے لگوانے کا بیان:

حضرت عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ جو بحینہ کے بیٹے ہیں، کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے راستے میں لحی جمل کے مقام پر بحالت احرام اپنے سر کے بیچوں بیچ سینگی کھنچوائی۔ (بخاری ومسلم)

مالک، حضرت عبداللہ کے باپ کا نام ہے اور بحینہ ان کی ماں کا نام ہے گویا ابن بحینہ، حضرت عبداللہ کی دوسری صفت ہے اسی لئے، عبداللہ بن مالک ابن بحینہ، میں مالک کو تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں اور ابن بحینہ، میں الف لکھا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب سر کے بیچوں بیچ پچھنے لگوائے تو سر مبارک کے بال کچھ نہ کچھ ضرور ٹوٹے ہوں گے لہٰذا یہ حدیث ضرورت پر محمول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی عذر وضرورت کی بناء پر سر میں پچھنے لگوائے تھے، چنانچہ اگر محرم کسی ایسی جگہ پچھنے لگوائے جہاں بال ہوں تو اس پر فدیہ واجب نہیں ہوتا۔

اگر کوئی محرم سر کے بال چوتھائی حصہ سے کم منڈوائے یا پچھنے وغیرہ کی وجہ سے اس کے سر کے چوتھائی حصہ سے کم بال ٹوٹ جائیں تو اس پر صدقہ واجب ہوگا یعنی وہ بطور جزاء یا تو کسی بھوکے کے پیٹ بھر کھانا کھلا دے یا اسے نصف صاع گیہوں دے دے۔ اگر کوئی محرم بلا عذر چوتھائی سر سے زیادہ منڈوا دے یا بلا عذر پچھنے لگوالے اور اس کی وجہ سے چوتھائی سر سے زیادہ بال ٹوٹ جائیں تو اس پر دم واجب ہوگا یعنی وہ بطور جزاء ایک بکری یا اس کی مانند کوئی جانور ذبح کرے اور اگر کوئی کسی عذر کی بناء پر چوتھائی سر سے زیادہ منڈوائے یا کسی عذر کی وجہ سے پچھنے لگوائے اور اس کی وجہ سے چوتھائی سر سے زائد بال ٹوٹ جائیں تو اسے تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کا اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ ایک بکری ذبح کرے، چاہے نصف صاع فی مسکین کے حساب سے چھ مسکینوں کو

تین صاع گیہوں دے اور چاہے تین روزے رکھے خواہ تین روزے مسلسل رکھ لے یا متفرق طور پر۔

اگر کوئی محرم پچھنے لگوانے کی وجہ سے محاجم یعنی پچھنوں کی جگہ سے بال منڈوائے تو اس صورت میں امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک تو اس پر دم واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک صدقہ۔

پچھنوں کی جگہ سے گردن کے دونوں کنارے اور گدی مراد ہے، اس لئے اگر کوئی پوری گردن منڈوائے گا تو پھر متفقہ طور پر سب کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا اور اگر پوری سے کم منڈوائے گا تو صدقہ واجب ہوتا ہے! خود بخود بال ٹوٹنے سے کچھ بھی واجب نہیں ہوتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام کی حالت میں اپنے پیر کی پشت پر پچھنے لگوائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درد تھا۔ (ابوداؤد، نسائی)

پیر کی پشت پر چونکہ بال نہیں ہوتے اور وہاں پچھنے لگوانے سے بال ٹوٹنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے اس حدیث میں کوئی اشکال نہیں ہے اور پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عذر یعنی درد کی وجہ سے یہ پچھنے لگوائے تھے۔

حالق ومحلوق پر وجوب دم کا بیان:

(وَإِنْ حَلَقَ رَأْسَ مُحْرِمٍ بِأَمْرِهِ أَوْ بِغَيْرِ أَمْرِهِ فَعَلَى الْحَالِقِ الصَّدَقَةُ ، وَعَلَى الْمَحْلُوقِ دَمٌ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجِبُ إنْ كَانَ بِغَيْرِ أَمْرِهِ بِأَنْ كَانَ نَائِمًا ؛ لِأَنَّ مِنْ أَصْلِهِ أَنَّ الْإِكْرَاهَ يُخْرِجُ الْمُكْرَهَ مِنْ أَنْ يَكُونَ مُؤَاخَذًا بِحُكْمِ الْفِعْلِ وَالنَّوْمُ أَبْلَغُ مِنْهُ .

وَعِنْدَنَا بِسَبَبِ النَّوْمِ وَالْإِكْرَاهِ يَنْتَفِي الْمَأْثَمُ دُونَ الْحُكْمِ وَقَدْ تَقَرَّرَ سَبَبُهُ ، وَهُوَ مَا نَالَ مِنْ الرَّاحَةِ وَالزِّينَةِ فَيَلْزَمُهُ الدَّمُ حَتْمًا ، بِخِلَافِ الْمُضْطَرِّ حَيْثُ يَتَخَيَّرُ ؛ لِأَنَّ الْآفَةَ هُنَاكَ سَمَاوِيَّةٌ وَهَاهُنَا مِنْ الْعِبَادِ ، ثُمَّ لَا يَرْجِعُ الْمَحْلُوقُ رَأْسَهُ عَلَى الْحَالِقِ ؛ لِأَنَّ الدَّمَ إنَّمَا لَزِمَهُ بِمَا نَالَ مِنْ الرَّاحَةِ فَصَارَ كَالْمَغْرُورِ فِي حَقِّ الْعُقْرِ ، وَكَذَا إذَا كَانَ الْحَالِقُ حَلَالًا لَا يَخْتَلِفُ الْجَوَابُ فِي حَقِّ الْمَحْلُوقِ رَأْسُهُ ، وَأَمَّا الْحَالِقُ تَلْزَمُهُ الصَّدَقَةُ فِي مَسْأَلَتِنَا فِي الْوَجْهَيْنِ . وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافُ إذَا حَلَقَ الْمُحْرِمُ رَأْسَ حَلَالٍ . لَهُ أَنَّ مَعْنَى الِارْتِفَاقِ لَا يَتَحَقَّقُ بِحَلْقِ شَعْرِ غَيْرِهِ وَهُوَ الْمُوجِبُ .

وَلَنَا أَنَّ إزَالَةَ مَا يَنْمُو مِنْ بَدَنِ الْإِنْسَانِ مِنْ مَحْظُورَاتِ الْإِحْرَامِ ؛ لِاسْتِحْقَاقِهِ الْأَمَانَ

بِمَنْزِلَةِ نَبَاتِ الْحَرَمِ فَلَا يَفْتَرِقُ الْحَالُ بَيْنَ شَعْرِهِ وَشَعْرِ غَيْرِهِ إلَّا أَنَّ كَمَالَ الْجِنَايَةِ فِي شَعْرِهِ .

ترجمہ:

اور ایک احرام والے نے دوسرے محرم کے سر کا حلق کیا خواہ اس کے حکم سے کرے یا بغیر حکم کے کرے تو حالق پر صدقہ واجب ہے اور محلوق پر دم واجب ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے اگر بغیر حکم کے اس نے حلق کیا اس طرح کہ وہ سویا ہوا تھا تو محلوق پر دم واجب نہیں ہے۔ اس میں امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ حالت اکراہ ہے لہذا مجبوری کی وجہ سے مواخذہ کا حکم خارج ہو جائے گا۔ جبکہ نیند مجبوری سے بھی بڑھ کر ہے۔

ہمارے نزدیک نیند اور مجبوری سے گنا دور ہو جاتا ہے حکم دور نہیں ہوتا کیونکہ اس کا سبب ثابت ہے۔ اور وہ سبب خوبصورتی وراحت حاصل کرنا ہے۔ لہذا یقینی طور پر دم واجب ہوگا۔ بہ خلاف حالت اضطراری کے کیونکہ وہاں آسمانی مجبوری ہے اور یہاں بندوں کی طرف سے ہے۔ اس کے بعد محلوق حالق سے رجوع نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس پر دم اس راحت کی وجہ سے واجب ہے جو اس کو حاصل ہے۔ لہذا محلوق عقر کے حق میں مغرور کی طرح ہو گیا اور اسی طرح اگر حالق حلال ہو تو محلوق کے حق میں حکم مختلف نہ ہوگا البتہ حالق کیلئے ہمارے نزدیک ان دونوں صورتوں میں اس پر صدقہ واجب ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ حالق پر کچھ واجب نہ ہوگا اسی اختلاف کی بنیاد پر جب کسی محرم نے غیر محرم کے سر کا حلق کر دیا۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کے بال مونڈنے میں راحت کے فائدے کا معنی ثابت نہیں ہوتا جبکہ موجب فدیہ یہی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ انسان کے جسم سے جو چیز بھی اگتی ہے اس کو دور کرنا ممنوعات احرام میں سے ہے۔ کیونکہ جسم سے اگنے والی چیز امن کی مستحق ہے جس طرح حرم کی گھاس ہے لہذا اپنے بالوں اور دوسروں کے بالوں میں فرق نہ ہوگا۔ البتہ مکمل جنایت اپنے بالوں میں ہے۔

حالق ومحلوق کے فدیے میں مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر کسی حلال نے حلق کیا یا محرم نے حلق کیا اور محلوق نے حکم نہ دیا تھا یا وہ سویا ہوا تھا یا وہ مجبور تھا یا اس پر غشی طاری تھی۔ تو دونوں اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے حالق پر فدیہ ہے۔

حضرت امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ کیونکہ تقصیر اسی کی طرف سے ہوئی ہے اور محلوق کی طرف سے کوئی تقصیر نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا دوسرا مذہب ہے وہ فرماتے ہیں کہ محلوق پر فدیہ ہے۔اور علامہ مزنی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔
حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر محلوق نے حکم دیا تھا تو محلوق پر فدیہ ہے۔اور حالق پر کچھ واجب نہیں ہے۔یہ ان کا ایک قول ہے۔

حضرت امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔کیونکہ حالق کے فعل کی اضافت اس کی طرف ہو خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم ہو۔حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: مجبوری کی وجہ سے مواخذہ خارج ہو جاتا ہے۔اور مجبوری نیند کے فعل سے بھی بڑی ہے۔

ہمارے نزدیک مجبوری سے حکم معصیت آخرت میں نہ ہوگا جبکہ دنیا میں فعل کا صدور ہو جاتا ہے۔اور دنیاوی حکم اس پر صادر کیا جائے گا۔(البنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۲۴۰، حقانیہ ملتان)

اور اگر مُحرِم نے دوسرے مُحرِم کا سر مونڈا اس پر بھی صدقہ ہے، خواہ اُس نے اُسے حکم دیا ہو یا نہیں، خوشی سے مونڈایا ہو یا مجبور ہو کر اور غیر مُحرِم کا مونڈا تو کچھ خیرات کر دے۔

اور جب کسی غیر مُحرِم نے مُحرِم کا سر مونڈا اُس کے حکم سے یا بلا حکم تو مُحرِم پر کفارہ ہے اور مونڈنے والے پر صدقہ اور وہ مُحرِم اس مونڈنے والے سے اپنے کفارہ کا تاوان نہیں لے سکتا اور اگر مُحرِم نے غیر کی مونچھیں لیں یا ناخن تراشے تو مساکین کو کچھ صدقہ کھلا دے۔(فتاویٰ عالمگیری، کتاب الحج)

جب محرم نے غیر محرم کی مونچھیں مونڈ دیں تو حکم صدقہ:

(فَإِنْ أَخَذَ مِنْ شَارِبِ حَلَالٍ أَوْ قَلَّمَ أَظَافِيرَهُ أَطْعَمَ مَا شَاءَ) وَالْوَجْهُ فِيهِ مَا بَيَّنَّا . وَلَا يَعْرَى عَنْ نَوْعِ ارْتِفَاقٍ ؛ لِأَنْ يَتَأَذَّى بِتَفَثِ غَيْرِهِ وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ التَّأَذِّي بِتَفَثِ نَفْسِهِ فَيَلْزَمُهُ الطَّعَامُ (وَإِنْ قَصَّ أَظَافِيرَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَعَلَيْهِ دَمٌ) ؛ لِأَنَّهُ مِنْ الْمَحْظُورَاتِ لِمَا فِيهِ مِنْ قَضَاءِ التَّفَثِ وَإِزَالَةِ مَا يَنْمُو مِنْ الْبَدَنِ ، فَإِذَا قَلَّمَهَا كُلَّهَا فَهُوَ ارْتِفَاقٌ كَامِلٌ فَيَلْزَمُهُ الدَّمُ ، وَلَا يُزَادُ عَلَى دَمٍ إنْ حَصَلَ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ ؛ لِأَنَّ الْجِنَايَةَ مِنْ نَوْعٍ وَاحِدٍ ، فَإِنْ كَانَ فِي مَجَالِسَ فَكَذَلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ ؛ لِأَنَّ مَبْنَاهَا عَلَى التَّدَاخُلِ فَأَشْبَهَ كَفَّارَةَ الْفِطْرِ إلَّا إذَا تَخَلَّلَتْ الْكَفَّارَةُ لِارْتِفَاعِ الْأُولَى بِالتَّكْفِيرِ .
وَعَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَجِبُ أَرْبَعَةُ دِمَاءٍ إنْ قَلَّمَ فِي كُلِّ مَجْلِسٍ يَدًا أَوْ رِجْلًا ؛ لِأَنَّ الْغَالِبَ فِيهِ مَعْنَى الْعِبَادَةِ فَيَتَقَيَّدُ التَّدَاخُلُ بِاتِّحَادِ الْمَجْلِسِ كَمَا فِي آيِ السَّجْدَةِ .

ترجمہ:

اگر کسی محرم نے غیر محرم کی مونچھ یا ناخن کاٹے تو کھانے میں سے جو چاہے صدقہ دے۔اس کی دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔کیونکہ یہ ایک قسم کی راحت سے خالی نہیں ہے کیونکہ غیر سے میل کچیل کو دور کرنے والا ہے جس سے خود تکلیف محسوس کرنے والا ہے اگرچہ اپنی میل کچیل سے کم تکلیف محسوس کرنے والا ہے۔لہذا اس پر طعام ضروری ہے۔

اگر محرم نے اپنے دونوں ہاتھوں اور اپنے دونوں پاؤں کے ناخن تراش لیے تو اس پر دم واجب ہے اسلئے کہ یہ احرام کے ممنوعات میں سے ہے۔اور یہ بھی دلیل یہ ہے کہ اپنے میل کچیل کو دور کرنا ہے اور بدن سے اگنے والی چیز کو زائل کرنا ہے۔لہذا جب محرم نے تمام ناخنوں کو تراش لیا تو یہ کامل راحت بن گئی اس لئے اس پر قربانی واجب ہوگئی اور ایک دم پر زیادتی نہیں کی جائے گی البتہ شرط یہ ہے کہ تمام ناخنوں کا کاٹنا ایک ہی مجلس واقع ہو۔کیونکہ جرم ایک ہی قسم کا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس طرح حکم ہے خواہ مجلس مختلف ہی کیوں نہ ہو۔کیونکہ اس مسئلہ کی بناء مداخلت پر ہے لہذا یہ افطار کے کفارے کے مشابہ ہو گیا۔لیکن جب کفارہ درمیان میں واقع ہو کیونکہ وہ پہلا جرم کفارہ دینے کی وجہ سے دور ہو چکا ہے۔

شیخین کے نزدیک اس پر چار قربانیاں واجب ہیں۔اگر اس نے ہر مجلس میں ایک پاؤں یا ایک ہاتھ کے ناخن تراش لیے کیونکہ کفارے میں عبادت کا معنی (ثواب) غالب ہے لہذا مداخلت اتحاد مجلس کے ساتھ مقید ہوگی۔جس آیات سجدہ میں ہوتا ہے۔

مونچھ یا ناخن کاٹنے پر وجوب صدقہ میں مذاہب اربعہ کا بیان:

حضرت عطاء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مونچھ کا کاٹ لینا یا ناخن کاٹنا یہ محرم کے ممنوعات میں سے ہے۔کیونکہ یہ ایک ہی چیز ہے اس میں مذاہب اربعہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔لہذا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک دم واجب ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۲۳۳، حقانیہ ملتان)

اس مسئلہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس میں اتحاد مجلس اور اختلاف مجلس کا اعتبار کیا گیا ہے۔لہذا اتحاد مجلس کی قید کے ساتھ اس کو مقید کیا گیا ہے۔

ایک ہاتھ ایک پاؤں کے پانچوں ناخن کترے یا بیسوں ایک ساتھ تو ایک دَم ہے اور اگر کسی ہاتھ یا پاؤں کے پورے پانچ نہ کترے تو ہر ناخن پر ایک صدقہ، یہاں تک کہ اگر چاروں ہاتھ پاؤں کے چار چار کترے تو سولہ صدقے دے مگر یہ کہ صدقوں کی قیمت ایک دَم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم کر لے یا دَم دے اور اگر ایک ہاتھ یا پاؤں کے پانچوں ایک جلسہ میں اور دوسرے کے پانچوں دوسرے جلسہ میں کترے تو دو دَم لازم ہیں اور چاروں ہاتھ پاؤں کے چار جلسوں میں تو چار دَم۔اور اگر کوئی ناخن ٹوٹ گیا کہ بڑھنے کے قابل نہ رہا، اس کا بقیہ اُس نے کاٹ لیا تو کچھ نہیں۔

ایک ہی جلسہ میں ایک ہاتھ کے پانچوں ناخن تراشے اور چہارم سر مونڈایا اور کسی عضو پر خوشبو لگائی تو ہر ایک پر ایک ایک دم یعنی تین دَم واجب ہیں۔مُحرِم نے دوسرے کے ناخن تراشے تو وہی حکم ہے جو دوسرے کے بال مونڈنے کا ہے۔(مسک)

ایک ہاتھ اور پاؤں کے ناخن تراشنے پر وجوب دم کا بیان:

(وَإِنْ قَصَّ يَدًا أَوْ رِجْلًا فَعَلَيْهِ دَمٌ) إقَامَةٌ لِلرُّبُعِ مَقَامَ الْكُلِّ كَمَا فِي الْحَلْقِ (وَإِنْ قَصَّ أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ أَظَافِيرَ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ) مَعْنَاهُ تَجِبُ بِكُلِّ ظُفْرٍ صَدَقَةٌ .

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَجِبُ الدَّمُ بِقَصِّ ثَلَاثَةٍ مِنْهَا ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ الْأَوَّلُ ؛ لِأَنَّ فِي أَظَافِيرِ الْيَدِ الْوَاحِدَةِ دَمًا ، وَالثَّلَاثُ أَكْثَرُهَا .

وَجْهُ الْمَذْكُورِ فِي الْكِتَابِ أَنَّ أَظَافِيرَ كَفٍّ وَاحِدٍ أَقَلُّ مَا يَجِبُ الدَّمُ بِقَلْمِهِ وَقَدْ أَقَمْنَاهَا مَقَامَ الْكُلِّ ، فَلَا يُقَامُ أَكْثَرُهَا مَقَامَ كُلِّهَا ؛ لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إلَى مَا لَا يَتَنَاهَى

ترجمہ:

اگر محرم نے ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے تمام ناخن تراش دیئے تو اس پر دم واجب ہے کیونکہ چوتھائی کل کے قائم مقام ہے۔ جس طرح حلق میں ہے۔اور اگر محرم نے پانچ سے کم تراشے تو صدقہ واجب ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ ہر ناخن کیلئے صدقہ ہے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ کے نزدیک تین ناخن تراشنے میں دم واجب ہو جائے گا۔حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا پہلا قول بھی اسی طرح ہے۔کیونکہ ایک ہاتھ کے ناخنوں میں دم واجب ہے اور تین ان کا اکثر ہے جو کتاب میں مذکور ہے اور ایک ہاتھ کے ناخن اس کا کم از کم درجہ ہیں جس کے کاٹنے سے دم واجب ہوتا ہے اور ہم نے اس کو کل کے قائم مقام کر دیا ہے۔لہذا ایک ہاتھ کے اکثر کو کل کے قائم مقام نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس طرح یہ ان کا سبب ہوگا جن کی انتہاء ہی نہ ہو۔

شرح

اس مسئلہ میں چوتھائی کو کل کے قائم مقام کیا گیا ہے۔جس طرح سر کے حلق کا مسئلہ ہے کہ اگر اس میں چوتھائی حصے کا حلق کروایا جائے تو شرعی طور پر وہ محلق کہلائے گا۔اسی طرح جب اس نے ایک ہاتھ یا پاؤں کے ناخن کاٹے تو بھی عضو کامل کا اعتبار کرتے ہوئے اس پر دم واجب ہوگا۔

دونوں ہاتھوں اور پاؤں کے پانچ سے کم ناخن تراشنے پر وجوب صدقہ ودم کا بیان:

(وَإِنْ قَصَّ خَمْسَةَ أَظَافِيرَ مُتَفَرِّقَةٍ مِنْ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ) رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى (وَقَالَ مُحَمَّدٌ) : رَحِمَهُ اللَّهُ (عَلَيْهِ دَمٌ) اعْتِبَارًا بِمَا لَوْ

قَصَّهَا مِنْ كَفٍّ وَاحِدٍ ، وَبِمَا إذَا حَلَقَ رُبُعَ الرَّأْسِ مِنْ مَوَاضِعَ مُتَفَرِّقَةٍ .

وَلَهُمَا أَنَّ كَمَالَ الْجِنَايَةِ بِنَيْلِ الرَّاحَةِ وَالزِّينَةِ وَبِالْقَلْمِ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ يَتَأَذَّى وَيَشِينُهُ ذَلِكَ ، بِخِلَافِ الْحَلْقِ ؛ لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ عَلَى مَا مَرَّ .

وَإِذَا تَقَاصَرَتْ الْجِنَايَةُ تَجِبُ فِيهَا الصَّدَقَةُ فَيَجِبُ بِقَلْمِ كُلِّ ظُفْرٍ طَعَامُ مِسْكِينٍ ، وَكَذَلِكَ لَوْ قَلَّمَ أَكْثَرَ مِنْ خَمْسَةٍ مُتَفَرِّقًا لَا أَنْ يَبْلُغَ ذَلِكَ دَمًا فَحِينَئِذٍ يَنْقُصُ عَنْهُ مَا شَاءَ .

ترجمہ:

شیخین کے نزدیک جب محرم دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کے پانچ ناخن مختلف جگہوں سے تراشے تو اس پر صدقہ واجب ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس پر دم واجب ہے۔اور اس کو اس پر بات پر قیاس کریں گے جب اس نے ایک ہاتھ کے پانچ ناخن کاٹے ہوں۔اور اسی طرح یہ قیاس کرتے ہوئے کہ جب اس نے چوتھائی سر کا حلق مختلف جگہوں سے کروایا ہو۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اس کا یہ کامل جرم راحت وزینت کے حصول کی وجہ بنا ہے کیونکہ کتروانے سے اذیت محسوس کرتا ہے اور اس کو یہ حالت عیب دار کرنے والی ہے بہ خلاف سر کو منڈوانے کے کیونکہ وہ معتاد ہے جس طرح گزر چکا ہے اور جب جنایت ناقص ہو تو اس میں صدقہ واجب ہے لہذا ہر ناخن کے کاٹنے سے مسکین کو طعام دینے واجب ہوگا۔اور اسی طرح اگر اس نے پانچ ناخنوں سے زیادہ مختلف جگہوں کٹوایا اور ان سب کو اکٹھا کریں تو دم کو پہنچ جائیں تو تب وہ اس کی قیمت سے جو چاہے کم کرے۔

ایک ہاتھ یا پیر کے ناخن کاٹنے والے بارے میں فقہی حکم:

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (الحج:) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ ، قَالَ : التَّفَثُ : حَلْقُ الْعَانَةِ , وَنَتْفُ الإِبْطِ , وَالأَخْذُ مِنَ الشَّارِبِ , وَتَقْلِيمُ الأَظْفَارِ (مصنف ابن ابی شیبة فِي قَوْلِهِ تَعَالَى : (لِيَقْضُوا تَفَثَهُم) : ٪) وَأَمَّا قَلْمُ الظُّفْرِ فَنَقُولُ : لَا يَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ قَلْمُ أَظْفَارِهِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ) وَقَلْمُ الْأَظْفَارِ مِنْ قَضَاءِ التَّفَثِ ، رَتَّبَ اللَّهُ تَعَالَى قَضَاءَ التَّفَثِ عَلَى الذَّبْحِ ؛ لِأَنَّهُ ذَكَرَهُ بِكَلِمَةٍ مَوْضُوعَةٍ لِلتَّرْتِيبِ مَعَ التَّرَاخِي بِقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ : (لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ) ، فَلَا يَجُوزُ الذَّبْحُ ؛ وَلِأَنَّهُ ارْتِفَاقٌ بِمَرَافِقِ الْمُقِيمِينَ ، وَالْمُحْرِمُ مَمْنُوعٌ عَنْ ذَلِكَ ؛ وَلِأَنَّهُ نَوْعُ نَبَاتٍ اسْتَفَادَ الْأَمْنَ بِسَبَبِ الْإِحْرَامِ فَيَحْرُمُ التَّعَرُّضُ لَهُ كَالنَّوْعِ الْآخَرِ ، وَهُوَ النَّبَاتُ الَّذِي اسْتَفَادَ الْأَمْنَ بِسَبَبِ الْحَرَمِ فَإِنْ قَلَّمَ أَظَافِيرَ يَدٍ أَوْ رِجْلٍ مِنْ غَيْرِ

عُذرٍ وَضَرُورَةٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ ؛ لِأَنَّهُ ارْتِفَاقٌ كَامِلٌ فَتَكَامَلَتِ الْجِنَايَةُ فَتَجِبُ كَفَّارَةٌ كَامِلَةٌ . (بدائع الصنائع ۱۵۹/۵) .

جب محرم نے ٹوٹے ہوئے ناخن کو کاٹ دیا:

قَالَ : (وَإِنْ انْكَسَرَ ظُفُرُ الْمُحْرِمِ وَتَعَلَّقَ فَأَخَذَهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) ؛ لِأَنَّهُ لَا يَنْمُو بَعْدَ الِانْكِسَارِ فَأَشْبَهَ الْيَابِسَ مِنْ شَجَرِ الْحَرَمِ

ترجمہ:

فرمایا: جب محرم کا ناخن ٹوٹ گیا پس وہ لٹک گیا پھر محرم نے اس کو پکڑ لیا تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ٹوٹنے کے بعد بڑھنے والا نہیں ہے لہذا وہ حرم کے خشک درخت کے مشابہ ہوگیا ہے۔

ناخن کے ٹوٹنے پر عدم دم کے وجوب میں مذاہب اربعہ:

صاحب ہدایہ نے محرم کے ناخن کو ٹوٹ جانے کی صورت میں اس کو حرم والے خشک درخت کے ساتھ مشابہ قرار دیا ہے اور حکم بھی اسی کے مطابق ہوگا کہ جس طرح وہاں کچھ واجب نہیں ہے اسی طرح ناخن کے ٹوٹنے پر بھی کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور ان دونوں مسائل کے درمیان علت مشترک کہ عدم نمو ہے کیونکہ وہ درخت خشک ہونے کے بعد بڑھنے والا نہیں ہے اور اسی طرح یہ ناخن بھی ٹوٹنے کے بعد بڑھنے والا نہیں ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ابن منذر نے اشراف میں کہا ہے۔ کہ اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔ کہ اپنے سے ٹوٹی چیز کو دور کرنے والا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ سعید بن میتب، سعید بن جبیر، مجاہد، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، حمیدی، اسحاق اور ابوثور نے اسی طرح کہا ہے۔

مذاہب فقہاء میں سے حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ اور احناف کا مؤقف تو صاحب ہدایہ کی عبارت سے واضح ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص ۲۴۸، حقانیہ ملتان)

خوشبو لگانے، کپڑے پہننے اور حلق کروانے میں عذر کا بیان:

(وَإِنْ تَطَيَّبَ أَوْ لَبِسَ مَخِيطًا أَوْ حَلَقَ مِنْ عُذْرٍ فَهُوَ مُخَيَّرٌ إنْ شَاءَ ذَبَحَ وَإِنْ شَاءَ تَصَدَّقَ عَلَى سِتَّةِ مَسَاكِينَ بِثَلَاثَةِ أَصْوُعٍ مِنْ الطَّعَامِ وَإِنْ شَاءَ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ) وَكَلِمَةُ أَوْ لِلتَّخْيِيرِ وَقَدْ فَسَّرَهَا رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِمَا ذَكَرْنَا ، وَالْآيَةُ نَزَلَتْ فِي الْمَعْذُورِ ثُمَّ الصَّوْمُ يُجْزِيهِ فِي أَيِّ مَوْضِعٍ

شَاءَ ؛ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ فِي كُلِّ مَكَانٍ ، وَكَذَلِكَ الصَّدَقَةُ عِنْدَنَا لِمَا بَيَّنَّا .

وَأَمَّا النُّسُكُ فَيَخْتَصُّ بِالْحَرَمِ بِالِاتِّفَاقِ ؛ لِأَنَّ الْإِرَاقَةَ لَمْ تُعْرَفْ قُرْبَةً إلَّا فِي زَمَانٍ أَوْ مَكَانٍ ، وَهَذَا الدَّمُ لَا يَخْتَصُّ بِزَمَانٍ فَتَعَيَّنَ اخْتِصَاصُهُ بِالْمَكَانِ ، وَلَوْ اخْتَارَ الطَّعَامَ أَجْزَأَهُ فِيهِ التَّغْدِيَةُ وَالتَّعْشِيَةُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ اعْتِبَارًا بِكَفَّارَةِ الْيَمِينِ .

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يُجْزِيهِ ؛ لِأَنَّ الصَّدَقَةَ تُنْبِئُ عَنْ التَّمْلِيكِ وَهُوَ الْمَذْكُورُ .

ترجمہ:

اگر محرم نے عذر کے پیش نظر خوشبو لگائی یا سلا ہوا کپڑا پہنا یا حلق کروایا تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو وہ ایک بکری ذبح کرے اور چاہے تو وہ چھ مسکینوں پر تین صاع کھانے کا صدقہ کرے اور اگر وہ چاہے تو تین دن کے روزے رکھے کیونکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: پس اس پر روزوں کا فدیہ یا صدقہ یا قربانی کا حکم ہے۔ کلمہ ''او'' اختیار کیلئے آتا ہے۔ اور اس آیت کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ اشیاء کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ آیت عذر والوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ بہر حال جہاں چاہے روزہ رکھے کیونکہ روزہ ہر جگہ عبادت ہے۔ اور ہمارے نزدیک صدقہ بھی اسی طرح ہے اور اس کی دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں البتہ قربانی کرنے کا مسئلہ تو بہ اتفاق حرم کے ساتھ خاص ہے کیونکہ خون کا بہانا بطور عبادت معلوم نہیں ہے۔ البتہ زمان ومکان ہے۔ اور یہ دم کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے لہذا اس کی تخصیص مکان کے ساتھ متعین ہوگئی۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر عذر والا محرم اس کو صبح کا کھانا کھلائے اور شام کا کھانا کھلائے تو کافی ہے اسے کفارہ یمین پر قیاس کیا گیا ہے۔ جبکہ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک کافی نہیں ہے کیونکہ صدقہ تملیک کی خبر دیتا ہے اور یہی صدقہ ذکر کیا گیا ہے۔

فدیہ صیام میں اتفاق مذاہب اربعہ کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ فدیے کے روزے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ کیونکہ روزہ ہر جگہ عبادت ہے اور کی عمل سے ثواب حاصل ہوگا۔

صدقے کے فدیے میں مذاہب اربعہ کا بیان:

فقہاء احناف کے نزدیک وہ صدقہ جہاں دینا چاہے دے سکتا ہے۔ جبکہ حضرت امام شافعی نے کہا ہے کہ صدقہ حرم میں دینا ضروری ہے۔ اور امام احمد علیہ الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ البتہ بکری کا ذبح کرنا حرم کے ساتھ خاص ہے اور اس میں ہمارے اور شافع کے نزدیک اتفاق ہے۔

حضرت امام مالک علیہا الرحمہ نے کہا ہے کہ جب اس نے حرم میں ذبح کیا اور اس کا گوشت میں حل میں ہے تو جائز ہے اسی

طرح ہمارا قول ہے جس امام حسن بصری نے کہا ہے ہر شخص پر دم واجب ہے مگر یہ کہ وہ مکہ میں ذبح کرے۔اور حضرت مجاہد سے اسی کی مثل روایت ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ،۵،ص،۲۴۹،حقانیہ ملتان)

شہوت سے دیکھنے میں انزال پر عدم دم وکفارے کا بیان:

(فَإِنْ نَظَرَ إِلَى فَرْجِ امْرَأَتِهِ بِشَهْوَةٍ فَأَمْنَى لَا شَيْءَ عَلَيْهِ) ؛ لِأَنَّ الْمُحَرَّمَ هُوَ الْجِمَاعُ وَلَمْ يُوجَدْ فَصَارَ كَمَا لَوْ تَفَكَّرَ فَأَمْنَى (وَإِنْ قَبَّلَ أَوْ لَمَسَ بِشَهْوَةٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ) وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ يَقُولُ : إذَا مَسَّ بِشَهْوَةٍ فَأَمْنَى ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إذَا أَنْزَلَ أَوْ لَمْ يُنْزِلْ ذَكَرَهُ فِي الْأَصْلِ .وَكَذَا الْجَوَابُ فِي الْجِمَاعِ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ .

وَعَنْ الشَّافِعِيِّ أَنَّهُ إنَّمَا يُفْسِدُ إحْرَامَهُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ إذَا أَنْزَلَ وَاعْتَبَرَهُ بِالصَّوْمِ .

وَلَنَا أَنَّ فَسَادَ الْحَجِّ يَتَعَلَّقُ بِالْجِمَاعِ وَلِهَذَا لَا يَفْسُدُ بِسَائِرِ الْمَحْظُورَاتِ ، وَهَذَا لَيْسَ بِجِمَاعٍ مَقْصُودٍ فَلَا يَتَعَلَّقُ بِهِ مَا يَتَعَلَّقُ بِالْجِمَاعِ إلَّا أَنَّ فِيهِ مَعْنَى الِاسْتِمْتَاعِ وَالِارْتِفَاقِ بِالْمَرْأَةِ وَذَلِكَ مَحْظُورُ الْإِحْرَامِ فَيَلْزَمُهُ الدَّمُ بِخِلَافِ الصَّوْمِ ؛ لِأَنَّ الْمُحَرَّمَ فِيهِ قَضَاءُ الشَّهْوَةِ ، وَلَا يَحْصُلُ بِدُونِ الْإِنْزَالِ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ .

ترجمہ:

اگر محرم نے اپنی بیوی کی فرج کو شہوت کے ساتھ دیکھا جس کی وجہ سے انزال ہو گیا تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے۔کیونکہ حرمت جماع کی ہے اور جماع نہیں پایا گیا۔لہذا یہ اس طرح ہو گیا جس طرح کسی نے تصور کیا اور انزال ہو گیا۔اور اگر محرم نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا یا مس کر لیا تو اس پر دم واجب ہو گیا۔اور جامع صغیر میں ہے کہ جب اس نے شہوت کے ساتھ مس کیا اور انزال ہو گیا۔جبکہ اس صورت میں کوئی فرق نہیں ہے کہ انزال ہوا ہے یا نہیں ہوا مبسوط نے اسی کو ذکر کیا ہے۔شرمگاہ کے سوا جماع کا یہی حکم ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ سے ایک روایت ہے کہ ان تمام صورتوں میں اس کا احرام فاسد ہو جائے گا انہوں نے اس کو روزے پر قیاس کیا ہے۔

جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ فساد حج جماع کے ساتھ متعلق ہے لہذا اس طرح تمام ممنوعات سے حج فاسد نہ ہوگا۔اور اس کے اس عمل سے جماع مقصود نہیں ہے لہذا جو حکم جماع کے ساتھ متعلق ہے وہ اس کے ساتھ متعلق نہ ہوگا۔البتہ اس میں عورت سے لطف اندوز و لذت کا معنی ہے اس لئے منع ہے۔اسی لئے اس پر دم واجب ہے۔بہ خلاف روزے کے کیونکہ روزے میں شہوت کو پورا کرنا

حرام ہے جبکہ فرج کے سوا میں بغیر انزال کے یہ مسئلہ حاصل نہیں ہوتا۔

مباشرت فاحشہ کی صورت وجوب دم میں مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اگر محرم نے اپنی بیوی کی فرج کو شہوت کے ساتھ دیکھا جس کی وجہ سے انزال ہو گیا تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے۔کیونکہ حرمت جماع کی ہے اور جماع نہیں پایا گیا۔لہذا یہ اس طرح ہو گیا جس طرح کسی نے تصور کیا اور انزال ہو گیا۔

حضرت عطاء سے روایت ہے کہ اگر اس نے لمبی نظر کی حتیٰ کہ اس کو انزال ہو گیا تو اس کا حج فاسد ہو گیا۔اور اس نے جماع کیا تو اس پر بدنہ ہے حضرت حسن بصری کے نزدیک وہ حج کے قابل ہے۔اور مغنی میں امام مالک کا قول بھی یہی ہے۔حضرت امام احمد نے نزدیک اگر اس نے نظر کی اور پھر اس کو پھیر لیا تو اس پر ایک بکری ہے۔اور اگر اس نے بار بار دیکھا تو اس پر بدنہ ہے اور یہ روایت ائمہ ثلاثہ پر حجت ہے۔

حضرت امام اوزاعی نے کہا ہے کہ جماع دون الفرج بھی حج کو فاسد کرتا ہے۔اور حضرت عبداللہ بن حسن نے کہا ہے کہ جب اس نے مس کیا اور اس کو انزال ہو گیا تو اس کا حج فاسد ہو گیا۔(فقہاء احناف کا مذہب یہی ہے) کہ اگر اس نے مس کیا یا اس نے بوسہ لیا اور اس کو انزال ہو گیا تو اس پر دم واجب ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ،۵،ص،۲۵۱،حقانیہ ملتان)

مباشرت فاحشہ اور شہوت کے ساتھ بوس وکنار اور بدن مس کرنے میں دم ہے،اگرچہ انزال نہ ہوا اور بلا شہوت میں کچھ نہیں۔یہ افعال عورت کے ساتھ ہوں یا امرد کے ساتھ دونوں کا ایک حکم ہے۔مرد کے ان افعال سے عورت کو لذت آئے تو وہ بھی دم دے اندام نہانی پر نگاہ کرنے سے کچھ نہیں اگرچہ انزال ہو جائے اگرچہ بار بار نگاہ کی ہو۔یوہیں خیال جمانے سے۔جلق سے انزال ہو جائے تو دم ہے ورنہ مکروہ اور احتلام سے کچھ نہیں (جوہرہ، نیرہ، کتاب الحج)

حالت احرام میں لمس زوجہ میں اہل تشیع کا نظریہ:

محرم شخص کے لئے اپنی بیوی کے بدن پر ہاتھ رکھنا جائز نہیں ہے لیکن اس کام میں قصد لذت کے بغیر کوئی مضائقہ نہیں ہے اگر قصد لذت سے اپنی بیوی کے بدن کو لمس کرے، لازم ہے ایک گوسفند کفارے دے اور اگر اس کام سے منی خارج ہو جائے تو احتیاط واجب کی بناء پر اس کا کفارہ ایک اونٹ ہے۔

جائز نہیں ہے محرم شہوت کی رو سے اپنی بیوی کا بوسہ لے، اور احتیاط واجب یہ ہے کہ قصد لذت کے بغیر بھی بوسہ لینے سے اجتناب کرے۔اگر [illegible] ولذت کے قصد سے چومے، اس کا کفارہ ایک اونٹ ہے خواہ انزال ہو یا انزال نہ ہو۔اگر کسی عورت کو شہوت کی رو سے چومے، اس کا کفارہ احتیاط واجب کی بناء پر ایک اونٹ ہے اور اگر بلا قصد شہوت ہو ایک گوسفند کفارہ ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک احرام کی حالت میں قربت زوجہ کا بیان:

حالت احرام میں بیوی سے نزدیکی کرنا حرام ہے اوراس کی تین حالتیں ہیں ۔

(۱)۔اگر کوئی حالت احرام میں عمداً اوراز روئے علم نزدیکی کرے، چنانچہ عرفات میں وقوف سے پہلے یا مشعر الحرام میں نزدیکی انجام پائے، اس کا حج فاسد ہے، لیکن لازم ہے کہ اس کو تمام کرے اور سال آئندہ دوبارہ حج بجالائے ۔ اوراس کا کفارہ ایک اونٹ ہے ۔ اورلازم ہے کہ زن ومرد (بناء براحتیاط واجب) ایک دوسرے سے اختتام مناسک حج تک جدا ہوں ۔ یا شخص ثالث ان کے ہمراہ ہواور سال آئندہ بھی جب اس جگہ پہونچیں (کہ جہاں عمل مذکور واقع ہوا ہے) لازم ہے کہ اختتام حج تک ایک دوسرے سے جدا ہوں اوراگر یہی عمل مشعر الحرام میں وقوف کے بعد اور طواف نساء سے پہلے انجام پائے، ان کا حج صحیح ہے ۔ لیکن مرتکب گناہ ہوئے ہیں اورایک اونٹ کفارہ ہے ۔

(۲)۔اگر نزدیکی عمدا عمرہ تمتع میں واقع ہوئی ہے اس کا کفارہ بناء براحتیاط واجب ایک اونٹ ہے لیکن اس کا عمرہ باطل نہیں ہوگا خواہ یہ عمل صفا ومروہ کے درمیان سعی سے پہلے ہو یا تقصیر اوراحرام سے خارج ہونے سے پہلے ہو، لیکن احتیاط مستحب یہ ہے کہ اگر سعی سے پہلے ہو تو عمرہ کو بصورت امکان تمام کرے اور پھر اس کو دوبارہ بھی بجالائے ۔

(۳)۔اگر نزدیکی عمرہ مفردہ میں واقع ہو، اگر صفا ومروہ کے درمیان سعی تمام ہونے سے پہلے ہو، اس کا عمرہ باطل ہے اور لازم ہے کہ ایک اونٹ کفارہ دے، اوراحتیاط واجب یہ ہے کہ عمرہ کو تمام کرے اورایک مہینہ انتظار کرے پھر کسی ایک میقات جاکر وہاں پھر سے احرام باندھے اور دوبارہ عمرہ مفردہ بجالائے، اور عمرہ واجب اور مستحب کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، لیکن اگر طواف وسعی کے بعد ہو (اور تقصیر سے پہلے) اس کا عمرہ باطل نہیں ہوگا ۔

محرم کے ناکح الید ہونے میں اہل تشیع کا بیان:

اگر محرم اپنے سے بازی کرے اوراس سے منی خارج ہواس کا حکم، اس شخص کا حکم ہے جس نے کسی عورت سے نزدیکی کی ہو، کہ اس کی شرح گزشتہ مسائل میں گزرچکی ہے ۔ اوراگر اپنی بیوی سے ملاعبہ (بازی) کرے یا دیکھنے کے ذریعے، یا ایسے مناظر کو سوچنے اور تصور کرنے سے اس سے منی خارج ہوجائے، اس پر کفارہ واجب ہے بلکہ احتیاط واجب کی بناء پر جماع کے تمام احکام کہ جن کا ذکر گزشتہ مسائل میں ہوا ہے جاری ہوں گے ۔ (توضیح المسائل، کتاب الحج)

وقوف عرفہ سے قبل جماع سے فساد حج کا بیان:

(وَإِنْ جَامَعَ فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ قَبْلَ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ فَسَدَ حَجُّهُ وَعَلَيْهِ شَاةٌ ، وَيَمْضِي فِي الْحَجِّ كَمَا يَمْضِي مَنْ لَمْ يُفْسِدْهُ ، وَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ) وَالْأَصْلُ فِيهِ مَا رُوِيَ (أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سُئِلَ عَمَّنْ وَاقَعَ امْرَأَتَهُ وَهُمَا مُحْرِمَانِ بِالْحَجِّ قَالَ : يُرِيقَانِ

دَمًا وَيَمْضِيَانِ فِي حَجَّتِهِمَا وَعَلَيْهِمَا الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ) وَهَكَذَا نُقِلَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنْ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : تَجِبُ بَدَنَةٌ اعْتِبَارًا بِمَا لَوْ جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوفِ ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ إطْلَاقُ مَا رَوَيْنَا ، وَلِأَنَّ الْقَضَاءَ لَمَّا وَجَبَ وَلَا يَجِبُ إلَّا لِاسْتِدْرَاكِ الْمَصْلَحَةِ خَفَّ مَعْنَى الْجِنَايَةِ فَيُكْتَفَى بِالشَّاةِ بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْوُقُوفِ ؛ لِأَنَّهُ لَا قَضَاءَ .ثُمَّ سَوَّى بَيْنَ السَّبِيلَيْنِ .

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ فِي غَيْرِ الْقُبُلِ مِنْهُمَا لَا يُفْسِدُ لِتَقَاصُرِ مَعْنَى الْوَطْءِ فَكَانَ عَنْهُ رِوَايَتَانِ .

ترجمہ:

اوراگر محرم نے وقوف عرفہ سے پہلے سبیلین میں سے کسی ایک میں جماع کیا تو اس کا حج فاسد ہوجائے گا اوراس پر ایک بکری کا دم لازم ہے۔اور وہ حج کے مناسک اسی طرح کرے جیسے وہ حاجی کرتا ہے جس کا حج فاسد نہیں ہوا۔اوراس مسئلہ میں اصل وہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا ہے ایک شخص نے جماع کیا ہے حالانکہ وہ دونوں احرام میں تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا دونوں قربانی کریں اور دونوں اپنے حج سے گزرجائیں اوران دونوں پر آنے والے سال میں حج واجب ہے۔اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے بدنہ واجب ہے انہوں نے وقوف عرفہ کے بعد والی صورت جماع پر قیاس کیا ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے خلاف دلیل وہی حدیث ہے جو مطلق ہے جو ہم بیان کرچکے ہیں۔ کیونکہ قضاء واجب ہوئی ہے اور قضاء صرف حصول مصلحت کیلئے واجب ہوتی ہے لہذا جنایت کا معنی خفیف ہوا اور صرف بکری کو کافی سمجھ لیا گیا ہے بہ خلاف وقوف عرفہ کے بعد کے کیونکہ اس صورت میں قضاء واجب نہیں ہے۔

امام قدوری علیہ الرحمہ نے دونوں راہوں کو برابر قرار دیا ہے۔اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی روایت کے مطابق مسئلہ یہ ہے قبل کے سوا وطی کرنے سے حج فاسد نہیں ہوتا کیونکہ اس میں وطی کا معنی ناقص ہے لہذا امام اعظم علیہ الرحمہ سے دو روایات بیان کی گئی ہیں۔

وقوف عرفہ سے پہلے جماع کی مختلف صورتوں میں فقہی احکام:

علامہ محمد امین المعروف ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں۔وقوفِ عرفہ سے پہلے جماع کیا تو حج فاسد ہوگیا۔اُسے حج کی طرح پورا کرکے دَم دے اور سال آئندہ ہی میں اس کی قضا کرلے۔عورت بھی احرام حج میں تھی تو اس پر بھی یہی لازم ہے اوراگر اس بلا میں پھر پڑجانے کا خوف ہو تو مناسب ہے کہ قضا کے احرام سے ختم تک دونوں ایسے جدا رہیں کہ ایک دوسرے کو نہ دیکھے۔وقوف

کے بعد جماع سے حج تو نہ جائے گا مگر حلق وطواف سے پہلے کیا تو بدنہ دے اور حلق کے بعد تو دَم اور بہتر اب بھی بدنہ ہے اور دونوں کے بعد کیا تو کچھ نہیں۔ طواف سے مُراد اکثر ہے یعنی چار پھیرے۔ قصداً جماع ہو یا بھولے سے یا سوتے میں یا اکراہ کے ساتھ سب کا ایک حکم ہے۔

وقوف سے پہلے عورت سے ایسے بچہ نے وطی کی جس کا مثل جماع کرتا ہے یا مجنون نے تو حج فاسد ہو جائے گا۔ یو ہیں مرد نے مشتہاۃ لڑکی یا مجنونہ سے وطی کی حج فاسد ہو گیا مگر بچہ اور مجنون پر نہ دَم واجب ہے، نہ قضا۔

وقوفِ عرفہ سے پہلے چند بار جماع کیا اگر ایک ہی مجلس میں ہے تو ایک دَم واجب ہے اور دو مختلف مجلسوں میں تو دو دَم اور اگر دوسری بار احرام توڑنے کے قصد سے جماع کیا تو بہر حال ایک ہی دَم واجب ہے، چاہے ایک ہی مجلس میں ہو یا متعدد میں۔ وقوفِ عرفہ کے بعد سر مونڈانے سے پہلے چند بار جماع کیا اگر ایک مجلس میں ہے تو ایک بدنہ اور دو مجلسوں میں ہے تو ایک بدنہ اور ایک دَم اور اگر دوسری بار احرام توڑنے کے ارادہ سے جماع کیا تو اس بار کچھ نہیں۔

جانور یا مردہ یا بہت چھوٹی لڑکی سے جماع کیا تو حج فاسد نہ ہوگا، انزال ہو یا نہیں مگر انزال ہوا تو دَم لازم۔ عورت نے جانور سے وطی کرائی یا کسی آدمی یا جانور کا کٹا ہوا آلہ اندر رکھ لیا حج فاسد ہو گیا۔

عمرہ میں چار پھیرے سے قبل جماع کیا عمرہ جاتا رہا، دَم دے اور عمرہ کی قضا اور چار پھیروں کے بعد کیا تو دَم دے عمرہ صحیح ہے۔ عمرہ کرنے والے نے چند بار متعدد مجلس میں جماع کیا تو ہر بار دَم واجب اور طواف وسعی کے بعد حلق سے پہلے کیا جب بھی دَم واجب ہے اور حلق کے بعد تو کچھ نہیں۔ ("الدرالمختار" و"ردالمحتار"، کتاب الحج، باب الجنایات، ج ۳ ص ۶۷۲)

ملا نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔

قِران والے نے عمرہ کے طواف سے پہلے جماع کیا تو حج وعمرہ دونوں فاسد مگر دونوں کے تمام افعال بجالائے اور دو دَم دے اور سال آئندہ حج وعمرہ کرے اور اگر عمرہ کا طواف کر چکا ہے اور وقوفِ عرفہ سے پہلے جماع کیا تو عمرہ

فاسد نہ ہوا، حج فاسد ہو گیا دو دَم دے اور سال آئندہ حج کی قضا دے اور اگر وقوف کے بعد کیا تو نہ حج فاسد ہوا، نہ عمرہ ایک بدنہ اور ایک دَم دے اور ان کے علاوہ قِران کی قربانی۔ جماع سے احرام نہیں جاتا وہ بدستور مُحرِم ہے اور جو چیزیں مُحرِم کے لیے نا جائز ہیں وہ اب بھی نا جائز ہیں اور وہی سب احکام ہیں۔ حج فاسد ہونے کے بعد دوسرے حج کا احرام اسی سال باندھا تو دوسرا نہیں ہے بلکہ وہی ہے جسے اُس نے فاسد کر دیا، اس ترکیب سے سال آئندہ کی قضا سے نہیں بچ سکتا۔ (عالمگیری، کتاب الحج)

حج کی قضاء میں بیوی کو جدا نہ کرنے کا بیان:

(وَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُفَارِقَ امْرَأَتَهُ فِي قَضَاءِ مَا أَفْسَدَاهُ) عِنْدَنَا خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ إِذَا خَرَجَا مِنْ بَيْتِهِمَا . وَلِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ إِذَا أَحْرَمَا . وَلِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ إِذَا انْتَهَيَا إِلَى

الْمَكَانِ الَّذِي جَامَعَهَا فِيهِ . لَهُمْ أَنَّهُمَا يَتَذَاكَرَانِ ذَلِكَ فَيَقَعَانِ فِي الْمُوَاقَعَةِ فَيَفْتَرِقَانِ وَلَنَا أَنَّ الْجَامِعَ بَيْنَهُمَا وَهُوَ النِّكَاحُ قَائِمٌ فَلَا مَعْنَى لِلِافْتِرَاقِ قَبْلَ الْإِحْرَامِ لِإِبَاحَةِ الْوِقَاعِ وَلَا بَعْدَهُ ؛ لِأَنَّهُمَا يَتَذَاكَرَانِ مَا لَحِقَهُمَا مِنْ الْمَشَقَّةِ الشَّدِيدَةِ بِسَبَبِ لَذَّةٍ يَسِيرَةٍ فَيَزْدَادَانِ نَدَمًا وَتَحَرُّزًا فَلَا مَعْنَى لِلِافْتِرَاقِ .

ترجمہ:

فقہاء احناف کے نزدیک محرم پر واجب نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو فاسد شدہ حج یا عمرے کی قضاء میں الگ کرے۔ جبکہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا اس میں اختلاف ہے۔ کہ جب وہ دونوں اپنے گھر سے باہر نکلیں۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے کہ جب وہ احرام باندھ لیں۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے کہ جب وہ دونوں وہاں پہنچیں جہاں اس نے بیوی کے ساتھ جمع کیا تھا۔ ان تمام فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو پہلے والے واقعہ کو یاد کرتے ہوئے جماع کر لیں گے۔ لہذا دونوں کو الگ رہنے کا حکم دیا جائے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ دونوں کو اکٹھا کرنے والا نکاح ہے جو دونوں میں برابر پایا جاتا ہے۔ لہذا احرام سے پہلے علیحدگی کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ کیونکہ اس وقت جماع کرنا جائز ہے۔ اور احرام کے بعد اس لئے مباح ہے کہ وہ دونوں اس سخت مشقت کو یاد کریں گے جو انہیں تھوڑی سے لذت کی وجہ سے بھگتنی پڑ رہی ہے۔ پس ان کی ندامت و پرہیز گاری میں اضافہ ہو جائے گا لہذا الگ کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔

حج قضاء میں بیوی کے افتراق میں مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ احناف کے نزدیک جب وہ بیوی اور شوہر حج قضاء کے ارادے سے نکلیں تو ان کو الگ کرنا واجب نہیں ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ان کو گھر سے نکلتے ہی الگ کر دیا جائے گا۔ اور شرح وجیز میں ہے کہ جب وہ دونوں احرام باندھیں تو ان کو جدا کر دیا جائے گا۔ اور اسی طرح حضرت امام زفر علیہ الرحمہ کا مؤقف ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان سے دو روایات بیان کی گئی ہوں۔

علامہ سروجی نے کہا ہے کہ امام مالک سے جس نے مسئلہ کو نقل کیا ہے غلط ہے کیونکہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (مصنف عینی) کہتے ہیں کہ میں اس بارے میں کہتا ہوں کہ وہ فقہاء مالکیہ کی کتب پر مطلع نہیں ہیں۔ کیونکہ مبسوط میں ہے کہ اس مسئلہ میں امام مالک امام زفر کے ساتھ ہیں۔ اور امام زفر کا یہی قول ہے کہ جب وہ دونوں محرم ہو جائیں۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس وقت ان کو الگ کیا جائے جب وہ اس مقام پر پہنچیں جہاں انہوں نے جماع کیا تھا۔

حضرت امام احمد علیہ الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے اور ان کا ایک قول امام زفر کے ساتھ ہے۔ اور اسی طرح ابن منذر نے ذکر کیا ہے۔ اور امام شافعی کا بھی ایک قول اسی طرح ہے۔ اسحاق نے کہا ہے کہ خوف معاودت کے وقت افتراق کرایا جائے گا۔ اور سند نے کہا ہے افتراق مستحب ہے۔ جس طرح امام شافعی کا قول ہے اور ان کا یہ قول حنابلہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ حنابلہ نے کہا ہے کہ اگر واجب ہے تو اس پر دم واجب ہوگا جس طرح تمام واجبات حج میں ہوتا ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص ۲۵۴، حقانیہ ملتان)

وقوف عرفہ کے بعد جماع سے حج کے فاسد نہ ہونے کا بیان:

(وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ لَمْ يَفْسُدْ حَجُّهُ وَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِيمَا إذَا جَامَعَ قَبْلَ الرَّمْيِ ؛ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ) وَإِنَّمَا تَجِبُ الْبَدَنَةُ لِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَوْ ؛ لِأَنَّهُ أَعْلَى أَنْوَاعِ الِارْتِفَاقِ فَيَتَغَلَّظُ مُوجِبُهُ .

ترجمہ:

اور جس نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو اس کا حج فاسد نہ ہوگا اور اس پر بدنہ واجب ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے جب وہ رمی سے پہلے جماع کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے وقوف عرفہ کیا اس کا حج مکمل ہو گیا اور بدنہ اس لئے واجب ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے۔ یا اس لئے واجب ہے کہ جماع حصول لذت کا اعلیٰ درجہ ہے پس اس کا موجب بھی سخت ہوا۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور اگر اس نے عمرہ میں چار پھیرے سے قبل جماع کیا عمرہ جاتا رہا، دَم دے اور عمرہ کی قضا اور چار پھیروں کے بعد کیا تو دَم دے عمرہ صحیح ہے۔

عمرہ کرنے والے نے چند بار متعدد مجلس میں جماع کیا تو ہر بار دَم واجب اور طواف وسعی کے بعد حلق سے پہلے کیا جب بھی دَم واجب ہے اور حلق کے بعد تو کچھ نہیں۔

قِران والے نے عمرہ کے طواف سے پہلے جماع کیا تو حج وعمرہ دونوں فاسد مگر دونوں کے تمام افعال بجالائے اور دو دَم دے اور سال آئندہ حج وعمرہ کرے اور اگر عمرہ کا طواف کر چکا ہے اور وقوفِ عرفہ سے پہلے جماع کیا تو عمرہ فاسد نہ ہوا، حج فاسد ہو گیا دو دَم دے اور سال آئندہ حج کی قضا دے اور اگر وقوف کے بعد کیا تو نہ حج فاسد ہوا، نہ عمرہ ایک بدنہ اور ایک دَم دے اور ان کے علاوہ قِران کی قربانی کرے۔

جماع سے احرام نہیں جاتا وہ بدستور مُحرِم ہے اور جو چیزیں مُحرِم کے لیے ناجائز ہیں وہ اب بھی ناجائز ہیں اور وہی سب احکام

ہیں۔ حج فاسد ہونے کے بعد دوسرے حج کا احرام اسی سال باندھا تو دوسرا نہیں ہے بلکہ وہی ہے جسے اُس نے فاسد کر دیا، اس ترکیب سے سال آئندہ کی قضاء سے نہیں بچ سکتا۔ (ردمحتار، کتاب الحج، باب الجنایات)

حلق کروانے کے بعد جماع کی صورت میں بکری کے وجوب کا بیان:

(وَإِنْ جَامَعَ بَعْدَ الْحَلْقِ فَعَلَيْهِ شَاةٌ) لِبَقَاءِ إحْرَامِهِ فِي حَقِّ النِّسَاءِ دُونَ لُبْسِ الْمَخِيطِ ، وَمَا أَشْبَهَهُ فَخَفَّتْ الْجِنَايَةُ فَاكْتَفَى بِالشَّاةِ . (وَمَنْ جَامَعَ فِي الْعُمْرَةِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ فَسَدَتْ عُمْرَتُهُ فَيَمْضِي فِيهَا وَيَقْضِيهَا وَعَلَيْهِ شَاةٌ . وَإِذَا جَامَعَ بَعْدَمَا طَافَ . أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ أَوْ أَكْثَرَ فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَلَا تَفْسُدُ عُمْرَتُهُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : تَفْسُدُ فِي الْوَجْهَيْنِ وَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ اعْتِبَارًا بِالْحَجِّ إذْ هِيَ فَرْضٌ عِنْدَهُ كَالْحَجِّ .

وَلَنَا أَنَّهَا سُنَّةٌ فَكَانَتْ أَحَطَّ رُتْبَةً مِنْهُ فَتَجِبُ الشَّاةُ فِيهَا وَالْبَدَنَةُ فِي الْحَجِّ إظْهَارًا لِلتَّفَاوُتِ .

ترجمہ:

اگر محرم نے حلق کروانے کے بعد جماع کیا تو اس پر ایک بکری واجب ہوگئی کیونکہ اس کا احرام ابھی عورتوں کے حق میں باقی ہے۔ جبکہ سلے ہوئے کپڑے پہننے میں نہیں ہے۔ اور نہ اسکی طرح کے حق میں ہے۔ لہذا اس طرح جنایت خفیف ہوگئی تو اس کے حکم خفیف بکری کا وجوب کافی ہو گیا۔

اور جس شخص نے عمرے کے احرام میں چار چکر طواف کرنے کے بعد جماع کیا تو اس کا عمرہ فاسد ہو جائے گا۔ لیکن عمرے کے افعال مکمل کرے اور اس کی قضاء کرے اور اس پر قربانی کے طور پر ایک بکری واجب ہے۔ اور اگر چار چکر یا اس سے زیادہ طواف کرنے کے بعد جماع کیا تو اس پر ایک بکری واجب ہے اور اس کا عمرہ فاسد نہ ہوگا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں عمرہ فاسد ہو جائے گا۔ اور حج پر قیاس کرتے ہوئے اس پر بدنہ واجب ہوگا۔ کیونکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک حج کی طرح عمرہ فرض ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عمرہ سنت ہے لہذا حج سے مرتبے میں کم ہوا۔ اور اسی طرح فرق ظاہر ہونے پر عمرے میں بکری اور حج میں بدنہ واجب ہوگا۔

حلق کے بعد جماع کرنے والے پر وجوب دم میں مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر محرم نے حلق کروانے کے بعد جماع کیا تو اس پر ایک بکری واجب ہوگئی

کیونکہ اس کا احرام ابھی عورتوں کے حق میں باقی ہے۔ جبکہ سلے ہوئے کپڑے پہننے میں نہیں ہے۔ اور نہ اسکی طرح کے حق میں ہے لہذا اس طرح جنایت خفیف ہوگئی تو اس کے حکم خفیف بکری کا وجوب کافی ہوگیا۔

اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر اس نے طواف سے پہلے جماع کیا تو اس کا عمرہ فاسد ہوگیا۔ اور حلق سے پہلے جماع کیا تو دم واجب ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ثوری، اور ابن منذر نے بھی یہ اختیار کیا ہے۔

حضرت امام احمد اور ابوثور نے کہا ہے کہ اس پر ہدی ہے۔ اور حضرت امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے کہا ہے اور اس پر بدنہ ہے۔ اور امام شافعی نے کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں عمرہ فاسد ہوجائے گا۔ اور وجوب بدنہ والوں نے اس کو حج پر قیاس کیا ہے

(البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۲۵۶، حقانیہ ملتان)

بھول کر جماع کرنے والا ارادے سے جماع کرنے والے کی طرح ہے:

(وَمَنْ جَامَعَ نَاسِيًا كَانَ كَمَنْ جَامَعَ مُتَعَمِّدًا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ جِمَاعُ النَّاسِي غَيْرُ مُفْسِدٍ لِلْحَجِّ. وَكَذَا الْخِلَافُ فِي جِمَاعِ النَّائِمَةِ وَالْمُكْرَهَةِ. هُوَ يَقُولُ: الْحَظْرُ يَنْعَدِمُ بِهَذِهِ الْعَوَارِضِ فَلَمْ يَقَعْ الْفِعْلُ جِنَايَةً. وَلَنَا أَنَّ الْفَسَادَ بِاعْتِبَارِ مَعْنَى الِارْتِفَاقِ فِي الْإِحْرَامِ ارْتِفَاقًا مَخْصُوصًا، وَهَذَا لَا يَنْعَدِمُ بِهَذِهِ الْعَوَارِضِ، وَالْحَجُّ لَيْسَ فِي مَعْنَى الصَّوْمِ ؛ لِأَنَّ حَالَاتِ الْإِحْرَامِ مُذَكِّرَةٌ بِمَنْزِلَةِ حَالَاتِ الصَّلَاةِ بِخِلَافِ الصَّوْمِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ:

اور جس نے بھول کر جماع کیا تو وہ ارادے سے جماع کرنے والے کی طرح ہے۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ بھول کر جماع کرنے والے کا جماع حج کو فاسد نہیں کرے گا۔ اور سوئی ہوئی کے ساتھ یا مجبورہ کے ساتھ جماع بھی اسی اختلاف پر ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ان عوارض کی بناء پر حرمت ختم ہوجاتی ہے۔ لہذا یہ عمل جنایت نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ احرام کا فساد ایک خاص لذت حاصل کرنے کے ساتھ ہے۔ اور لذت کا معنی ان عوارض سے ختم ہونے والا نہیں ہے۔ اور حج روزے کے حکم میں نہیں ہے۔ لہذا احرام کے احوال یاد کرانے والے ہیں اور یہ نماز کے احوال کی طرح ہوگیا ہے۔ جبکہ روزے میں ایسا نہیں ہوتا۔ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

نائمہ ومجبورہ کے جماع سے فساد حج میں شوافع واحناف کا اختلاف:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ بھول کر جماع کرنے والا عمداً جماع کرنے والے کی طرح ہے اور یہ حکم حج

واحرام کے باب میں ہے گناہ کے حوالے سے نہیں ہے۔ اور حضرت امام مالک وشافعی علیہما الرحمہ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ اسی کو مزنی نے اختیار کیا ہے جبکہ مصنف امام شافعی کا قول کہ ناسی کا حج فاسد نہ ہوگا یہ قول جدید ہے۔ جس کو مصنف نے بتایا نہیں ہے۔ ان کے نزدیک اس مسئلے کا اختلاف مجبورہ ونائمہ کی طرح ہے جس نے وقوف عرفات سے پہلے کیا تو ہمارے نزدیک بھی حج فاسد ہوگیا۔ جبکہ امام شافعی نے اختلاف کیا ہے۔ اور اسی طرح غیر نائمہ کا تحریم میں اختلاف کیا ہے۔

حضرت ابوعلی جو اصحاب شوافع سے ہیں وہ کہتے ہیں مجبورہ کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ مرد کو اس کے جماع کرنا منع ہے۔ فقہاء احناف کے شوافع کا جواب یہ دیا ہے کہ حج اپنے احکام میں روزے کی طرح نہیں ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۲۵۸، حقانیہ ملتان)

فتاویٰ عالمگیری میں فقہاء احناف نے لکھا ہے۔ مُحرم اگر بالقصد بلاعذر جرم کرے تو کفارہ بھی واجب ہے اور گنہگار بھی ہوا، لہذا اس صورت میں توبہ واجب کہ محض کفارہ سے پاک نہ ہوگا جب تک توبہ نہ کرے اور اگر نادانستہ یا عذر سے ہے تو کفارہ کافی ہے۔ جرم میں کفارہ بہرحال لازم ہے، یاد سے ہو یا بھول چوک سے، اس کا جرم ہونا جانتا ہو یا معلوم نہ ہو، خوشی سے ہو یا مجبوراً، سوتے میں ہو یا بیداری میں، نشہ یا بے ہوشی میں یا ہوش میں، اُس نے اپنے آپ کیا ہو یا دوسرے نے اُس کے حکم سے کیا۔

تنبیہ: اس بیان میں جہاں دَم کہیں گے اس سے مراد ایک بکری یا بھیڑ ہوگی اور بدنہ اونٹ یا گائے یہ سب جانور انھیں شرائط کے ہوں جو قربانی میں ہیں اور صدقہ سے مراد انگریزی روپے سے ایک سو چھتّر روپے آٹھ آنہ بھر گیہوں کہ سو۰۰ روپے کے سیر سے پونے دو سیر اٹھنی بھر اوپر ہوئے یا اس کے دُونے جَو یا کھجور یا ان کی قیمت۔

جہاں دَم کا حکم ہے وہ جرم اگر بیماری یا سخت گرمی یا شدید سردی یا زخم یا پھوڑے یا جُوؤں کی سخت ایذا کے باعث ہوگا تو اُسے جُرم غیر اختیاری کہتے ہیں۔ اس میں اختیار ہوگا کہ دَم کے بدلے چھ مسکینوں کو ایک ایک صدقہ دے دے یا دونوں وقت پیٹ بھر کھلائے یا تین روزے رکھ لے، اگر چھ صدقے ایک مسکین کو دیدیے یا تین یا سات مساکین پر تقسیم کردیے تو کفارہ ادا نہ ہوگا بلکہ شرط یہ ہے کہ چھ مسکینوں کو دے اور افضل یہ ہے کہ حرم کے مساکین ہوں اور اگر اس میں صدقہ کا حکم ہے اور بمجبوری کیا تو اختیار ہوگا کہ صدقہ کے بدلے ایک روزہ رکھ لے۔ کفارہ اس لیے ہے کہ بھول چوک سے یا سوتے میں یا مجبوری سے جرم ہوں تو کفارہ سے پاک ہوجائیں، نہ اس لیے کہ جان بوجھ کر بلاعذر جُرم کرو اور کہو کہ کفارہ دیدیں گے، دینا تو جب بھی آئے گا مگر قصداً حکم الٰہی کی مخالفت سخت تر ہے۔

جہاں ایک دَم یا صدقہ ہے، قارن پر دو ہیں۔ کفارہ کی قربانی یا قارن و مُتمتع کے شکرانہ کی غیر حرم میں نہیں ہوسکتی۔ غیر حرم میں کی تو ادا نہ ہوئی، ہاں جُرم غیر اختیاری میں اگر اس کا گوشت چھ مسکینوں پر تصدق کیا اور ہر مسکین کو ایک صدقہ کی قیمت کا پہنچا تو ادا ہوگیا۔1)) (عالمگیری)

فَصْلٌ

﴿ یہ فصل جنایات کے متفرق مسائل کے بیان میں ہے ﴾

جنایات متفرقہ کی فصل کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے اس فصل کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ یہاں مسائل میں باہمی احکام و کیفیات میں مغایرت ہے۔ لہذا ان کے درمیان فصل کرنا مناسب ہے اسی لئے مصنف فصل کو ذکر کیا ہے۔

حالت حدث میں طواف قدوم کرنے پر وجوب صدقہ کا بیان:

(وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الْقُدُومِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يُعْتَدُّ بِهِ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ صَلَاةٌ) " إلَّا أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَبَاحَ فِيهِ الْمَنْطِقَ فَتَكُونُ الطَّهَارَةُ مِنْ شَرْطِهِ .

وَلَنَا قَوْله تَعَالَى (وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ) مِنْ غَيْرِ قَيْدِ الطَّهَارَةِ فَلَمْ تَكُنْ فَرْضًا ، ثُمَّ قِيلَ : هِيَ سُنَّةٌ ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا وَاجِبَةٌ لِأَنَّهُ يَجِبُ بِتَرْكِهَا الْجَابِرُ ؛ وَلِأَنَّ الْخَبَرَ يُوجِبُ الْعَمَلَ فَيَثْبُتُ بِهِ الْوُجُوبُ ، فَإِذَا شَرَعَ فِي هَذَا الطَّوَافِ وَهُوَ سُنَّةٌ ، يَصِيرُ وَاجِبًا بِالشُّرُوعِ وَيَدْخُلُهُ نَقْصٌ بِتَرْكِ الطَّهَارَةِ فَيُجْبَرُ بِالصَّدَقَةِ إظْهَارًا لِدُنُوِّ رُتْبَتِهِ عَنْ الْوَاجِبِ بِإِيجَابِ اللَّهِ ، وَهُوَ طَوَافُ الزِّيَارَةِ ، وَكَذَا الْحُكْمُ فِي كُلِّ طَوَافٍ هُوَ تَطَوُّعٌ .

ترجمہ:

جس شخص نے حالت حدث میں طواف قدوم کیا تو اس پر ایک صدقہ واجب ہے۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ محدث کے طواف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے طواف نماز ہے لیکن اس میں بات کرنے کی اجازت ہے۔ لہذا طہارت طواف کیلئے شرط ہوگئی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگ بیت عتیق کا طواف کریں۔ اس طہارت کی کوئی قید نہیں ہے لہذا طہارت فرض نہ ہوگی۔ اس کے بعد کہا گیا ہے طہارت سنت ہے اور سب سے زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ واجب ہے۔ کیونکہ اس کے ترک سے اس کی تلافی کرنا واجب ہے۔ لہذا خبر واحد عمل کو واجب کرنے ہے۔ اس لئے طہارت کا وجوب ثابت ہو جائے گا۔ اور جب اس نے طواف شروع کیا جبکہ یہ سنت ہے تو شروع کرنے سے واجب ہو جائے گا۔ اور طہارت کے ترک پر میں نقصان پیدا ہو جائے گا۔

جس کی صدقے سے تلافی کرنا ہوگی۔ تا کہ اس سے کم مرتبے کا اظہار ہو جائے۔ ایسے طواف سے جو اللہ تعالیٰ کے فرض کرنے سے واجب ہے۔ اور وہ طواف زیارت ہے۔ اور ہر نفلی طواف میں اسی طرح حکم ہے۔

طہارت طواف میں ائمہ ثلاثہ و اہل ظواہر کے مذہب کا بیان:

ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ طواف کی صحت کیلیے وضوء شرط ہے، امام احمد سے مشہور یہی ہے اور امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

جمہور علماء کرام نے اس قول پر کئی ایک دلائل سے استدلال کیا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: بیت اللہ کا طواف نماز ہے، لیکن اس میں تم کلام کر سکتے ہو۔ سنن ترمذی حدیث نمبر (960)

(۲) صحیحین میں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب طواف کرنے کا ارادہ کرتے تو آپ وضوء کرتے تھے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: مجھ سے اپنے مناسک حاصل کرلو (حج وعمرہ کا طریقہ حاصل کرلو) صحیح مسلم حدیث نمبر (1297)۔

(۳) صحیحین میں ہے کہ جب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حیض آیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا: (تم حاجیوں والے سارے اعمال سرانجام دو لیکن پاک صاف ہونے سے قبل طواف نہ کرنا)۔

اس کا طواف صحیح نہیں، کیونکہ نماز کی طرح طواف کے صحیح ہونے کے لیے بھی طہارت (یعنی وضوء شرط ہے) تو اس لیے اسے مکہ جا کر بیت اللہ کا طواف کرنا چاہیے، اور اس کے لیے سعی بھی دوبارہ کرنا مستحب ہے، کیونکہ اکثر اہل علم طواف سے قبل سعی کرنا جائز قرار نہیں دیتے، اس لیے طواف اور سعی کرنے کیبعد وہ اپنے سر کے بال کاٹ کر احرام سے حلال ہو جائے گی۔

اور اگر وہ شادی شدہ ہے اور اس کے خاوند اس سے ہم بستری کر لی ہیتو اس کے خاوند پر دم لازم آتا ہے کہ وہ ایک بکرا مکہ میں ذبح کر کے وہاں کے فقراء میں تقسیم کرے، اور اس عورت کو چاہیے کہ وہ اس میقات سے احرام باندھ کر نیا عمرہ کرے جہاں سیا اس نے پہلے عمرہ کا احرام باندھا تھا، کیونکہ پہلا عمرہ جماع کی وجہ سے فاسد ہو چکا ہے۔

لھذا اس عورت کے ذمہ ہے وہ وہی عمل کرے جو ہم نے ذکر کیے ہیں اور پھر اسی میقات سے عمرہ کا حرام باندھے جہاں سے پہلے عمرہ کا احرام باندھا تھا، چاہے اسی وقت یا حسب استطاعت کسی دوسرے اوقات میں یہ عمل کرے۔

شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے طواف شروع کیا تو اس کی ہوا خارج ہوگئی تو کیا وہ طواف ختم کردے یا جاری رکھے؟

جب انسان کا ہوا خارج ہونے یا پیشاب اور پاخانہ یا منی خارج ہونے ہوجانے کی بنا پر وضوء ٹوٹ جائے تو نماز کی طرح اس کا طواف بھی ختم ہو جائے گا تو صحیح یہی ہے کہ وہ جا کر وضوء کرے اور طواف دوبارہ کرے، اس مسئلہ میں اختلاف تو ہے لیکن نماز

اورطواف سب میں صحیح یہی ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (جب نماز میں تم میں سے کسی ایک کی ہوا خارج ہوجائے تو وہ جا کر وضوء کرے اور نماز لوٹائے) اسے ابوداود رحمہ اللہ تعالی نے روایت کیا ہیاور ابن خزیمہ رحمہ اللہ تعالی نے صحیح قرار دیا ہے۔اورطواف بھی جنس نماز میں سے ہی ہے۔(مجموع (217-216/17)

اور بعض علماء کرام کا کہنا ہے کہ طواف کیلیے وضوء شرط نہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کا مسلک یہی ہے اوابن تیمیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے،اور پہلے قول کے دلائل کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ بیت اللہ کا طواف نماز ہے اس میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ قول ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کا ہے،امام نووی رحمہ اللہ تعالی اپنی کتاب المجموع میں کہتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما پر موقوف ہے،امام بیھقی اور حافظ وغیرہ رحمہم اللہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔اھ

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل کہ آپ نے باوضوء ہوکر طواف کیا ہے اس کے بارہ میں ان کا کہنا ہے کہ: یہ وجوب پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ صرف استحباب پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کیا تو ہے لیکن یہ وارد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس کا حکم بھی دیا ہے۔

اور عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: (تم حاجیوں والے سارے کام سرانجام دو لیکن طہر سے قبل بیت اللہ کا طواف نہ کرنا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طواف کرنے سے اس لیے منع کیا تھا کہ وہ حائضہ تھیں،اور حائضہ عورت کیلیے مسجد میں داخل ہونا منع ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: جو لوگ طواف کیلیے وضوء کرنا واجب قرار دیتے ہیں ان کے پاس اصلا کوئی حجت اور دلیل نہیں ہے، کیونکہ کسی ایک نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحیح اور نہ ہی ضعیف سند کے ساتھ یہ نقل نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے لیے وضوء کرنے کا حکم دیا ہو، باوجود اس کے کہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت ساری خلقت نے حج کیا تھا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی ایک عمرے بھی ادا فرمائے اور آپ کیساتھ صحابہ کرام بھی عمرہ کرتے تھے لھذا اگر طواف کے لیے وضوء کرنا فرض ہوتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عمومی طور پر بیان فرماتے ،اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بیان فرماتے تو مسلمان اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل بھی کرتے اور اس کے نقل کرنے میں سستی و کاہلی سے کام نہ لیتے ،لیکن صحیح میں یہ ثابت ہے کہ جب آپ نے طواف کیا تو وضوء کیا تھا تو یہ اکیلا وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کیلیے وضوء کرتے تھے اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: (میں وضوء کے بغیر اللہ تعالی کا ذکر کرنا ناپسند کرتا ہوں) (مجموع الفتاوی (273/21)

اور یہ قول۔یعنی طواف کے لیے وضوء شرط نہیں۔اپنی قوت اور اس کے بارہ میں دلائل ہونے کے احتمال کے باوجود انسان کے شایان شان نہیں کہ وہ بغیر وضوء ہی طواف کرت پھرے، وہ اس لیے کہ بلاشک وشبہ باوضوء ہوکر طواف کرنا افضل اور بہتر اور بری

الذمہ ہونے کیلیے زیادہ محتاط ہے،اور اسی طرح انسان جمہور علماء کرام کی مخالفت سے بھی بچ جاتا ہے۔

لیکن انسان کیلیے اس وقت اس پر عمل کرنے میں وسعت ہے کہ جب وضوء کا خیال رکھنے میں بہت زیادہ مشقت کا باعث ہو وہ اسطرح کہ موسم میں یعنی ازدھا اور جب انسان مریض ہو اور وضوء قائم نہ رکھ سکتا ہو یا اتنا بوڑھا ہو کہ وضوء قائم رکھنا مشقت کا باعث ہے وہ ازدھام کی وجہ سے اس کی حفاظت نہیں کرسکتا اور اس کا دفاع نہیں کرسکے تو اس پر عمل کرسکتا ہے۔

تو اس بنا پر راجح جس پر دل بھی مطمئن ہوتا ہے یہی ہے کہ: طواف میں حدث اصغر سے وضوء کرنے کی شرط نہیں ہے،لیکن بلاشک وشبہ افضل اور اکمل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وپیروی اسی میں ہے کہ وہ وضوء کریا ور جمہور علماء کرام بھی مخالفب بھی انسان کو زیب نہیں دیتی۔

لیکن بعض اوقات انسان وہ قول کہنے پر بھی مجبور ہوجاتا ہے جو ابن تیمیہ کا قول ہے: مثلا: اگر شدید رش میں کسی شخص کا وضوء ٹوٹ جائے تو یہ کہنا کہ وہ اس شدید قسم کے رش میں جا کر وضوء کرے اور آ کر طواف کرے،اور خاص کر جب طواف کے چکر کا کچھ حصہ ہی باقی رہتا ہو تو اس میں بہت زیادہ مشقت ہے،اور جس میں شدید مشقت ہوتی ہو اور اس میں کوئی واضح اور ظاہر نص بھی نہ ملتی ہو تو اسے لوگوں پر لازم نہیں کرنا چاہیے یہ اس کے لائق ہی نہیں۔

بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے جو اس سے آسان اور میسر ہو، کیونکہ بغیر کسی دلیل کے لوگوں پر وہ چیز لازم کرنا جس میں ان کے لیے مشقت ہو اللہ تعالی کے مندرجہ ذیل فرمان کے منافی ہے۔(اللہ تعالی تمہارے لیے آسانی پیدا کرنا چاہتا ہے اور وہ تمہارے لیے مشکل پیدا نہیں کرنا چاہتا) البقرۃ (185)

حالت حدث سے طواف زیارت کرنے میں وجوب بکری کا بیان:

(وَلَوْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ) لِأَنَّهُ أَدْخَلَ النَّقْصَ فِي الرُّكْنِ فَكَانَ أَفْحَشَ مِنْ الْأَوَّلِ فَيُجْبَرُ بِالدَّمِ (وَإِنْ كَانَ جُنُبًا فَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ) كَذَا رُوِيَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا ؛ وَلِأَنَّ الْجَنَابَةَ أَغْلَظُ مِنْ الْحَدَثِ فَيَجِبُ جَبْرُ نُقْصَانِهَا بِالْبَدَنَةِ إظْهَارًا لِلتَّفَاوُتِ ، وَكَذَا إذَا طَافَ أَكْثَرَهُ جُنُبًا أَوْ مُحْدِثًا ، لِأَنَّ أَكْثَرَ الشَّيْءِ لَهُ حُكْمُ كُلِّهِ

ترجمہ:

اور اگر اس نے طواف زیارت بغیر طہارت کے کیا تو اس پر بکری واجب ہے۔ کیونکہ رکن میں نقصان داخل ہوگیا ہے۔لہذا یہ پہلے سے زیادہ جنایت ہے۔پس اس پر دم لازم ہوگا۔اور اگر اس نے حالت جنابت میں طواف کیا تو اس پر بدنہ واجب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کی گئی ہے۔ کیونکہ جنابت حدث سے زیادہ سخت ہے تو فرق ظاہر کرنے

کیلئے اس کی تلافی بدنہ سے کی جائے گی۔اور اسی طرح اگر اس نے اکثر طواف حالت جنابت یا حدث میں کیا تو یہی حکم ہے کیونکہ اکثر شئے کل کے حکم میں ہوتی ہے۔

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

طواف فرض کل یا اکثر یعنی چار پھیرے جنابت یا حیض ونفاس میں کیا تو بدنہ ہے اور بے وضو کیا تو دَم اور پہلی صورت میں طہارت کے ساتھ اعادہ واجب، اگر مکہ سے چلا گیا ہوتو واپس آکر اعادہ کرے اگرچہ میقات سے بھی آگے بڑھ گیا ہومگر بارھویں تاریخ تک اگر کامل طور پر اعادہ کرلیا تو جرمانہ ساقط اور بارھویں کے بعد کیا تو دَم لازم، بدنہ ساقط۔لہٰذا اگر طواف فرض بارھویں کے بعد کیا ہے تو دم ساقط نہ ہوگا کہ بارھویں تو گزر گئی اور اگر طواف فرض بے وضو کیا تھا تو اعادہ مستحب پھر اعادہ سے دَم ساقط ہوگیا اگرچہ بارھویں کے بعد کیا ہو۔

چار پھیرے سے کم بے طہارت کیا تو ہر پھیرے کے بدلے ایک صدقہ اور جنابت میں کیا تو دَم پھر اگر بارھویں تک اعادہ کرلیا تو دَم ساقط اور بارھویں کے بعد اعادہ کیا تو ہر پھیرے کے بدلے ایک صدقہ۔(جوہرہ نیرہ، ج ۲، ص، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

اگر مکہ میں ہے تو اعادہ طواف کا حکم:

(وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُعِيدَ الطَّوَافَ مَا دَامَ بِمَكَّةَ وَلَا ذَبْحَ عَلَيْهِ) وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ : وَعَلَيْهِ أَنْ يُعِيدَ . وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يُؤْمَرُ بِالْإِعَادَةِ فِي الْحَدَثِ اسْتِحْبَابًا وَفِي الْجَنَابَةِ إيجَابًا لِفُحْشِ النُّقْصَانِ بِسَبَبِ الْجَنَابَةِ وَقُصُورِهِ بِسَبَبِ الْحَدَثِ .

ثُمَّ إذَا أَعَادَهُ وَقَدْ طَافَهُ مُحْدِثًا لَا ذَبْحَ عَلَيْهِ وَإِنْ أَعَادَهُ بَعْدَ أَيَّامِ النَّحْرِ ؛ لِأَنَّ بَعْدَ الْإِعَادَةِ لَا يَبْقَى إلَّا شُبْهَةُ النُّقْصَانِ ، وَإِنْ أَعَادَهُ وَقَدْ طَافَهُ جُنُبًا فِي أَيَّامِ النَّحْرِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ أَعَادَهُ فِي وَقْتِهِ ، وَإِنْ أَعَادَهُ بَعْدَ أَيَّامِ النَّحْرِ لَزِمَهُ الدَّمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ بِالتَّأْخِيرِ عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ مَذْهَبِهِ .

ترجمہ:

جب تک وہ مکہ میں ہے اس کیلئے افضل یہ ہے کہ طواف دوبارہ کرے۔اور اس پر قربانی نہیں ہے۔اور بعض نسخوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ دوبارہ واجب ہے۔اور سب سے زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ حدث کی وجہ سے اعادہ کا حکم مستحب ہے۔جبکہ جنابت کی صورت میں حکم وجوبی ہوگا۔کیونکہ جنابت کی وجہ سے نقصان بڑا ہے۔اور حدث کی وجہ سے نقصان تھوڑا ہے۔

اور اگر اس نے طواف کا اعادہ کرلیا حالانکہ اس نے پہلے حالت حدث میں طواف کیا تھا تو اس پر قربانی لازم نہیں ہے۔خواہ اس نے ایام نحر کے بعد اعادہ کیا ہے۔کیونکہ اعادہ کے بعد کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ہاں البتہ نقصان شبہ باقی ہے۔اور اگر اس نے ایام نحر

میں اعادہ کیا جبکہ پہلے اس جنابت میں طواف کیا تھا تب بھی اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔اس لئے کہ اس نے طواف کا اعادہ اس کے وقت میں کیا ہے۔اور اگر اس نے طواف حالت جنابت میں کیا خواہ ایام نحر کے بعد اعادہ کیا تو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مؤخر کرنے کی وجہ سے اس دم واجب ہے۔اسی بناء پر امام اعظم علیہ الرحمہ کا مذہب پہچانا جاتا ہے۔

یوم نحر کے بعد اعادہ طواف میں وجوب دم کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔امام ترازی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ صاحب ہدایہ سے سہو ہوا ہے۔(یہ بھی ممکن ہے کہ کاتب کی خطاء ہو) کیونکہ علامہ طحاوی علیہ الرحمہ نے شرح میں اس کی وضاحت کی ہے کہ اگر کسی نے یوم نحر کے بعد طواف زیارت کا اعادہ کیا تو اس پر دم واجب ہے۔کیونکہ اس سے تاخیر ہوئی ہے۔اور برابر ہے کہ خواہ اس کا اعادہ سبب حدث سے ہو یا سبب جنابت ہو۔میں (علامہ عینی) کہتا ہوں کہ یہ بھی احتمال کہ صاحبین کا مذہب یہی ہو۔لہذا صاحب ہدایہ کی طرف سہو کی نسبت کیونکر درست ہوگی؟

حالت جنابت میں طواف کر کے اہل کی طرف آنے والے کا بیان:

وَلَوْ رَجَعَ إلَى أَهْلِهِ وَقَدْ طَافَهُ جُنُبًا عَلَيْهِ أَنْ يَعُودَ ؛ لِأَنَّ النَّقْصَ كَثِيرٌ فَيُؤْمَرُ بِالْعَوْدِ اسْتِدْرَاكًا لَهُ وَيَعُودُ بِإِحْرَامٍ جَدِيدٍ . وَإِنْ لَمْ يَعُدْ وَبَعَثَ بَدَنَةً أَجْزَأَهُ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ جَابِرٌ لَهُ ، إلَّا أَنَّ الْأَفْضَلَ هُوَ الْعَوْدُ . وَلَوْ رَجَعَ إلَى أَهْلِهِ وَقَدْ طَافَهُ مُحْدِثًا إنْ عَادَ وَطَافَ جَازَ ، وَإِنْ بَعَثَ بِالشَّاةِ فَهُوَ أَفْضَلُ ؛ لِأَنَّهُ خَفَّ مَعْنَى النُّقْصَانِ وَفِيهِ نَفْعٌ لِلْفُقَرَاءِ ، وَلَوْ لَمْ يَطُفْ طَوَافَ الزِّيَارَةِ أَصْلًا حَتَّى رَجَعَ إلَى أَهْلِهِ فَعَلَيْهِ أَنْ يَعُودَ بِذَلِكَ الْإِحْرَامِ لِانْعِدَامِ التَّحَلُّلِ مِنْهُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَنْ النِّسَاءِ أَبَدًا حَتَّى يَطُوفَ .

ترجمہ:

اگر وہ اپنے وطن لوٹ آیا حالانکہ اس نے طواف حالت جنابت میں کیا تھا تو اس پر واپس آنا ضروری ہے کیونکہ نقصان بہت بڑا ہے۔لہذا اس کو پورا کرنے کیلئے لوٹنے کا حکم دیا گیا ہے۔اور نئے احرام کے ساتھ واپس آئے اور اگر نہیں لوٹ کر آیا تو ایک بندہ بھیجے تو اس کیلئے کافی ہوگا۔اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔کیونکہ بدنہ نقصان کو پورا کرنے والا ہے۔لیکن افضل اس کیلئے واپس آنا ہے۔اور اگر وہ اپنے وطن لوٹ آیا حالانکہ اس نے طواف زیارت حالت حدث میں کیا تھا۔اگر یہ پھر واپس گیا اور طواف کیا تو جائز ہے لیکن اگر بکری بھیجے تو افضل ہے کیونکہ اس صورت میں نقصان کا حکم کم ہے جبکہ بکری بھیجنے میں فقراء کیلئے فائدہ ہے۔اور اگر اس نے طواف زیارت کیا ہی نہیں تھا کہ اپنے وطن کی طرف واپس لوٹ گیا تو اس پر اس احرام کے ساتھ واپس جانا واجب ہے۔اس لئے کہ اس احرام سے حلال ہونا معدوم ہے اور وہ طواف کرنے تک عورتوں کیلئے محرم ہوگا۔

شرح

جنابت میں طواف کر کے گھر چلا گیا تو پھر سے نیا احرام باندھ کر واپس آئے اور واپس نہ آیا بلکہ بدنہ بھیج دیا تو بھی کافی ہے مگر افضل واپس آنا ہے اور بے وضو کیا تھا تو واپس آنا بھی جائز ہے اور بہتر یہ کہ وہیں سے بکری یا قیمت بھیج دے۔ (عالمگیری)

حالت حدث میں طواف صدر کرنے والے پر وجوب صدقہ کا بیان:

(وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الصَّدْرِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ) لِأَنَّهُ دُونَ طَوَافِ الزِّيَارَةِ ، وَإِنْ كَانَ وَاجِبًا فَلَا بُدَّ مِنْ إظْهَارِ التَّفَاوُتِ . وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ تَجِبُ شَاةٌ ، إلَّا أَنَّ الْأَوَّلَ أَصَحُّ (وَلَوْ طَافَ جُنُبًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ) لِأَنَّهُ نَقْصٌ كَثِيرٌ ، ثُمَّ هُوَ دُونَ طَوَافِ الزِّيَارَةِ فَيُكْتَفَى بِالشَّاةِ

ترجمہ:

اور جس شخص نے حالت حدث میں طواف صدر کیا تو اس پر صدقہ واجب ہے اس لئے کہ طواف صدر طواف زیارت سے کم ہے۔ اگرچہ واجب ہے لہذا فرق کا اظہار ضروری ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ بکری واجب ہے۔ جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور اگر حالت جنابت میں طواف کیا تو بکری واجب ہے۔ کیونکہ نقصان زیادہ ہے۔ مگر طواف زیارت سے کم ہے اس لئے بکری کافی ہے۔

شرح

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ طواف زیارت حالت حدث میں کرنے کی وجہ سے نقص داخل ہو گیا ہے لہذا دم واجب ہو گیا۔ اور اس کی دلیل فقہاء احناف کے نزدیک یہ ہے کہ اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور اگر اس پر اعتراض کیا جائے کہ تقدیرات شرعیہ پر اس کا اطلاق درست نہیں ہے۔ کیونکہ نماز، روزہ ہے۔ کیونکہ ان دونوں کا اکثر کل کے قائم مقام نہیں ہے۔ تو اس جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے وقوف عرفات کیا اس کو حج مکمل ہو گیا۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرنے والی ہے کہ اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص ۱۱۷، بیروت)

جنابت کے ساتھ طواف کرنے والے پر دم واجب ہے۔ کیونکہ طواف حکم شرعی ہے۔ اور جب حج میں کسی حکم شرعی میں جنایت واقع ہو جائے تو اس جنایت پر دم واجب ہوتا ہے۔ لہذا اس پر دم واجب ہوگا۔

طواف زیارت کے تین چکر چھوڑنے والے پر وجوب دم کا بیان:

(وَمَنْ تَرَكَ مِنْ طَوَافِ الزِّيَارَةِ ثَلَاثَةَ أَشْوَاطٍ فَمَا دُونَهَا فَعَلَيْهِ شَاةٌ) لِأَنَّ النُّقْصَانَ بِتَرْكِ الْأَقَلِّ يَسِيرٌ فَأَشْبَهَ النُّقْصَانَ بِسَبَبِ الْحَدَثِ فَتَلْزَمُهُ شَاةٌ . فَلَوْ رَجَعَ إلَى أَهْلِهِ أَجْزَأَهُ أَنْ لَا يَعُودَ وَيَبْعَثُ بِشَاةٍ لِمَا بَيَّنَّا (وَمَنْ تَرَكَ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ بَقِيَ مُحْرِمًا أَبَدًا حَتَّى يَطُوفَهَا)

لِأَنَّ الْمَتْرُوكَ أَكْثَرُ فَصَارَ كَأَنَّهُ لَمْ يَطُفْ أَصْلًا .

ترجمہ:

اور جس نے طواف زیارت کے تین یا اس سے کم چکر چھوڑے تو اس پر بکری واجب ہے کیونکہ تھوڑا چھوڑنے پر نقصان بھی تھوڑا ہے۔ پس اس کا یہ نقصان حدث کی وجہ لازم ہونے والے نقصان کے مشابہ ہو گیا ہے۔ لہذا اس پر بکری لازم ہے۔ پھر اگر وہ اپنے وطن واپس لوٹ گیا ہے تو اس کیلئے کافی ہے کہ مکہ میں نہ آئے بلکہ ایک بکری بھیج دے۔ اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور جس نے چار چکر ترک کیے تو دوبارہ طواف کرنے تک محرم رہے گا۔ اس لئے اس نے زیادہ چکر ترک کیے ہیں۔ لہذا وہ اس طرح ہو گیا ہے کہ گویا اس نے طواف کیا ہی نہیں ہے۔

طواف کے چکروں کی شرط عدد میں مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس نے طواف زیارت کے تین یا اس سے کم چکر چھوڑے یعنی ایک چکر یا دو چکر ترک کئے۔ تو اس پر بکری واجب ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس پر وہی لازم ہے جو اس نے چھوڑا ہے۔ اور وہ اس وقت تک حلال نہ ہوگا جب تک ترک شدہ کو بجا نہیں لائے گا۔

حضرت امام مالک واحمد، شافعی علیہم الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ عدد کی تعداد کا سات ہونا شرط ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس نے ایک چکر یا ایک قدم بھی چھوڑا تو اس کیلئے کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ طواف میں سات کے عدد کا ثبوت نصوص متواترہ سے ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نقصان کو پورا کرنا یہ حدث والے جبر کے مشابہ ہو گیا۔ لہذا ایک بکری واجب ہوگی۔ اور حج کے افعال میں یہ دلیل موجود ہے کہ بعض سے بعض فصل کرنا قبول کرتے ہیں۔ لہذا بعض سے فصل ہونے کے باوجود وہ باقی رہتے ہیں۔ جبکہ نماز میں اس طرح نہیں ہوتا۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص ۲۶۳، حقانیہ ملتان)

طواف فرض کُل یا اکثر بلا عذر چل کر نہ کیا بلکہ سواری پر یا گود میں یا گھسٹ کر یا بے ستر کیا مثلاً عورت کی چہارم کلائی یا چہارم سر کے بال کھلے تھے یا اُلٹا طواف کیا یا حطیم کے اندر سے طواف میں گزرا یا بارھویں کے بعد کیا تو ان سب صورتوں میں دَم دے اور صحیح طور پر اعادہ کر لیا تو دَم ساقط اور بغیر اعادہ کیے چلا آیا تو بکری یا اُس کی قیمت بھیج دے کہ حرم میں ذبح کر دی جائے، واپس آنے کی ضرورت نہیں۔

جنابت میں طواف کر کے گھر چلا گیا تو پھر سے نیا احرام باندھ کر واپس آئے اور واپس نہ آیا بلکہ بدنہ بھیج دیا تو بھی کافی ہے مگر افضل واپس آنا ہے اور بے وضو کیا تھا تو واپس آنا بھی جائز ہے اور بہتر یہ کہ وہیں سے بکری یا قیمت بھیج دے۔ طواف فرض چار پھیرے کر کے چلا گیا یعنی تین یا دو یا ایک پھیرا باقی ہے تو دَم واجب، اگر خود نہ آیا بھیج دیا تو کافی ہے۔ فرض کے سوا کوئی اور طواف کل یا اکثر جنابت میں کیا تو دَم دے اور بے وضو کیا تو صدقہ اور تین پھیرے یا اس سے کم جنابت میں کیے تو ہر پھیرے کے

بدلے ایک صدقہ پھر اگر مکہ معظمہ میں ہے تو سب صورتوں میں اعادہ کرلے، کفارہ ساقط ہوجائے گا۔

طواف صدر مکمل یا چار چکر ترک کرنے کی صورت میں وجوب بکری کا بیان:

(وَمَنْ تَرَكَ طَوَافَ الصَّدْرِ أَوْ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ شَاةٌ) لِأَنَّهُ تَرَكَ الْوَاجِبَ أَوْ الْأَكْثَرَ مِنْهُ ، وَمَا دَامَ بِمَكَّةَ يُؤْمَرُ بِالْإِعَادَةِ إقَامَةً لِلْوَاجِبِ فِي وَقْتِهِ (وَمَنْ تَرَكَ ثَلَاثَةَ أَشْوَاطٍ مِنْ طَوَافِ الصَّدْرِ فَعَلَيْهِ الصَّدَقَةُ ، وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الْوَاجِبِ فِي جَوْفِ الْحِجْرِ ، فَإِنْ كَانَ بِمَكَّةَ أَعَادَهُ) لِأَنَّ الطَّوَافَ وَرَاءَ الْحَطِيمِ وَاجِبٌ عَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ . وَالطَّوَافُ فِي جَوْفِ الْحِجْرِ أَنْ يَدُورَ حَوْلَ الْكَعْبَةِ وَيَدْخُلَ الْفُرْجَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْحَطِيمِ ، فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ أَدْخَلَ نَقْصًا فِي طَوَافِهِ فَمَا دَامَ بِمَكَّةَ أَعَادَهُ كُلَّهُ لِيَكُونَ مُؤَدِّيًا لِلطَّوَافِ عَلَى الْوَجْهِ الْمَشْرُوعِ .

ترجمہ:

اور جس نے طواف صدر ترک کیا یا اس نے چار چکر ترک کیے ہوں تو اس پر بکری واجب ہے۔ کیونکہ اس نے واجب یا اس سے اکثر کو ترک کیا ہے۔ اور جب تک وہ مکہ میں رہے۔ اس کو طواف صدر کو دوبارہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنے وقت میں ادا ہو۔ اور جس شخص نے طواف صدر کے تین چکر چھوڑے تو اس پر صدقہ واجب ہے۔

اور اگر اس نے واجب طواف جوف حجر میں کیا ہے۔ اور اگر وہ مکہ میں ہے تو طواف کو دوبارہ کرے۔ کیونکہ یہ طواف حطیم کے باہر سے کرنا واجب ہے۔ جس طرح ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ اور جوف حجر میں طواف کرنا اس طرح ہے کہ وہ کعبہ کے گرد پھیرے لگائے لیکن ان میں دو کشادگیاں ہیں۔ جو کعبہ اور حطیم کے درمیان ہے اور وہ ان میں داخل ہو۔ لہذا جب اس نے اس طرح کیا تو وہ اپنے طواف میں کمی داخل کرنے والا ہوگا لہذا جب تک مکہ میں ہے تو وہ مکمل طواف کا اعادہ کرے گا۔ تاکہ طواف کو اس کے شرعی طریقے کے مطابق مکمل کرنے ہوجائے۔

جمرات پر سات کنکریاں پھینکنا واجب ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا استنجاء طاق ہے (یعنی استنجے کے لئے تین ڈھیلے لینے چاہئیں) کنکریاں پھینکنی طاق ہے (یعنی سات کنکریاں پھینکنی چاہئیں) صفا اور مروہ کے درمیان سعی طاق ہے (یعنی ان دونوں کے درمیان سات مرتبہ پھرنا چاہئے) خانہ کعبہ کے گرد طواف طاق ہے (یعنی سات چکر کا ایک طواف ہوتا ہے) اور جب تم میں سے کوئی شخص اگر کی دھونی لینا چاہئے تو اسے چاہئے کہ طاق (یعنی تین یا پانچ یا سات مرتبہ) لے۔ (مسلم)

جمرات (مناروں) پر سات سات کنکریاں پھینکنا واجب ہے، اسی طرح صفا و مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی واجب ہے اور جمہور علماء کے نزدیک ایک طواف کے لئے خانہ کعبہ کے گرد سات چکر فرض ہیں جب کہ احناف کے ہاں چار چکر تو فرض ہیں اور باقی واجب ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

طوافِ رخصت کُل یا اکثر ترک کیا تو دَم لازم اور چار پھیروں سے کم چھوڑا تو ہر پھیرے کے بدلے میں ایک صدقہ اور طوافِ قدوم ترک کیا تو کفارہ نہیں مگر بُرا کیا اور طوافِ عمرہ کا ایک پھیرا بھی ترک کریگا تو دَم لازم ہوگا اور بالکل نہ کیا یا اکثر ترک کیا تو کفارہ نہیں بلکہ اُس کا ادا کرنا لازم ہے۔ قارِن نے طوافِ قدوم و طوافِ عمرہ دونوں بے وضو کیے تو دسویں سے پہلے طوافِ عمرہ کا اعادہ کرے اور اگر اعادہ نہ کیا یہاں تک کہ دسویں تاریخ کی فجر طلوع ہوگئی تو دَم واجب اور طوافِ فرض میں رَمَل و سعی کرلے۔

(مسک (الفتاوی الهندية"، كتاب المناسك، الباب الثامن فی الجنايات، الفصل الخامس)

نجس کپڑوں میں طواف مکروہ ہے کفارہ نہیں۔ طوافِ فرض جنابت میں کیا تھا اور بارھویں تک اس کا اعادہ بھی نہ کیا، اب تیرھویں کو طوافِ رُخصت باطہارت کیا تو یہ طوافِ رخصت طوافِ فرض کے قائم مقام ہوجائے گا اور طوافِ رُخصت کے چھوڑنے اور طوافِ فرض میں دیر کرنے کی وجہ سے اس پر دو دَم لازم اور اگر بارھویں کو طوافِ رخصت کیا ہے تو یہ طوافِ فرض کے قائم مقام ہوگا اور چونکہ طوافِ رخصت نہ کیا، لہٰذا ایک دَم لازم اور اگر طوافِ رُخصت دوبارہ کرلیا تو یہ دَم بھی ساقط ہوگیا اور اگر طوافِ فرض بے وضو کیا تھا اور یہ باوضو تو ایک دَم اور اگر طوافِ فرض بے وضو کیا تھا اور طوافِ رُخصت جنابت میں تو دو دَم۔ "ردالمحتار"، كتاب الحج، باب الجنايات،

طوافِ فرض کے تین پھیرے کیے اور طوافِ رُخصت پورا کیا تو اس میں کے چار پھیرے اس میں محسوب ہوجائیں گے اور دو دَم لازم، ایک طوافِ فرض میں دیر کرنے، دوسرا طوافِ رُخصت کے چار پھیرے چھوڑنے کا۔ اور اگر ہر ایک کے تین تین پھیرے کیے تو کل فرض میں شمار ہوں گے اور دو دَم واجب۔

ترک شدہ طواف کا اعادہ کرلینے کا بیان:

(وَإِنْ أَعَادَ عَلَى الْحِجْرِ) خَاصَّةً (أَجْزَأَهُ) لِأَنَّهُ تَلَافَى مَا هُوَ الْمَتْرُوكُ وَهُوَ أَنْ يَأْخُذَ عَنْ يَمِينِهِ خَارِجَ الْحَجَرِ حَتَّى يَنْتَهِيَ إلَى آخِرِهِ ثُمَّ يَدْخُلَ الْحِجْرَ مِنْ الْفُرْجَةِ وَيَخْرُجَ مِنْ الْجَانِبِ الْآخَرِ هَكَذَا يَفْعَلُهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ .

(فَإِنْ رَجَعَ إلَى أَهْلِهِ وَلَمْ يُعِدْهُ فَعَلَيْهِ دَمٌ) لِأَنَّهُ تَمَكَّنَ نُقْصَانٌ فِي طَوَافِهِ بِتَرْكِ مَا هُوَ قَرِيبٌ مِنْ الرُّبُعِ وَلَا تُجْزِيهِ الصَّدَقَةُ .

ترجمہ:

اوراگراس نے صرف حجر کے طواف کولوٹایا تو بھی کافی ہے۔ کیونکہ وہ چھوڑے ہوئے کومکمل کرے۔اور حجر کا طواف یہ ہے۔کہ وہ حجر کے باہر سے دائیں طرف سے ابتداء کرے حتیٰ کہ آخر تک پہنچ جائے۔اس کے بعد حجر میں کشادگی سے داخل ہوکر دوسری جانب نکلے۔ایسے ہی سات مرتبہ کرے۔اور اگر وہ اپنے وطن واپس آئے اور اس کا اعادہ نہیں کیا تو اس پر دم واجب ہے۔کیونکہ چوتھائی کے قریب چھوڑنے کی وجہ سے اس کے طواف میں نقصان پیدا ہوگیا ہے۔لہذا اس کوصدقہ کافی نہ ہوگا۔

حطیم کے باہر سے طواف کرنے کا بیان:

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حطیم کے متعلق دریافت کیا فرمایا یہ بیت اللہ کا حصہ ہے میں نے عرض کیا پھر لوگوں نے اسے بیت اللہ میں داخل کیوں نہ کیا فرمایا ان کے پاس (حلال مال میں سے) خرچہ نہ تھا میں نے عرض کیا کہ پھر بیت اللہ کا دروازہ اتنا اونچا کیوں رکھا کہ سیڑھی کے بغیر چڑھا نہیں جاسکتا۔فرمایا یہ بھی تمہاری قوم نے اسی لئے کیا تا کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور چاہیں اندر جانے سے روک دیں اور اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا (یعنی نومسلم نہ ہوتی) اور یہ ڈر نہ ہوتا کہ ان کے دل دور نہ ہوجائیں تو میں اس بات پر غور کرتا کہ کیا میں تبدیلی لاؤں اس میں پھر میں جو کمی ہے وہ پوری کروں اور اس کا دروازہ زمین پر کردیتا۔(سنن ابن ماجہ، کتاب الحج)

حجر کے باہر سے طواف شروع کرنے میں مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اور اگر اس نے صرف حجر کے طواف کولوٹایا تو بھی کافی ہے۔کیونکہ وہ چھوڑے ہوئے کومکمل کرے۔اور حجر کا طواف یہ ہے۔کہ وہ حجر کے باہر سے دائیں طرف سے ابتداء کرے حتیٰ کہ آخر تک پہنچ جائے۔اس کے بعد حجر میں کشادگی سے داخل ہوکر دوسری جانب نکلے۔ایسے ہی سات مرتبہ کرے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دیوار کے ساتھ حطیم کے گرد خاص طواف کرے۔کیونکہ دیوار حطیم میں داخل نہیں ہے۔

فقہاء شوافع میں سے علامہ نووی نے شرح مہذب میں اسی طرح لکھا ہے۔اور فقہاء حنابلہ میں سے علامہ ابن قدامہ حنبلی نے مغنی میں لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک اس کا طواف دیوار کے باہر سے ہوگا۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اسی طرح کیا۔جبکہ فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس طرح کیا ہے لیکن آپ ﷺ کا عمل اس کی رکنیت پر دلالت کرنے والا نہیں ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ،۵،ص،۲۶۴،حقانیہ ملتان)

طواف زیارت حدث میں جبکہ طواف صدر ایام تشریق میں حالت طہارت میں کرنے کا بیان:

(وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ وَطَوَافَ الصَّدْرِ فِي آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ

طَاهِرًا فَعَلَيْهِ دَمٌ) ، فَإِنْ كَانَ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ جُنُبًا فَعَلَيْهِ دَمَانِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ (وَقَالَا عَلَيْهِ دَمٌ وَاحِدٌ) لِأَنَّ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ لَمْ يُنْقَلْ طَوَافُ الصَّدْرِ إِلَى طَوَافِ الزِّيَارَةِ لِأَنَّهُ وَاجِبٌ ، وَإِعَادَةُ طَوَافِ الزِّيَارَةِ بِسَبَبِ الْحَدَثِ غَيْرُ وَاجِبٍ وَإِنَّمَا هُوَ مُسْتَحَبٌّ فَلَا يُنْقَلُ إِلَيْهِ .

وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي يُنْقَلُ طَوَافُ الصَّدْرِ إِلَى طَوَافِ الزِّيَارَةِ لِأَنَّهُ مُسْتَحِقٌّ الْإِعَادَةَ فَيَصِيرُ تَارِكًا لِطَوَافِ الصَّدْرِ مُؤَخِّرًا لِطَوَافِ الزِّيَارَةِ عَنْ أَيَّامِ النَّحْرِ فَيَجِبُ الدَّمُ بِتَرْكِ الصَّدْرِ بِالِاتِّفَاقِ وَبِتَأْخِيرِ الْآخَرِ عَلَى الْخِلَافِ ، إلَّا أَنَّهُ يُؤْمَرُ بِإِعَادَةِ طَوَافِ الصَّدْرِ مَا دَامَ بِمَكَّةَ وَلَا يُؤْمَرُ بَعْدَ الرُّجُوعِ عَلَى مَا بَيَّنَّا .

ترجمہ:

اور جس شخص نے طواف زیارت وضو کے بغیر کیا اور طواف صدر ایام تشریق کے آخر میں باوضو کیا تو اس پر ایک دم واجب ہے اور اگر اس نے طواف زیارت جنابت کی حالت میں کیا۔تو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک دو دم واجب ہیں۔صاحبین نے کہا ہے۔اس پر ایک دم واجب ہے۔اور حدث کی وجہ سے طواف زیارت کا اعادہ کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔کیونکہ طواف صدر طواف زیارت کی طرف منتقل نہیں کیا جائے گا۔اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ طواف صدر کو چھوڑنے کی وجہ سے بہ اتفاق دم واجب ہے۔اور طواف زیارت میں تاخیر کرنے کی وجہ سے اختلاف کے مطابق واجب ہوگا لیکن جب تک وہ مکہ میں ہے۔اس کو طواف صدر کے لوٹانے کا حکم دیا جائے گا۔جبکہ وطن واپس چلے جانے کے بعد حکم نہیں دیا جائے گا۔جس طرح ہم بیان کرچکے ہیں۔

شرح

صاحب ہدایہ نے اس عبارت میں دو مسائل کا ذکر کیا ہے۔ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی شخص نے وضو کیے بغیر طواف زیارت کیا۔اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس نے طواف صدر ایام تشریق کے آخر میں کیا ہے البتہ وضو کے ساتھ کیا ہے۔تو ان دونوں صورتوں میں ایک پر ایک دم واجب ہے۔کیونکہ اس ان دنوں مسائل میں جنایت کی ہے جس کی وجہ سے دم واجب ہوگیا ہے۔

البتہ حدث جنابت کی صورت میں نقصان بڑا ہونے کی وجہ سے حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک دو دم واجب ہیں جبکہ صاحبین کے نزدیک اس صورت میں ایک دم واجب ہے۔ان کی تفصیلی دلائل ہم جنایات کے شروع میں علل کی صورتوں میں بیان کرچکے ہیں۔لہذا یہاں بھی علت کے موافق حکم دیا جائے گا۔

طواف کے لئے وضو کے حکم کا بیان:

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ

سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ پہنچ کر جو سب سے پہلے کام کیا وہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا اور پھر بیت اللہ کا طواف کیا (یعنی عمرہ کا طواف کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قارن یا متمتع تھے اور عمرہ نہیں ہوا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو آپ نے بھی بیت اللہ کے طواف سے افعال حج کی ابتداء کی اور عمرہ نہیں ہوا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا۔ (بخاری ومسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا۔ کا مطلب یہ ہے کہ مکہ پہنچ کر طواف بیت اللہ سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ وضو کیا، کیونکہ یہ بات پہلے ہی معلوم ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ذی طویٰ میں غسل کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ غسل میں وضو بھی شامل ہوتا تھا۔ طواف کے صحیح ہونے کے لئے طہارت یعنی پاکی جمہور علماء کے نزدیک تو شرط ہے لیکن حنفیہ کے ہاں شرط نہیں ہے البتہ واجب ہے۔

گزشتہ احادیث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ نے مکہ پہنچ کر عمرہ کیا، اس کے بعد جو لوگ قربانی کا جانور ساتھ لائے تھے وہ تو احرام باندھے رہے اور جو لوگ قربانی کا جانور ساتھ نہ لائے تھے انہوں نے احرام کھول دیا۔ لہٰذا اور عمرہ نہ ہوا کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کو فسخ یعنی موقوف کر کے عمرہ نہیں کیا اور احرام نہیں کھولا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کے بعد احرام ہی کی حالت میں رہے کیونکہ قارن تھے اور پھر آخر میں قربانی کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام کھولا۔ لہٰذا راوی نے یہ بات اس لئے کہی تا کہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو یہ گمان کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کو فسخ کر کے عمرہ کیا۔

یا پھر اس جملہ کی مراد یہ ہے کہ ان سب نے حج کے بعد الگ سے اور عمرہ نہیں کیا بلکہ اسی عمرہ پر اکتفاء کیا جو حج کے ساتھ شامل تھا۔

تجدید وضو میں مذاہب اربعہ کا بیان:

آپ ہر فرض نماز کے موقع پر نیا وضو کیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ایک باوضو شخص کے لیے تجدیدِ وضو کو بشمول ائمہ اربعہ کے اکثر فقہا نے بعض شرائط کے ساتھ ایک پسندیدہ اور مستحب عمل قرار دیا ہے۔

امام احمد بن حنبل سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ تجدیدِ وضو کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ لیکن علمائے حنابلہ، امام احمد کی اُسی روایت کو زیادہ مستند قرار دیتے ہیں جو جمہور کے موافق ہے۔

دین میں اِس عمل کے استحباب کے لیے فقہا نے جو بعض شرائط بیان کی ہیں اُن کے حوالے سے اِن کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ علمائے شافعیہ کے نزدیک وضو پر نیا وضو کرنا اِس شرط کے ساتھ پسندیدہ ہے کہ پہلے وضو سے آدمی نے کم از کم دو رکعت نماز، خواہ نفل ہو یا فرض، پڑھی ہو۔

احناف نے یہ شرط عائد کی ہے کہ پہلے اور دوسرے وضو کے مابین ایک نشست یا ایک نماز ضرور ہونی چاہیے، اگر ایسا نہیں ہے

تو اُس صورت میں نیا وضو کرنا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔

مالکیہ کا کہنا ہے کہ دونوں کے مابین کسی ایسی عبادت کا ہونا ضروری جس کی صحت کے لیے وضو کا ہونا شرط ہے۔ جیسے نماز، طواف بیت اللہ یا مصحف قرآنی سے تلاوت کرنا وغیرہ۔

جس نے عمرے کیلئے طواف وسعی وضو کے بغیر کیا:

(وَمَنْ طَافَ لِعُمْرَتِهِ وَسَعَى عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ وَحَلَّ فَمَا دَامَ بِمَكَّةَ يُعِيدُهُمَا وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) أَمَّا إعَادَةُ الطَّوَافِ فَلِتَمَكُّنِ النَّقْصِ فِيهِ بِسَبَبِ الْحَدَثِ . وَأَمَّا السَّعْيُ فَلِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلطَّوَافِ ، وَإِذَا أَعَادَهُمَا لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِارْتِفَاعِ النُّقْصَانِ (وَإِنْ رَجَعَ إلَى أَهْلِهِ قَبْلَ أَنْ يُعِيدَ فَعَلَيْهِ دَمٌ) لِتَرْكِ الطَّهَارَةِ فِيهِ ، وَلَا يُؤْمَرُ بِالْعَوْدِ لِوُقُوعِ التَّحَلُّلِ بِأَدَاءِ الرُّكْنِ إذْ النُّقْصَانُ يَسِيرٌ ، وَلَيْسَ عَلَيْهِ فِي السَّعْيِ شَيْءٌ ؛ لِأَنَّهُ أَتَى بِهِ عَلَى أَثَرِ طَوَافٍ مُعْتَدٍّ بِهِ ، وَكَذَا إذَا أَعَادَ الطَّوَافَ وَلَمْ يُعِدْ السَّعْيَ فِي الصَّحِيحِ .

(وَمَنْ تَرَكَ السَّعْيَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَعَلَيْهِ دَمٌ وَحَجُّهُ تَامٌّ) لِأَنَّ السَّعْيَ مِنْ الْوَاجِبَاتِ عِنْدَنَا فَيَلْزَمُ بِتَرْكِهِ الدَّمُ دُونَ الْفَسَادِ .

ترجمہ:

اور جس بندے نے وضو کے بغیر عمرے کیلئے طواف وسعی کی اور وہ حلال ہو گیا۔ جب تک تو مکے میں ہے۔ ان دونوں کو لوٹائے اور اس پر کوئی شئی واجب نہیں ہے۔ اور طواف کا اعادہ اس لئے ہے کہ اس میں حدث کی وجہ سے نقصان پیدا ہو چکا ہے اور اگر طواف کا اعادہ کرنے سے پہلے وہ اپنے وطن میں واپس چلا گیا تو اس پر قربانی واجب ہے۔ اس لئے اس کے طواف میں طہارت رہ گئی تھی۔ اور اسے واپس آنے کا حکم نہیں دیا جائے۔ کیونکہ رکن کی ادائیگی کی حلال ہو چکا ہے۔ کیونکہ نقصان تھوڑا ہے اور سعی سے متعلق اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے اسلئے کہ وہ سعی کو طواف کے بعد لانے والا ہے۔ جس کا شریعت نے اعتبار کیا ہے۔ اور صحیح قول کے مطابق اگر اس نے طواف کا اعادہ کیا اور سعی کا اعادہ خواہ نہیں کیا ہے۔

اور جس شخص نے صفا مروہ کے درمیان سعی کو ترک کیا اس کا حج مکمل ہو گیا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک سعی واجبات میں سے ہے لہٰذا اس کے ترک کی وجہ سے اس پر دم واجب ہو گا حج فاسد نہ ہو گا۔

سعی کے وضو میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کا بیان:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور سعی کے بارے میں یہ ہے کہ اس میں وضوء کی شرط نہیں، آئمہ اربعہ امام

مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام احمد رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے، بلکہ حائضہ عورت کیلئے صفا مروہ کی سعی کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ عورت کو سعی کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ صرف طواف کرنے سے منع فرمایا ہے۔

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب انہیں حیض آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا: (حاجیوں والے سارے کام سرانجام دو لیکن پاک صاف ہونے تک صرف بیت اللہ کا طواف نہ کرنا)۔ (المغنی لابن قدامۃ (246/5)

لھذا اگر کسی نے بغیر وضوء یا جنبی حالت میں سعی کر لی یا پھر کسی عورت نے حیض کی حالت میں سعی کر لی تو اس کی یہ سعی کافی ہوگی لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ وہ طہارت و پاکیز کی پر سعی کرے۔

سعی کے وجوب و رکن میں مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فقہاء احناف کے نزدیک اگر کسی نے سعی ترک کی تو اس پر دم واجب ہے۔ اور اس کا حج مکمل ہوگا۔ کیونکہ ہمارے نزدیک سعی واجب ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک رکن ہے۔ ہمارے نزدیک اس کے ترک پر فساد حج نہیں بلکہ دم لازم آئے گا۔ کوینکہ ہر نسک رکن نہیں ہے لہذا دم اس کا قائم مقام ہوگا جس طرح رمی میں ہوتا ہے۔ اور فساد سے احتراز اس لئے کیا کہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک سعی رکن ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۲۶۶، حقانیہ ملتان)

امام سے پہلے عرفات سے چلے جانے کی صورت میں وجوب دم کا بیان:

(وَمَنْ أَفَاضَ قَبْلَ الْإِمَامِ مِنْ عَرَفَاتٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا شَيْءَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّ الرُّكْنَ أَصْلُ الْوُقُوفِ فَلَا يَلْزَمُهُ بِتَرْكِ الْإِطَالَةِ شَيْءٌ .

وَلَنَا أَنَّ الِاسْتِدَامَةَ إلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ وَاجِبَةٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (فَادْفَعُوا بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ) " فَيَجِبُ بِتَرْكِهِ الدَّمُ ، بِخِلَافِ مَا إذَا وَقَفَ لَيْلًا لِأَنَّ اسْتِدَامَةَ الْوُقُوفِ عَلَى مَنْ وَقَفَ نَهَارًا لَا لَيْلًا ، فَإِنْ عَادَ إلَى عَرَفَةَ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ لَا يَسْقُطُ عَنْهُ الدَّمُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ ، لِأَنَّ الْمَتْرُوكَ لَا يَصِيرُ مُسْتَدْرَكًا . وَاخْتَلَفُوا فِيمَا إذَا عَادَ قَبْلَ الْغُرُوبِ .

ترجمہ:

جو بندہ عرفات سے امام سے پہلے چلا گیا تو اس پر دم واجب ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس پر کوئی شئی واجب نہیں ہے کیونکہ اصل رکن وقوف عرفہ ہے لہذا ترک طواف کی وجہ سے کچھ واجب نہ ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ غروب آفتاب تک وقوف کرنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم غروب آفتاب کے بعد چلو۔ لہذا اس کے ترک کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔ بہ خلاف اس شخص کے کہ جس نے رات کو وقوف عرفہ کیا کیونکہ وقوف کو برابر رکھنا اس پر واجب ہے۔ جس نے دن میں وقوف کیا اور رات میں وقوف نہیں کیا۔ پھر اگر سورج غروب ہونے کے بعد وہ واپس عرفہ چلا گیا ہے تو ظاہر الروایت کے مطابق اس سے دم ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ جو زمانہ رہ گیا وہ مکمل نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس صورت میں اختلاف ہے جب وہ غروب سے پہلے واپس آیا ہے۔

عرفات سے امام سے پہلے جانیوالے سے متعلق مذاہب اربعہ:

جو بندہ عرفات سے امام سے پہلے چلا گیا تو اس پر دم واجب ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس پر کوئی شئی واجب نہیں ہے کیونکہ اصل رکن وقوف عرفہ ہے لہذا ترک طواف کی وجہ سے کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور امام شافعی کے دوسرے قول کے مطابق اس پر دم واجب ہے۔ جس طرح ہمارا موقف ہے۔ اور امام مالک اور امام احمد علیہ الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے اگرچہ انہوں نے رات کے وقوف اور دن کے وقوف کو جمع نہیں کیا۔ اور علامہ کاکی نے بھی کہا ہے دن رات کو جمع کرنا شرط نہیں ہے۔ علامہ سروجی نے کہا ہے امام مالک علیہ الرحمہ نے اشتراط وقوف میں دن کو کچھ قرار نہیں دیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک رکن ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۲۶۷، حقانیہ ملتان)

جو شخص غروب آفتاب سے پہلے عرفات سے چلا گیا دم دے پھر اگر غروب سے پہلے واپس آیا تو ساقط ہو گیا اور غروب کے بعد واپس ہوا تو نہیں اور عرفات سے چلا آنا خواہ باختیار ہو یا بلا اختیار ہو مثلاً اونٹ پر سوار تھا وہ اسے لے بھاگا دونوں صورت میں دم ہے۔

اگر کسی نے اس واجب کو بلا عذر شرعی ترک کر دیا تو اسے بعض ائمہ (مالک، شافعی، اور ایک روایت میں امام احمد) کے نزدیک دم دینا پڑے گا جبکہ امام احمد کی مشہور روایت اور احناف کے نزدیک ترکِ قیامِ منیٰ پر فدیہ نہیں ہے۔

لیکن اُنہیں رمی کرنا ہوگی، ایسے لوگ ایک دن بکریاں چرائیں اور ایک دن میں دونوں کی اکٹھی کنکریاں مار لیں۔ (ابن حبان، رقم، ۲۹۷۵)

وقوف مزدلفہ و ترک رمی میں وجوب دم کا بیان:

(وَمَنْ تَرَكَ الْوُقُوفَ بِالْمُزْدَلِفَةِ فَعَلَيْهِ دَمٌ) لِأَنَّهُ مِنْ الْوَاجِبَاتِ . (وَمَنْ تَرَكَ رَمْيَ الْجِمَارِ فِي الْأَيَّامِ كُلِّهَا فَعَلَيْهِ دَمٌ) لِتَحَقُّقِ تَرْكِ الْوَاجِبِ ، وَيَكْفِيهِ دَمٌ وَاحِدٌ ؛ لِأَنَّ الْجِنْسَ مُتَّحِدٌ كَمَا فِي الْحَلْقِ ، وَالتَّرْكُ إنَّمَا يَتَحَقَّقُ بِغُرُوبِ الشَّمْسِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ الرَّمْيِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يُعْرَفْ قُرْبَةً إلَّا فِيهَا ، وَمَا دَامَتْ الْأَيَّامُ بَاقِيَةً فَالْإِعَادَةُ مُمْكِنَةٌ فَيَرْمِيهَا عَلَى التَّأْلِيفِ

ثُمَّ بِتَأْخِيرِهَا يَجِبُ الدَّمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ خِلَافًا لَهُمَا .

ترجمہ:

اور جس بندے نے وقوف مزدلفہ چھوڑ دیا تو اس قربانی واجب ہے اس لئے مزدلفہ کا وقوف واجبات میں سے ہے۔اور جس نے تمام دنوں میں رمی چھوڑی تو اس پر قربانی واجب ہے کیونکہ واجب کا چھوٹنا ثابت ہوگیا ہے۔اس کو ایک قربانی کفایت کرنے والی ہے۔کیونکہ جنس متحد ہے۔جس طرح حلق میں ہے اور رمی کے دنوں میں ترک آخری دن کے غروب آفتاب سے ثابت ہوگا۔کیونکہ رمی کا عبادت ہونا صرف انہی دنوں کے ساتھ ہے۔اور جب تک یہ دن موجود ہوں گے تو اس کا اعادہ کرنا ممکن ہے۔لہذا ترتیب کے ساتھ رمی کرے۔پھر تاخیر رمی کی وجہ سے قربانی واجب ہوگی۔اس حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔

شرح

دسویں کی صبح کو مزدلفہ میں بلا عذر وقوف نہ کیا تو دَم دے۔ہاں کمزور یا عورت بخوف از دحام وقوف ترک کرے تو جرمانہ نہیں۔

کسی دن بھی رَمی نہیں کی یا ایک دن کی بالکل یا اکثر ترک کردی مثلاً دسویں کو تین کنکریاں تک ماریں یا گیارھویں وغیرہ کو دس کنکریاں تک یا کسی دن کی بالکل یا اکثر رَمی دوسرے دن کی تو ان سب صورتوں میں دَم ہے اور اگر کسی دن کی نصف سے کم چھوڑی مثلاً دسویں کو چار کنکریاں ماریں، تین چھوڑ دیں یا اور دِنوں کی گیارہ ماریں دس چھوڑ دیں یا دوسرے دن کی تو ہر کنکری پر ایک صدقہ دے اور اگر صدقوں کی قیمت دَم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم کردے۔

(ردمختار، کتاب الحج، باب الجنایات) (جوہرہ نیرہ، کتاب الحج)

ایک دن کی رمی ترک کرنے میں وجوب دم کا بیان:

(وَإِنْ تَرَكَ رَمْيَ يَوْمٍ وَاحِدٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ) لِأَنَّهُ نُسُكٌ تَامٌّ (وَمَنْ تَرَكَ رَمْيَ إحْدَى الْجِمَارِ الثَّلَاثِ فَعَلَيْهِ الصَّدَقَةُ) لِأَنَّ الْكُلَّ فِي هَذَا الْيَوْمِ نُسُكٌ وَاحِدٌ فَكَانَ الْمَتْرُوكُ أَقَلَّ إلَّا أَنْ يَكُونَ الْمَتْرُوكُ أَكْثَرَ مِنْ النِّصْفِ فَحِينَئِذٍ يَلْزَمُهُ الدَّمُ لِوُجُودِ تَرْكِ الْأَكْثَرِ (وَإِنْ تَرَكَ رَمْيَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فِي يَوْمِ النَّحْرِ فَعَلَيْهِ دَمٌ) لِأَنَّهُ كُلُّ وَظِيفَةِ هَذَا الْيَوْمِ رَمْيًا وَكَذَا إذَا تَرَكَ الْأَكْثَرَ مِنْهَا (وَإِنْ تَرَكَ مِنْهَا حَصَاةً أَوْ حَصَاتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا تَصَدَّقَ لِكُلِّ حَصَاةٍ نِصْفَ صَاعٍ إلَّا أَنْ يَبْلُغَ دَمًا فَيَنْقُصَ مَا شَاءَ) لِأَنَّ الْمَتْرُوكَ هُوَ الْأَقَلُّ فَتَكْفِيهِ الصَّدَقَةُ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے ایک دن کی رمی کو ترک کیا تو اس پر ایک دم واجب ہے۔اس لئے کہ یہ ایک مکمل نسک ہے اور جس نے تینوں

جمرات میں ایک دن کی رمی کو چھوڑ دیا تو اس پر صدقہ واجب ہے۔کیونکہ تینوں جمرات کی رمی اس دن میں ایک ہی نسک ہے۔لہذا متروک نصف سے بھی کم ہے۔کیونکہ متروک جب نصف زائد ہو تو اس پر دم لازم ہوگا۔اس لئے اکثر پایا گیا ہے اور اگر نحر کے دن جمرہ عقبہ کی رمی نہ کی تو اس پر دم واجب ہے۔کیونکہ اس نے اس دن کی رمی کے پورے عمل کو ترک کیا ہے اور اگر اس نے رمی کے اکثر کو ترک کیا تو بھی یہی حکم ہے۔اور اگر اس نے رمی کرنے سے دو یا تین یا ایک کنکری نہ ماری تو ہر کنکری پر نصف صاع گندم صدقہ ہے۔لیکن جب اس کا یہ صدقہ ایک بکری کی قیمت تک جا پہنچے تو جتنا چاہے کم کردے۔کیونکہ اس کا متروک نصف سے کم ہے لہذا صدقہ دینا کافی ہے۔

رمی کی تاخیر میں وجوب دم میں مذاہب اربعہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قربانی کے دن منیٰ میں لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (تقدیم و تاخیر کے سلسلہ میں) مسائل دریافت کر رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں یہی فرماتے تھے کہ کوئی حرج نہیں ہے چنانچہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں نے شام ہونے کے بعد کنکریاں ماری ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔(بخاری)

دوسرے ائمہ (ثلاثہ) کا مسلک تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قربانی کے دن کنکریاں مارنے میں اتنی تاخیر کرے کہ آفتاب غروب ہو جائے تو اس پر دم واجب ہوگا، چنانچہ ان کے نزدیک حدیث میں شام کے بعد سے مراد بعد عصر ہے۔

احناف کے نزدیک اس بارے میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ دسویں ذی الحجہ کو طلوع فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے کا وقت کنکریاں مارنے کے لئے وقت جواز ہے مگر اساءۃ کے ساتھ، یعنی اگر کوئی شخص طلوع فجر کے بعد ہی کنکریاں مارے تو یہ جائز ہو جائے گا مگر یہ اچھا نہیں ہوگا۔طلوع آفتاب کے بعد سے زوال آفتاب تک کا وقت، وقت مسنون ہے۔زوال آفتاب کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت، وقت جواز ہے مگر بغیر اساءۃ کے یعنی اگر کوئی شخص زوال آفتاب کے بعد سے غروب آفتاب تک کے کسی حصہ میں کنکریاں مارے تو یہ جائز بھی ہوگا اور اس کے بارے میں یہ بھی نہیں کہیں گے کہ اس نے اچھا نہیں کیا۔البتہ وقت مسنون کی سعادت اسے حاصل نہیں ہوگی۔اور غروب آفتاب کے بعد یعنی رات کا وقت، وقت جواز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔

مگر اتنی بات ذہن میں رہے کہ کراہت اس صورت میں ہے جب کہ کوئی شخص بلا عذر اتنی تاخیر کرے کہ آفتاب بھی غروب ہو جائے اور پھر وہ رات میں کنکریاں مارے، چنانچہ اگر چرواہے یا ان کے مانند وہ لوگ جو کسی عذر کی بناء پر رات ہی میں کنکریاں مار سکتے ہوں تو ان کے حق میں کراہت نہیں ہے، البتہ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ کوئی حرج نہیں ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سائل کوئی چرواہا ہوگا جس نے شام کے بعد یعنی رات میں کنکریاں ماریں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا کہ تم چونکہ دن میں کنکریاں مارنے سے معذور تھے اس لئے رات میں کنکریاں مارنے کی وجہ سے تم پر کوئی گناہ نہیں۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بلا عذر رمی کنکریاں مارنے میں اتنی تاخیر کرے کہ صبح ہو جائے تو وہ رمی کرے گا مگر اس پر بطور جزاء دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہو جائے گا، یہ حضرت امام اعظم کا قول ہے صاحبین کا اس سے اختلاف ہے۔

یوم نحر کے بعد کے دو دنوں یعنی ذی الحجہ کی گیارہویں اور بارہویں تاریخ میں کنکریاں مارنے کا وقت مسنون زوال آفتاب کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے اور غروب آفتاب کے بعد سے فجر طلوع ہونے تک مکروہ ہے، لہٰذا فجر طلوع ہوتے ہی حضرت امام اعظم کے نزدیک وقت ادا ختم ہو جاتا ہے جب کہ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک وقت ادا طلوع فجر کے بعد بھی باقی رہتا ہے، گویا رمی کا وقت طلوع فجر کے بعد بالاتفاق باقی رہتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اس وقت کی رمی حضرت امام اعظم کے ہاں وقت قضا میں ہوگی اور صاحبین کے ہاں وقت ادا ہی میں! اور چوتھے دن یعنی ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ کو آفتاب غروب ہوتے ہی متفقہ طور پر سب کے نزدیک رمی کا وقت ادا بھی فوت ہو جاتا ہے اور وقت قضا بھی۔

حلق کو ایام نحر تک مؤخر کرنے کے بیان میں حکم فقہی:

(وَمَنْ أَخَّرَ الْحَلْقَ حَتَّى مَضَتْ أَيَّامُ النَّحْرِ فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَكَذَا إذَا أَخَّرَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ) حَتَّى مَضَتْ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ (فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَهُ وَقَالَا : لَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِي الْوَجْهَيْنِ) وَكَذَا الْخِلَافُ فِي تَأْخِيرِ الرَّمْيِ وَفِي تَقْدِيمِ نُسُكٍ عَلَى نُسُكٍ كَالْحَلْقِ قَبْلَ الرَّمْيِ وَنَحْرِ الْقَارِنِ قَبْلَ الرَّمْيِ وَالْحَلْقِ قَبْلَ الذَّبْحِ ، لَهُمَا أَنَّ مَا فَاتَ مُسْتَدْرَكٌ بِالْقَضَاءِ وَلَا يَجِبُ مَعَ الْقَضَاءِ شَيْءٌ آخَرُ .

وَلَهُ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ " مَنْ قَدَّمَ نُسُكًا عَلَى نُسُكٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ " وَلِأَنَّ التَّأْخِيرَ عَنْ الْمَكَانِ يُوجِبُ الدَّمَ فِيمَا هُوَ مُوَقَّتٌ بِالْمَكَانِ كَالْإِحْرَامِ فَكَذَا التَّأْخِيرُ عَنْ الزَّمَانِ فِيمَا هُوَ مُوَقَّتٌ بِالزَّمَانِ .

ترجمہ:

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس بندے نے حلق کو مؤخر کیا حتیٰ کہ ایام نحر گزر گئے تو اس پر دم واجب ہے۔ اور اسی طرح جب اس نے طواف زیارت کو مؤخر کیا۔

صاحبین نے کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں کوئی چیز لازم نہیں ہے۔ اور اس اختلاف کی بنیاد رمی کو مؤخر کرنے اور ایک نسک کو دوسرے نسک پر مقدم کرنے والے مسئلہ کی طرح ہے۔ جس طرح رمی سے پہلے حلق کروانا ہے اور قارن کا رمی سے پہلے ذبح کرنا ہے اور ذبح سے پہلے حلق کروانا ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جو چیز فوت ہوئی ہے اس کو قضاء سے مکمل کر لیا گیا ہے لہٰذا قضاء کے

ساتھ کوئی دوسری چیز واجب نہ ہوگی۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے۔ فرمایا ہے کہ جس نے ایک نسک کو دوسرے نسک پر مقدم کیا تو اس پر دم واجب ہے۔ کیونکہ جو چیز بھی جگہ کے ساتھ موقت ہے۔ جس طرح احرام کو اس کے مکان سے مؤخر کرنے کی صورت میں واجب کو واجب کرنے والا ہے۔ لہٰذا اسی طرح زمانے کے ساتھ موقت کی گئی چیز کو جب اس کے زمانے سے مؤخر کریں گے تو موجب دم ہوگی۔

یوم نحر میں افعال اربعہ کی ترتیب کے وجوب میں مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یوم نحر میں چار چیزیں کا عمل کیا جاتا ہے جن کی ترتیب کے وجوب وعدم وجوب میں اختلاف ہے۔ اور وہ چار چیزیں یہ ہیں۔ (۱) رمی (۲) نحر (۳) حلق (۴) طواف۔

حضرت امام مالک و امام شافعی علیہما الرحمہ فرماتے ہیں کہ ترتیب واجب ہے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ترتیب مستحب ہے۔ اور اگر اس نے حلق نحر سے مقدم کیا تو جائز ہے۔ اور ان کے اس ایک قول کے مطابق اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔

اور ان کے ایک قول کے مطابق اگر اس نے حلق کو مقدم کیا تو اس پر دم واجب ہے۔ اور امام مالک علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ جبکہ امام احمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ان تمام میں سے کسی ایک بھی بطور جہالت یا بھول کر مقدم کرنے کی صورت میں کچھ واجب نہیں ہے۔ اور اگر اس نے بطور ارادہ مقدم کیا تو وجوب دم میں دو روایات ہیں۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک تقدیم وتاخیر کی صورت دم ہوگا خواہ وہ جہالت کی بناء پر ہو یا بھول کر ہو۔ حضرت امام مالک، امام زفر نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد علیہما الرحمہ کے نزدیک تقدیم وتاخیر کی صورت میں کچھ واجب نہیں ہے۔ البتہ قارن جب ذبح پر مقدم کرے تو اس پر دم واجب ہے۔ کیونکہ حلق کا غیر میں ہونا یا احرام کی جنایت ہے جبکہ تقدیم وتاخیر کا اعتبار نہیں ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ ج ۵ ص ۲۷۱، حقانیہ ملتان)

ایام نحر میں حرم کے سوا حلق کروانے پر وجوب دم کا بیان:

(وَإِنْ حَلَقَ فِي أَيَّامِ النَّحْرِ فِي غَيْرِ الْحَرَمِ فَعَلَيْهِ دَمٌ ، وَمَنْ اعْتَمَرَ فَخَرَجَ مِنْ الْحَرَمِ وَقَصَّرَ فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ) رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى (وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ) رَحِمَهُ اللَّهُ : (لَا شَيْءَ عَلَيْهِ) قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : ذَكَرَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ فِي الْمُعْتَمِرِ وَلَمْ يَذْكُرْهُ فِي الْحَاجِّ . قِيلَ هُوَ بِالِاتِّفَاقِ ؛ لِأَنَّ السُّنَّةَ جَرَتْ فِي

الْحَجِّ بِالْحَلْقِ بِمِنًى وَهُوَ مِنَ الْحَرَمِ .

وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ عَلَى الْخِلَافِ ، هُوَ يَقُولُ : الْحَلْقُ غَيْرُ مُخْتَصٍّ بِالْحَرَمِ (لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ أُحْصِرُوا بِالْحُدَيْبِيَةِ وَحَلَقُوا فِي غَيْرِ الْحَرَمِ) .وَلَهُمَا أَنَّ الْحَلْقَ لَمَّا جُعِلَ مُحَلِّلًا صَارَ كَالسَّلَامِ فِي آخِرِ الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ مِنْ وَاجِبَاتِهَا ، وَإِنْ كَانَ مُحَلِّلًا ، فَإِذَا صَارَ نُسُكًا اخْتَصَّ بِالْحَرَمِ كَالذَّبْحِ وَبَعْضُ الْحُدَيْبِيَةِ مِنَ الْحَرَمِ فَلَعَلَّهُمْ حَلَقُوا فِيهِ .فَالْحَاصِلُ أَنَّ الْحَلْقَ يَتَوَقَّتُ بِالزَّمَانِ وَالْمَكَانِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يَتَوَقَّتُ بِهِمَا وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَتَوَقَّتُ بِالْمَكَانِ دُونَ الزَّمَانِ ، وَعِنْدَ زُفَرَ يَتَوَقَّتُ بِالزَّمَانِ دُونَ الْمَكَانِ .وَهَذَا الْخِلَافُ فِي التَّوْقِيتِ فِي حَقِّ التَّضْمِينِ بِالدَّمِ وَأَمَّا فِي حَقِّ التَّحَلُّلِ فَلَا يَتَوَقَّتُ بِالِاتِّفَاقِ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے ایام نحر کے سوا میں حلق کروایا تو اس پر دم واجب ہے اور جس بندے نے عمرہ کیا اس کے بعد حرم سے چلا گیا اور قصر کروالیا تو اس پر بھی واجب ہے۔طرفین کے نزدیک یہی حکم ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا قول عمرہ ادا کرنے والے کیلئے ذکر کیا ہے۔اور حج کرنے والے کیلئے بیان نہیں کیا ہے۔اور کہا گیا ہے کہ مسئلہ بہ اتفاق ہے۔کیونکہ حج میں منی میں حلق کرنے کی سنت بنی ہے جبکہ منی حرم میں ہے۔اور سب سے زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرماتے ہیں کہ حلق کروانا حرم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب مقام حدیبیہ کے مقام پر روک دیئے گئے تو انہوں نے حرم سے باہر حلق کروایا۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حلق کروانا احرام سے حلال ہونا اسی طرح قرار دیا گیا ہے جس طرح میں نماز کے آخر میں سلام کو قرار دیا گیا ہے۔جبکہ سلام نماز کے واجبات میں سے ہے۔اگرچہ وہ تحریمہ سے نماز کو حلال کرنے والا ہے۔لہذا جب حلق نسک ہے تو وہ حرم کے ساتھ خاص ہوگا جس طرح ذبح کرنا ہے اور حدیبیہ کا بعض حصہ حرم میں شامل ہے۔اور بات قرین قیاس ہے کہ انہوں نے اسی جگہ میں حلق کروایا ہو۔اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک حلق کروانا زمان ومکان کے ساتھ موقت کردیا گیا ہے۔جبکہ حضرت امام زفر علیہ

الرحمہ کے نزدیک صرف زمان کے ساتھ موقت کیا گیا ہے مکان کے ساتھ نہیں ہے اور موقیت میں اختلاف لزوم دم ہونے حق میں ہے۔البتہ حلال ہونے کے حق میں بہ اتفاق توقیت نہیں ہے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

حرم میں حلق نہ کیا، حدودحرم سے باہر کیا یا بارھویں کے بعد کیا یا رمی سے پہلے کیا یا قارن و متمتع نے قربانی سے پہلے کیا یا ان دونوں نے رمی سے پہلے قربانی کی تو ان سب صورتوں میں دم ہے۔عمرہ کا حلق بھی حرم ہی میں ہونا ضروری ہے، اس کا حلق بھی حرم سے باہر ہوا تو دم ہے مگر اس میں وقت کی شرط نہیں۔حج کرنے والے نے بارھویں کے بعد حرم سے باہر سر مونڈایا تو دو دم ہیں، ایک حرم سے باہر حلق کرنے کا دوسرا بارھویں کے بعد ہونے کا۔(درمختار، کتاب الحج)

حلق وقصر کا عمرہ میں عدم توقیت کا بیان:

وَالتَّقْصِيرُ وَالْحَلْقُ فِي الْعُمْرَةِ غَيْرُ مُوَقَّتٍ بِالزَّمَانِ بِالْإِجْمَاعِ ؛ لِأَنَّ أَصْلَ الْعُمْرَةِ لَا يَتَوَقَّتُ بِهِ بِخِلَافِ الْمَكَانِ ؛ لِأَنَّهُ مُوَقَّتٌ بِهِ .

قَالَ (فَإِنْ لَمْ يُقَصِّرْ حَتَّى رَجَعَ وَقَصَّرَ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا) مَعْنَاهُ : إذَا خَرَجَ الْمُعْتَمِرُ ثُمَّ عَادَ ؛ لِأَنَّهُ أَتَى بِهِ فِي مَكَانِهِ فَلَا يَلْزَمُهُ ضَمَانُهُ .

ترجمہ:

عمرے میں حلق وقصر بہ اتفاق زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔کیونکہ خود عمرہ بھی کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔بہ خلاف جگہ کے کیونکہ اس کے ساتھ عمرہ خاص ہے۔

فرمایا: اگر عمرہ کرنے والا نے قصر نہ کیا حتیٰ کہ لوٹ آیا اور پھر قصر کیا تو بہ اتفاق اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے اس کا حکم یہ ہے کہ عمرہ کرنے والا حرم سے نکل کر پھر حرم میں لوٹ آیا ہے۔اس لئے کہ اس نے حلق وقصر کو اپنی جگہ میں کیا ہے تو اس پر کوئی ضمان لازم نہ آئے گا۔

شرح

اس عبارت میں صاحب ہدایہ حلق وقصر کے بارے میں بیان کیا ہے ان کو وقت کی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا جائے گا۔کیونکہ عمرہ خود جوان کی اصل ہے وہ زمانے کے ساتھ موقت نہیں ہے تو اس احکام میں فرعی حیثیت رکھنے والے کیونکر موقت ہو سکتے ہیں۔لہذا بالاتفاق ان میں کسی زمانے کی قید نہیں ہے۔کہ جس کے ساتھ ان کو خاص کیا جائے۔عمرے کے وقت عموم میں اس حدیث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔

حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ عمرہ ہے جس سے ہم نے فائدہ اٹھایا ہے جس کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو وہ ہر طرح سے حلال ہو جائے (یعنی عمرہ کے بعد پورا احرام کھول دے) کیونکہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا قیامت تک کے لئے جائز ہو گیا ہے۔ (مسلم)

ایام حج میں عمرہ حج قران کرنے کی صورت میں جائز ہے جبکہ صرف عمرہ کرنا مکروہ ہے۔ اور اس کی کراہت کے دلائل آئندہ صفحات میں بیان کی جائے گی۔

قارن کے ذبح سے پہلے حلق پر دو دموں کے وجوب کا بیان

(فَإِنْ حَلَقَ الْقَارِنُ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ فَعَلَيْهِ دَمَانِ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ : دَمٌ بِالْحَلْقِ فِي غَيْرِ أَوَانِهِ ؛ لِأَنَّ أَوَانَهُ بَعْدَ الذَّبْحِ وَدَمٌ بِتَأْخِيرِ الذَّبْحِ عَنْ الْحَلْقِ .

وَعِنْدَهُمَا يَجِبُ عَلَيْهِ دَمٌ وَاحِدٌ وَهُوَ الْأَوَّلُ ، وَلَا يَجِبُ بِسَبَبِ التَّأْخِيرِ شَيْءٌ عَلَى مَا قُلْنَا .

ترجمہ:

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک جب حج قران کرنے والے نے ذبح کرنے سے پہلے حلق کروایا۔ تو اس پر دو (۲) دم واجب ہیں۔ ایک دم اس لئے ہے کہ اس نے وقت غیر میں حلق کروایا ہے۔ کیونکہ حلق کا وقت ذبح کے بعد ہے اور ایک دم اس لئے ہے کہ اس نے ذبح کو حلق سے مؤخر کیا ہے۔

صاحبین کے نزدیک ایک دم واجب ہے اور وہ پہلا ہے جبکہ تاخیر کی وجہ سے کوئی دم واجب نہیں ہے اسی دلیل کے پیش نظر جو ہم کہہ آئے ہیں۔

افعال حج میں تقدیم وتاخیر کی وجہ سے وجوب دم میں مذاہب اربعہ:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر جب منیٰ میں ٹھہرے تا کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسائل دریافت کریں تو ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ناواقفیت کی وجہ سے میں نے ذبح کرنے سے پہلے اپنا سر منڈا لیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اب ذبح کرلو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر ایک اور شخص نے آ کر عرض کیا کہ میں نے ناواقفیت کی بناء پر کنکریاں مارنے سے پہلے جانور ذبح کرلیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اب کنکریاں مارلو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس فعل کی بھی تقدیم یا تاخیر کے بارے میں سوال کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی فرمایا کہ اب کرلو۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ (بخاری ومسلم)

مسلم کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے سر منڈا لیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب کنکریاں مارلو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ایک اور شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں نے خانہ کعبہ کا فرض طواف کنکریاں مارنے سے پہلے کرلیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اب کنکریاں مارلو، اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس روایت میں ان افعال حج کی تقدیم وتاخیر کے سلسلے میں فرمایا گیا ہے اور سائلین کے جواب دیئے گئے ہیں جو قربانی کے دن یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو کئے جاتے ہیں، چنانچہ اس دن چار چیزیں ہوتی ہیں جن کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے منیٰ میں پہنچ کر جمرہ عقبہ پر جو ایک مینار ہے سات کنکریاں ماری جائیں، پھر جانور کہ جن کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے ذبح کئے جائیں اس کے بعد سر منڈایا جائے یا بال کتروائے جائیں اور پھر مکہ جا کر خانہ کعبہ کا طواف کیا جائے، اس ترتیب کے ساتھ ان افعال کی ادائیگی اکثر علماء کے نزدیک مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں سنت ہے

چنانچہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بھی انہیں میں شامل ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک اگر ان افعال کی ادائیگی میں تقدیم وتاخیر ہو جائے تو بطور جزاء (اس کے بدلہ میں) دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب نہیں ہوتا۔ علماء کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا ترتیب واجب ہے۔

حضرت امام اعظم اور حضرت امام مالک بھی اس جماعت کے ساتھ ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ ارشاد گرامی اس میں کوئی حرج نہیں ہے کا مطلب صرف اتنا ہے کہ یہ تقدیم وتاخیر چونکہ ناواقفیت یا نسیان کی وجہ سے ہوئی ہے اس لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے لیکن جزاء کے طور پر دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہوگا۔ لہٰذا ان حضرات کے مسلک کے مطابق ان چاروں چیزوں میں سے کوئی چیز اگر مقدم یا مؤخر ہو گئی تو بطور جزاء ایک بکری یا اس کے مانند کوئی جانور ذبح کرنا ضروری ہوگا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایسی ہی ایک حدیث روایت کی ہے جب کہ خود انہوں نے مذکورہ افعال کی تقدیم وتاخیر کے سلسلہ میں دم واجب کیا ہے اگر وہ حدیث کے وہ معنی نہ سمجھتے جو حضرت امام اعظم اور ان کے ہمنوا علماء نے سمجھے ہیں تو وہ خود دم واجب کیوں کرتے؟

فصل

﴿یہ فصل حالت احرام میں شکار کرنے کے بیان میں ہے﴾

محرم کی جنایت شکار کی فصل کی فقہی مناسبت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ فصل صرف اس تقدیر پر سمجھی جاسکتی ہے کہ مصنف نے اس میں شکار کی جنایت ہونے کا بیان کیا ہے اور جنایات کے باب میں شکار والی جنایت ایک خاص قسم کی جنایت ہے اسی لئے مصنف نے اس کو الگ بیان کیا ہے۔

احرام والے کیلئے خشکی کے شکار کی حرمت کا بیان:

: اعْلَمْ أَنَّ صَيْدَ الْبَرِّ مُحَرَّمٌ عَلَى الْمُحْرِمِ ، وَصَيْدَ الْبَحْرِ حَلَالٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ) إلَى آخِرِ الْآيَةِ .وَصَيْدُ الْبَرِّ مَا يَكُونُ تَوَالُدُهُ وَمَثْوَاهُ فِي الْبَرِّ ، وَصَيْدُ الْبَحْرِ مَا يَكُونُ تَوَالُدُهُ وَمَثْوَاهُ فِي الْمَاءِ .وَالصَّيْدُ هُوَ الْمُمْتَنِعُ الْمُتَوَحِّشُ فِي أَصْلِ الْخِلْقَةِ ، وَاسْتَثْنَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَمْسَ الْفَوَاسِقَ وَهِيَ : الْكَلْبُ الْعَقُورُ ، وَالذِّئْبُ وَالْحِدَأَةُ ، وَالْغُرَابُ وَالْحَيَّةُ ، وَالْعَقْرَبُ ، فَإِنَّهَا مُبْتَدِئَاتٌ بِالْأَذَى .وَالْمُرَادُ بِهِ الْغُرَابُ الَّذِي يَأْكُلُ الْجِيَفَ .هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ .

ترجمہ:

جان لینا چاہئے کہ محرم کیلئے خشکی کا شکار حرام ہے جبکہ دریائی شکار حلال ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارے لئے تری کا شکار حلال کیا گیا ہے۔ الخ۔ اور خشکی کا شکار وہ ہے۔ جس کی پیدائش و رہائش خشکی پر ہو اور دریائی شکار وہ ہے جس کی پیدائش و رہائش پانی میں ہو۔ شکار اسے کہتے ہیں جو اپنے آپ کو شکاری سے بچانے والا ہو۔ اور اصل تخلیق کے اعتبار سے وحشی ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ نے پانچ فاسقین کا استثناء کیا ہے۔ اور وہ کاٹنے والا کتا ہے۔ بھیڑیا، چیل، کوا، بچھو اور سانپ ہے اس لئے یہ جانور تکلیف پہنچانے میں خود پہلے لڑتے ہیں۔ اور کوے سے مراد وہ ہے جو مردار کھانے والا ہے حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے

شکار یا اس کی دلالت کی حرمت میں اجماع:

متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک شکار یا شکار میں کسی کی اعانت محرم کے لئے حرام ہے، چنانچہ کسی شکار کے جانور کو قتل کرنے یا

اس کے قتل میں اعانت کرنے سے محرم پر جزاء لازم آتی ہے۔

شکار کی وجہ سے محرم پر جو جزاء یا کفارہ لازم ہوتا ہے اس سے مراد وہ قیمت ہے جو دو عادل و تجربہ کار شخص اس شکار کی تجویز کریں اور یہ قیمت یا تو اس مقام کے اعتبار سے ہو جہاں وہ شکار مارا گیا ہے یا اگر اس مقام پر کوئی قیمت نہ ہو تو اس مقام کے اعتبار سے ہو جو شکار کے مقام سے قریب تر ہو کیونکہ ایک چیز کی قیمت مختلف مقامات کے اعتبار سے بدل جاتی ہے، اسی طرح یہ قیمت اس زمانہ کے اعتبار سے ہو جس میں وہ شکار مارا گیا ہے کیونکہ ایک چیز کی قیمت مختلف اوقات و زمانہ میں بدل جاتی ہے، پھر اس بارے میں محرم کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ اس مجوزہ قیمت سے قربانی کا کوئی جانور خرید کر اگر اس قیمت میں کوئی جانور مل سکتا ہو حرم میں ذبح کردے اور چاہے اس قیمت سے غلہ خرید کر ہر فقیر کو، اگر گیہوں ہو تو نصف نصف صاع اور اگر جو یا کھجور ہو تو ایک ایک صاع تقسیم کر دے کسی فقیر کو اس تعداد سے کم نہ دے اور چاہے ہر فقیر کی تعداد صدقہ یعنی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو کے عوض ایک روزہ رکھ لے اور اس صورت میں اگر ایک فقیر کے مقدار صدقہ کا کوئی حصہ باقی بچے تو اس کو خیرات کردے یا اس کے بدلہ بھی ایک روزہ رکھ لے۔ اس صورت میں یہ بات ملحوظ رہے کہ شکار کی جزا بہر صورت واجب ہوگی خواہ کوئی محرم قصداً شکار مارے یا سہواً اس کا مرتکب ہو جائے۔

فقہی اصطلاح تحقیق مناط کا مفہوم:

تحقیق مناط کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ غیر منصوص مسائل اور واقعات کے بارے میں یہ تحقیق کرنا کہ وہ (یعنی غیر منصوص مسائل) اس قاعدہ کلیہ کا مصداق بن رہے ہیں یا نہیں، جس کا ثبوت نص یا اجماع سے ہو؛ اگر وہ قاعدہ کلیہ کا مصداق بن رہے ہوں تو اس کا حکم ان پر بھی نافذ ہوگا، مثلاً حالتِ احرام میں اگر کوئی شکار کرے تو قرآنی نص کے مطابق اس پر کفارہ شکار کے مماثل ہوگا:

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ" ۔ (المائدۃ:)

پس کفارہ کا شکار کے مماثل ہونا منصوص قاعدہ کلیہ ہے؛ لیکن یہ تحقیق کہ آیا نیل گائے، گائے کے مماثل ہے یا نہیں؟ تحقیقِ مناط ہے، ایسے ہی اگر کوئی چوری کرے تو نص قطعی کی رو سے اس کے ہاتھ کاٹ دئے جائیں گے:

"وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ"۔ (المائدۃ:)

پس سرقہ کے ثبوت پر چور کے ہاتھ کا کاٹا جانا منصوص قاعدہ کلیہ ہے؛ لیکن یہ تحقیق کہ جیب کترنا، کفن چرانا سرقہ ہے" تحقیقِ مناط" ہے اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ "علت حکم" جس کا ثبوت نص یا اجماع سے ہو کیبارے میں یہ تحقیق کرنا کہ وہ نئے پیش آنے والے مسائل اور جزئیات میں پائی جاتی ہے یا نہیں، مثلاً بلی کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ اس کا جھوٹا نجس نہیں:

"إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَّافَاتِ" (مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر ۲۲۶۸۹: شاملہ، الناشر: مؤسسة قرطبة، القاهرة)

اس نص کی روشنی میں اس حکم کی علت بلی کا طوافین (بار بار آمد و رفت کرنے والی چیزوں) میں سے ہونا ہے، لیکن یہ تحقیق کرنا کہ آیا چوہے اور دوسرے حشرات الارض میں یہ علت پائی جاتی ہے یا نہیں، تحقیق مناط ہے:

"فأما الأول؛ فهو الاجتهاد المتعلق بتحقيق المناط ومعناه أن يثبت الحكم بمدركه الشرعي لكن يبقى النظر في تعيين محله". (الموافقات، ج ۴، ص ۶۳)

ائمہ اربعہ کے عہد اور ان کے بعد بھی ایک عرصہ تک کار اجتہاد کے ان تینوں شعبوں سے استفادہ کیا جاتا رہا اور اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی گئی؛ البتہ بعد کو چل کر، خاص کر سلطنتِ عباسیہ کے زوال کے بعد کار اجتہاد کا ایک بڑا حصہ آپ سے منقطع ہو گیا؛ لیکن اسی کے ایک حصہ یعنی "تحقیق مناط" (جس کا قدرے وضاحت کے ساتھ اوپر تذکرہ کیا گیا ہے) کو ابدی ضرورت کے تحت علماء نے باقی رکھا؛ یہی وہ قسم ہے جو علم فقہ کو نئی ضروریات اور جدید پیش آنے والے مسائل کے بارے میں شرعی حکم کی یافت کے لیے زندہ، کارکرد اور ہر طرح کے جمود و اضمحلال سے محفوظ رکھتی ہے۔

جب احرام والا شکار کرے یا اسکی طرف دلالت کرے تو حکم شرعی:

قَالَ : (وَإِذَا قَتَلَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا أَوْ دَلَّ عَلَيْهِ مَنْ قَتَلَهُ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ) أَمَّا الْقَتْلُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى (لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ) الْآيَةُ نَصٌّ عَلَى إيجَابِ الْجَزَاءِ . وَأَمَّا الدَّلَالَةُ فَفِيهَا خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ .

هُوَ يَقُولُ : الْجَزَاءُ تَعَلَّقَ بِالْقَتْلِ ، وَالدَّلَالَةُ لَيْسَتْ بِقَتْلٍ ، فَأَشْبَهَ دَلَالَةَ الْحَلَالِ حَلَالًا .

وَلَنَا مَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ .

وَقَالَ عَطَاءٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : أَجْمَعَ النَّاسُ عَلَى أَنَّ عَلَى الدَّالِّ الْجَزَاءَ ؛ وَلِأَنَّ الدَّلَالَةَ مِنْ مَحْظُورَاتِ الْإِحْرَامِ وَلِأَنَّهُ تَفْوِيتُ الْأَمْنِ عَلَى الصَّيْدِ إذْ هُوَ آمِنٌ بِتَوَحُّشِهِ وَتَوَارِيهِ فَصَارَ كَالْإِتْلَافِ ؛ وَلِأَنَّ الْمُحْرِمَ بِإِحْرَامِهِ الْتَزَمَ الِامْتِنَاعَ عَنْ التَّعَرُّضِ فَيَضْمَنُ بِتَرْكِ مَا الْتَزَمَهُ كَالْمُودَعِ بِخِلَافِ الْحَلَالِ لِأَنَّهُ لَا الْتِزَامَ مِنْ جِهَتِهِ ، عَلَى أَنَّ فِيهِ الْجَزَاءَ عَلَى مَا رُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَزُفَرَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ ، وَالدَّلَالَةُ الْمُوجِبَةُ لِلْجَزَاءِ أَنْ لَا يَكُونَ الْمَدْلُولُ عَالِمًا بِمَكَانِ الصَّيْدِ وَأَنْ يُصَدِّقَهُ فِي الدَّلَالَةِ ، حَتَّى لَوْ كَذَّبَهُ وَصَدَّقَ غَيْرَهُ لَا ضَمَانَ عَلَى الْمُكَذَّبِ (وَلَوْ كَانَ الدَّالُّ حَلَالًا فِي الْحَرَمِ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ شَيْءٌ) لِمَا قُلْنَا (وَسَوَاءٌ فِي ذَلِكَ الْعَامِدُ وَالنَّاسِي) لِأَنَّهُ ضَمَانٌ يَعْتَمِدُ وُجُوبُهُ الْإِتْلَافَ فَأَشْبَهَ غَرَامَاتِ

الْأَمْوَالِ (وَالْمُبْتَدِءُ وَالْعَائِدُ سَوَاءٌ) لِأَنَّ الْمُوجِبَ لَا يَخْتَلِفُ .

ترجمہ:

حضرت امام قدوری علیہ الرحمہ نے کہا ہے۔ جب کسی محرم نے شکار والے جانور کو قتل کر دیا یا اس نے ایسے بندے کو اس طرف رہنمائی کی جس نے اس کو قتل کر دیا تو اس پر جزاء واجب ہے۔ البتہ قتل کرنے کے حکم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تم شکار کے جانور کو قتل نہ کرو۔ جبکہ تم حالت احرام میں ہو۔ اور تم میں سے جس نے بطور ارادہ قتل کر دیا تو قتل شدہ جانور کی مثل جزاء ہے۔ جزاء کے وجوب میں نص صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ البتہ دلالت میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے جزاء قتل کے معلق ہے دلالت کے ساتھ معلق نہیں ہے۔ لہذا یہ حلال کو حلال کی طرف دلالت کرنے کے مشابہ ہو جائے گا۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہماری دلیل ہے جسے ہم نے روایت کر دیا ہے۔ حضرت عطاء علیہ الرحمہ نے کہا ہے لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ دلالت کرنے والے پر جزاء ہے۔ کیونکہ دلالت کرنا احرام کے ممنوعات میں سے ہے۔ کیونکہ دلالت کرنے کی وجہ سے شکار کا امن ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ شکار اپنے وحشی ہونے اور چھپ جانے کی وجہ سے امن میں ہوتا ہے۔ لہذا یہ اس کو تلف کرنے کی مثل ہو جائے گا۔ اور اس دلیل کی وجہ سے محرم نے احرام کی حالت میں شکار سے باز رہنے کیلئے اپنے آپ کو پابند کیا ہے۔ لہذا اس نے جو پابندی کی تھی اس کو چھوڑنے کی وجہ سے اس پر ضمان (جرمانہ) لازم آئے گا۔ جس طرح وہ بندہ ہے جس کے پاس ودیعت رکھی جائے بہ خلاف حلال کے کیونکہ اس کی جانب سے کوئی پابندی لازم نہیں کی گئی۔ البتہ حلال کی دلالت پر جزاء ہے۔ جس طرح حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ اور حضرت امام زفر علیہ الرحمہ سے روایت کیا گیا ہے۔ اور جو دلالت جزاء کو واجب کرنے والی ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ جسے دلالت کی گئی ہے وہ شکار والی جگہ جانتا ہو اور وہ مدلول کی دلالت کی تصدیق کرنے والا بھی ہو۔ یہاں تک کہ اگر اس نے اس کو جھٹلایا اور کسی دوسرے آدمی کی تصدیق کر لی تو جھٹلائے گئے شخص پر کوئی ضمان واجب نہیں ہے۔ اور اگر دلالت کرنے والا حرم میں حلال ہو گیا تو اس پر کوئی چیز واجب نہ ہوگی اسی دلیل کی بنیاد پر جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ وجوب ضمان میں ارادے سے کرنے والا اور بھولنے والا دونوں برابر ہیں۔ اس لئے کہ جزاء ایک ایسی ضمان ہے جس کا وجوب نقصان کو پورا کرتا ہے۔ لہذا مالوں کے جرمانوں کے مشابہ ہو گیا۔ اور اس میں ابتداء کرنے والا اور لوٹانے والا دونوں برابر ہیں اس لئے کہ ان کو موجب مختلف نہیں ہے۔

شرح

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ سے حج کیلئے نکلے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ نکلے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے اور راہ لی اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض کو فرمایا تم ساحل سمندر کی راہ لو حتی کہ مجھ سے آملو۔ انہی میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان لوگوں نے ساحل بحر کی راہ لی۔ پھر جب وہ رسول اکرم ﷺ کے پاس

پہنچے تو انہوں نے احرام باندھ لئے سوائے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے انہوں نے احرام نہیں باندھا تھا وہ چلے جا رہے تھے کہ انہوں نے راستہ میں وحشی گدھوں کو دیکھا۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کیا اور ان میں سے ایک گدھی کی کونچیں کاٹ دیں چنانچہ سب نے ایک جگہ پڑاؤ کیا اس کا گوشت کھایا پھر انہوں نے (آپس میں) کہا کہ ہم نے گوشت کھایا حالانکہ ہم محرم تھے۔

اس کا باقی گوشت ساتھ لے لیا۔ پھر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم!) ہم نے احرام باندھ لیا تھا لیکن حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے نہیں باندھا تھا پھر ہم نے چند وحشی گدھے دیکھے اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کر کے ایک کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ ہم نے پڑاؤ ڈالا اور سب نے اس کا گوشت کھایا۔ پھر ہم نے کہا کہ ہم شکار کا گوشت کھا رہے ہیں حالانکہ ہم احرام باندھے ہوئے ہیں اور اس کا باقی گوشت ہم لے آئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نے تم میں سے اس کا اسے حکم دیا تھا یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ تو انہوں نے عرض کیا نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا جو گوشت باقی ہے وہ بھی کھالو۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت صعب رضی اللہ عنہ بن جثامہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حمار وحشی (گورخر) بطور ہدی کے بھیجا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام ابواء یا ودان میں کہ جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہیں تشریف فرما تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے واپس کر دیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وجہ سے ان کے چہرہ پر غم وافسوس کے آثار محسوس کئے تو فرمایا کہ ہم نے تمہارا ہدیہ اس لئے واپس کر دیا ہے کہ ہم احرام باندھے ہوئے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

بظاہر یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو مطلق شکار کا گوشت کھانے کو محرم کے لئے حرام قرار دیتے ہیں اور چونکہ حنفیہ کا مسلک جو باب کی ابتداء میں ذکر کیا گیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق ہے اس لئے حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ زندہ گورخر بطور شکار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا تھا اور چونکہ شکار قبول کرنا محرم کے لئے درست نہیں ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے واپس کر دیا۔ لیکن پھر ایک اشکال اور پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ایک روایت میں وضاحت کے ساتھ یہ منقول ہے کہ گورخر کا گوشت بھیجا گیا تھا، ایک روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ گورخر کی ران بھیجی گئی تھی، اسی طرح ایک روایت یہ بتاتی ہے کہ اس کا ایک ٹکڑا بھیجا گیا تھا۔

لہٰذا ان روایتوں کے پیش نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زندہ گورخر نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ یہاں حدیث میں بھی گورخر سے اس کا گوشت ہی مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں زندہ گورخر ہی بھیجا گیا ہوگا جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہیں کیا، پھر بعد میں دوسرے گورخر کی ران بھیجی گئی اسی کو کسی نے تو گوشت سے تعبیر کیا اور کسی نے اسے اس کا ٹکڑا کہا۔

اس بارے میں حنفیہ کی بڑی دلیل یہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گورخر پیش کیا گیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام عرف میں تشریف فرما تھے اور احرام باندھے ہوئے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے رفقاء میں تقسیم کر دو۔ مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گورخر کو اس گمان کی بناء پر واپس کر دیا کہ بطور خاص میرے لئے شکار کیا گیا ہے۔

امام مالک وامام شافعی کی متدل حدیث اور اس کا مطلب

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے احرام کی حالت میں شکار کا گوشت حلال ہے بشرطیکہ وہ شکار نہ تو تم نے خود کیا اور نہ تمہارے لئے کیا گیا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ اگر حالت احرام میں تم خود شکار کرو گے یا کوئی دوسرا تمہارے لئے شکار کرے گا، اگرچہ وہ شکاری حالت احرام میں نہ ہو تو اس شکار کا گوشت کھانا تمہارے لئے درست نہیں ہوگا۔ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی اس حدیث کو اپنے اس مسلک کی دلیل قرار دیتے ہیں کہ محرم کے لئے اس شکار کا گوشت کھانا حرام ہے جسے کسی غیر محرم نے اس کے لئے شکار کیا ہو۔

لیکن حنفیہ اس حدیث کے یہ معنی مراد لیتے ہیں کہ اگر حالت احرام میں زندہ شکار تمہارے لئے بطور تحفہ بھیجا جائے تو اس کا گوشت کھانا تمہارے لئے حرام ہوگا۔ ہاں اگر اس شکار کا گوشت تحفہ کے طور پر تمہارے پاس بھیجا جائے اس کا کھانا حرام نہیں ہوگا۔ گویا اس صورت میں حدیث کا حاصل یہ ہوگا کہ اگر تمہارے حکم کی بناء پر کوئی شکار کیا جائے گا تو اس کا کھانا تمہارے لئے درست نہیں ہوگا لہٰذا اس شکار کا گوشت محرم کے لئے حرام نہیں ہے جسے کوئی غیر محرم اس کے لئے ذبح کرے بشرطیکہ اس شکار میں محرم کے حکم یا اس کی اعانت اور اشارت ودلالت کا کوئی دخل نہ ہو۔

احناف کی متدل حدیث پر اشکال کا جواب:

حضرت ابوقتادہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ واقعہ حدیبیہ کے موقع پر مکہ کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ روانہ ہوئے تو وہ اپنے چند ساتھیوں سمیت پیچھے رہ گئے جو عمرہ کے لئے احرام باندھے ہوئے تھے لیکن خود ابوقتادہ حالت احرام میں نہیں تھے! چنانچہ راستہ میں ایک جگہ ان کے ساتھیوں نے گورخر دیکھا مگر ابوقتادہ کی نظر اس پر نہیں پڑی، ان کے ساتھیوں نے اس گورخر کو دیکھ کر صرف نظر کر لیا، آخر کار ابوقتادہ نے بھی اس گورخر کر دیکھ لیا اور اس کو شکار کرنے کی غرض سے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھیوں سے اپنا چابک مانگا مگر انہوں نے اس وجہ سے کہ اس شکار میں ہماری اعانت کسی درجہ میں بھی شامل نہ ہو چابک دینے سے انکار کر دیا ابوقتادہ نے گھوڑے سے اتر کر خود چابک اٹھایا اور گورخر پر حملہ آور ہوئے یہاں تک کہ اسے مار لیا، پھر اس کے گوشت کو تیار کر کے خود انہوں نے بھی کھایا اور ان کے ساتھیوں نے بھی کھایا، مگر ان کے ساتھی اس کا گوشت کھا کر پشیمان ہوئے

کیونکہ انہوں نے گمان کیا کہ محرم کے لئے مطلق شکار کا گوشت کھانا درست نہیں ہے۔ چنانچہ جب وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ملے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا حکم پوچھا کہ آیا اس گورخر کا گوشت کھانا ہمارے لئے درست تھا یا نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس اس میں سے کچھ باقی ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس اس کا پاؤں باقی رہ گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پاؤں لیا اور اس کو تیار کرا کر کھایا اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظاہر فرمایا کہ اس کا گوشت کھانا تمہارے لئے درست تھا (بخاری ومسلم)

بخاری ومسلم ہی کی ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب وہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے ابوقتادہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ گورخر پر حملہ آور ہوں یا تم میں سے کسی نے گورخر کی طرف اشارہ کر کے اس کے شکار پر متوجہ کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پھر اس کے گوشت میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے کھالو۔

اس حدیث کے بارے میں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں تو بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گورخر میں سے بچا ہوا پاؤں تیار کرا کر کھایا جب کہ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کھایا نہیں؟ لہٰذا اس اشکال کو دور کرنے کے لئے علماء ان دونوں روایتوں میں یہ مطابقت پیدا کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ خود حالت احرام میں تھے اس لئے ابتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ گمان کیا ہوگا کہ اس گورخر کے شکار میں کسی محرم کے حکم یا اس کی اعانت کو دخل رہا ہوگا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کھانے سے انکار کر دیا ہوگا مگر جب صحیح صورت حال سامنے آگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوگیا کہ اس کے شکار میں کسی محرم کے حکم یا اس کی اعانت کا کوئی دخل نہیں تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کھایا۔

محرم کے لئے جس طرح یہ ممنوع ہے کہ وہ شکار کے لئے کسی کو حکم دے اسی طرح دلالت اور اشارت بھی ممنوع ہے دلالت اور اشارت میں فرق یہ ہے کہ دلالت کا تعلق زبان سے ہوتا ہے مثلاً محرم کو کسی ہاتھ کے اشارہ سے شکار کی طرف متوجہ کرے! بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ دلالت کا تعلق اس شکار سے ہوتا ہے جو نظر کے سامنے نہ ہو اور اشارت کا تعلق اس شکار سے ہوتا ہے جو نظر کے سامنے ہو۔

اس موقع پر یہ بات جان لیجئے کہ محرم کے لئے تو دلالت حدود حرم میں بھی حرام اور حدود حرم سے باہر بھی لیکن غیر محرم کے لئے حدود حرم میں تو حرام ہے اور حدود حرم سے باہر نہیں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ محرم کو شکار کا گوشت کھانا حلال ہے بشرطیکہ وہ شکار نہ تو خود اس نے کیا ہو اور نہ اس شکار میں اس کی دلالت اشارت اور اعانت کا قطعاً دخل ہو، چنانچہ یہ حدیث حنفیہ کے اس مسلک کی دلیل ہے اور ان حضرات کے مسلک کی تردید کرتی ہے جو محرم کو مطلق شکار کا گوشت کھانے سے منع کرتے ہیں۔

محرم کیلئے شکار کا گوشت کھانے کا بیان:

حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور ہم سب احرام کی حالت میں تھے کہ ان کے پاس بطور ہدیہ ایک پرندہ کا پکا ہوا گوشت آیا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اس وقت سو رہے تھے چنانچہ ہم میں سے بعض نے وہ گوشت کھالیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ محرم کو شکار کا گوشت کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس شکار میں اس کے حکم وغیرہ کو کوئی دخل نہ ہوا اور بعض نے اس سے پرہیز کیا کیونکہ ان کا گمان تھا کہ محرم کو یہ گوشت کھانا درست نہیں ہے، پھر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے تو انہوں نے ان لوگوں کی موافقت کی جنہوں نے وہ گوشت کھایا تھا، نیز انہوں نے فرمایا کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ اسی طرح یعنی حالت احرام میں شکار کا گوشت کھایا تھا۔

گوشت کھانے والوں سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی موافقت کا تعلق قول سے بھی ہو سکتا ہے اور فعل سے بھی، یعنی یا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے زبانی یہ کہا ہوگا کہ تم نے گوشت کھالیا، اچھا کیا، اس میں کوئی حرج نہیں یہ قولی موافقت ہے، یا پھر یہ کہ خود انہوں نے بھی باقی بچا ہوا گوشت کھایا ہوگا یہ فعلی موافقت ہے۔ بہر کیف یہ حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے اس مسلک کی تائید کرتی ہے کہ اگر محرم خود شکار نہ کرے اور نہ اس شکار میں اس کے حکم وغیرہ کا دخل ہو تو وہ اس کا گوشت کھا سکتا ہے۔

ایک پرندہ سے مراد یا تو جنس ہے کہ کئی پرندوں کا گوشت آیا تھا، یا پھر وہ ایک ہی پرندہ تھا جو اتنا بڑا تھا کہ اس کا گوشت تمام لوگوں کے لئے کافی ہوگیا۔

شکار جانور کو چھوڑنا بھی دلالت کے حکم میں ہوگا:

مُحرم نے جانور پر اپنا کتّا یا باز سکھایا ہوا چھوڑا، اُس نے شکار کو مار ڈالا تو کفارہ واجب ہے اور اگر احرام کی وجہ سے تعمیلِ حکمِ شرع کے لیے باز چھوڑ دیا، اُس نے جانور کو مار ڈالا یا سکھانے کے لیے جال پھیلایا، اس میں جانور پھنس کر مر گیا یا کنواں کھودا تھا اُس میں گر کر مرا تو ان صورتوں میں کفارہ نہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الحج)

شکار کی قیمت بنانے کے طریقے کا بیان:

(وَالْجَزَاءُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ أَنْ يُقَوَّمَ الصَّيْدُ فِي الْمَكَانِ الَّذِي قُتِلَ فِيهِ أَوْ فِي أَقْرَبِ الْمَوَاضِعِ مِنْهُ إذَا كَانَ فِي بَرِّيَّةٍ فَيُقَوِّمُهُ ذَوَا عَدْلٍ ، ثُمَّ هُوَ مُخَيَّرٌ فِي الْفِدَاءِ إنْ شَاءَ ابْتَاعَ بِهَا هَدْيًا وَذَبَحَهُ إنْ بَلَغَتْ هَدْيًا ، وَإِنْ شَاءَ اشْتَرَى بِهَا طَعَامًا وَتَصَدَّقَ عَلَى كُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ ، وَإِنْ شَاءَ صَامَ) عَلَى مَا نَذْكُرُ ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ : يَجِبُ فِي الصَّيْدِ النَّظِيرُ فِيمَا لَهُ نَظِيرٌ ،

فَفِی الظَّبْیِ شَاۃٌ ، وَفِی الضَّبُعِ شَاۃٌ ، وَفِی الْأَرْنَبِ عَنَاقٌ ، وَفِی الْیَرْبُوعِ جَفْرَۃٌ ، وَفِی النَّعَامَۃِ بَدَنَۃٌ ، وَفِی حِمَارِ الْوَحْشِ بَقَرَۃٌ لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی (فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ) وَمِثْلُہُ مِنَ النَّعَمِ مَا یُشْبِہُ الْمَقْتُولَ صُورَۃً ؛ لِأَنَّ الْقِیمَۃَ لَا تَکُونُ نَعَمًا .

وَالصَّحَابَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ أَوْجَبُوا النَّظِیرَ مِنْ حَیْثُ الْخِلْقَۃُ وَالْمَنْظَرُ فِی النَّعَامَۃِ وَالظَّبْیِ وَحِمَارِ الْوَحْشِ وَالْأَرْنَبِ عَلٰی مَا بَیَّنَّا .وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (الضَّبُعُ صَیْدٌ وَفِیہِ شَاۃٌ) " وَمَا لَیْسَ لَہُ نَظِیرٌ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَجِبُ فِیہِ الْقِیمَۃُ مِثْلَ الْعُصْفُورِ وَالْحَمَامِ وَأَشْبَاہِہِمَا .وَإِذَا وَجَبَتْ الْقِیمَۃُ کَانَ قَوْلُہُ کَقَوْلِہِمَا .

وَالشَّافِعِیُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ یُوجِبُ فِی الْحَمَامَۃِ شَاۃً وَیُثْبِتُ الْمُشَابَہَۃَ بَیْنَہُمَا مِنْ حَیْثُ إنَّ کُلَّ وَاحِدٍ مِنْہُمَا یَعُبُّ وَیَہْدِرُ .

ترجمہ:

شیخین کے نزدیک جزاء یہ ہے کہ شکار کی قیمت اس جگہ لگائی جائے جہاں وہ قتل ہوا ہے۔اور اگر وہ جنگل میں ہو تو اس کے سب سے زیادہ قریبی آبادی میں قیمت لگائی جائے گی۔اور دو عادل آدمی اس کی قیمت کو مقرر کریں۔اس کے بعد محرم فدیہ ادا کرنے میں اختیار رکھتا ہے کہ وہ قیمت دے یا اس کی قیمت سے کوئی جانور خرید کر ہدی کے بھیجے۔اور اس کو ذبح کرے۔جبکہ یہ قیمت ہدی کو پہنچ جائے اور اگر وہ پسند کرے تو اس کی قیمت کے بدلے میں کھانا خریدے اور ہر مسکین کیلئے نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا کھجور کا صدقہ کرے۔اور اگر وہ پسند کرے تو روزے رکھے اس کی دلیل کے پیش نظر جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔

حضرت امام محمد اور حضرت امام شافعی علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ شکار کا جانور ہلاک ہونے میں اس کی مثل واجب ہوگا لیکن شرط یہ ہے اس کی مثل موجود ہو۔لہذا ہرن کے بدلے میں بکری دے اور بجو میں بھی بکری ہے جبکہ خرگوش کے بدلے میں بکری کا مادہ بچہ (پٹھوری) ہے۔جنگلی چوہے میں چار ماہ کا بکری کا بچہ ہے اور شتر مرغ میں اونٹ ہے۔اور وحشی گدھے کے بدلے میں گائے ہے۔

کیونکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: چوپاؤں سے میں جزاء اسی کی مثل ہے جو اس نے قتل کیا ہے۔لہذا جانوروں میں سے اس کی مثل وہ ہوگا جس صورت کے اعتبار سے اس مقتول کے مشابہ ہوگا۔کیونکہ چوپائے کی قیمت نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شتر مرغ، گورخر اور خرگوش کی خلقت اور صورت کے اعتبار سے مثل کو واجب کیا ہے۔جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں۔اور یہ دلیل کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بجو شکار ہے اور اس میں ہدی واجب ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک جس جانور کی مثل نہیں ہوتی اس کی قیمت واجب ہوگی۔جس طرح گوریا، کبوتر اور اس کی

طرح کے جانور ہیں۔جب قیمت کے اعتبار ہو گیا تو حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کا قول بھی شیخین کے قول کی طرح ہو گیا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کبوتر میں بکری واجب کرتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان اس اعتبار سے مشابہت ثابت کرتے ہیں۔کہ ان دونوں میں ہر ایک پانی میں منہ ڈالتے ہوئے گھونٹ سے پانی پینے والا ہے اور آواز نکالنے والا ہے۔

مثلی چیز کی قربانی کرنے میں مذاہب اربعہ:

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ اگر وہ چاہے تو قربانی خرید کر ذبح کرے جب اس کی قیمت ہدی کو پہنچنے والی ہو اور اگر چاہے تو وہ صدقہ کرے۔

حضرت امام شافعی، امام مالک اور امام احمد اور اکثر اہل علم نے اس کا مثل جانور دینے کو واجب قرار دیا ہے۔(مثلی جانور جو عبارت میں ذکر کیے گئے ہیں۔(البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۲۸۶، حقانیہ ملتان)

کفارے کے بارے میں حکم شرعی کا بیان:

اے ایمان والو! تم احرام کی حالت میں شکار کو مت مارا کرو، اور تم میں سے جس نے (بحالتِ احرام) قصداً اسے مار ڈالا تو (اس کا) بدلہ مویشیوں میں سے اسی کے برابر (کوئی جانور) ہے جسے اس نے قتل کیا ہے جس کی نسبت تم میں سے دو عادل شخص فیصلہ کریں (کہ واقعی یہ جانور اس شکار کے برابر ہے بشرطیکہ) وہ قربانی کعبہ پہنچنے والی ہو یا (اس کا) کفارہ چند محتاجوں کا کھانا ہے (یعنی جانور کی قیمت کے برابر معمول کا کھانا جتنے بھی محتاجوں کو پورا آ جائے) یا اس کے برابر (یعنی جتنے محتاجوں کا کھانا بنے اس قدر) روزے ہیں تا کہ وہ اپنے کیے (کے بوجھ) کا مزہ چکھے۔جو کچھ (اس سے) پہلے ہو گزرا اللہ نے اسے معاف فرما دیا، اور جو کوئی (ایسا کام) دوبارہ کرے گا تو اللہ اس سے (نافرمانی) کا بدلہ لے لے گا، اور اللہ بڑا غالب بدلہ لینے والا ہے

حضرت علامہ نعیم الدین مرآدآبادی (رحمۃ اللہ علیہ)

مسئلہ: مُحرِم پر شکار یعنی خشکی کے کسی وحشی جانور کو مارنا حرام ہے۔مسئلہ: جانور کی طرف شکار کرنے کے لئے اشارہ کرنا یا کسی طرح بتانا بھی شکار میں داخل اور ممنوع ہے۔مسئلہ: حالتِ احرام میں ہر وحشی جانور کا شکار ممنوع ہے خواہ وہ حلال ہو یا نہ ہو۔مسئلہ: کاٹنے والا کتا اور کوّا اور بچھو اور چیل اور چوہا اور بھیڑیا اور سانپ ان جانوروں کو احادیث میں فواسق فرمایا گیا اور ان کے قتل کے اجازت دی گئی۔مسئلہ: مچھر، پسّو، چیونٹی، مکھی اور حشرات الارض اور حملہ آور درندوں کو مارنا معاف ہے۔(تفسیر احمدی وغیرہ)

مسئلہ: حالتِ احرام میں جن جانوروں کا مارنا ممنوع ہے وہ ہر حال میں ممنوع ہے عمداً ہو یا خطاءً، عمداً کا حکم تو اس آیت سے معلوم ہوا اور خطاء کا حدیث شریف سے ثابت ہے۔(مدارک)

ویسا ہی جانور دینے سے مراد یہ ہے کہ قیمت میں مارے ہوئے جانور کے برابر ہو حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کا یہی قول ہے اور امام محمد و شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک خلقت و صورت میں مارے ہوئے جانور کی مثل ہونا مراد ہے۔(مدارک واحمدی)

یعنی قیمت کا اندازہ کریں اور قیمت وہاں کی معتبر ہوگی جہاں شکار مارا گیا ہو یا اس کے قریب کے مقام کی۔ یعنی کفارہ کے جانور کا حرمِ مکہ شریف کے باہر ذبح کرنا درست نہیں مکہ مکرمہ میں ہونا چاہئے اور عین کعبہ میں بھی ذبح جائز نہیں، اسی لئے کعبہ کو پہنچتی فرمایا، کعبہ کے اندر نہ فرمایا اور کفارہ کھانے یا روزہ سے ادا کیا جائے تو اس کے لئے مکہ مکرمہ میں ہونے کی قید نہیں باہر بھی جائز ہے۔ (تفسیرِ احمدی وغیرہ)

مسئلہ: یہ بھی جائز ہے کہ شکار کی قیمت کا غلہ خرید کر مساکین کو اس طرح دے کہ ہر مسکین کو صدقہ فطر کے برابر پہنچے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس قیمت میں جتنے مسکینوں کے ایسے حصے ہوتے تھے اتنے روزے رکھے۔ یعنی اس حکم سے قبل جو شکار مارے۔

مثل مطلق ہونے میں شیخین کی دلیل کا بیان:

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ أَنَّ الْمِثْلَ الْمُطْلَقَ هُوَ الْمِثْلُ صُورَةً وَمَعْنًى ، وَلَا يُمْكِنُ الْحَمْلُ عَلَيْهِ فَحُمِلَ عَلَى الْمِثْلِ مَعْنًى لِكَوْنِهِ مَعْهُودًا فِي الشَّرْعِ كَمَا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ أَوْ لِكَوْنِهِ مُرَادًا بِالْإِجْمَاعِ ، أَوْ لِمَا فِيهِ مِنَ التَّعْمِيمِ ، وَفِي ضِدِّهِ التَّخْصِيصُ .

وَالْمُرَادُ بِالنَّصِّ وَاللَّهُ أَعْلَمُ فَجَزَاءُ قِيمَةِ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ الْوَحْشِيِّ . وَاسْمُ النَّعَمِ يَنْطَلِقُ عَلَى الْوَحْشِيِّ وَالْأَهْلِيِّ ، كَذَا قَالَهُ أَبُو عُبَيْدَةَ وَالْأَصْمَعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ . وَالْمُرَادُ بِمَا رُوِيَ التَّقْدِيرُ بِهِ دُونَ إِيجَابِ الْمُعَيَّنِ .

ترجمہ:

شیخین علیہما الرحمہ نے فرمایا ہے کہ مثل مطلق ہے خواہ صورت کے اعتبار سے ہو یا معنی کے اعتبار سے ہو۔ کیونکہ مثل کو حقیقت پر محمول کرنا ممکن نہیں ہے لہذا مثل کو معنی پر محمول کیا گیا ہے۔ اور مثل معنوی شریعت میں مشروع ہے۔ جس طرح حقوق العباد میں ہے یا حکم یہ ہے بہ اجماع مثل معنوی مراد ہے کیونکہ مثل معنوی میں عموم ہے۔ جبکہ اس کی ضد میں تخصیص ہے۔ نص سے کیا مراد ہے اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ لہذا اجزاء اس شکار کی قیمت ہے جس وحشی چوپائے کو قتل کیا گیا ہے اور ''نعم'' کا لفظ وحشی و پالتو دونوں کیلئے بولا جاتا ہے۔

حضرت ابوعبیدہ اور حضرت اصمعی علیہما الرحمہ نے اسی طرح کہا ہے۔ اور جو جانور روایت میں بیان ہوا ہے اس سے مراد اندازہ ہے جبکہ اس کی وجہ سے وجوب متعین نہیں ہے۔

شرح

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف علیہما الرحمہ کا موقف یہ ہے کہ مثل مطلق مراد ہے کیونکہ خواہ صوری ہو یا معنوی اور

شیخین کی دلیل حسب ذیل آیت مبارکہ سے اخذ کی گئی ہے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۔(البقرہ،۱۹۴)

ماہ حرام کے بدلے ماہ حرام اور ادب کے بدلے ادب ہے تو جو تم پر زیادتی کرے اس پر زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے کی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ ڈر والوں کے ساتھ ہے۔ (کنز الایمان)

قیمت جزاء سے ہدی یا کھانا، یا روزے رکھنے کے اختیار کا بیان:

ثُمَّ الْخِيَارُ إِلَى الْقَاتِلِ فِي أَنْ يَجْعَلَهُ هَدْيًا أَوْ طَعَامًا أَوْ صَوْمًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ : الْخِيَارُ إِلَى الْحَكَمَيْنِ فِي ذَلِكَ ، فَإِنْ حَكَمَا بِالْهَدْيِ يَجِبُ النَّظِيرُ عَلَى مَا ذَكَرْنَا ، وَإِنْ حَكَمَا بِالطَّعَامِ أَوْ بِالصِّيَامِ فَعَلَى مَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَبُو يُوسُفَ . لَهُمَا أَنَّ التَّخْيِيرَ شُرِعَ رِفْقًا بِمَنْ عَلَيْهِ فَيَكُونُ الْخِيَارُ إِلَيْهِ كَمَا فِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ . وَلِمُحَمَّدٍ وَالشَّافِعِيِّ قَوْله تَعَالَى (يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا) الْآيَةَ ، ذُكِرَ الْهَدْيُ مَنْصُوبًا لِأَنَّهُ تَفْسِيرٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (يَحْكُمُ بِهِ) وَمَفْعُولٌ لِحُكْمِ الْحَكَمِ ، ثُمَّ ذَكَرَ الطَّعَامَ وَالصِّيَامَ بِكَلِمَةِ أَوْ فَيَكُونُ الْخِيَارُ إِلَيْهِمَا . قُلْنَا : الْكَفَّارَةُ عُطِفَتْ عَلَى الْجَزَاءِ لَا عَلَى الْهَدْيِ بِدَلِيلِ أَنَّهُ مَرْفُوعٌ ، وَكَذَا قَوْله تَعَالَى (أَوْ عَدْلُ ذَلِكَ صِيَامًا) مَرْفُوعٌ ، فَلَمْ يَكُنْ فِيهَا دَلَالَةُ اخْتِيَارِ الْحَكَمَيْنِ ، وَإِنَّمَا يُرْجَعُ إِلَيْهِمَا فِي تَقْوِيمِ الْمُتْلَفِ ثُمَّ الِاخْتِيَارُ بَعْدَ ذَلِكَ إِلَى مَنْ عَلَيْهِ ، وَيُقَوِّمَانِ فِي الْمَكَانِ الَّذِي أَصَابَهُ لِاخْتِلَافِ الْقِيَمِ بِاخْتِلَافِ الْأَمَاكِنِ ، فَإِنْ كَانَ الْمَوْضِعُ بَرًّا لَا يُبَاعُ فِيهِ الصَّيْدُ يُعْتَبَرُ أَقْرَبُ الْمَوَاضِعِ إِلَيْهِ مِمَّا يُبَاعُ فِيهِ وَيُشْتَرَى .

قَالُوا : وَالْوَاحِدُ يَكْفِي وَالْمُثَنَّى أَوْلَى ؛ لِأَنَّهُ أَحْوَطُ وَأَبْعَدُ عَنِ الْغَلَطِ كَمَا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ . وَقِيلَ يُعْتَبَرُ الْمُثَنَّى هَهُنَا بِالنَّصِّ .

ترجمہ:

شیخین علیہما الرحمہ کے نزدیک اس کی قیمت سے ہدی کرنا یا کھانا کھلانا یا روزے رکھنے کا اختیار قاتل کو حاصل ہے۔ جبکہ حضرت امام محمد و امام شافعی علیہما الرحمہ نے فرمایا ہے اختیار ان دو عدل کرنے والوں کو ہے جو مقرر کر رکھے ہیں۔ لہذا اگر ان عادلین نے ہدی کا

حکم دیا تو اس کی مثل واجب ہو جائے گی۔ جس طرح ہم ذکر چکے ہیں۔ اور اگر کھانے یا روزے کا حکم دیا تو وہ واجب ہو جائیں گے۔ جس طرح شیخین کا قول ہے۔

شیخین علیہما الرحمہ کے دلیل یہ ہے کہ اختیار دینے کا حکم اس بندے کو سہولت دینے کیلئے مشروع ہوا ہے جس پر ضمان لازم ہے۔ جس طرح قسم کے کفارے میں ہے۔

حضرت امام محمد وامام شافعی علیہما الرحمہ کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے۔ "''' اس میں ''ہدیا'' اس لئے منصوب ہے کیونکہ یحکم بہ کی تفسیر ہے۔ یا حاکم میں حکم ہے اس کا مفعول ہے۔ اس کے طعام اور روزے کا حکم کلمہ ''او'' کے ساتھ بیان ہوا ہے لہذا دونوں حاکموں کی طرف اختیار رہوا۔

ہم کہتے ہیں کہ کفارے کا عطف جزاء پر ہے ہدی پر نہیں ہے اور لفظ جزاء مرفوع ہے۔ جس طرح اللہ تعالی کا فرمان "''' مرفوع ہے۔ لہذا اصیام وطعام کی دلالت دونوں حاکموں میں اختیار پر نہیں ہے۔ لہذا ان دو عادلوں کی طرف ضائع ہونے والے شکار کی قیمت لگانے میں رجوع کیا جائے گا۔ اس کے بعد اختیار اسے ہے جس پر جزاء واجب ہوئی ہے۔ اور وہ دونوں عادل اسی مقام پر قیمت لگائیں گے جہاں شکار قتل ہوا ہے کیونکہ اختلاف مقامات کی وجہ سے قیمتوں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اور اگر شکار قتل ہونے کی جگہ جنگل ہو جہاں جانوروں کی فروخت نہیں ہوتی تو اس کے قریب والی ایسی جگہ جہاں شکار خریدا یا بیچا جاتا ہے وہاں کا اعتبار کیا جائے گا۔

مشائخ فقہاء نے فرمایا ہے کہ ایک عادل کافی ہے عدالت کیلئے دو کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ خطاء سے دور ہونے میں زیادہ یہی ہے اور احتیاط بھی اسی میں زیادہ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نص سے مراد یہاں دو عادلوں کا اعتبار ہے۔

شرح

اے ایمان والو! تم احرام کی حالت میں شکار کو مت مارا کرو، اور تم میں سے جس نے (بحالتِ احرام) قصداً اسے مار ڈالا تو (اس کا) بدلہ مویشیوں میں سے اسی کے برابر (کوئی جانور) ہے جسے اس نے قتل کیا ہے جس کی نسبت تم میں سے دو عادل شخص فیصلہ کریں (کہ واقعی یہ جانور اس شکار کے برابر ہے بشرطیکہ) وہ قربانی کعبہ پہنچنے والی ہو یا (اس کا) کفارہ چند محتاجوں کا کھانا ہے (یعنی جانور کی قیمت کے برابر معمول کا کھانا جتنے بھی محتاجوں کو پورا آجائے) یا اس کے برابر (یعنی جتنے محتاجوں کا کھانا بنے اس قدر) روزے ہیں تاکہ وہ اپنے کیے (کے بوجھ) کا مزہ چکھے۔ جو کچھ (اس سے) پہلے ہو گزرا اللہ نے اسے معاف فرما دیا، اور جو کوئی (ایسا کام) دوبارہ کرے گا تو اللہ اس سے (نافرمانی) کا بدلہ لے لے گا، اور اللہ بڑا غالب بدلہ لینے والا ہے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

شکار کی قیمت میں اختیار ہے کہ اس سے بھیڑ بکری وغیرہ اگر خرید سکتا ہے تو خرید کر حرم میں ذبح کر کے فقرا کو تقسیم کر دے یا اُس کا غلہ خرید کر مساکین پر صدقہ کر دے، اتنا اتنا کہ ہر مسکین کو صدقہ فطر کی قدر پہنچے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قیمت کے غلہ میں جتنے

صدقے ہو سکتے ہوں ہر صدقہ کے بدلے ایک روزہ رکھے اور اگر کچھ غلہ بچ جائے جو پورا صدقہ نہیں تو اختیار ہے وہ کسی مسکین کو دیدے یا اس کی عوض ایک روزہ رکھے اور اگر پوری قیمت ایک صدقہ کے لائق بھی نہیں تو بھی اختیار ہے کہ اتنے کا غلہ خرید کر ایک مسکین کو دیدے یا اس کے بدلے ایک روزہ رکھے۔ کفارہ کا جانور حرم کے باہر ذبح کیا تو کفارہ ادا نہ ہوا اور اگر اس میں سے خود بھی کھا لیا تو اتنے کا تاوان دے اور اگر اس کفارہ کے گوشت کو ایک مسکین پر تصدق کیا جب بھی جائز ہے۔ یوہیں تاوان کی قیمت بھی ایک مسکین کو دے سکتا ہے اور اگر جانور کو باہر ذبح کیا اور اُس کا گوشت ہر مسکین کو ایک ایک صدقہ کی قیمت کا دیا اور وہ سب گوشت اتنی قیمت کا ہے جتنی قیمت کا غلہ خریدا جاتا تو ادا ہو گیا۔

('الدر المختار"، كتاب الحج، باب الجنايات)

ہدی کو مکہ میں ذبح کرنے کا بیان:

(وَالْهَدْىُ لَا يُذْبَحُ إلَّا بِمَكَّةَ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ) (وَيَجُوزُ الْإِطْعَامُ فِي غَيْرِهَا) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ .

هُوَ يَعْتَبِرُهُ بِالْهَدْيِ وَالْجَامِعُ التَّوْسِعَةُ عَلَى سُكَّانِ الْحَرَمِ ، وَنَحْنُ نَقُولُ : الْهَدْيُ قُرْبَةٌ غَيْرُ مَعْقُولَةٍ فَيَخْتَصُّ بِمَكَانٍ أَوْ زَمَانٍ .

أَمَّا الصَّدَقَةُ قُرْبَةٌ مَعْقُولَةٌ فِي كُلِّ زَمَانٍ وَمَكَانٍ (وَالصَّوْمُ يَجُوزُ فِي غَيْرِ مَكَّةَ) ؛ لِأَنَّهُ قُرْبَةٌ فِي كُلِّ مَكَانٍ (فَإِنْ ذَبَحَ الْهَدْيَ بِالْكُوفَةِ أَجْزَأَهُ عَنْ الطَّعَامِ) مَعْنَاهُ إذَا تَصَدَّقَ بِاللَّحْمِ وَفِيهِ وَفَاءٌ بِقِيمَةِ الطَّعَامِ ؛ لِأَنَّ الْإِرَاقَةَ لَا تَنُوبُ عَنْهُ .

ترجمہ:

اور قربانی کو صرف مکہ میں ذبح کیا جائے کیونکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: '' هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ '' جبکہ کھانا کھلانا مکہ کے سوا میں بھی جائز ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اس میں اختلاف ہے وہ کھانے کو ہدی پر قیاس کرتے ہیں اور حرم میں رہنے والوں کی وسعت دینا ہے اور ہم کہتے ہیں ہدی عبادت ہے جو عقل میں آنے والی نہیں ہے اس لئے وہ مکان وزمان کے ساتھ مقید ہوگی جبکہ صدقہ عبادت معقولہ ہے جو ہر زمان ومکان میں جائز ہے۔ اور روزہ بھی غیر مکہ میں جائز ہے کیونکہ وہ ہر مقام پر عبادت ہے۔ لہذا اگر قتل کرنے والے نے کوفہ میں ذبح کیا تو اس کا طعام کافی ہوگا اور اس کا حکم یہ ہے کہ جب گوشت صدقہ کرے گا تو اس میں کھانے کی قیمت بھی پوری ہو جائے گی کیونکہ خون بہانا ہدی کے قائم مقام نہیں ہوتا۔

شرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹوں کے لئے اپنے ہاتھوں سے پٹے

بنائے اور پھر انہیں اونٹوں کے گلے میں ڈالا اور ان (کے کوہان) کو زخمی کیا اور پھر ان کو بطور ہدی خانہ کعبہ روانہ کر دیا (یعنی جب ۹ھ میں حج فرض ہوا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حاجیوں کا امیر مقرر کر کے مکہ مکرمہ بھیجا گیا تو ان کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بطور ہدی اونٹ بھیجے گئے اور اس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسی کوئی چیز حرام نہیں ہوئی جو ان کے لئے حلال تھی۔ (بخاری ومسلم)

حدیث کے آخری جملہ کا مطب یہ ہے کہ ان جانوروں کو بطور ہدی بھیجنے کی وجہ سے آنحضرت پر احرام کے احکام جاری نہیں ہوئے کہ احرام کی حالت میں جو چیزیں حرام ہو جاتی ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حرام ہو گئی ہوں، یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس لئے کہی کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں سنا تھا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص خود حج کو نہ جائے اور اپنی طرف سے ہدی مکہ بھیجے تو اس پر وہ تمام چیزیں کہ جو محرم پر حرام ہوتی ہیں اس وقت تک کے لئے حرام ہو جاتی ہیں جب کہ اس کی ہدی حرم میں نہ پہنچ جائے اور ذبح نہ ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تردید کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اس صوف کے جو میرے پاس تھا پٹے بنائے اور پھر (یہ پٹے اونٹوں کے گلے میں ڈال کر) ان کو بطور ہدی اپنے والد ماجد (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے ہمراہ خانہ کعبہ روانہ کیا۔ (بخاری ومسلم(

ہدی میں دیئے جانے والے جانوروں کا بیان:

وَإِذَا وَقَعَ الِاخْتِيَارُ عَلَى الْهَدْيِ يُهْدِي مَا يُجْزِيهِ فِي الْأُضْحِيَّةِ لِأَنَّ مُطْلَقَ اسْمِ الْهَدْيِ مُنْصَرِفٌ إلَيْهِ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ : يُجْزِي صِغَارُ النَّعَمِ فِيهَا ؛ لِأَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَوْجَبُوا عَنَاقًا وَجَفْرَةً .وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ يَجُوزُ الصِّغَارُ عَلَى وَجْهِ الْإِطْعَامِ : يَعْنِي إذَا تَصَدَّقَ .

وَإِذَا وَقَعَ الِاخْتِيَارُ عَلَى الطَّعَامِ يُقَوَّمُ الْمُتْلَفُ بِالطَّعَامِ عِنْدَنَا ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْمَضْمُونُ فَتُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ (وَإِذَا اشْتَرَى بِالْقِيمَةِ طَعَامًا تَصَدَّقَ عَلَى كُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ ، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُطْعِمَ الْمِسْكِينَ أَقَلَّ مِنْ نِصْفِ صَاعٍ) ؛ لِأَنَّ الطَّعَامَ الْمَذْكُورَ يَنْصَرِفُ إلَى مَا هُوَ الْمَعْهُودُ فِي الشَّرْعِ

ترجمہ:

اور اگر قتل کرنے والا ہدی دینا پسند کرے تو وہ ایسی ہدی کرے جس طرح اضحیہ میں ہدی جائز ہے کیونکہ ہدی کے لفظ کا اطلاق

اسی بات کا تقاضہ کرتا ہے۔

حضرت امام محمد وامام شافعی علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ ہدی میں جانوروں کے بچے بھی جائز ہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بکری کا چھوٹا بچہ اور بھیڑ کا چار ماہ کا بچہ بھی واجب کیا ہے جبکہ شیخین کے نزدیک چھوٹے بچے کھانے دینے کی طرح جائز ہیں یعنی جب وہ صدقہ کرے۔

اگر اس نے کھانا دینا چاہا تو ہمارے نزدیک اس سے تلف شدہ جانور کی قیمت لگائی جائے گی۔ کیونکہ قتل شدہ جانور ہی کی ضمانت دینی ہے لہذا اسی کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اگر اس نے قیمت کے بدلے میں کھانا خریدا تو نصف صاع گندم کا یا ایک صاع کھجور کا ہر مسکین پر صدقہ کرے جبکہ کسی مسکین کو نصف صاع سے تھوڑا دینا جائز نہیں ہے کیونکہ آیت مبارکہ میں جس طعام کا ذکر ہے اس میں شریعت کی طرف سے مقرر کردہ حکم کا بیان ہے۔

شرح

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا اس پر اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ اگر محرم شکار کے جانور کو عمداً یا سہواً قتل کرے ہر حال میں اس پر بدلہ واجب ہے اور اہل ظاہر نے سہواً قتل کرنے میں بدلہ واجب نہیں رکھا اور حسن اور مجاہد سے اس کے برعکس منقول ہے، اس طرح اکثر علماء نے یہ کہا کہ اس کو اختیار ہے چاہے کفارہ دے چاہے بدلہ دے دے ثوری نے کہا اگر بدلہ نہ پائے تو کھانا کھلائے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو روزے رکھے۔

نصاب جزاء سے تعیین روزوں کا بیان:

(وَإِنْ اخْتَارَ الصِّيَامَ يُقَوَّمُ الْمَقْتُولُ طَعَامًا ثُمَّ يَصُومُ عَنْ كُلِّ نِصْفِ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعٍ مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ يَوْمًا) ؛ لِأَنَّ تَقْدِيرَ الصِّيَامِ بِالْمَقْتُولِ غَيْرُ مُمْكِنٍ إذْ لَا قِيمَةَ لِلصِّيَامِ فَقَدَّرْنَاهُ بِالطَّعَامِ ، وَالتَّقْدِيرُ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ مَعْهُودٌ فِي الشَّرْعِ كَمَا فِي بَابِ الْفِدْيَةِ (فَإِنْ فَضَلَ مِنْ الطَّعَامِ أَقَلُّ مِنْ نِصْفِ صَاعٍ فَهُوَ مُخَيَّرٌ إنْ شَاءَ تَصَدَّقَ بِهِ ، وَإِنْ شَاءَ صَامَ عَنْهُ يَوْمًا كَامِلًا) ؛ لِأَنَّ الصَّوْمَ أَقَلَّ مِنْ يَوْمٍ غَيْرُ مَشْرُوعٍ ، وَكَذَلِكَ إنْ كَانَ الْوَاجِبُ دُونَ طَعَامِ مِسْكِينٍ يُطْعِمُ قَدْرَ الْوَاجِبِ أَوْ يَصُومُ يَوْمًا كَامِلًا لِمَا قُلْنَا .

(وَلَوْ جَرَحَ صَيْدًا أَوْ نَتَفَ شَعْرَهُ أَوْ قَطَعَ عُضْوًا مِنْهُ ضَمِنَ مَا نَقَصَهُ) اعْتِبَارًا لِلْبَعْضِ بِالْكُلِّ كَمَا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ (وَلَوْ نَتَفَ رِيشَ طَائِرٍ أَوْ قَطَعَ قَوَائِمَ صَيْدٍ فَخَرَجَ مِنْ حَيِّزِ الِامْتِنَاعِ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ كَامِلَةً) ؛ لِأَنَّهُ فَوَّتَ عَلَيْهِ الْأَمْنَ بِتَفْوِيتِ آلَةِ الِامْتِنَاعِ فَيَغْرَمُ

جَزَائُهُ .

ترجمہ:

اگر اس نے روزہ رکھنا اختیار کیا تو وہ قتل شدہ شکار کی قیمت کا اندازہ کھانے سے کرے۔اس کے بعد ہر نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جو کے بدلے میں ایک دن کا روزہ رکھے۔کیونکہ مقتول کے حق میں روزوں کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔کیونکہ روزوں کی کوئی قیمت نہیں ہے۔لہذا ہم نے قتل شدہ شکار کو کھانے کے ساتھ اندازہ کرلیا۔اس طرح سے اندازہ کرنا شریعت میں مشروع ہے جس طرح فدیے کے باب میں ہے اور اگر نصف سے تھوڑا کھانا بچ گیا تو اسے اختیار ہے کہ وہ اس کو صدقہ کرے یا اس کے بدلے میں ایک مکمل دن کا روزہ رکھے۔کیونکہ ایک دن سے کم وقت کا روزہ مشروع ہی نہیں ہے۔اور اسی طرح اگر اس پر واجب ایک مسکین کے کھانے سے کم ہو تو بھی واجب مقدار کا کھانا دے یا وہ ایک دن کا روزہ رکھے۔اسی دلیل کی وجہ سے جسے ہم بیان کرچکے ہیں۔

اگر محرم نے شکار والے جانور کو زخمی کردیا یا اس کے بال اکھاڑ دیئے یا اس کا عضو کاٹ دیا جو نقصان ہوا اس کا ضامن ہوگا۔کیونکہ یہاں جز کو کل پر قیاس کیا جائے گا۔جس طرح حقوق العباد میں ہوتا ہے اور اگر محرم نے کسی پرندے کے بازوؤں سے پر نوچ کھائے یا شکار کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور اپنے آپ کو بچانے کیلئے اس سے نکل گیا تو اس پر مکمل قیمت واجب ہے۔کیونکہ محرم نے بچانے والے ذریعے کو ختم کرکے اس کا امن ختم کردیا ہے لہذا اس کی جزاء بطور تاوان لی جائے گی۔

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جانور کو زخمی کردیا مگر مرا نہیں یا اس کے بال یا پر نوچے یا کوئی عضو کاٹ ڈالا تو اس کی وجہ سے جو کچھ اُس جانور میں کمی ہوئی وہ کفارہ ہے اور اگر زخم کی وجہ سے مرگیا تو پوری قیمت واجب۔

زخم کھا کر بھاگ گیا اور معلوم ہے کہ مرگیا یا معلوم نہیں کہ مرگیا یا زندہ ہے تو قیمت واجب ہے اور اگر معلوم ہے کہ مرگیا مگر اس زخم کے سبب سے نہیں بلکہ کسی اور سبب سے تو زخم کی جزا دے اور بالکل اچھا ہوگیا، جب بھی کفارہ ساقط نہ ہوگا۔جانور کو زخمی کیا پھر اُسے قتل کرڈالا تو زخم و قتل دونوں کا کفارہ دے۔جانور جال میں پھنسا ہوا تھا یا کسی درندہ نے اسے پکڑا تھا اُس نے چھوڑانا چاہا، تو اگر مر بھی جائے جب بھی کچھ نہیں۔ پرند کے پر نوچ ڈالے کہ اُڑ نہ سکے یا چوپایہ کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے کہ بھاگ نہ سکے تو پورے جانور کی قیمت واجب ہے اور انڈا توڑا یا بھونا تو اس کی قیمت دے مگر جب کہ گندہ ہو تو کچھ واجب نہیں اگرچہ اس کا چھلکا قیمتی ہو جیسے شُتر مرغ کا انڈا کہ لوگ اُسے خرید کر بطور نمائش رکھتے ہیں اگرچہ گندہ ہو۔انڈا توڑا اس میں سے بچہ مرا ہوا نکلا تو بچہ کی قیمت دے اور جنگل کے جانور کا دودھ دوہا تو دودھ کی اور بال کترے تو بالوں کی قیمت دے۔(الدرالمختار"، کتاب الحج، باب الجنایات)

پرند کے پر نوچ ڈالے یا چوپایہ کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے پھر کفارہ دینے سے پہلے اُسے قتل کرڈالا تو ایک ہی کفارہ ہے اور کفارہ ادا کرنے کے بعد قتل کیا تو دو کفارے، ایک زخم وغیرہ کا دوسرا قتل کا اور اگر زخمی کیا پھر وہ جانور زخم کے سبب مرگیا تو ایک ہی

کفارہ ہے خواہ مرنے سے پہلے دیا ہو یا اس نے بعد میں دیا ہو۔

شترمرغ کا انڈہ توڑنے پر جزاء کا بیان:

(وَمَنْ كَسَرَ بَيْضَ نَعَامَةٍ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ) وَهَذَا مَرْوِيٌّ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ، وَلِأَنَّهُ أَصْلُ الصَّيْدِ ، وَلَهُ عَرَضِيَّةُ أَنْ يَصِيرَ صَيْدًا فَنَزَلَ مَنْزِلَةَ الصَّيْدِ احْتِيَاطًا مَا لَمْ يَفْسُدْ (فَإِنْ خَرَجَ مِنْ الْبَيْضِ فَرْخٌ مَيِّتٌ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ حَيًّا) وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ ، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَغْرَمَ سِوَى الْبَيْضَةِ ؛ لِأَنَّ حَيَاةَ الْفَرْخِ غَيْرُ مَعْلُومَةٍ .

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ الْبَيْضَ مُعَدٌّ ؛ لِيَخْرُجَ مِنْهُ الْفَرْخُ الْحَيُّ ، وَالْكَسْرُ قَبْلَ أَوَانِهِ سَبَبٌ لِمَوْتِهِ فَيُحَالُ بِهِ عَلَيْهِ احْتِيَاطًا ، وَعَلَى هَذَا إذَا ضَرَبَ بَطْنَ ظَبْيَةٍ فَأَلْقَتْ جَنِينًا مَيِّتًا وَمَاتَتْ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُمَا .

ترجمہ:

حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جس نے شترمرغ کا انڈہ توڑ دیا تو اس پر اس کی قیمت واجب ہے۔کیونکہ انڈہ شکار کی اصل ہے۔کیونکہ اس میں شکار ہونے کی صلاحیت ہے لہذا احتیاط کے پیش نظر وہ شکار کے درجے میں ہوگا یہاں تک وہ خراب نہ ہوجائے۔اور اگر انڈے سے مردہ بچہ نکلا تو اس پر اسی کی قیمت واجب ہے اور استحسان یہی ہے جبکہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ انڈے کے علاوہ میں ضمان نہ ہو اس لئے کہ بچے کی زندگی معدوم ہے جبکہ استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ انڈہ اس لئے ہوتا ہے تا کہ اس سے بچہ نکلے۔اور اس کا وقت سے پہلے ٹوٹ جانا اس کی موت کا سبب ہے۔لہذا احتیاط کے پیش نظر بچے کا مرنا اسی پر محمول کیا جائے گا۔اور اسی استحسان پر یہ مسئلہ بھی ہے۔کہ اگر اس نے گابھن ہرنی کے پیٹ میں مارا تو اس نے مردہ جن دیا اور خود بھی مرگئی تو مارنے والے پر بچہ اور ہرن دونوں کی قیمت واجب ہے۔

شرح

جنگل کے جانور کا انڈا بھونا یا دودھ دوہا اور کفارہ ادا کردیا تو اب اس کا کھانا حرام نہیں اور بیچنا بھی جائز مگر مکروہ ہے اور جانور کا کفارہ دیا اور کھایا تو پھر کفارہ دے اور دوسرے محرم نے کھالیا تو اس پر کفارہ نہیں اگرچہ کھانا حرام تھا کہ وہ مُردار ہے۔

جنگل کے جانور کا انڈا اُٹھالایا اور مرغی کے نیچے رکھ دیا اگر گندہ ہوگیا تو اس کی قیمت دے اور اس سے بچہ نکلا اور بڑا ہو کر اُڑ گیا تو کچھ نہیں اور اگر انڈے پر سے جانور کو اڑا دیا اور انڈا گندہ ہوگیا تو کفارہ واجب۔

(تنویر الابصار" و "الدرالمختار"، کتاب الحج، باب الجنایات)

جن جانوروں کے مارنے پر حکم جزاء نہیں ہے:

(وَلَيْسَ فِي قَتْلِ الْغُرَابِ وَالْحِدَأَةِ وَالذِّئْبِ وَالْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ وَالْفَأْرَةِ وَالْكَلْبِ الْعَقُورِ جَزَاءٌ) ؛ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : (خَمْسٌ مِنْ الْفَوَاسِقِ يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ ، الْحِدَأَةُ وَالْحَيَّةُ وَالْعَقْرَبُ ، وَالْفَأْرَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ) " وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ الْفَأْرَةَ وَالْغُرَابَ وَالْحِدَأَةَ وَالْعَقْرَبَ وَالْحَيَّةَ وَالْكَلْبَ الْعَقُورَ) " وَقَدْ ذُكِرَ الذِّئْبُ فِي بَعْضِ الرِّوَايَاتِ .

وَقِيلَ الْمُرَادُ بِالْكَلْبِ الْعَقُورِ الذِّئْبُ ، أَوْ يُقَالُ إنَّ الذِّئْبَ فِي مَعْنَاهُ ، وَالْمُرَادُ بِالْغُرَابِ الَّذِي يَأْكُلُ الْجِيَفَ وَيَخْلِطُ ؛ لِأَنَّهُ يَبْتَدِئُ بِالْأَذَى ، أَمَّا الْعَقْعَقُ فَغَيْرُ مُسْتَثْنًى ؛ لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى غُرَابًا وَلَا يَبْتَدِئُ بِالْأَذَى .

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْكَلْبَ الْعَقُورَ وَغَيْرَ الْعَقُورِ وَالْمُسْتَأْنَسَ وَالْمُتَوَحِّشَ مِنْهُمَا سَوَاءٌ ؛ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِي ذَلِكَ الْجِنْسُ ، وَكَذَا الْفَأْرَةُ الْأَهْلِيَّةُ وَالْوَحْشِيَّةُ سَوَاءٌ وَالضَّبُّ وَالْيَرْبُوعُ لَيْسَا مِنْ الْخَمْسِ الْمُسْتَثْنَاةِ ؛ لِأَنَّهُمَا لَا يَبْتَدِئَانِ بِالْأَذَى .

ترجمہ:

کوا، چیل، بھیڑیا، بچھو چوہا، اور کٹ کھنا کتا کو قتل کرنے میں کوئی جزاء واجب نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ بدکار جانور حل اور حرم میں بھی قتل کیے جائیں گے۔ جو چیل، سانپ، بچھو، چوہا اور کٹ کھنا کتا ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: محرم (۱) چوہا۔ (۲) کوا (۳) چیل (۴) بچھو (۵) کٹ کھنا کتا کو قتل کر دے۔ اور بعض روایات میں بھیڑیے کا ذکر بھی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کلب عقور سے مراد بھیڑیا ہے اور یا اس کا حکم یہ ہے کہ بھیڑیا کلب عقور ہے یہ کہا جائے گا۔ اور کوے سے مراد وہ کوا ہے جو نجاست کھانے والا ہے جبکہ دانے کو ملانے والا ہے کیونکہ وہ نجاست میں سبقت کرنے والا ہے۔ البتہ عقق کا استثناء نہیں ہے کیونکہ وہ غراب نہیں کہلاتا اور نجاست کھانے میں پہل کرنے والا بھی نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت کی گئی ہے کہ کتے سے مراد عام ہے خواہ کٹ کھنا ہو یا نہ ہو، ملا جلا ہو یا وحشی ہو سب برابر ہیں۔ کیونکہ اس میں جنس کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح دیسی چوہا یا جنگلی چوہا دونوں برابر ہیں۔ اور گوہ اور جنگلی چوہا ان پانچ میں سے نہیں ہے جن کا استثناء کیا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں تکلیف دینے میں پہل کرنے والے نہیں ہیں۔

وہ جانور جن کو حالت احرام اور حرم میں مارنا جائز ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ پانچ جانور ہیں جن کو حرم میں اور حالت احرام میں مارنا گناہ نہیں ہے (۱) چوہا۔ (۲) کوا (۳) چیل (۴) بچھو (۵) کٹ کھنا کتا۔ (بخاری ومسلم)

الغراب (کوا) سے مراد الغراب الابقع (ابلق کوا) یعنی وہ سیاہ سفید کوا ہے جو اکثر مردار اور نجاسات کھاتا ہے۔ چنانچہ اگلی روایت میں اس کی وضاحت بھی ہے۔ اس لئے وہ کوا مارنا جائز نہیں ہے جو کھیت کھلیاں کھاتا ہے اور جس کے پورے جسم کا رنگ تو سیاہ اور چونچ و پاؤں کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔

کٹ کھنے کتے کے حکم کے میں وہ تمام درندے جانور شامل ہیں جو حملہ آور ہوتے ہیں، ایسے تمام جانوروں کو حرم میں اور احرام کی حالت میں مارنا جائز ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایذاء پہنچانے والے پانچ جانور ہیں جن کو حدود حرم سے باہر بھی اور حدود حرم میں بھی مارا جا سکتا ہے (مارنے والا خواہ احرام کی حالت میں ہو خواہ احرام سے باہر ہو) سانپ، ابلق کوا، چوہا، کٹ کھنا کتا، چیل۔ (بخاری ومسلم)

اس کتے کو مارنا حرام ہے جس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے، اسی طرح اس کتے کو بھی مارنا حرام ہے جس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو اس سے کوئی ضرر ونقصان بھی نہ پہنچتا ہو۔

مذکورہ بالا دونوں احادیث میں جن جانوروں کا ذکر کیا گیا ہے مارنے کی اجازت صرف انہیں پر منحصر نہیں بلکہ یہی حکم ان تمام جانوروں کا بھی ہے جن سے ایذاء پہنچتی ہو جیسے چیونٹی، پسو، چچڑی، اور کھٹمل وغیرہ۔ ہاں اگر جوئیں ماری جائیں گی تو پھر حسب استطاعت وتوفیق صدقہ دینا واجب ہوگا۔

مچھر و چیونٹی وغیرہ مارنے پر کچھ واجب نہیں ہے:

(وَلَيْسَ فِي قَتْلِ الْبَعُوضِ وَالنَّمْلِ وَالْبَرَاغِيثِ وَالْقُرَادِ شَيْءٌ) ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِصُيُودٍ وَلَيْسَتْ بِمُتَوَلِّدَةٍ مِنْ الْبَدَنِ ثُمَّ هِيَ مُؤْذِيَةٌ بِطِبَاعِهَا ، وَالْمُرَادُ بِالنَّمْلِ السُّودُ أَوْ الصُّفْرُ الَّذِي يُؤْذِي ، وَمَا لَا يُؤْذِي لَا يَحِلُّ قَتْلُهَا ، وَلَكِنْ لَا يَجِبُ الْجَزَاءُ لِلْعِلَّةِ الْأُولَى .

ترجمہ:

مچھر، چیونٹی، پسو اور چچڑی کو مارنے پر کچھ واجب نہیں ہے اسلئے کہ یہ جانور نہ تو شکار ہیں اور نہ ہی بدن سے پیدا ہونے والے ہیں۔ البتہ یہ اپنی طبیعت کے اعتبار سے تکلیف پہنچانے والے ہیں اور چیونٹی سے مراد سیاہ یا زرد چیونٹی ہے جو تکلیف دینے والی ہے اور وہ چیونٹی و جو تکلیف دہ نہ ہو اس کا مارنا حلال نہیں ہے مگر جزاء بھی واجب نہ ہوگی کیونکہ اس میں بھی وہی پہلی علت پائی جارہی ہے

مچھر وچیونٹی وغیرہ میں علت وجوب کے معدوم ہونے کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف کا قول یہ جانور شکار نہیں ہے یعنی یہ جانور انسان سے وحشت کھانے والے نہیں ہیں بلکہ اس کو طلب کرنے والے ہیں اور یہ بدن سے پیدا ہونے والے نہیں ہے۔ یہاں تک ان کو گندگی پھیلانے میں شمار کیا جائے جس طرح جوں ہے۔ البتہ ان کی طبیعت ایذا دینے والی ہے لہذا ان کے قتل پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

اور صاحب ہدایہ کا قول اس میں جزاء واجب نہیں ہے کیونکہ اس میں بھی پہلی والی علت پائی جارہی ہے اور وہ علت یہ ہے کہ یہ شکار نہیں ہے اور بدن سے پیدا ہونے والے بھی نہیں ہے۔ ان دونوں کا نام علت ہے۔ یہ دونوں اس لئے بھی علت ہوں گے کیونکہ ان کو مقام سلب پر ذکر کیا جائے تو مقام سلب میں بہت ساری علل اسی ایک علت کے حکم میں جمع ہو جائیں گی۔ لہذا حکم تمام علل کے ساتھ اسی طرح منتفی ہو جائے گا جس طرح اس ایک علت کے ساتھ منتفی ہو جاتا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۱۷۱، بیروت)

شکار سے کون جانور مراد ہیں؟

محرم کے لئے جس شکار کی ممانعت ہے اس سے مراد جنگلی شکار کو قتل کرنا ہے۔ جنگلی ان جانوروں کو کہتے ہیں جن کا توالد وتناسل خشکی یا جنگل میں ہوتا ہو گوان کی بود وباش پانی میں ہو جیسے مرغابی وغیرہ۔ اسی طرح شکار اس جانور کو کہتے ہیں جو اصل خلقت میں وحشی ہو خواہ وہ کسی وجہ سے مانوس ہو گیا ہو جیسے ہرن کہ وہ پالنے والے سے مانوس ہو جاتا ہے مگر چونکہ وہ دراصل وحشی ہے اس لئے شکار کہلائے گا خواہ وہ جنگل میں رہتا ہو یا پلا ہوا ہو بہر صورت اس کا شکار کرنے سے جزا واجب ہوگی۔ جو جانور دراصل وحشی نہ ہو اس کا قتل کرنا حالت احرام میں بھی جائز ہے چنانچہ بکری، دنبہ، بھیڑ گائے اونٹ اور گھر کی پلی ہوئی بطخ کو ذبح کرنا محرم کے لئے جائز ہے۔ کبوتر کو فقہاء نے وحشی الاصل قرار دیا ہے اس لئے اس کے شکار پر جزا واجب ہوتی ہے۔ دریائی جانوروں کا شکار آیت کریمہ۔ (اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُہ) 5۔المائدہ:96)۔ کے پیش نظر محرم اور غیر محرم دونوں کے لئے حلال ہے خواہ وہ جانور کھائے جانے والے ہوں یا کھائے جانے والے نہ ہوں۔

جو جنگلی جانور کھائے جاتے ہیں ان کا شکار تو متفقہ طور پر حرام ہے، ہاں جو جانور کھائے نہیں جاتے ان کو صاحب بدائع نے دو قسمیں کی ہیں ایک قسم تو ان جانوروں کی ہے جو طبعاً ایذاء پہنچاتے ہیں اور اکثر وبیشتر ایذاء پہنچانے میں خود ابتداء کرتے ہیں، جیسے شیر، چیتا اور بھیڑیا چنانچہ ان جانوروں کو قتل کرنا محرم کے لئے جائز ہے اور ان کو قتل کرنے سے محرم پر جزاء واجب نہیں ہوتی، دوسری قسم ان جانوروں کی ہے جو ایذا پہنچانے میں ابتداء نہیں کرتے جیسے چرغ (شکرہ کی ایک قسم وغیرہ) ایسے جانوروں کے بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر یہ جانور محرم پر پہلے حملہ کریں تو وہ ان کو مار سکتا ہے اور اس کی وجہ سے اس پر جزاء واجب نہیں ہوگی اور اگر وہ حملہ نہ کریں تو پھر محرم کے لئے یہ مباح نہیں ہے کہ وہ ان کو مارنے میں ابتداء کرے اگر ابتداء کرے گا تو اس پر جزا واجب ہو گی۔

محرم کیلئے حشرات الارض کو مارنے کی ممانعت میں اہل تشیع کا نظریہ:

مسئلہ۔ احتیاط واجب یہ ہے کہ محرم حشرات (جیسے مچھر، مکھی، چیونٹی وغیرہ) کو نہ مارے خواہ اس کے بدن یا لباس پر ہو یا دوسری جگہ بلکہ احتیاط واجب یہ ہے کہ زمین پر رینگنے والے کسی بھی جانور کو نہ مارے مگر یہ کہ اس کی اذیت وآزاد کا سبب ہوں یا موذی اور خطرناک حیوانات میں سے ہوں جیسے سانپ وبچھو وغیرہ، حتی احتیاط واجب یہ ہے کہ مذکورہ حشرات کو بدن پر سے نہ ہٹائے اور اگر غلطی سے ایسا کردے تو فقیر کو تھوڑا سا کھانا کھلائے۔

مسئلہ۔ احتیاط واجب یہ ہے کہ حشرات کو محفوظ جگہ سے معرض سقوط میں منتقل نہ کرے، بلکہ احتیاط واجب یہ ہے کہ مطلقا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ کرے مگر یہ کہ دوسری جگہ محفوظ تر ہو۔

مسئلہ۔ حالت احرام میں حشرات کا مارنا یا منتقل کرنا موجب کفارہ ہے اور اس کا کفارہ خواہ عمداً ہو یا غلطی اور اشتباہ سے ہو تھوڑا سا طعام ہے۔ (توضیح المسائل، حشرات الارض کو قتل کرنا)

جوں مارنے کے صورت صدقے کا حکم:

(وَمَنْ قَتَلَ قَمْلَةً تَصَدَّقَ بِمَا شَاءَ) مِثْلَ كَفٍّ مِنْ طَعَامٍ ؛ لِأَنَّهَا مُتَوَلِّدَةٌ مِنْ التَّفَثِ الَّذِي عَلَى الْبَدَنِ (وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ أَطْعَمَ شَيْئًا) وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ يُجْزِيهِ أَنْ يُطْعِمَ مِسْكِينًا شَيْئًا يَسِيرًا عَلَى سَبِيلِ الْإِبَاحَةِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُشْبِعًا .

(وَمَنْ قَتَلَ جَرَادَةً تَصَدَّقَ بِمَا شَاءَ) ؛ لِأَنَّ الْجَرَادَ مِنْ صَيْدِ الْبَرِّ فَإِنَّ الصَّيْدَ مَا لَا يُمْكِنُ أَخْذُهُ إلَّا بِحِيلَةٍ وَيَقْصِدُهُ الْآخِذُ (وَتَمْرَةٌ خَيْرٌ مِنْ جَرَادَةٍ) لِقَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : تَمْرَةٌ خَيْرٌ مِنْ جَرَادَةٍ .

ترجمہ:

جس شخص نے جوں ماری تو اس کیلئے جو کچھ چاہے صدقہ کرے۔ جس طرح مٹھی بھر غلہ ہے کیونکہ وہ بدن والی میل کچیل سے پیدا ہونے والی ہے۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ وہ کچھ غلہ دے اور جامع صغیر کا یہ قول دلالت کرنے والا ہے کہ اباحت کے طور پر مسکین کو کچھ کھلائے یہی کافی ہے۔ خواہ وہ سیر ہو کر نہ کھایا جائے۔

جس محرم نے ٹڈی ماری تو وہ جس قدر چاہے صدقہ کرے کیونکہ ٹڈی خشکی کا شکار ہے۔ اسلئے کہ شکار اس جانور کو کہتے ہیں جس کو حیلے کے بغیر پکڑ لینا ممکن نہ ہو اور پکڑنے والا اس کا ارادہ بھی کرنے والا ہو اور ایک کھجور ایک ٹڈی سے زیادہ ہے کیونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کھجور ٹڈی سے زیادہ ہے۔

حالت احرام میں ٹڈی کے شکار کا بیان:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹڈی دریا کے شکار کی مانند ہے (ابوداؤد، ترمذی)

حالت احرام میں ٹڈی مارنے میں فقہاء احناف کا بیان:

فقہاء احناف کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٹڈی کو دریا کے شکار کی مانند صرف اس اعتبار سے فرمایا ہے، کہ ٹڈی دریائی شکار یعنی مچھلی کے مشابہ ہے کہ جس طرح مچھلی بغیر ذبح کئے ہوئے کھائی جاتی ہے اسی طرح ٹڈی کو بھی بغیر ذبح کئے کھانا درست ہے، چنانچہ محرم کے لئے ٹڈی مارنا جائز نہیں ہے اگر کوئی محرم ٹڈی مارے گا تو اس پر صدقہ جتنا بھی وہ دے سکے گا لازم ہوگا۔ نیز ہدایہ میں بھی یہ لکھا ہے کہ ٹڈی جنگل کے شکار کے حکم میں ہے اور ابن ہمام کے قول کے مطابق اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محرم کے لئے ٹڈی کا شکار یعنی ٹڈی پکڑنا جائز ہے کیونکہ یہ دریائی شکار کی مانند ہے اور اس آیت کریمہ۔ (اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ 5۔المائدہ96:)۔اور احرام کی حالت میں تمہارے لئے دریائی شکار حلال رکھا گیا ہے کے پیش نظر محرم کے لئے دریا کا شکار جائز ہے۔

جوں مارنے کی جزا کے بارے میں فقہی بیان:

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے جب کہ وہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے حدیبیہ میں تھے اور وہ کعب رضی اللہ عنہ احرام کی حالت میں تھے یعنی یہ اس موقع کا ذکر ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفقاء کے ہمراہ عمرہ کے لئے مکہ روانہ ہوئے تھے لیکن مشرکین نے حدیبیہ میں سب کو روک دیا تھا چنانچہ سب کے ساتھ کعب رضی اللہ عنہ بھی مکہ میں داخل ہونے کے متوقع تھے مگر پھر بعد میں ایک معاہدہ کے تحت کہ جس کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں، سب لوگ عمرہ کئے بغیر واپس ہو گئے تھے، بہرکیف جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعب کے پاس سے گزرے تو وہ ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور جوئیں سر سے جھڑ کر ان کے منہ پر گر رہی تھیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کیا یہ جوئیں تمہیں تکلیف پہنچا رہی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا۔ جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پھر تم اپنا سر منڈوالو اور بطور جزاء ایک فرق کھانا چھ مسکینوں کو کھلا دو اور فرق تین صاع کا ہوتا ہے یا تین روزے رکھ لو اور یا ایک جانور جو ذبح کرنے کے قابل ہو، ذبح کرو۔ (بخاری ومسلم)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن عجرہ ایک جلیل القدر انصاری صحابی ہیں، صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ بھی موجود تھے، ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بڑا دلچسپ بھی ہے اور بڑا سبق آموز بھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس ایک بت تھا جس کو یہ پوجا کرتے تھے، عبادہ بن صامت ان کے دوست تھے، ایک دن عبادہ کعب کے پاس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ کعب بت کی پوجا کرنے کے

بعد گھر سے نکل کر گئے ہیں، عبادہ گھر میں داخل ہوئے اور اس بت کو توڑ ڈالا، جب کعب گھر میں آئے تو دیکھا کہ بت ٹوٹا پڑا ہے، انہیں معلوم ہوا کہ یہ حرکت عبادہ کی ہے، بڑے غضب ناک ہوئے اور چاہا کہ عبادہ کو برا بھلا کہیں مگر پھر سوچ میں پڑ گئے، دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر اس بت کو کچھ بھی قدرت حاصل ہوتی تو اپنے آپ کو بچا لیتا، بس یہ خیال گزرنا تھا کہ شرک وکفر کا اندھیرا چھٹ گیا اور ایمان وصداقت کے نور نے قلب ودماغ کے ایک ایک گوشہ کو منور کر دیا اور اس طرح وہ مشرف باسلام ہو گئے، سچ ہے اللہ تعالی جسے ہدایت یافتہ بناتا ہے اسی طرح ہدایت کی توفیق بخش دیتا ہے۔

بہرکیف اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی محرم کسی عذر مثلاً جوئیں، زخم اور درد سر وغیرہ کی وجہ سے اپنا سر منڈوائے تو اسے اختیار ہے کہ بطور جزاء چاہے تو چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے بایں طور کہ ہر مسکین کو آدھا صاع گیہوں دے دے، چاہے تین روزے رکھ لے اور چاہے جانور ذبح کرے۔ چنانچہ یہ حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے کہ (فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضاً اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ) 2۔البقرة196:)۔اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو اور وہ اپنا سر منڈا دے تو وہ بطور فدیہ یا تو روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔

حالت احرام میں ٹڈی مارنے میں اہل تشیع کا نظریہ:

ملخ (ٹڈی) کا مارنا بھی محرم کے لئے جائز نہیں ہے، بنا بر این اگر ایسے راستے سے گزرے کہ وہاں ملخ ہیں چنانچہ اپنا راستہ بدل سکتا ہے تو بدل دے اور اگر نہیں بدل سکتا تو متوجہ رہے کہ ملخ حتی الامکان پائمال نہ ہوں، لیکن ناچاری کی صورت میں اور مشقت وعسر وحرج میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (توضیح المسائل، صحرائی شکار کا بیان)

کچھوا مارنے پر عدم ضمان کا بیان:

(وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِي ذَبْحِ السُّلَحْفَاةِ) ؛ لِأَنَّهُ مِنْ الْهَوَامِّ وَالْحَشَرَاتِ فَأَشْبَهَ الْخَنَافِسَ وَالْوَزَغَاتِ ، وَيُمْكِنُ أَخْذُهُ مِنْ غَيْرِ حِيلَةٍ وَكَذَا لَا يُقْصَدُ بِالْأَخْذِ فَلَمْ يَكُنْ صَيْدًا .

(وَمَنْ حَلَبَ صَيْدَ الْحَرَمِ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ) ؛ لِأَنَّ اللَّبَنَ مِنْ أَجْزَاءِ الصَّيْدِ فَأَشْبَهَ كُلَّهُ .

ترجمہ:

اور کچھوا مارنے والے محرم پر کچھ بھی واجب نہیں ہے کیونکہ کیڑوں مکوڑوں میں سے ہے لہذا وہ نجاستی کیڑے اور چھپکلیوں کی طرح ہو گیا اور البتہ حیلے کے بغیر اس کو پکڑنا ممکن نہیں ہے اور اسی طرح پکڑا بھی نہیں جاتا جس طرح کسی شکار کو پکڑا جاتا ہے۔

جس نے حرم والے جانور کا دودھ دوہ لیا تو اس پر اس کی قیمت واجب ہے کیونکہ یہ دودھ شکار کے حصوں میں سے ہے لہذا دودھ کے کل کے مشابہ ہوا۔

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

الشَّرْحُ

قَالَ (وَمَنْ حَلَبَ صَيْدَ الْحَرَمِ) : اللَّبَنُ مِنْ أَجْزَاءِ الصَّيْدِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ) وَكَلِمَةُ مِنْ لِلتَّبْعِيضِ . (4/175)

غیر ما کول لحم جانوروں کے قتل کی جزاء کا بیان:

(وَمَنْ قَتَلَ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ مِنَ الصَّيْدِ كَالسِّبَاعِ وَنَحْوِهَا فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ) إلَّا مَا اسْتَثْنَاهُ الشَّرْعُ وَهُوَ مَا عَدَدْنَاهُ .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَجِبُ الْجَزَاءُ ؛ لِأَنَّهَا جُبِلَتْ عَلَى الْإِيذَاءِ فَدَخَلَتْ فِي الْفَوَاسِقِ الْمُسْتَثْنَاةِ ، وَكَذَا اسْمُ الْكَلْبِ يَتَنَاوَلُ السِّبَاعَ بِأَسْرِهَا لُغَةً .

وَلَنَا أَنَّ السَّبُعَ صَيْدٌ لِتَوَحُّشِهِ ، وَكَوْنِهِ مَقْصُودًا بِالْأَخْذِ إمَّا لِجِلْدِهِ أَوْ لِيُصْطَادَ بِهِ أَوْ لِدَفْعِ أَذَاهُ ، وَالْقِيَاسُ عَلَى الْفَوَاسِقِ مُمْتَنِعٌ لِمَا فِيهِ مِنْ إبْطَالِ الْعَدَدِ ، وَاسْمُ الْكَلْبِ لَا يَقَعُ عَلَى السَّبُعِ عُرْفًا وَالْعُرْفُ أَمْلَكُ (وَلَا يُجَاوَزُ بِقِيمَتِهِ شَاةٌ) وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ : تَجِبُ قِيمَتُهُ بَالِغَةً مَا بَلَغَتْ اعْتِبَارًا بِمَأْكُولِ اللَّحْمِ .

وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الضَّبُعُ صَيْدٌ وَفِيهِ الشَّاةُ) " وَلِأَنَّ اعْتِبَارَ قِيمَتِهِ لِمَكَانِ الِانْتِفَاعِ بِجِلْدِهِ لَا ؛ لِأَنَّهُ مُحَارِبٌ مُؤْذٍ ، وَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ لَا يُزَادُ عَلَى قِيمَةِ الشَّاةِ ظَاهِرًا .

ترجمہ:

اور جب محرم لا یؤکل جانور کا قتل کر دیا جس طرح درندے ہیں اور اسی طرح کے جانور ہے تو اس پر جزاء واجب ہے۔البتہ وہ جانور نہیں ہوں گے جن کا شریعت نے استثناء کر دیا ہے اور استثناء والے وہی ہیں جن کو شمار کر آئے ہیں۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک کسی جانور میں جزاء واجب نہیں ہے کیونکہ یہ تمام تکلیف پہنچانے کیلئے پیدا ہوئے ہیں لہذا یہ ان فاسقوں میں شامل ہوں گے جن کا استثناء کیا گیا ہے۔اور اسی طرح لفظ ’’کلب‘‘ لغت کے اعتبار سے تمام درندوں کو شامل ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ درندہ شکار ہے اس لئے کہ وہ وحشی ہے اور پکڑنے میں بھی غائب ہو جاتا ہے۔اور اس لئے تا کہ اس کی

کھال کام آئے یا اس سے شکار کیا جائے یا اس کی تکلیف دور کرنے کیلئے اس کو پکڑا جائے (تو دور بھاگتے ہیں) لہذا ان کو فاسقوں پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔اور یہ دلیل بھی ہے کہ (قیاس) کو عدد باطل کرنے والا ہے۔اور کلب کا لفظ عرف عام میں درندے پر نہیں بولا جاتا۔اور عرف ہی زیادہ مضبوط دلیل ہے۔

اور جزاء کی قیمت بکری زائد نہ کی جائے۔حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ پوری قیمت واجب ہوگی۔حتیٰ کہ اس کی قیمت ما کول لحم کو پہنچ جائے۔کیونکہ ماکول لحم پر قیاس کیا جائے گا اور ہماری دلیل ہے۔کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بجو شکار ہے اور اس میں بکری واجب ہے۔لہذا اس کی کھال سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے قیمت واجب ہے اور اس لئے نہیں کہ وہ کہ لڑنے والا موذی ہے اور اس دلیل کے پیش نظر بظاہر بکری سے اس کی قیمت نہ بڑھے گی۔

حرام جانوروں کو قتل پر وجوب دم میں احادیث سے استدلال:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں بجو (یا گوہ) کا شکار کرنے پر ایک دنبے کی قربانی فدیہ مقرر فرمایا ہے اور اسے شکار قرار دیا ہے۔اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوعمار (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے چرغ کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ شکار ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں! میں نے پھر پوچھا کہ کیا اس کا گوشت کھایا جاسکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! میں نے کہا کہ کیا آپ نے یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے انہوں نے فرمایا کہ ہاں! (ترمذی ، نسائی ، شافعی) نیز امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

چرغ کے حلال و حرام ہونے میں مذاہب اربعہ:

سائل کا مطلب یہ تھا کہ چرغ شکار ہے کہ محرم کے لئے اس کا کھانا حرام ہو یا یہ کہ شکار نہیں ہے، بہر کیف اس موقع پر محرم سے قطع نظر چرغ کے بارے میں بنیادی اختلاف تو یہ ہے کہ چرغ کا گوشت ویسے بھی حلال ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام شافعی تو اس حدیث کے پیش نظر یہ فرماتے ہیں کہ چرغ حلال جانور ہے اس کا گوشت کھانا درست ہے جب کہ حضرت امام مالک اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک حلال جانور نہیں ہے اس لئے اس کا گوشت کسی کو بھی کھانا درست نہیں ہے۔ان کی دلیل حضرت خزیمہ ابن جزی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو آگے آ رہی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چرغ کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شکار ہے اگر کوئی محرم اس کا مرتکب ہو جائے تو اس کے بدلہ میں دنبہ دے یا مینڈھا دے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے احرام کی حالت میں چرغ کا شکار کیا اسے خریدا تو اس کی جزاء کے طور پر ایک دنبہ یا ایک مینڈھا واجب ہوگا۔

چرغ کے حرام ہونے کا بیان:

حضرت خزیمہ بن جزی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چرغ کا گوشت کھانے کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کہیں کوئی اس کا گوشت بھی کھاتا ہے؟ یعنی اس کا گوشت نہ کھانا چاہئے پھر میں نے بھیڑیئے کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا کوئی ایسا شخص جس میں بھلائی یعنی ایمان یا تقویٰ ہو بھیڑیئے کا گوشت بھی کھاتا ہے؟ اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد قوی نہیں ہے۔

جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا ہے یہ روایت اگرچہ باعتبار سند کے ضعیف ہے لیکن بذات خود یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ جس کی دلیل ابن ماجہ کی روایت ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ومن یاکل الضبع۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ذی ناب کو نچلی والا درندہ کھانے سے منع کیا (ذی ناب درندہ اس درندہ کو کہتے ہیں جو دانت سے شکار کرتا ہے) اور چرغ ذی ناب درندہ ہے، بہرکیف چونکہ چرغ کے مباح اور حرام ہونے کی دلیلوں میں تعارض ہے اس لئے حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے کہ اس کا گوشت نہ کھانا چاہئے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

حرام اور حلال جانور دونوں کے شکار کا ایک حکم ہے مگر حرام جانور کے قتل کرنے میں کفارہ ایک بکری سے زیادہ نہیں ہے اگرچہ اس جانور کی قیمت ایک بکری سے بہت زائد کی ہو مثلاً ہاتھی کو قتل کیا تو صرف ایک بکری کفارہ میں واجب ہے۔ سکھایا ہوا جانور قتل کیا تو کفارہ میں وہی قیمت واجب ہے جو بے سکھائے کی ہے، البتہ اگر وہ کسی کی مِلک ہے تو کفارہ کے علاوہ اس کے مالک کو سکھائے ہوئے کی قیمت دے۔ (درمختار، کتاب الحج، باب الجنایات)

جب محرم نے حملہ آور درندے قتل کردیا تو حکم:

(وَإِذَا صَالَ السَّبُعُ عَلَى الْمُحْرِمِ فَقَتَلَهُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ) وَقَالَ زُفَرُ : يَجِبُ الْجَزَاءُ اعْتِبَارًا بِالْجَمَلِ الصَّائِلِ .

وَلَنَا مَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ قَتَلَ سَبُعًا وَأَهْدَى كَبْشًا وَقَالَ : إنَّا ابْتَدَأْنَاهُ ؛ وَلِأَنَّ الْمُحْرِمَ مَمْنُوعٌ عَنْ التَّعَرُّضِ لَا عَنْ دَفْعِ الْأَذَى ، وَلِهَذَا كَانَ مَأْذُونًا فِي دَفْعِ الْمُتَوَهَّمِ مِنْ الْأَذَى كَمَا فِي الْفَوَاسِقِ فَلَأَنْ يَكُونَ مَأْذُونًا فِي دَفْعِ الْمُتَحَقِّقِ مِنْهُ أَوْلَى ، وَمَعَ وُجُودِ الْإِذْنِ مِنْ الشَّارِعِ لَا يَجِبُ الْجَزَاءُ حَقًّا لَهُ ، بِخِلَافِ الْجَمَلِ الصَّائِلِ ؛ لِأَنَّهُ لَا إذْنَ مِنْ صَاحِبِ الْحَقِّ وَهُوَ الْعَبْدُ .

ترجمہ:

جب کسی درندے نے محرم پر حملہ کردیا اور محرم نے اس کو قتل کردیا تو محرم پر کوئی چیز واجب نہ ہوگی۔ حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا کہ اونٹ پر قیاس کرتے ہوئے محرم پر واجب ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ والا اثر ہماری دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک درندے کو قتل کردیا اور بکری ہدیہ بھیجی اور فرمایا کہ ہم نے درندے کو قتل کرنے میں پہل کی تھی حالانکہ محرم کو لڑنے سے منع کیا گیا ہے ہاں البتہ اذیت دور کرنے سے نہیں روکا گیا۔ اسی دلیل کے پیش نظر وہ ایسے جانوروں دور کرے جو اذیت پہنچانے والے ہیں جس طرح فواسق ہیں لہذا ان میں بدرجہ اولیٰ دور کرنے کی اجازت ہوگی۔ جن سے اذیت ثابت ہے۔ حق شارع یعنی جزاء شارع کی طرف سے واجب نہ ہوگا البتہ حملہ آور اونٹ میں اجازت واجب ہوگا۔ کیونکہ اس میں قتل کرنے والے کو حق کی طرف اجازت نہیں ہے اور بندہ صاحب حق ہے۔

حالت احرام میں حملہ آور درندے کو مار ڈالنے کا حکم:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ محرم حملہ کرنے والے درندے کو مار ڈالے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حملہ کرنے والے، کا مطلب یہ ہے کہ وہ جان لینے یا زخمی کرنے کے لئے چڑھ دوڑے جیسے شیر، بھیڑیا اور چیتا وغیرہ کہ یہ درندے انسان کو دیکھتے ہی اس پر حملہ آور ہوجاتے ہیں۔

مجبور ہوکر قتل کرنے والے محرم پر حکم جزاء کا بیان:

(فَإِنْ اُضْطُرَّ الْمُحْرِمُ إلَى قَتْلِ صَيْدٍ فَقَتَلَهُ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ) ؛ لِأَنَّ الْإِذْنَ مُقَيَّدٌ بِالْكَفَّارَةِ بِالنَّصِّ عَلَى مَا تَلَوْنَاهُ مِنْ قَبْلُ .

ترجمہ:

اگر محرم کو شکار کے قتل پر مجبور کیا گیا پس اس نے قتل کردیا تو اس پر جزاء واجب ہے۔ کیونکہ کفارے کا حکم نص کے ساتھ مقید ہے وہی جو ہم تلاوت کرآئے ہیں۔

مجبور محرم کے گوشت کھانے میں مذاہب اربعہ:

صاحب ہدایہ کی مذکورہ بیان کردہ عبارت میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب محرم کو شکار کے گوشت کی طرف مجبور کیا جائے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس حکم سے متعلق نص ہم نے بیان کردی ہے۔

اسی طرح امام مالک، امام احمد اور امام ثوری علیہم الرحمہ نے کہا ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف اور امام شعبی نے کہا ہے کہ وہ گوشت کھائے اور جزاء ادا کرے۔ اور ذخیرہ میں ہے حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے پہلی روایت بیان کی گئی ہے جبکہ خزانہ میں ابن سماعہ

سے روایت ہے کہ غصب مردار سے اولیٰ ہے۔اور حضرت امام کرخی اور امام طحاوی علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ اس کو اختیار ہے۔
(البنائیہ شرح الہدایہ،۵،ص،۳۱۲،حقانیہ ملتان)

حرم میں لڑائی نہ کرنے میں مذاہب ائمہ ثلاثہ و جمہور:

حرم کے باہر جس شخص نے کسی کو قتل کیا ہو، یا کوئی اور ایسا جرم کیا ہو جس پر حد لازم آتی ہو، اور پھر وہ حرم میں پناہ لے لے، تو جب تک وہ وہاں رہے اس پر ہاتھ نہ ڈالا جائے گا۔حرم کی حیثیت حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے چلی آتی ہے، اور فتح مکہ کے روز صرف ایک ساعت کے لیے اُٹھائی گئی، پھر ہمیشہ کے لیے قائم ہوگئی۔قرآن کا ارشاد ہے وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا، جو اس میں داخل ہوگیا وہ امن میں آ گیا۔حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے یہ اقوال معتبر روایات میں آئے ہیں کہ اگر ہم اپنے باپ کے قاتل کو بھی وہاں پائیں تو اسے ہاتھ نہ لگائیں۔اسی لیے جمہور تابعین اور حنفیہ اور حنابلہ اور اہلِ حدیث اس کے قائل ہیں کہ حرم کے باہر کیے ہوئے جرم کا قصاص حرم میں نہیں لیا جا سکتا۔

پالتو جانوروں کو ذبح کرنے میں محرم پر کوئی حرج نہیں:

(وَلَا بَأْسَ لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَذْبَحَ الشَّاةَ وَالْبَقَرَةَ وَالْبَعِيرَ وَالدَّجَاجَةَ وَالْبَطَّ الْأَهْلِيَّ) ؛ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ لَيْسَتْ بِصُيُودٍ ؛ لِعَدَمِ التَّوَحُّشِ ، وَالْمُرَادُ بِالْبَطِّ الَّذِي يَكُونُ فِي الْمَسَاكِنِ وَالْحِيَاضِ ؛ لِأَنَّهُ أَلُوفٌ بِأَصْلِ الْخِلْقَةِ (وَلَوْ ذَبَحَ حَمَامًا مُسَرْوَلًا فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ) خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ .

لَهُ أَنَّهُ أَلُوفٌ مُسْتَأْنَسٌ وَلَا يَمْتَنِعُ بِجَنَاحَيْهِ لِبُطْءِ نُهُوضِهِ ، وَنَحْنُ نَقُولُ : الْحَمَامُ مُتَوَحِّشٌ بِأَصْلِ الْخِلْقَةِ مُمْتَنِعٌ بِطَيَرَانِهِ ، وَإِنْ كَانَ بَطِيءَ النُّهُوضِ ، وَالِاسْتِئْنَاسُ عَارِضٌ فَلَمْ يُعْتَبَرْ (وَكَذَا إذَا قَتَلَ ظَبْيًا مُسْتَأْنَسًا) ؛ لِأَنَّهُ صَيْدٌ فِي الْأَصْلِ فَلَا يُبْطِلُهُ الِاسْتِئْنَاسُ كَالْبَعِيرِ إذَا نَدَّ لَا يَأْخُذُ حُكْمَ الصَّيْدِ فِي الْحُرْمَةِ عَلَى الْمُحْرِمِ .

ترجمہ:

محرم کیلئے گائے، بکری، اونٹ، مرغی اور گھریلو بطخ ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ عدم وحشیت کی وجہ سے یہ جانور شکار نہیں ہے اور بط سے مراد وہ بط ہے کو گھروں اور حوضوں میں رہتی ہے اس لئے کہ وہ خلقت میں اعتبار سے مانوس و ملی جلی ہے۔اگر محرم نے مسرول کبوتر کو ذبح کیا تو اس پر جزاء واجب ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسرول کبوتر لوگوں سے ملا جلا رہنے کی وجہ سے مانوس ہے

اور وہ اپنے بازوں سے بچاؤ کرنے والا نہیں ہے۔اگرچہ وہ ملنے میں سست ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ کبوتر خلقت کے اعتبار سے وحشی ہے جو اڑ کر اپنا بچاؤ کرنے والا ہے اگرچہ اسکا اڑنا ابتدائی طور پر سست ہوتا ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ اس کا مانوس ہونا عارضی ہوتا ہے(کیونکہ وہ موقع پاتے اڑ جاتا ہے)لہذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا

اور اسی طرح اگر اس نے مانوس ہرن کو ذبح کر دیا تو بھی اس پر جزاء واجب ہے کیونکہ وہ اصل میں شکار ہے لہذا اس کا مانوس ہونا باطل ہوگیا جس طرح اونٹ جب بھڑک کر بھر جائے تو وہ شکار کے حکم میں نہ ہوگا کہ محرم پر اس کا ذبح کرنا حرام ہو؟

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اگر جانور شکار ہو تو ضرور ہے کہ ذبح کرنے والا حلال ہو یعنی احرام نہ باندھے ہوئے ہو اور ذبح کرنا بیرونِ حرم ہو لہٰذا مُحرِم کا ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے اور حرم میں شکار کو ذبح کیا تو ذبح کرنے والا محرِم ہو یا حلال دونوں صورتوں میں جانور حرام ہے اور اگر وہ جانور شکار نہ ہو بلکہ پلا ؤ ہو۔جیسے مرغی، بکری وغیرہ اس کو محرم بھی ذبح کر سکتا ہے اور حرم میں بھی ذبح کر سکتے ہیں۔نصرانی نے حرم میں جنگلی جانور کو ذبح کیا تو جانور حرام ہے یعنی مسلم ذبح کرے یا کتابی دونوں صورتوں میں حرام ہے۔

(درمختار، کتاب الحج، باب الجنایات)

حالتِ احرام میں قربانی کا جانور مُحرِم کا اپنا ہو یا کسی دوسرے کا؛ اُسے ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔حالتِ احرام میں قربانی علاوہ بھی اگر ضرورت پیش آجائے تو آدمی اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کر سکتا ہے۔شریعت میں اِس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔مُحرِم کے لیے اِس باب میں جو چیز ممنوع ہے، وہ جانور ذبح کرنا نہیں ہے، بلکہ شکار کھیلنا ہے۔

محرم کا شکار کردہ مذبوحہ مردار کے حکم میں ہے:

(وَإِذَا ذَبَحَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا فَذَبِيحَتُهُ مَيْتَةٌ لَا يَحِلُّ أَكْلُهَا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَحِلُّ مَا ذَبَحَهُ الْمُحْرِمُ لِغَيْرِهِ ؛ لِأَنَّهُ عَامِلٌ لَهُ فَانْتَقَلَ فِعْلُهُ إلَيْهِ .

وَلَنَا أَنَّ الذَّكَاةَ فِعْلٌ مَشْرُوعٌ وَهَذَا فِعْلٌ حَرَامٌ فَلَا يَكُونُ ذَكَاةً كَذَبِيحَةِ الْمَجُوسِيِّ ؛ وَهَذَا لِأَنَّ الْمَشْرُوعَ هُوَ الَّذِي قَامَ مَقَامَ الْمَيْزِ بَيْنَ الدَّمِ وَاللَّحْمِ تَيْسِيرًا فَيَنْعَدِمُ بِانْعِدَامِهِ

ترجمہ:

جب محرم نے کسی شکار کو ذبح کر دیا تو اس کا ذبیحہ مردار ہے اور اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ جسے محرم نے ذبح کیا وہ غیر محرم کے لئے حلال ہے کیونکہ اس طرح محرم دوسروں کیلئے کام کرنے والا ہے۔لہذا اس کا یہ عمل دوسروں کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ذبح کرنا ایک مشروع عمل ہے جبکہ محرم کا یہ عمل حرام ہے تو ذبح بھی حرام ہوگا جس طرح آتش پرست کا

ذبیحہ ہے۔اور اسکی یہ دلیل بھی ہے کہ شریعت کی طرف سے مشروعیت اس کے خون اور گوشت کے درمیان فرق کرنے کے قائم مقام ہے۔لہذا اس میں حلت معدوم ہوگئی کیونکہ ذبح کو مشروع ہونا معدوم ہوگیا ہے۔

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

مُحرم نے جنگل کے جانور کو ذبح کیا تو حلال نہ ہوا بلکہ مُردار ہے ذبح کرنے کے بعد اُسے کھا بھی لیا تو اگر کفارہ دینے کے بعد کھایا تو اب پھر کھانے کا کفارہ دے اور اگر نہیں دیا تھا تو ایک ہی کفارہ کافی ہے۔

جتنی قیمت اُس شکار کی تجویز ہوئی اُسکا جانور خرید کر ذبح کیا اور قیمت میں سے بچ رہا تو بقیہ کا غلہ خرید کر تصدق کرے یا ہر صدقہ کے بدلے ایک روزہ رکھے یا کچھ روزے رکھے کچھ صدقہ دے سب جائز ہے۔یو ہیں اگر وہ قیمت دو جانوروں کے خریدنے کے لائق ہے تو چاہے دوجانور ذبح کرے یا ایک ذبح اور ایک کے بدلے کا صدقہ دے یا روزے رکھے ہر طرح اختیار ہے۔

(الجوهرة النيرة"، كتاب الحج، باب الجنايات)

جب محرم نے اپنے ذبیحہ سے کچھ کھایا تو وجوب قیمت کا بیان:

(فَإِنْ أَكَلَ الْمُحْرِمُ الذَّابِحُ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعَلَيْهِ قِيمَةُ مَا أَكَلَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) رَحِمَهُ اللَّهُ .

(وَقَالَا : لَيْسَ عَلَيْهِ جَزَاءُ مَا أَكَلَ ، وَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ مُحْرِمٌ آخَرُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا) لَهُمَا أَنَّ هَذِهِ مَيْتَةٌ فَلَا يَلْزَمُهُ بِأَكْلِهَا إلَّا الِاسْتِغْفَارُ وَصَارَ كَمَا إذَا أَكَلَهُ مُحْرِمٌ غَيْرُهُ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ حُرْمَتَهُ بِاعْتِبَارِ كَوْنِهِ مَيْتَةً كَمَا ذَكَرْنَا ، وَبِاعْتِبَارِ أَنَّهُ مَحْظُورُ إحْرَامِهِ ؛ لِأَنَّ إحْرَامَهُ هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الصَّيْدَ عَنْ الْمَحَلِّيَّةِ وَالذَّابِحَ عَنْ الْأَهْلِيَّةِ فِي حَقِّ الذَّكَاةِ فَصَارَتْ حُرْمَةُ التَّنَاوُلِ بِهَذِهِ الْوَسَائِطِ مُضَافَةً إلَى إحْرَامِهِ بِخِلَافِ مُحْرِمٍ آخَرَ ؛ لِأَنَّ تَنَاوُلَهُ لَيْسَ مِنْ مَحْظُورَاتِ إحْرَامِهِ .

ترجمہ:

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک جب محرم نے اپنے ذبیحہ سے کچھ کھایا ہے تو اس پر کھائے ہوئے کی مقدار قیمت واجب ہے۔جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ اس کھائے ہوئے کی جزاء واجب نہیں ہے۔اور اگر ذبیحے سے کسی دوسرے محرم نے کچھ کھایا تو فقہاء احناف کے نزدیک بہ اتفاق کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہ مردار ہے لہذا اس کے کھانے پر سوائے استغفار کے کچھ واجب نہیں ہے اور یہ اسی طرح ہوگیا جس طرح کسی دوسرے محرم نے کھایا ہو۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ محرم کے ذبیحے کا حرام ہونا اس کے مردار ہونے کی وجہ سے ہے۔جس طرح ہم نے بیان کیا ہے اور یہ احرام کے ممنوعات ہونے کی وجہ سے ہے۔کیونکہ محرم ہونا ہی اس کے شکار کو محل شکار سے نکالنے والا ہے۔اور ذبح کرنے والے کو اہلیت تذبیح سے نکالنے والا ہے۔لہذا انہی ذرائع کے پیش نظر کھانے کی حرمت احرام کی طرف نسبت کرنے والی ہو گئی۔البتہ دوسرے محرم کیلئے ایسا نہیں ہے کیونکہ اس کا کھانا احرام کے ممنوعات میں سے نہیں ہے۔

شرح

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اور انہیں صعب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ نے کہ جب وہ ابواء یا ودان میں تھے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گورخر کا تحفہ دیا تو آپ نے اسے واپس کر دیا تھا، پھر جب آپ نے ان کے چہروں پر ناراضگی کا رنگ دیکھا تو آپ نے فرمایا واپسی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم احرام باندھے ہوئے ہیں۔(صحیح بخاری، رقم ۱۸۲۵)

ابن خزیمہ اور ابوعوانہ کی روایت میں یوں ہے کہ گورخر کا گوشت بھیجا، مسلم کی روایت میں ران کا ذکر ہے یا پٹھے کا جن میں سے خون ٹپک رہا تھا۔بیہقی کی روایت میں ہے کہ صعب نے جنگلی گدھے کا پٹھا بھیجا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جحفہ میں تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے فوراً کھایا اور دوسروں کو بھی کھلایا۔بیہقی نے کہا اگر روایت محفوظ ہو تو شاید پہلے صعب نے زندہ گورخر بھیجا ہوگا آپ نے اس کو واپس کر دیا پھر اس کا گوشت بھیجا تو آپ نے اسے لے لیا۔ابواء ایک پہاڑ کا نام ہے اور ودان ایک موضع ہے جحفہ کے قریب۔حافظ نے کہا کہ ابواء سے جحفہ تک تیس میل اور ودان سے جحفہ تک آٹھ میل کا فاصلہ ہے۔باب کے ذریعہ امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس شکار کو واپس کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ زندہ تھا، حضرت امام نے دوسرے قرائن کی روشنی میں یہ تطبیق دی ہے۔

جب حلال ہونے والے کے ذبح سے محرم نے کھایا ہو:

(وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَأْكُلَ الْمُحْرِمُ لَحْمَ صَيْدٍ اصْطَادَهُ حَلَالٌ وَذَبَحَهُ إذَا لَمْ يَدُلَّ الْمُحْرِمُ عَلَيْهِ ، وَلَا أَمَرَهُ بِصَيْدِهِ) خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيمَا إذَا اصْطَادَهُ ؛ لِأَجْلِ الْمُحْرِمِ . لَهُ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (لَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْمُحْرِمِ لَحْمَ صَيْدٍ مَا لَمْ يَصِدْهُ أَوْ يُصَدْ لَهُ) " وَلَنَا مَا رُوِيَ (أَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ تَذَاكَرُوا لَحْمَ الصَّيْدِ فِي حَقِّ الْمُحْرِمِ ، فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَأْسَ بِهِ) " وَاللَّامُ فِيمَا رُوِيَ لَامُ تَمْلِيكٍ فَيُحْمَلُ عَلَى أَنْ يُهْدَى إلَيْهِ الصَّيْدُ دُونَ اللَّحْمِ ، أَوْ مَعْنَاهُ أَنْ يُصَادَ بِأَمْرِهِ .ثُمَّ شَرْطُ عَدَمِ

الـدَّلَالَةِ ، وَهَذَا تَنْصِيصٌ عَلَى أَنَّ الدَّلَالَةَ مُحَرِّمَةٌ ، قَالُوا : فِيهِ رِوَايَتَانِ . وَوَجْهُ الْحُرْمَةِ حَدِيثُ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ .

ترجمہ:

محرم کیلئے ایسے شکار کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے جو کسی غیر محرم نے شکار کیا اور اس کو ذبح کیا ہو۔ اس شرط کے ساتھ کہ محرم نے اس پر دلالت نہ کی ہو اور نہ ہی اسے شکار کرنے کا حکم دیا ہو۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے جبکہ حلالی نے اس کو محرم کیلئے شکار کیا ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: محرم کیلئے کوئی حرج نہیں کہ وہ ایسے شکار کا گوشت کھائے جس کو اس نے خود شکار نہ کیا ہو۔ یا اس کیلئے وہ شکار نہ کیا گیا ہو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے محرم کے حق شکار کا گوشت کھانے میں باہم مباحثہ کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک اس روایت میں ''لام'' تملیک کیلئے ہے تو اس کا حدیث کا معنی یہ ہوا کہ وہ محرم کو شکار کا ہدیہ بھی نہ دے اور گوشت بھی دے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ شکار اس کے حکم کیا جائے۔ اور صاحب قدوری نے دلالت نہ کرنے کو بطور شرط بیان کیا ہے اور اس میں اس حکم کی صراحت ہے کہ دلالت کرنے حرام ثابت کرنے والا ہے۔ جبکہ مشائخ فقہاء نے فرمایا ہے کہ اس میں دو روایات ہیں۔ اور حرمت کی دلیل حدیث قتادہ رضی اللہ عنہ ہے۔ جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

امام مالک و امام شافعی کی متدل حدیث کا فقہی مفہوم:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے احرام کی حالت میں شکار کا گوشت حلال ہے بشرطیکہ وہ شکار نہ تو تم نے خود کیا اور نہ تمہارے لئے کیا گیا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ اگر حالت احرام میں تم خود شکار کرو گے یا کوئی دوسرا تمہارے لئے شکار کرے گا، اگرچہ وہ شکاری حالت احرام میں نہ ہو تو اس شکار کا گوشت کھانا تمہارے لئے درست نہیں ہوگا۔ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی اس حدیث کو اپنے اس مسلک کی دلیل قرار دیتے ہیں کہ محرم کے لئے اس شکار کا گوشت کھانا حرام ہے جسے کسی غیر محرم نے اس کے لئے شکار کیا ہو۔

لیکن حنفیہ اس حدیث کے یہ معنی مراد لیتے ہیں کہ اگر حالت احرام میں زندہ شکار تمہارے لئے بطور تحفہ بھیجا جائے تو اس کا گوشت کھانا تمہارے لئے حرام ہوگا۔ ہاں اگر اس شکار کا گوشت تحفہ کے طور پر تمہارے پاس بھیجا جائے اس کا کھانا حرام نہیں ہوگا۔ گویا اس صورت میں حدیث کا حاصل یہ ہوگا کہ اگر تمہارے حکم کی بناء پر کوئی شکار کیا جائے گا تو اس کا کھانا تمہارے لئے درست نہیں

ہوگا لہٰذا اس شکار کا گوشت محرم کے لئے حرام نہیں ہے جسے کوئی غیر محرم اس کے لئے ذبح کرے بشرطیکہ اس شکار میں محرم کے حکم یا اس کی اعانت اور اشارت و دلالت کا کوئی دخل نہ ہو۔

محرم کے گوشت کھانے میں مذاہب اربعہ:

محرم شکار کھائے یا نہ کھائے؟ اس بارے میں تفصیل ہے اس بات میں تو بالاتفاق تمام علماء کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی محرم خود شکار کرے یا کوئی دوسرا محرم شکار کرے تو وہ شکار کھانا محرم کے لئے حرام ہے ہاں اگر صورت یہ ہو کہ کوئی غیر محرم اپنے لئے شکار کرے یا محرم کے لئے اس کی اجازت سے یا اس کی اجازت کے بغیر شکار کرے تو اس کے کھانے کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال و مسلک ہیں چنانچہ بعض صحابہ و تابعین کہ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں کا قول تو یہ ہے کہ محرم کے لئے مطلق شکار کھانا حرام ہے، ان کی دلیل حضرت صعب ابن جثامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو اس باب کی پہلی حدیث ہے۔ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ اگر محرم خود شکار کرے یا کوئی دوسرا شخص اس کے لئے یا اس کی اجازت سے یا اس کی اجازت کے بغیر شکار کرے تو اس کے لئے اس شکار کو کھانا حرام ہے۔ ہاں اگر کوئی غیر محرم اپنے لئے شکار کرے اور اس میں سے کچھ بطور ہدیہ محرم کو بھیجے تو اس کا کھانا اس کے لئے حلال ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے متبعین علماء کا مسلک یہ ہے کہ محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانا حلال ہے خواہ وہ شکار اس کے لئے ہی کیوں نہ کیا گیا ہو بشرطیکہ وہ شکار نہ تو اس نے خود کیا ہو، نہ اس شکار کرنے کا کسی کو حکم دیا ہو، نہ اس شکار کی راہ کسی کو دکھائی ہو، نہ اس شکار کی طرف کسی کو متوجہ کیا ہو، اور نہ اس شکار میں خود اس نے یا کسی اور محرم نے اعانت کی ہو۔ حنفیہ کی دلیل حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

حلالی کے شکار حرم کی صورت میں وجوب قیمت کا بیان:

(وَفِي صَيْدِ الْحَرَمِ إذَا ذَبَحَهُ الْحَلَالُ قِيمَتُهُ يَتَصَدَّقُ بِهَا عَلَى الْفُقَرَاءِ) ؛ لِأَنَّ الصَّيْدَ اسْتَحَقَّ الْأَمْنَ بِسَبَبِ الْحَرَمِ . قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثٍ فِيهِ طُولٌ (وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا) " (وَلَا يُجْزِيهِ الصَّوْمُ) ؛ لِأَنَّهَا غَرَامَةٌ وَلَيْسَتْ بِكَفَّارَةٍ ، فَأَشْبَهَ ضَمَانَ الْأَمْوَالِ ؛ وَهَذَا لِأَنَّهُ يَجِبُ بِتَفْوِيتِ وَصْفٍ فِي الْمَحَلِّ وَهُوَ الْأَمْنُ وَالْوَاجِبُ عَلَى الْمُحْرِمِ بِطَرِيقِ الْكَفَّارَةِ جَزَاءٌ عَلَى فِعْلِهِ ؛ لِأَنَّ الْحُرْمَةَ بِاعْتِبَارِ مَعْنًى فِيهِ وَهُوَ إحْرَامُهُ ، وَالصَّوْمُ يُصْلِحُ جَزَاءَ الْأَفْعَالِ لَا ضَمَانَ الْمَحَالِّ .

وَقَالَ زُفَرُ : يُجْزِيهِ الصَّوْمُ اعْتِبَارًا بِمَا وَجَبَ عَلَى الْمُحْرِمِ ، وَالْفَرْقُ قَدْ ذَكَرْنَاهُ ، وَهَلْ يَجْزِيهِ الْهَدْيُ ؟ فَفِيهِ رِوَايَتَانِ .

ترجمہ:

جب کسی حلال ہونے والے آدمی نے حرم کا شکار کیا تو اس پر اس کی قیمت واجب ہے جسے وہ فقیروں میں صدقہ کرے کیونکہ حرم کی وجہ سے شکار حرم امن کا حقدار ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس میں بڑی طویل حدیث ہے اور مکہ کے جانور کو ڈرایا نہ جائے۔ اور اس کے روزے رکھنا کفایت نہ کریں گے کیونکہ قیمت تاوان ہے کفارہ نہیں ہے۔ تو یہ مالوں کی ضمانتوں کی طرح ہو گیا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ضمان کسی محل وصف سے فوت ہو جانے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ اور محرم پر کفارے کے طور پر جو کچھ واجب ہوا ہے وہ اس کے فعل کی جزاء کے طور پر ہے۔ کیونکہ حرمت ایسے حکم کی بناء ہے جو محرم میں موجود ہے اور وہ اس کا احرام ہے۔ اور روزہ اعمال کی جزاء تو بن سکتا ہے لیکن محلوں کا ضمان نہیں بن سکتا۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ محرم پر واجب ہونے والے روزے پر قیاس کرتے ہوئے اس کو روزہ رکھنا جائز ہے۔ اور فرق ہم نے بیان کر دیا ہے کہ اس کو ہدی دینا جائز ہے یا نہیں۔ تو اس میں دو روایات ہیں۔

محرم وغیر محرم کیلئے حرم کے جانوروں کو قتل کرنے کی ممانعت:

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حرم کے جانور کو شکار کرنا یا اُسے کسی طرح ایذا دینا سب کو حرام ہے۔ مُحرِم اور غیر مُحرِم دونوں اس حکم میں یکساں ہیں۔ غیر مُحرِم نے حرم کے جنگل کا جانور ذبح کیا تو اس کی قیمت واجب ہے اور اس قیمت کے بدلے روزہ نہیں رکھ سکتا اور مُحرِم ہے تو روزہ بھی رکھ سکتا ہے۔ مُحرِم نے اگر حرم کا جانور مارا تو ایک ہی کفارہ واجب ہوگا دو نہیں اور اگر وہ جانور کسی کا مملوک تھا تو مالک کو اس کی قیمت بھی دے۔ پھر اگر سکھایا ہوا ہو مثلاً طوطی تو مالک کو وہ قیمت دے جو سیکھے ہوئے کی ہے اور کفارہ میں بے سکھائے ہوئے کی قیمت۔ جو حرم میں داخل ہوا اور اُس کے پاس کوئی وحشی جانور ہو اگرچہ پنجرے میں تو حکم ہے کہ اُسے چھوڑ دے، پھر اگر وہ شکاری جانور باز، شکرا، بہری وغیرہا ہے اور اس نے اس حکم شرع کی تعمیل کے لیے اُسے چھوڑا، اُس نے شکار کیا تو اُس کے ذمہ تاوان نہیں اور شکار پر چھوڑا تو تاوان ہے۔

ایک شخص دوسرے کا وحشی جانور غصب کر کے حرم میں لایا تو واجب ہے کہ چھوڑ دے اور مالک کو قیمت دے اور نہ چھوڑا بلکہ مالک کو واپس دیا تو تاوان دے۔ غصب کے بعد احرام باندھا جب بھی یہی حکم ہے۔

اور اگر دو غیر مُحرِم نے حرم کے جانور کو ایک ضرب میں مار ڈالا تو دونوں آدھی آدھی قیمت دیں۔ یو ہیں اگر بہت سے لوگوں نے مارا تو سب پر وہ قیمت تقسیم ہو جائے گی اور اگر اُن میں کوئی محرم بھی ہے تو علاوہ اُس کے جو اُس کے حصہ میں پڑا پوری قیمت بھی کفارہ میں دے اور ایک نے پہلے ضرب لگائی پھر دوسرے نے تو ہر ایک کی ضرب سے اس کی قیمت میں جو کمی ہوئی وہ دے۔ پھر باقی قیمت دونوں پر تقسیم ہو جائے گی اس بقیہ کا نصف نصف دونوں دیں۔

اور اسی طرح ایک نے حرم کا جانور پکڑا، دوسرے نے مار ڈالا تو دونوں پوری پوری قیمت دیں اور پکڑنے والے کو اختیار ہے کہ دوسرے سے تاوان وصول کر لے۔ چند شخص مُحرِم مکہ کے کسی مکان میں ٹھہرے، اس مکان میں کبوتر رہتے تھے۔ سب نے ایک سے

کہا، دروازہ بند کر دے، اس نے دروازہ بند کر دیا اور سب منیٰ کو چلے گئے، واپس آئے تو کبوتر پیاس سے مرے ہوئے ملے تو سب پورا پورا کفارہ دیں۔

جب جانور کا کچھ حصہ حرم میں ہو اور کچھ باہر تو اگر کھڑا ہو اور اس کے سب پاؤں حرم میں ہوں یا ایک ہی پاؤں تو وہ حرم کا جانور ہے، اُس کو مارنا حرام ہے اگرچہ سر حرم سے باہر ہے اور اگر صرف سر حرم میں ہے اور پاؤں سب کے سب باہر تو قتل پر جرمانہ لازم نہیں اور اگر لیٹا سویا ہے اور کوئی حصہ بھی حرم میں ہے تو اسے مارنا حرام ہے۔

اور جب وہ جانور حرم سے باہر تھا، اس نے تیر چھوڑا وہ جانور بھاگا اور تیر اُسے اس وقت لگا کہ حرم میں پہنچ گیا تھا تو جرمانہ لازم اور اگر تیر لگنے کے بعد بھاگ کر حرم میں گیا اور وہیں مر گیا تو نہیں مگر اس کا کھانا حلال نہیں۔ جانور حرم میں نہیں مگر یہ شکار کرنے والا حرم میں ہے اور حرم ہی سے تیر چھوڑا تو جرمانہ واجب ہے۔ (ردمحتار، کتاب الحج، باب الجنایات)

جب کسی نے حرم کا شکار حرم میں چھوڑ دیا:

(وَمَنْ دَخَلَ الْحَرَمَ بِصَيْدٍ فَعَلَيْهِ أَنْ يُرْسِلَهُ فِيهِ إذَا كَانَ فِي يَدِهِ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فَإِنَّهُ يَقُولُ : حَقُّ الشَّرْعِ لَا يَظْهَرُ فِي مَمْلُوكِ الْعَبْدِ لِحَاجَةِ الْعَبْدِ .

وَلَنَا أَنَّهُ لَمَّا حَصَلَ فِي الْحَرَمِ وَجَبَ تَرْكُ التَّعَرُّضِ لِحُرْمَةِ الْحَرَمِ إذْ صَارَ هُوَ مِنْ صَيْدِ الْحَرَمِ فَاسْتَحَقَّ الْأَمْنَ لِمَا رَوَيْنَا (فَإِنْ بَاعَهُ رَدَّ الْبَيْعَ فِيهِ إنْ كَانَ قَائِمًا) ؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ لَمْ يَجُزْ لِمَا فِيهِ مِنْ التَّعَرُّضِ لِلصَّيْدِ وَذَلِكَ حَرَامٌ (وَإِنْ كَانَ فَائِتًا فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ) ؛ لِأَنَّهُ تَعَرُّضٌ لِلصَّيْدِ بِتَفْوِيتِ الْأَمْنِ الَّذِي اسْتَحَقَّهُ (وَكَذَلِكَ بَيْعُ الْمُحْرِمِ الصَّيْدَ مِنْ مُحْرِمٍ أَوْ حَلَالٍ) لِمَا قُلْنَا .

ترجمہ:

جو بندہ حرم میں شکار لیکر گیا تو اس پر واجب ہے کہ اس کو اس میں چھوڑ دے۔ اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس کے قبضے میں ہو۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں مملوک چیز میں شریعت کا حق ظاہر نہیں ہے کیونکہ بندہ محتاج ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جب یہ جانور حرم میں داخل ہوا تو احترام حرم کی وجہ سے اس سے الجھنے کو ترک کرنا واجب ہے۔ کیونکہ وہ جیسے ہی شکار حرم ہوا تو امن کا حقدار ہو گیا۔ اسی حدیث کے مطابق جو روایت کر چکے ہیں۔

اور اگر اس نے شکار کو بیچ دیا تو شکار کے حق میں بیع رد کر دی جائے گی۔ اس شرط کے ساتھ وہ شکار موجود ہو۔ کیونکہ اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شکار کے ساتھ تعرض ہو گیا اور یہی حرام ہے اور اگر شکار نہ ہو بائع پر جزاء واجب ہے۔ اسلئے کہ اس نے شکار

کے اس امن کو تعرض کے ساتھ برباد کیا جس کا وہ حقدار تھا۔ اور اسی طرح محرم کا شکار کسی محرم یا غیر محرم کو بیچنے کا حکم ہے۔ اسی دلیل کی وجہ سے ہم بیان کر چکے ہیں۔

حرم وغیر حرم جانور کا شکار کرنے کی ممانعت کا بیان:

اور جو شخص حرم کا جانور پکڑ لایا اور اسے بیرون حرم چھوڑ دیا، اب کسی نے مار ڈالا تو پکڑنے والے پر کفارہ لازم ہے اور اگر کسی نے نہ بھی مارا تو جب تک امن کے ساتھ حرم کی زمین میں پہنچ جانا معلوم نہ ہو، کفارہ سے بَری نہ ہوگا۔ اور اگر جانور حرم سے باہر تھا اور اس کا بہت چھوٹا بچہ حرم کے اندر، غیر مُحرِم نے اُس جانور کو مارا تو اس کا کفارہ نہیں مگر بچہ بھوک سے مر جائے گا تو بچہ کا کفارہ دینا ہوگا۔ (منسک)

اور جب جانور اور شکاری دونوں حرم سے باہر ہیں مگر تیر حرم سے ہوتا ہوا گزرا تو اسمیں بھی بعض علما تاوان واجب کرتے ہیں۔ درمختار میں یہی لکھا مگر بحر الرائق ولباب میں تصریح ہے کہ اس میں تاوان نہیں اور علامہ شامی نے فرمایا کلام علما سے یہی ثابت۔ کتا یا باز وغیرہ چھوڑا اور حرم سے ہوتا ہوا گزرا، اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اور اگر جانور حرم سے باہر تھا اس پر کتا چھوڑا، کتے نے حرم میں جا کر پکڑا تو اُس پر تاوان نہیں مگر شکار نہ کھایا جائے۔ گھوڑے وغیرہ کسی جانور پر سوار جارہا تھا یا اسے ہانکتا یا کھینچتا لیے جارہا تھا، اُس کے ہاتھ پاؤں سے کوئی جانور دب کر مر گیا یا اس نے کسی جانور کو دانت سے کاٹا اور مر گیا تو تاوان دے۔ بھیڑیے پر کتا چھوڑا، اُس نے جا کر شکار پکڑا یا بھیڑیا پکڑنے کے لیے جال تانا، اُس میں شکار پھنس گیا تو دونوں صورتوں میں تاوان کچھ نہیں۔ جانور کو بھگایا وہ کوئیں میں گر پڑا یا پھسل کر گرا اور مر گیا یا کسی چیز کی ٹھوکر لگی وہ مر گیا تو تاوان دے۔

حرم کا جانور پکڑ لایا اور اسے بیرون حرم چھوڑ دیا، اب کسی نے مار ڈالا تو پکڑنے والے پر کفارہ لازم ہے اور اگر کسی نے نہ بھی مارا تو جب تک امن کے ساتھ حرم کی زمین میں پہنچ جانا معلوم نہ ہو، کفارہ سے بَری نہ ہوگا۔ جانور حرم سے باہر تھا اور اس کا بہت چھوٹا بچہ حرم کے اندر، غیر مُحرِم نے اُس جانور کو مارا تو اس کا کفارہ نہیں مگر بچہ بھوک سے مر جائے گا تو بچہ کا کفارہ دینا ہوگا۔ (منسک)

محرم کے پنجرے والے شکار کو نہ چھوڑنے کا بیان:

(وَمَنْ أَحْرَمَ وَفِي بَيْتِهِ أَوْ فِي قَفَصٍ مَعَهُ صَيْدٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُرْسِلَهُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يُرْسِلَهُ ؛ لِأَنَّهُ مُتَعَرِّضٌ لِلصَّيْدِ بِإِمْسَاكِهِ فِي مِلْكِهِ فَصَارَ كَمَا إذَا كَانَ فِي يَدِهِ .

وَلَنَا أَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ كَانُوا يُحْرِمُونَ وَفِي بُيُوتِهِمْ صُيُودٌ وَدَوَاجِنُ ، وَلَمْ يُنْقَلْ عَنْهُمْ إرْسَالُهَا ، وَبِذَلِكَ جَرَتْ الْعَادَةُ الْفَاشِيَةُ وَهِيَ مِنْ إحْدَى الْحُجَجِ ؛ وَلِأَنَّ

الْوَاجِبَ تَرْكُ التَّعَرُّضِ وَهُوَ لَيْسَ بِمُتَعَرِّضٍ مِنْ جِهَتِهِ ؛ لِأَنَّهُ مَحْفُوظٌ بِالْبَيْتِ وَالْقَفَصِ لَا بِهِ غَيْرَ أَنَّهُ فِي مِلْكِهِ ، وَلَوْ أَرْسَلَهُ فِي مَفَازَةٍ فَهُوَ عَلَى مِلْكِهِ فَلَا مُعْتَبَرَ بِبَقَاءِ الْمِلْكِ .

وَقِيلَ : إذَا كَانَ الْقَفَصُ فِي يَدِهِ لَزِمَهُ إرْسَالُهُ لَكِنْ عَلَى وَجْهٍ لَا يَضِيعُ .

ترجمہ:

اور جس بندے نے اس حالت میں احرام باندھ لیا کہ اس کے گھر میں یا پنجرے میں شکار کا جانور ہے۔ تو اس پر واجب ہے کہ اس کو چھوڑ دے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس پر چھوڑنا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شکار کو اپنے پاس رکھنے میں شکار کے ساتھ تعرض کرنے والا نہیں ہے۔ لہذا یہ اس طرح ہو گیا کہ گویا وہ اس کے ہاتھ میں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب احرام باندھتے تھے حالانکہ ان کے گھروں میں شکاری جانور اور دواجن ہوتے تھے۔ لیکن ان سے ان کا چھوڑنا نقل نہیں کیا گیا۔ لہذا ان کو نہ چھوڑنے کی عادت ظاہری طور پر جاری ہوگئی۔ (عرف عام)۔ اور ہمارے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ شکار کے ساتھ تعرض کا ترک واجب ہے جبکہ اس حالت میں محرم کسی قسم کے تعرض میں مصروف ہونے والا نہیں ہے۔ کیونکہ شکار گھر اور پنجرے میں محفوظ ہے وہ محرم کے ساتھ تو ہے ہی نہیں۔ ہاں البتہ یہ مسئلہ ضرور ہے کہ شکار کا یہ جانور اس کی ملکیت میں ہے۔ اور محرم اس کو کسی جنگل میں چھوڑ دے تب بھی شرعی طور پر وہ اس کی ملکیت میں ہوگا۔ لہذا ملکیت کے باقی رہنے کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

بعض سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر اس کے ہاتھ میں پنجرہ ہو تو اسے چھوڑنا ضروری ہے البتہ ایسے طریقے کے ساتھ چھوڑے کہ وہ ضائع نہ ہو۔

پنجرے میں بند شکار کو چھوڑنے میں مذاہب اربعہ:

ور جس بندے نے اس حالت میں احرام باندھ لیا کہ اس کے گھر میں یا پنجرے میں شکار کا جانور ہے۔ تو اس پر واجب ہے کہ اس کو چھوڑ دے۔ کیونکہ اس کی ملکیت زائل نہیں ہوئی۔ اور یہی مذہب امام اوزاعی کا ہے۔ اور اسی مجاہد، عبد اللہ بن حارث، مالک، احمد اور ابو ثور نے کہا ہے۔

لیکن جب وہ اس کے ہاتھ میں یا اس کی سواری میں یا اس کے خیمے میں ہو یا مضبوط رسی کے ساتھ باندھا ہوا ہے تو اس کی چھوڑنا واجب ہے۔ جبکہ ابو ثور نے کہا ہے صرف ہاتھ میں ہونے کی صورت میں چھوڑنا واجب ہے۔ جبکہ ابن منذر نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جب وہ اس کے ہاتھ میں ہو یا اس کے گھر میں ہو۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس پر چھوڑنا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شکار کو اپنے پاس رکھنے میں شکار کے ساتھ

تعرض کرنے والانہیں ہے۔لہذا یہ اس طرح ہوگیا کہ گویا وہ اس کے ہاتھ میں ہے۔حضرت امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ سے اسی روایت ہے۔(البنایہ شرح الہدایہ،۵،ص،۳۲۲،حقانیہ ملتان)

غیر محرم کا شکار پکڑنے کے بعد احرام باندھنے کا بیان:

قَالَ (فَإِنْ أَصَابَ حَلَالٌ صَيْدًا ثُمَّ أَحْرَمَ فَأَرْسَلَهُ مِنْ يَدِهِ غَيْرُهُ يَضْمَنُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) رَحِمَهُ اللَّهُ (وَقَالَا : لَا يَضْمَنُ) ؛ لِأَنَّ الْمُرْسِلَ آمِرٌ بِالْمَعْرُوفِ نَاهٍ عَنْ الْمُنْكَرِ وَ (مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ) وَلَهُ أَنَّهُ مَلَكَ الصَّيْدَ بِالْأَخْذِ مِلْكًا مُحْتَرَمًا فَلَا يَبْطُلُ احْتِرَامُهُ بِإِحْرَامِهِ وَقَدْ أَتْلَفَهُ الْمُرْسِلُ فَيَضْمَنُهُ ، بِخِلَافِ مَا إذَا أَخَذَهُ فِي حَالَةِ الْإِحْرَامِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهُ .

وَالْوَاجِبُ عَلَيْهِ تَرْكُ التَّعَرُّضِ وَيُمْكِنُهُ ذَلِكَ بِأَنْ يُخَلِّيَهُ فِي بَيْتِهِ ، فَإِذَا قَطَعَ يَدَهُ عَنْهُ كَانَ مُتَعَدِّيًا ، وَنَظِيرُهُ الِاخْتِلَافُ فِي كَسْرِ الْمَعَازِفِ .

ترجمہ:

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مطابق وہ شخص ضامن ہوگا۔کہ جب کسی حلالی نے کوئی شکار پایا اور پھر اس نے احرام باندھا اور اس کے بعد اس کے ہاتھ میں کسی نے شکار کو رہا کردیا۔

صاحبین کے نزدیک وہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس کو چھوڑنے والا نیکی کا حکم دینے والا اور برائی سے منع کرنے والا ہے۔اور نیک لوگوں پر کوئی راہ (حکم تکلیف) نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ بندہ شکار کا مالک ہے لہذا وہ اس کی ملکیت محترم حاصل کرنے وجہ سے مالک ہوگیا۔اور اس کا محترم ہونا اس کے احرام باندھنے والے عمل کو ختم کرنے والا نہیں ہے۔اور چھوڑنے والے نے جب اس سے تلف (ختم،ضائع) کردیا ہے لہذا وہ مالک اس کی ضمانت دے گا۔ہاں البتہ اگر اس نے حالت احرام میں پکڑا تو ضمانت نہیں ہوگی۔کیونکہ اب محرم شکار کا مالک ہی نہیں ہے۔لہذا اس پر تعرض کا ترک واجب ہے۔اور یہ اس طرح بھی ممکن ہے کہ وہ اس طرح شکار اپنے گھر میں چھوڑ دے۔تو اس طرح بھیجنے والے محرم کے ساتھ سے ختم کردیا۔تو وہ ظلم کرنے والا ہوا اور اسی کی مثال وہ اختلاف ہے جو لعب ولہو کی اشیاء کو توڑنے کے بیان میں ہے۔

شکار کو پالینے کے بعد ضمانت میں مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مطابق وہ شخص ضامن ہوگا۔کہ جب کسی حلالی نے کوئی شکار پایا اور پھر اس نے احرام باندھا اور اس کے بعد اس کے ہاتھ میں کسی نے شکار کو رہا کردیا۔حضرت امام مالک اور امام

احمد علیہما الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ان کے نزدیک دلیل یہ ہے کہ اس شخص کی ملکیت زائل نہیں ہوئی۔

ہماری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محرم تھے حالانکہ ان کے گھروں میں شکار اور دواجن تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ)(البنایہ شرح الہدایہ،۵،ص،۳۲۲،حقانیہ ملتان)

محرم کے ہاتھ سے شکار چھڑوانے والا ضامن نہ ہوگا:

(وَإِنْ أَصَابَ مُحْرِمٌ صَيْدًا فَأَرْسَلَهُ مِنْ يَدِهِ غَيْرُهُ لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ بِالِاتِّفَاقِ) ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهُ بِالْأَخْذِ ، فَإِنَّ الصَّيْدَ لَمْ يَبْقَ مَحَلًّا لِلتَّمَلُّكِ فِي حَقِّ الْمُحْرِمِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا) فَصَارَ كَمَا إذَا اشْتَرَى الْخَمْرَ (فَإِنْ قَتَلَهُ مُحْرِمٌ آخَرُ فِي يَدِهِ فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا جَزَاؤُهُ) ؛ لِأَنَّ الْآخِذَ مُتَعَرِّضٌ لِلصَّيْدِ الْآمِنِ ، وَالْقَاتِلُ مُقَرِّرٌ لِذَلِكَ ، وَالتَّقْرِيرُ كَالِابْتِدَاءِ فِي حَقِّ التَّضْمِينِ كَشُهُودِ الطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ إذَا رَجَعُوا (وَيَرْجِعُ الْآخِذُ عَلَى الْقَاتِلِ) وَقَالَ زُفَرُ : لَا يَرْجِعُ ؛ لِأَنَّ الْآخِذَ مُؤَاخَذٌ بِصُنْعِهِ فَلَا يَرْجِعُ عَلَى غَيْرِهِ .

وَلَنَا أَنَّ الْآخِذَ إنَّمَا يَصِيرُ سَبَبًا لِلضَّمَانِ عِنْدَ اتِّصَالِ الْهَلَاكِ بِهِ ، فَهُوَ بِالْقَتْلِ جَعَلَ فِعْلَ الْآخِذِ عِلَّةً فَيَكُونُ فِي مَعْنَى مُبَاشَرَةِ عِلَّةِ الْعِلَّةِ فَيُحَالُ بِالضَّمَانِ عَلَيْهِ .

ترجمہ:

اور جب کسی محرم نے شکار پکڑ لیا تو کسی دوسرے شخص نے اس کے ہاتھ سے چھڑوا دیا تو چھڑوانے پر بہ اتفاق فقہاء ضمان واجب نہیں ہے۔کیونکہ وہ اس کو پکڑنے کی وجہ سے کا مالک نہ ہوا۔کیونکہ شکار اس محرم کے حق ملکیت آنے کا محل ہی نہیں بنا۔کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے"اور تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب کہ تم حالت احرام میں ہو"لہذا یہ اس طرح ہوگیا جس طرح کسی مسلمان نے شراب خریدی ہو۔

اور اگر محرم کے ہاتھ ہوتے ہوئے کسی دوسرے محرم نے قتل کردیا تو ان دونوں میں ہر ایک پر مکمل جزاء واجب ہے۔پکڑنے والا پر اس لئے واجب ہے کہ وہ شکار کے امن کو زائل کرتے ہوئے شکار کے ساتھ تعرض کرنے والا ہے اور قتل کرنے والا محرم اس کو ثابت کرنے والا ہے۔اور تقرر کرنا یہ وجوب ضمان کے حق میں اس ابتداء کی طرح ہے جس طرح دخول سے قبل طلاق کے گواہ جب رجوع کرلیں۔لہذا پکڑنے والا مارنے والے سے رجوع کرے گا۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ پکڑنے والا رجوع نہیں کرے گا کیونکہ اس نے اپنے فعل سے اس کو پکڑا ہے لہذا وہ دوسرے سے رجوع نہ کرے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ پکڑنا ضمان کا سبب تب ہے جب اس کے ساتھ ہلاکت سے متصل ہو۔ لہذا اس قاتل نے پکڑنے والے فعل کو علت بنا دیا۔ تو لہذا یہاں علت کی علت کے ارتکاب پر حکم ثابت ہو گیا۔ اس لئے اس حال میں ضمان کا وجوب قاتل پر ہوا۔

شرح

صاحب ہدایہ کے بیان کردہ مسئلہ میں بالاتفاق سے مراد امام اعظم اور صاحبین کے درمیان یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ کہ جب کسی محرم نے شکار پکڑ لیا تو کسی دوسرے شخص نے اس کے ہاتھ سے چھڑوا دیا تو چھڑوانے پر بہ اتفاق فقہاء ضمان واجب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس کو پکڑنے کی وجہ سے کا مالک نہ ہوا۔ کیونکہ شکار اس محرم کے حق ملکیت آنے کا محل ہی نہیں بنا۔ کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے "اور تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب کہ تم حالت احرام میں ہو" لہذا یہ اس طرح ہو گیا جس طرح کسی مسلمان نے شراب خریدی ہو۔

حرم کی گھاس و درخت کاٹنے کی صورت قیمت کے وجوب کا بیان:

(فَإِنْ قَطَعَ حَشِيشَ الْحَرَمِ أَوْ شَجَرَةً لَيْسَتْ بِمَمْلُوكَةٍ ، وَهُوَ مِمَّا لَا يُنْبِتُهُ النَّاسُ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ إلَّا فِيمَا جَفَّ مِنْهُ) ؛ لِأَنَّ حُرْمَتَهُمَا ثَبَتَتْ بِسَبَبِ الْحَرَمِ ، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا يُخْتَلَى خَلَاهَا وَلَا يُعْضَدُ شَوْكُهَا) " وَلَا يَكُونُ لِلصَّوْمِ فِي هَذِهِ الْقِيمَةِ مَدْخَلٌ ؛ لِأَنَّ حُرْمَةَ تَنَاوُلِهَا بِسَبَبِ الْحَرَمِ لَا بِسَبَبِ الْإِحْرَامِ فَكَانَ مِنْ ضَمَانِ الْمَحَالِّ عَلَى مَا بَيَّنَّا وَيَتَصَدَّقُ بِقِيمَتِهِ عَلَى الْفُقَرَاءِ ، وَإِذَا أَدَّاهَا مَلَكَهُ كَمَا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ .

وَيُكْرَهُ بَيْعُهُ بَعْدَ الْقَطْعِ ؛ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِسَبَبٍ مَحْظُورٍ شَرْعًا ، فَلَوْ أُطْلِقَ لَهُ فِي بَيْعِهِ لَتَطَرَّقَ النَّاسُ إلَى مِثْلِهِ ، إلَّا أَنَّهُ يَجُوزُ الْبَيْعُ مَعَ الْكَرَاهَةِ ، بِخِلَافِ الصَّيْدِ ، وَالْفَرْقُ مَا نَذْكُرُهُ .

وَالَّذِي يُنْبِتُهُ النَّاسُ عَادَةً عَرَفْنَاهُ غَيْرَ مُسْتَحِقٍّ لِلْأَمْنِ بِالْإِجْمَاعِ ؛ وَلِأَنَّ الْمُحَرَّمَ الْمَنْسُوبَ إلَى الْحَرَمِ وَالنِّسْبَةُ إلَيْهِ عَلَى الْكَمَالِ عِنْدَ عَدَمِ النِّسْبَةِ إلَى غَيْرِهِ بِالْإِنْبَاتِ .

وَمَا لَا يَنْبُتُ عَادَةً إذَا أَنْبَتَهُ إنْسَانٌ الْتَحَقَ بِمَا يَنْبُتُ عَادَةً .

وَلَوْ نَبَتَ بِنَفْسِهِ فِي مِلْكِ رَجُلٍ فَعَلَى قَاطِعِهِ قِيمَتَانِ : قِيمَةٌ لِحُرْمَةِ الْحَرَمِ حَقًّا لِلشَّرْعِ ، وَقِيمَةٌ أُخْرَى ضَمَانًا لِمَالِكِهِ كَالصَّيْدِ الْمَمْلُوكِ فِي الْحَرَمِ ، وَمَا جَفَّ مِنْ شَجَرِ الْحَرَمِ لَا ضَمَانَ فِيهِ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنَامٍ .

ترجمہ:

کہ اگر کوئی شخص زمین حرم کی ایسی گھاس یا ایسا درخت کاٹے جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور خودرو ہو تو اس پر اس گھاس یا درخت

کی قیمت بطور جزاء واجب ہوگی۔ البتہ اس گھاس میں قیمت واجب نہ ہوگی جس خشک ہوگئی۔ اس دلیل کے پیش نظر کہ گھاس حرم اور درخت حرم کی حرمت حرم کی وجہ سے ثابت ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حرم کی کوئی گھاس نہ کاٹی جائے اور نہ اس کے کانٹوں کو توڑا جائے۔ اور اس قیمت میں روزے کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے حصول کا سبب حرم ہے احرام نہیں ہے۔ لہذا یہ محل ضمان نہ ہوا جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں اور اسکی قیمت کو فقراء پر صدقہ کر دے اور جب وہ شخص یہ قیمت ادا کر دے تو وہ اس گھاس یا درخت کا مالک ہو گیا جس طرح حقوق العباد میں ہوتا ہے۔

اور کاٹنے کے بعد اسکی بیع کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کیلئے اسکی ملکیت اس طرح ثابت ہوئی ہے جو شریعت کے اعتبار سے منع ہے اور اگر بیع کی اجازت دی جائے تو لوگوں اس طرح کاروبار بنا لیں گے۔ ہاں البتہ کراہت کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔ البتہ شکار نہیں بیچ سکتا اور اس کا فرق ہم بیان کریں گے۔

اور جس گھاس کو یا درخت کو لوگ عرف کے طور پر اگاتے ہیں۔ ان کیلئے استحقاق امن نہ ہونا اجماع سے معروف ہے۔ کیونکہ حرام اسی کو کیا گیا ہے جس کی نسبت حرم کی طرف کی گئی ہے۔ اور حرم کی طرف کلیہ تب ثابت ہوگی جس اس کی نسبت دوسرے کی جانب نہ ہو۔ اور وہ درخت جس کی بجوائی نہیں ہوتی اس کو اگر کسی نے اگایا تو وہ اس درخت کے حکم میں لاحق ہوگا جس کو بطور عادت عرف بویا جاتا ہے۔

اور ایسا درخت جو عادت عرف کے طور پر بویا نہیں جاتا جب وہ کسی شخص کی ملکیت میں خود اگ آیا ہے تو اس کے کاٹنے والے پر ایک قیمت اس لئے واجب ہوگی کہ حق شریعت ہے اور دوسری قیمت اس لئے واجب ہوگی کہ وہ مالک کیلئے بطور تاوان واجب ہوئی ہے۔ جس طرح حرم میں مملوک شکار کا حکم ہے۔ اور حرم کے خشک درخت میں کوئی ضمان نہیں ہے اس لئے کہ وہ نامی نہیں ہے۔

شرح

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ حرم کے کانٹے نہ کاٹے جائیں۔ (صحیح بخاری، کتاب العمرہ)

حضرت ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ نے کہ جب عمرو بن سعید مکہ پر لشکر کشی کر رہا تھا تو انہوں نے کہا امیر اجازت دے تو میں ایک ایسی حدیث سناؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے دن ارشاد فرمائی تھی، اس حدیث مبارک کو میرے ان کانوں نے سنا، اور میرے دل نے پوری طرح اسے یاد کر لیا تھا اور جب آپ ارشاد فرما رہے تھے تو میری آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد اور اس کی ثنا بیان کی، پھر فرمایا کہ مکہ کی حرمت اللہ نے قائم کی ہے لوگوں نے نہیں! اس لیے کسی ایسے شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز اور حلال نہیں کہ یہاں خون بہائے اور کوئی یہاں کا ایک درخت بھی نہ کاٹے لیکن اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتال (فتح مکہ کے موقع پر) سے اس کا جواز نکالے تو اس سے یہ کہہ دو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے اجازت دی تھی، لیکن تمہیں اجازت نہیں ہے اور مجھے بھی تھوڑی سی دیر کے لیے اجازت

ملی تھی پھر دوبارہ آج اس کی حرمت ایسی ہی قائم ہوگئی جیسے پہلے تھی اور ہاں جو موجود ہیں وہ غائب کو (اللہ کا یہ پیغام) پہنچادیں، ابوشریح سے کسی نے پوچھا کہ پھر عمرو بن سعید نے (یہ حدیث سن کر) آپ کو کیا جواب دیا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ عمرو نے کہا ابوشریح! میں یہ حدیث تم سے بھی زیادہ جانتا ہوں مگر حرم کسی مجرم کو پناہ نہیں دیتا اور نہ خون کر کے اور نہ کسی جرم کر کے بھاگنے والے کو پناہ دیتا ہے۔ خربہ سے مراد خربہ بلیہ ہے۔ (صحیح بخاری، رقم ۱۸۳۲)

حدیث ہذا میں عمرو بن سعید کی فوج کشی کا ذکر ہے جو خلافت اموی کا ایک حاکم تھا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلہ پر مکہ شریف میں جنگ کرنے کے لیے فوج بھیج رہا تھا اس موقع پر کلمہ حق بلند کرنے کے لیے حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ اسے سن کر شاید عمرو بن سعید اپنے اس اقدام سے رک جائے مگر وہ رکنے والا کہاں تھا۔ الٹا حدیث کی تاویل کرنے لگا اور الٹی سیدھی باتوں سے اپنے فعل کا جواز ثابت کرنے لگا جو سراسر اس کا فریب نفس تھا۔ آخر اس نے مکہ شریف پر فوج کشی کی اور حرمت کعبہ کو پامال کر کے رکھ دیا۔ ابوشریح نے اس لیے سکوت نہیں کیا کہ عمرو بن سعید کا جواب معقول تھا بلکہ اس کا جواب سراسر نامعقول تھا بحث تو یہ تھی کہ مکہ پر لشکر کشی اور جنگ جائز نہیں لیکن عمرو بن سعید نے دوسرا مسئلہ چھیڑ دیا کہ کوئی حدی جرم کا مرتکب ہو کر حرم میں بھاگ جائے تو اس کو حرم میں پناہ نہیں ملتی۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے مگر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے تو کوئی حدی جرم بھی نہیں کیا تھا۔

اذخر کو کاٹنے کی اباحت کا بیان:

(وَلَا يُرْعَى حَشِيشُ الْحَرَمِ وَلَا يُقْطَعُ إلَّا الْإِذْخِرَ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا بَأْسَ بِالرَّعْيِ ؛ لِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً ، فَإِنَّ مَنْعَ الدَّوَابِّ عَنْهُ مُتَعَذِّرٌ .

وَلَنَا مَا رَوَيْنَا ، وَالْقَطْعُ بِالْمَشَافِرِ كَالْقَطْعِ بِالْمَنَاجِلِ ، وَحَمْلُ الْحَشِيشِ مِنْ الْحِلِّ مُمْكِنٌ فَلَا ضَرُورَةَ ، بِخِلَافِ الْإِذْخِرِ ؛ لِأَنَّهُ اسْتَثْنَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَجُوزُ قَطْعُهُ وَرَعْيُهُ ، وَبِخِلَافِ الْكَمْأَةِ ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ جُمْلَةِ النَّبَاتِ .

ترجمہ:

اور زمین حرم کی گھاس کو چرانا اور کاٹنا بھی جائز نہیں ہے، البتہ اذخر کو کاٹنا بھی جائز ہے اور چرانا بھی جائز ہے اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ گھاس چرانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس کی ضرورت ہے کیونکہ جانوروں کو اس سے روکنا مشکل ہے۔

ہماری دلیل ہماری روایت کردہ حدیث ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہونٹوں اور دانتوں سے کاٹنا اسی طرح ہے جس طرح درانتیوں سے کاٹنا ہے۔ حالانکہ حل سے گھاس لیکر آنا ممکن ہے۔ لہذا حرم کی گھاس کی ضرورت نہ رہی۔ بہ خلاف اذاخر کے کیونکہ نبی

کریم ﷺ نے ان کا استثناء کیا ہے۔ لہذا اسکو کاٹنا و چرانا جائز ہے بہ خلاف سانپ کی چھتری (کھنبی) والی کے کیونکہ یہ تو گھاس ہی نہیں ہے۔

شرح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرمت والا بنایا ہے مجھ سے پہلے بھی یہ کسی کے لیے حلال نہیں تھا اس لیے میرے بعد بھی وہ کسی کے لیے حلال نہیں ہوگا۔ میرے لیے صرف ایک دن گھڑی بھر حلال ہوا تھا اس لیے اس کی گھاس نہ اکھاڑی جائے اور اس کے درخت نہ کاٹے جائیں، اس کے شکار نہ بھڑکائے جائیں اور نہ وہاں کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے۔ ہاں اعلان کرنے والا اٹھا سکتا ہے۔ (تاکہ اصل مالک تک پہنچادے) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! اذخر کی اجازت دیجئے کیوں کہ یہ ہمارے سناروں اور ہماری قبروں کے لیے کام آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذخر کی اجازت ہے۔ خالد نے روایت کیا کہ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ شکار کو نہ بھڑکانے سے کیا مراد ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ (اگر کہیں کوئی جانور سایہ میں بیٹھا ہوا ہے تو) اسے سایہ سے بھگا کر خود وہاں قیام نہ کرے۔ (صحیح بخاری، رقم ۱۸۳۳)

معلوم ہوا کہ حرم محترم کا مقام یہ ہے کہ جس میں کسی جانور تک کو بھی ستانا، اس کو اس کے آرام کی جگہ سے اٹھا دینا، خود اس جگہ پر قبضہ کر لینا یہ جملہ امور حرم شریف کے آداب کے خلاف ہیں۔ ایام حج میں ہر حاجی کا فرض ہے کہ وہاں دوسرے بھائیوں کے آرام کا ہر وقت خیال رکھے۔

البتہ خشک گھاس کاٹنے کی صورت میں قیمت واجب نہیں ہوتی لیکن اس کا کاٹنا بھی درست نہیں ہے۔!، اسی طرح کماۃ یعنی کھنبی (ایک قسم کا خودرو ساگ) بھی مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ نباتات میں سے نہیں ہے! حضرت امام شافعی کے مسلک میں زمین حرم کی گھاس میں جانوروں کو چرانا بھی جائز ہے۔

حرم مدینہ کے جانور کو مارنے کی کراہت میں فقہی مذاہب کا بیان:

حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر صحابی ہیں اپنی حویلی کی طرف جو مدینہ کے قریب مقام عقیق میں تھی، سوار ہو کر چلے تو راستہ میں انہوں نے ایک غلام کو دیکھا جو ایک درخت کاٹ رہا تھا یا اس درخت کے پتے جھاڑ رہا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بطور سزا و تنبیہ اس غلام کے کپڑے چھین لئے، پھر جب وہ مدینہ واپس آئے تو غلام کے مالک ان کی خدمت میں آئے اور یہ گفتگو کی کہ انہوں نے جو چیز ان کے غلام سے لی ہے یعنی اس کے کپڑے اسے وہ غلام کو واپس کر دیں یا ان مالکوں کو دے دیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی پناہ میں اس چیز کو کیسے واپس کر سکتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دلوائی ہے۔ چنانچہ سعد نے کپڑے واپس کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ (مسلم)

ان یرد علی غلامھم او علیھم ،حرف اوراوی کے شک کوظاہر کررہا ہے کہ ان کے مالکوں نے یا تو کہا تھا کہ غلام کے کپڑے غلام کوواپس کردیں یااس کے بجائے یہ کہا تھا کہ جو کپڑے ہمارے غلام سے لئے ہیں وہ ہمیں دے دیں۔حدیث کے اس جملہ جو مجھے رسول اللہ نے دلوائی ہے۔کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی اجازت دی تھی کہ جو شخص کسی کو مدینہ میں شکار مارتے یا درخت کاٹتے دیکھے تو وہ اس کے کپڑے ضبط کرلے،لہذا کہا جائے گا کہ یا تو یہ حدیث منسوخ ہے یا پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یہ اجازت زجر تنبیہ کے طور پر دی گئی تھی۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مدینہ میں شکار مارنے یا درخت کاٹنے کی وجہ سے بدلہ کفارہ واجب نہیں ہوتا بلکہ مدینہ میں یہ چیزیں بغیر بدلہ کے حرام ہیں،جب کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جس طرح مکہ میں ان چیزوں کے ارتکاب سے بدلہ واجب ہوتا ہے اسی طرح مدینہ میں بھی ان کی وجہ سے بدلہ میں واجب ہوتا ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک مدینہ میں یہ چیزیں حرام نہیں ہیں البتہ مکروہ ہیں۔

قارن کیلئے جنایات کے ارتکاب سے دودموں کے وجوب کا بیان:

(وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلَهُ الْقَارِنُ مِمَّا ذَكَرْنَا أَنَّ فِيهِ عَلَى الْمُفْرِدِ دَمًا فَعَلَيْهِ دَمَانِ دَمٌ لِحَجَّتِهِ وَدَمٌ لِعُمْرَتِهِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : دَمٌ وَاحِدٌ بِنَاءً عَلَى أَنَّهُ مُحْرِمٌ بِإِحْرَامٍ وَاحِدٍ عِنْدَهُ ، وَعِنْدَنَا بِإِحْرَامَيْنِ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ .

قَالَ (إلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ الْمِيقَاتَ غَيْرَ مُحْرِمٍ بِالْعُمْرَةِ أَوْ الْحَجِّ فَيَلْزَمُهُ دَمٌ وَاحِدٌ) خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَمَّا أَنَّ الْمُسْتَحَقَّ عَلَيْهِ عِنْدَ الْمِيقَاتِ إحْرَامٌ وَاحِدٌ وَبِتَأْخِيرِ وَاجِبٍ وَاحِدٍ لَا يَجِبُ إلَّا جَزَاءٌ وَاحِدٌ .

ترجمہ:

اور مذکورہ جنایات میں سے اگر کسی کا ارتکاب قارن نے کیا تو اس پر دودم واجب ہیں۔ایک دم اس کے حج اور ایک دم اس کے عمرہ کی وجہ سے واجب ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ایک دم واجب ہے۔اس دلیل کے پیش نظر کہ ان کے مطابق وہ ایک احرام کے ساتھ محرم ہے۔جبکہ ہمارے نزدیک وہ دواحراموں کے ساتھ محرم ہے۔جس طرح پہلے حکم بیان کیا جاچکا ہے۔

امام قدوری نے کہا ہے کہ قارن جب بغیر احرام کے احرام حج یا احرام عمرہ میقات سے تجاوز کرجائے تو اس پر ایک دم لازم ہوگا

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے کیونکہ وقت میقات اس پر ایک احرام واجب ہے اور (بقیہ) ایک احرام کی تاخیر کی بناء پر اس پر ایک ہی جزاء واجب ہوگی۔

قارن کے دودموں کے وجوب میں مذاہب اربعہ:

فقہاء احناف کی دلیل سوائے امام زفر علیہ الرحمہ کے واضح ہے کہ قارن سے جب جنایت جن کی جنس مختلف ہے وہ سرزد ہوئی ہے تو اس کی وجہ سے اس پر دودم واجب ہوں گے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ ایک جنایت کے وجوب قائل ہیں۔ان کی دلیل دم کے اندر عدم تکرار ہے حالانکہ ان کا یہ استدلال درست نہیں ہے۔کیونکہ جنایت میں جب اختلاف جنس پایا گیا تو اسی کے موافق کفارہ بھی مختلف ہوجائے گا۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ بھی ایک ہی جزاء کے قائل ہیں۔وہ بھی عدم تکرار کے پیش نظر جبکہ جزاء میں تعدد پایا جانا یہ کسی حکم شرعی کے خلاف نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی ،امام مالک ،امام احمد،امام زفر علیہم الرحمہ کا اس مسئلہ میں فقہاء احناف سے یہی اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک قارن پر ایک دم جبکہ احناف کے نزدیک دودم واجب ہیں۔(البنائیہ شرح الہدایہ،۵،ص۳۳۰،حقانیہ ملتان)

ایک شکار کے مشترکہ محرمین پر وجوب جزاء کا بیان:

(وَإِذَا اشْتَرَكَ مُحْرِمَانِ فِي قَتْلِ صَيْدٍ فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا جَزَاءٌ كَامِلٌ) ؛ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالشَّرِكَةِ يَصِيرُ جَانِيًا جِنَايَةً تَفُوقُ الدَّلَالَةَ فَيَتَعَدَّدُ الْجَزَاءُ بِتَعَدُّدِ الْجِنَايَةِ .

(وَإِذَا اشْتَرَكَ حَلَالَانِ فِي قَتْلِ صَيْدِ الْحَرَمِ فَعَلَيْهِمَا جَزَاءٌ وَاحِدٌ) ؛ لِأَنَّ الضَّمَانَ بَدَلٌ عَنْ الْمَحَلِّ لَا جَزَاءٌ عَنْ الْجِنَايَةِ فَيَتَّحِدُ بِاتِّحَادِ الْمَحَلِّ ، كَرَجُلَيْنِ قَتَلَا رَجُلًا خَطَأً تَجِبُ عَلَيْهِمَا دِيَةٌ وَاحِدَةٌ ، وَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَفَّارَةٌ .

(وَإِذَا بَاعَ الْمُحْرِمُ الصَّيْدَ أَوْ ابْتَاعَهُ فَالْبَيْعُ بَاطِلٌ) ؛ لِأَنَّ بَيْعَهُ حَيًّا تَعَرُّضٌ لِلصَّيْدِ الْآمِنِ وَبَيْعُهُ بَعْدَمَا قَتَلَهُ بَيْعُ مَيْتَةٍ .

ترجمہ:

اور جب کسی ایک شکار کے قتل میں دومحرم شریک ہوگئے تو ان دونوں میں سے ہرایک پر مکمل جزاء واجب ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہرایک شرکت ایسی جنایات کا ارتکاب کرنے والی ہے۔لہذا ان میں ہرایک جنایت ایسی ہوئی جو دلالت سے بڑھ گئی لہذا جنایت کے تعدد کی وجہ سے جزاء میں تعدد ثابت ہوگیا۔

اگر دوحلالی حرم کے ایک شکار میں شامل ہوگئے تو ان دونوں پر ایک جزاء واجب ہوئی کیونکہ ان ضمان محل شکار ہے اس کا بدل نہیں ہے لہذا جنایت کی جزاء واجب ہوئی۔لہذا اتحاد محل کے پیش نظر تاوان بھی واحد ہوا جس طرح ایک آدمی کو دو بندوں نے بطور

خطاءً قتل کر دیا تو ان دونوں پر ایک دیت واجب ہوگی اور ان دونوں میں سے ہر ایک پر کفارہ واجب ہوگا۔

اگر محرم شکار بیچا یا فروخت کیا تو اس کی بیع باطل ہے کیونکہ زندہ شکار کی بیع اس طرح ہے جس طرح شکار کے ساتھ تعرض کرنا ہے اور یہی اس کے امن کو فوت کرنے کی دلیل ہے اور اس کو قتل کر دینے کے بعد بیچنا اس طرح ہے جیسے مردار کی بیع ہے۔

حالت احرام میں شکار کی خرید وفروخت کے ابطال کا بیان:

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مُحرِم نے جنگل کا جانور خریدا یا بیچا تو بیع باطل ہے پھر بائع ومشتری دونوں مُحرِم ہیں اور جانور ہلاک ہوا تو دونوں پر کفارہ ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے کہ احرام کی حالت میں پکڑا اور احرام ہی میں بیچا اور اگر پکڑنے کے وقت مُحرِم نہ تھا اور بیچنے کے وقت ہے تو بیع فاسد ہے اور اگر پکڑنے کے وقت مُحرِم تھا اور بیچنے کے وقت نہیں ہے تو بیع جائز ہے۔

غیر مُحرِم نے غیر مُحرِم کے ہاتھ جنگل کا جانور بیچا اور مشتری نے ابھی قبضہ نہ کیا تھا کہ دونوں میں سے ایک نے احرام باندھ لیا تو اب وہ بیع باطل ہوگئی۔ احرام باندھا اور اس کے ہاتھ میں جنگل کا جانور ہے تو حکم ہے کہ چھوڑ دے اور نہ چھوڑا یہاں تک کہ مرگیا تو ضمان دے مگر چھوڑنے سے اس کی ملک سے نہیں نکلتا جب کہ احرام سے پہلے پکڑا تھا اور یہ بھی شرط ہے کہ بیرونِ حرم پکڑا ہو فلہذا اگر اسے کسی نے پکڑ لیا تو مالک اس سے لے سکتا ہے۔ جب کہ احرام سے نکل چکا ہو اور اگر کسی اور نے اس کے ہاتھ سے چھڑا دیا تو یہ تاوان دے اور اگر جانور اس کے گھر ہے تو کچھ مضایقہ نہیں یا پاس ہی ہے مگر پنجرے میں ہے تو جب تک حرم سے باہر ہے چھوڑنا ضروری نہیں۔ لہٰذا اگر مرگیا تو کفارہ لازم نہیں۔

مُحرِم نے جانور پکڑا تو اس کی مِلک نہ ہوا، حکم ہے کہ چھوڑ دے اگرچہ پنجرے میں ہو یا گھر پر ہو اور اُسے کوئی پکڑ لے تو احرام کے بعد اس سے نہیں لے سکتا اور اگر کسی دوسرے نے چھوڑ دیا تو اُس سے تاوان نہیں لے سکتا اور دوسرے مُحرِم نے مار ڈالا تو دونوں پر کفارہ ہے مگر پکڑنے والے نے جو کفارہ دیا ہے، وہ مارنے والے سے وصول کر سکتا ہے۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب الحج)

حرم سے ہرن کو نکالنے والے پر وجوب جزاء کا بیان:

(وَمَنْ أَخْرَجَ ظَبْيَةً مِنْ الْحَرَمِ فَوَلَدَتْ أَوْلَادًا فَمَاتَتْ هِيَ وَأَوْلَادُهَا فَعَلَيْهِ جَزَاؤُهُنَّ) ؛ لِأَنَّ الصَّيْدَ بَعْدَ الْإِخْرَاجِ مِنْ الْحَرَمِ بَقِيَ مُسْتَحِقًّا لِلْأَمْنِ شَرْعًا وَلِهَذَا وَجَبَ رَدُّهُ إلَى مَأْمَنِهِ ، وَهَذِهِ صِفَةٌ شَرْعِيَّةٌ فَتَسْرِي إلَى الْوَلَدِ (فَإِنْ أَدَّى جَزَاءَهَا ثُمَّ وَلَدَتْ لَيْسَ عَلَيْهِ جَزَاءُ الْوَلَدِ) ؛ لِأَنَّ بَعْدَ أَدَاءِ الْجَزَاءِ لَمْ تَبْقَ آمِنَةً ؛ لِأَنَّ وُصُولَ الْخَلَفِ كَوُصُولِ الْأَصْلِ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

اور جس شخص نے ہرن کو حرم سے نکال دیا اس کے بعد اس ہرن نے کئی بچے جن دیئے پھر وہ ہرن اور اس کے بچے مرگئے تو اس

پر ان کی جزاء واجب ہے کیونکہ ہرن حرم سے نکلنے کے بعد بھی شرعی طور پر امن کا مستحق ہے۔ اس دلیل کے پیش نظر کہ اس کو امن کی طرف لوٹانا واجب ہے۔ اور یہ حکم شرعی ہے۔ اور یہی حکم بچوں کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے ہرن کی جزاء ادا کر دی اس کے بعد اس نے بچوں کو جنم دیا تو اس صورت میں محرم پر بچوں کی جزاء واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ جزاء کی ادائیگی کے بعد وہ مستحق امن نہیں ہے۔ اس لئے کہ بدل کا پہنچنا اصل کے پہنچنے کی طرح ہے۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

جنایت کے متعدد اسباب متعدد جزاؤں کو واجب کرتے ہیں:

صاحب ہدایہ کی اس عبارت میں یہ مسئلہ دلیل فقہی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس کا ثبوت قواعد شرعیہ سے ثابت ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ جب جنایت جو وجوبؒ جزاء کا سبب ہے اس کی ذات میں تعدد پایا جائے تو اس جنایت کے حکم کے مطابق واجب ہونے والی جزاء میں تعدد ثابت ہو جائے گا۔

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ہرنی کو مارا اس کے پیٹ میں بچہ تھا، وہ مرا ہوا گرا تو اس بچہ کی قیمت کفارہ دے اور ہرنی بعد کو مرگئی تو اس کی قیمت بھی اور اگر نہ مری تو اس کی وجہ سے جتنا اس میں نقصان آیا وہ کفارہ میں دے اور اگر بچہ نہیں گرا مگر ہرنی مرگئی تو حالتِ حمل میں جو اس کی قیمت تھی وہ دے۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب الحج مکتبہ رحمانیہ لاہور)

باب مجاوزۃ الوقت بغیر احرام

یہ باب میقات سے بغیر احرام کے گزرنے والے کے بیان میں ہے

باب المجاوزت کی فقہی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ یہ باب اس شخص کے بیان میں ہے جو میقات سے بغیر احرام کے آگے بڑھ جائے۔ اس کی وجہ مناسبت یہ ہے کہ مصنف جب احرام کی ان جنایات سے فارغ ہوئے ہیں جو احرام سے پہلے ہوتی ہیں۔ اور جو مشترک ہیں۔ لیکن بعض جنایات ایسی ہیں جو احرام سے پہلے یا اس کے اندر نہیں ہوتیں بلکہ بعد میں ہوتی ہیں۔ اور اس باب میں مجاوزہ باب مفاعلہ سے مصدر ہے۔ لیکن اس کا معنی جواز ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۳۳۴، حقانیہ ملتان)

جب کوفی بنو عامر کے بستان سے آ کر عمرے کا احرام باندھے:

(وَإِذَا أَتَى الْكُوفِيُّ بُسْتَانَ بَنِي عَامِرٍ فَأَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ ، فَإِنْ رَجَعَ إلَى ذَاتِ عِرْقٍ وَلَبَّى

بَطَلَ عَنْهُ دَمُ الْوَقْتِ ، وَإِنْ رَجَعَ إِلَيْهِ وَلَمْ يُلَبِّ حَتَّى دَخَلَ مَكَّةَ وَطَافَ لِعُمْرَتِهِ فَعَلَيْهِ دَمٌ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : إِنْ رَجَعَ إِلَيْهِ مُحْرِمًا فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ لَبَّى أَوْ لَمْ يُلَبِّ .

وَقَالَ زُفَرُ : لَا يَسْقُطُ لَبَّى أَوْ لَمْ يُلَبِّ لِأَنَّ جِنَايَتَهُ لَمْ تَرْتَفِعْ بِالْعَوْدِ وَصَارَ كَمَا إِذَا أَفَاضَ مِنْ عَرَفَاتٍ ثُمَّ عَادَ إِلَيْهِ بَعْدَ الْغُرُوبِ .

وَلَنَا أَنَّهُ تَدَارَكَ الْمَتْرُوكَ فِي أَوَانِهِ وَذَلِكَ قَبْلَ الشُّرُوعِ فِي الْأَفْعَالِ فَيَسْقُطُ الدَّمُ ، بِخِلَافِ الْإِفَاضَةِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَتَدَارَكْ الْمَتْرُوكَ عَلَى مَا مَرَّ .

غَيْرَ أَنَّ التَّدَارُكَ عِنْدَهُمَا بِعَوْدِهِ مُحْرِمًا ؛ لِأَنَّهُ أَظْهَرَ حَقَّ الْمِيقَاتِ كَمَا إِذَا مَرَّ بِهِ مُحْرِمًا سَاكِتًا .

وَعِنْدَهُ رَحِمَهُ اللَّهُ بِعَوْدِهِ مُحْرِمًا مُلَبِّيًا ؛ لِأَنَّ الْعَزِيمَةَ فِي الْإِحْرَامِ مِنْ دُوَيْرَةِ أَهْلِهِ ، فَإِذَا تَرَخَّصَ بِالتَّأْخِيرِ إِلَى الْمِيقَاتِ وَجَبَ عَلَيْهِ قَضَاءُ حَقِّهِ بِإِنْشَاءِ التَّلْبِيَةِ فَكَانَ التَّلَافِي بِعَوْدِهِ مُلَبِّيًا ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافُ إِذَا أَحْرَمَ بِحَجَّةٍ بَعْدَ الْمُجَاوَزَةِ مَكَانَ الْعُمْرَةِ فِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا .

ترجمہ:

جب کوفی بنو عامر کے بستان سے آیا اور اس نے عمرے کا احرام باندھا اور پھر وہ ذات عرق کی طرف گیا اور اس نے تلبیہ کہا تو اس کے زمے سے قربانی میقات ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر وہ اس کی جانب لوٹ گیا لیکن اس نے تلبیہ نہیں کہا ہے یہاں تک کہ وہ مکہ میں داخل ہو گیا اور اس نے اپنے عمرے کا طواف کیا تو اس پر ایک دم واجب ہے۔ یہ حکم حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے مطابق ہے۔

صاحبین نے کہا ہے کہ اگر وہ محرم ہو کر میقات کی طرف لوٹنے والا ہے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ اگر چہ اس نے تلبیہ کہا ہو یا نہ کہا ہو۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ دم کفارہ ساقط نہ ہوگا چاہے اس نے تلبیہ کہا ہے یا نہیں کہا۔ کیونکہ اس کا جرم میقات کی طرف لوٹنے سے ختم ہونے والا نہیں ہے۔ اور یہ ایسے ہی ہے جس طرح کوئی شخص عرفات سے امام سے پہلے چل پڑے۔ پھر غروب آفتاب کے بعد عرفات میں واپس آجائے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے ترک شدہ عمل کو اپنے وقت میں پورا کر لیا ہے اور اس کے یہ افعال شروع کرنے سے پہلے بھی تو

موجود ہیں لہذا اس سے قربانی کا حکم ساقط ہو جائے گا۔ جبکہ عرفات سے چلنے والے نے اپنے فعل کو پورا نہیں کیا ہے۔ جس طرح یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے۔

صاحبین کے نزدیک اس کے عمل کا تدارک اس کا احرام کے ساتھ لوٹنے سے ہو گیا ہے کیونکہ حق میقات اس نے ظاہر کر دیا ہے۔ جس طرح وہ خاموشی کے ساتھ میقات سے گزرا ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے مطابق اس کا حالت احرام کے ساتھ تلبیہ کہنے سے لوٹنے میں تدارک ہو گیا ہے کیونکہ حق احرام کے ساتھ عزیمت کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے اہل کی جھونپڑیوں سے ہو۔ اور جب اس نے میقات تک اس کو مؤخر کرنے کی رخصت کو اپنایا تو تلبیہ کہتے ہوئے حق احرام کو پورا کرنا اس پر واجب ہے۔ اور اس کے اس جرم کی تلافی تلبیہ کہتے ہوئے واپس آنے کی صورت میں مکمل ہو گئی۔

اسی اختلاف کی بنیاد پر یہ مسئلہ بھی ہے کہ جب وہ میقات سے بغیر احرام کے آگے بڑھ گیا اور اس نے عمرے کی بہ جائے حج کا احرام باندھ لیا۔ (اس کا حکم بھی مذکورہ تمام احکام میں اختلاف کے ساتھ ہے)۔

اور اگر وہ شخص میقات کی جانب طواف شروع کرنے اور حجر اسود کو بوسہ دینے کے بعد واپس آیا تو بہ اتفاق اس سے دم قربانی ساقط نہ ہوگا اور اگر وہ احرام باندھنے سے پہلے میقات کی جانب واپس گیا بہ اتفاق اس سے قربانی ساقط ہو جائے گی۔ اور ہمارے یہ بیان کردہ تمام فقہی جزئیات اس وقت ہیں جب وہ حج یا عمرے کا ارادہ کرنے والا ہو۔

شرح

حضرت ابوشعثاء ی سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جو شخص احرام باندھے بغیر میقات سے گزر جاتا اسے میقات پر واپس لوٹاتے (تاکہ احرام باندھ کر آئے)۔ اسے شافعی نے روایت کیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور (حدیث کے ایک راوی) قتیبہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز مکہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر سیاہ پگڑی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر احرام کے تھے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما احرام کے بغیر داخل ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کا حکم ان ہی لوگوں کو دیا جو حج اور عمرہ کے ارادے سے آئیں۔ لکڑی بیچنے کے لیے آنے والوں اور دیگر لوگوں کو ایسا حکم نہیں دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس واقعہ کو امام مالک نے موطا میں نافع سے نقل کیا ہے کہ جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قدید میں پہنچے تو انہوں نے فساد کی خبر سنی۔ وہ لوٹ گئے اور مکہ میں بغیر احرام کے دخل ہو گئے۔ باب کا مطلب حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے یوں نکالا کہ حدیث میں ذکر ہے جو لوگ حج اور عمرے کا ارادہ رکھتے ہوں ان پر لازم ہے کہ مکہ میں با احرام داخل ہوں یہاں جو لوگ اپنی ذاتی ضروریات کے لیے مکہ شریف آتے جاتے رہتے ہیں ان

کے لیے احرام واجب نہیں۔امام شافعی کا یہی مسلک ہے مگر حنفیہ مکہ شریف میں داخل ہونے والے کے لیے احرام ضروری قرار دیتے ہیں۔ابن عبدالبر نے کہا اکثر صحابہ اور تابعین وجوب کے قائل ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

میقات کے باہر سے جو شخص آیا اور بغیر احرام مکہ معظّمہ کو گیا تو اگر چہ نہ حج کا ارادہ ہو، نہ عمرہ کا مگر حج یا عمرہ واجب ہو گیا پھر اگر میقات کو واپس نہ گیا، یہیں احرام باندھ لیا تو دَم واجب ہے اور میقات کو واپس جا کر احرام باندھ کر آیا تو دَم ساقط اور مکہ معظّمہ میں داخل ہونے سے جو اُس پر حج یا عمرہ واجب ہوا تھا اس کا احرام باندھا اور ادا کیا تو بری الذّمہ ہو گیا۔یو ہیں اگر حجۃ الاسلام یا نفل یا منّت کا عمرہ یا حج جو اُس پر تھا، اُس کا احرام باندھا اور اُسی سال ادا کیا جب بھی بری الذّمہ ہو گیا اور اگر اس سال ادا نہ کیا تو اس سے بری الذّمہ نہ ہوا، جو مکہ میں جانے سے واجب ہوا تھا۔(ردالمحتار، کتاب الحج)

وَلَوْ عَادَ بَعْدَمَا ابْتَدَأَ بِالطَّوَافِ ، وَاسْتَلَمَ الْحَجَرَ لَا يَسْقُطُ عَنْهُ الدَّمُ بِالِاتِّفَاقِ ، وَلَوْ عَادَ إلَيْهِ قَبْلَ الْإِحْرَامِ يَسْقُطُ بِالِاتِّفَاقِ (وَهَذَا) الَّذِی ذَکَرْنَا (إذَا کَانَ یُرِیدُ الْحَجَّ أَوْ الْعُمْرَةَ ،

جب کوئی بغیر حاجت کے بستان بنو عامر میں داخل ہوا:

فَإِنْ دَخَلَ الْبُسْتَانَ لِحَاجَةٍ فَلَهُ أَنْ یَدْخُلَ مَکَّةَ بِغَیْرِ إحْرَامٍ ، وَوَقْتُهُ الْبُسْتَانُ ، وَهُوَ وَصَاحِبُ الْمَنْزِلِ سَوَاءٌ) ؛ لِأَنَّ الْبُسْتَانَ غَیْرُ وَاجِبِ التَّعْظِیمِ فَلَا یَلْزَمُهُ الْإِحْرَامُ بِقَصْدِهِ ، وَإِذَا دَخَلَهُ الْتَحَقَ بِأَهْلِهِ ، وَلِلْبُسْتَانِیِّ أَنْ یَدْخُلَ مَکَّةَ بِغَیْرِ إحْرَامٍ لِلْحَاجَةِ فَکَذَلِكَ لَهُ .وَالْمُرَادُ بِقَوْلِهِ وَوَقْتُهُ الْبُسْتَانُ جَمِیعُ الْحِلِّ الَّذِی بَیْنَهُ وَبَیْنَ الْحَرَمِ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ ، فَکَذَا وَقْتُ الدَّاخِلِ الْمُلْحَقِ بِهِ (فَإِنْ أَحْرَمَا مِنْ الْحِلِّ وَوَقَفَا بِعَرَفَةَ لَمْ یَکُنْ عَلَیْهِمَا شَیْءٌ) یُرِیدُ بِهِ الْبُسْتَانِیَّ وَالدَّاخِلَ فِیهِ ؛ لِأَنَّهُمَا أَحْرَمَا مِنْ مِیقَاتِهِمَا .

ترجمہ:

اور جب کوئی شخص کسی ضرورت کیلئے بنو عامر کے بستان میں داخل ہوا تو اس کیلئے بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونے کا اختیار ہے۔اور بستان میں یہ داخل ہونے والا شخص اور اس میں رہنے والا شخص دونوں برابر ہیں۔کیونکہ یہ بستان واجب تعظیم نہیں ہے۔کیونکہ بستان کے ارادے کی وجہ سے اس پر احرام باندھنا ضروری نہ ہوا۔اور جب وہ بستان میں داخل ہو گیا ہے تو اب وہ بستان والوں کے ساتھ ملنے والا ہے۔اور بستانی کیلئے اپنی ضرورت کیلئے مکہ میں بغیر کسی احرام کے داخل ہونا جائز ہے۔لہذا اس کیلئے بھی

جائز ہوا۔اور مصنف کے قول ''ووقتہ البستان'' سے مراد تمام حل ہے۔جو اس شخص کے درمیان اور حرم کے درمیان ہے۔جس طرح گزر چکا ہے۔لہذا داخلے کے وقت یہ بھی بستانی کے حکم سے ملا دیا جائے گا۔اور اگر اس نے اور بستانی دونوں نے اپنا احرام باندھا اور وقوف عرفہ کیا تو ان دونوں پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔اور ان دونوں سے مراد بستانی و بستان میں داخل ہونے والا ہے۔کیونکہ ان دونوں نے اپنے میقات سے احرام باندھا ہے۔

شرح

اس نے اوّلاً دخول مکہ کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا اس کا ارادہ تو بستان تھا، فقہاء نے کہا ہے یہ اس آفاقی کے لئے حیلہ ہے جو مکہ میں بغیر احرام داخل ہونے کا اراداہ رکھتا ہو پس وہ مثلاً خلیص میں داخل ہونے کی نیت کرے تو اس کیلئے بغیر احرام رابغ سے گزرنا جائز ہے جو شامی اور مصری لوگوں کا میقات اور جحفہ کے مقابل ہے

آفاقی جب حل میں خلیص وغیرہ کا ارادہ کرے تو اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز ہے، اور یہ ہر شخص کے لئے حیلہ ہے جو میقات سے مکہ بغیر احرام جانا چاہتا ہو لیکن یہ حیلہ اس شخص کے لئے جائز نہیں جس پر حج فرض ہے کیونکہ اب کا سفر حج نہ رہے گا۔(بحرالرائق کتاب حج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اشباہ میں ہے اگر کوئی غیر مکی بغیر احرام دخول مکہ چاہتا ہے تو وہ میقات کے اندکسی اور جگہ کا ارادہ کئے مثلاً بنی عامر کے بستان۔
(الاشباہ والنظائر الفن الخامس)

ذخیرہ و ہندیہ میں ہیا اس آفاقی کے لئے جو دخول مکہ بغیر احرام کے چاہتا ہے حیلہ یہ ہے کہ وہ دخول مکہ کا ارادہ نہ کرے بلکہ میقات کے اندر کسی اور جگہ اکا ارادہ کرے جو خارج حرم ہو مثلاً بنی عامر کے بستان ،(ت) تو جب وہاں پہنچ جائے تو اب مکہ میں بغیر احرام داخل ہو جائے۔(فتاوی ھندیة کتاب الحیل الفصل الخامس فی الحج مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

مسلک متقسط میں فقہاء نے بغیر احرام، حرم میں داخل ہونے کے لئے یہ حیلہ بیان کیا ہے کہ وہ شخص بستان بنی عامر کا ارادہ کرے پھر وہاں سے مکہ میں داخل ہو جائے اور فی الجملہ وجہ یہ ہے کہ اس نے اوّلاً بستان کا ارادہ کیا تھا تو اس کے بعد حرم میں داخل ہونا ضمناً اور عارضی ہونے کی وجہ سے تقصان دہ نہیں ہو سکتا جیسے کہ ہندی شخص اوّلاً بیع و شر کے لئے جدہ کی نیت کر کے آیا ہے اور ذہن میں تھا کہ فارغ ہو کر ثانیاً مکہ چلا جائے گا بخلاف اس شخص کے جو ہندوستان سے اولاً حج کے ارادے سے آتا ہے اور وہ جدہ میں دخول کا ارادہ تبعاً رکھتا ہے اگر چہ وہ بیع و شراء کا ارادہ رکھتا ہوا ہو۔

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اس مبارک تحقیق (جو اس عبد ضعیف کے دل میں فتاح، علیم، خبیر اور لطیف ذاتِ اقدس نے فیض کے طور پر فرمائی) سے للہ الحمد اس حیلہ پر وارد ہونے والا وہ اعتراض رَد ہو گیا جس میں اقوال مضطرب اور کثرت قیل وقال تھی اور اس کے جواب میں لوگوں کے

ذہن مختلف تھے اور جس کی طرف میرا ذہن گیا اس کے قریب تر، علامہ علی قاری ہیں اور انھوں نے لباب میں نہایت ہی احسن بات کی جب کثرت کے ساتھ حیلہ بیان کرنے والے علما کے کلام سے اشکال ظاہر کیا تو لباب کے کلام سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ فقط اس شخص کیلئے ہے جسے دخول بستان کے بعد دخول مکہ کا شوق ہوا اور اس سے پہلے دخول حرم کا قطعاً اس کے ذہن میں نہ تھا علامہ شامی نے ردالمحتار اور منحۃ الخالق میں اس کا عکس کیا تو لباب کی ظاہر عبارت سے ائمہ کے مجموعی کلام پر اشکال پیدا ہوگیا، اللہ تعالیٰ کی توفیق ومہربانی واضح ہوگیا کہ اس میں کوئی صعوبت اور اشکال نہیں اور کوئی مخالفت نہیں خواہ حرم کا قصد بالکل نہ ہو یا قصد اولیٰ نہ ہو یا قصد بستان کا ہی ہو، اس کے لئے جو حیلہ کے ساتھ حرم میں بغیر احرام کے داخل ہونا چاہتا ہو، صواب کے ظہور اور مقصد کے حصول پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ جب بتوفیق اللہ تعالیٰ یہ مقدمات ممہد ہولئے حکم مسئلہ واضح ومنکشف ہوگیا آدمی اگر کسی مقام اقامت سے خاص ایسی جگہ کے قصد پر چلے جو وہاں سے تین منزل ہو تو اس کے مسافر ہونے میں کلام نہیں اگر چہ راہ میں ضمنی طور پر اور موضع میں بھی وہ ایک روز ٹھہرنے کی بیت رکھے،

جیسا کہ ملا علی قاری نے اپنے الفاظ میں بیان کیا بخلاف اس شخص کے جو ہندستان سے قصد اولیٰ کے ساتھ حج کے لئے آیا۔

(المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط فصل فی مجاوزة الميقات بغير احرام مطبوعه دار الكتاب العربيه بيروت)(فتاویٰ رضویه، ج۱۰، کتاب الحج)

جو شخص بھی حج یا عمرہ کرنا چاہے اور میقات سے گزر رہا ہو تو اس پر میقات سے احرام باندھنا واجب ہے، اور اگر وہ احرام باندھے بغیر ہی میقات تجاوز کرتا ہے تو اس پر احرام باندھنے کے لیے میقات واپس جانا واجب ہے، اگر وہ واپس میقات پر واپس نہیں جاتا بلکہ میقات تجاوز کرنے کے بعد احرام باندھتا ہے تو علماء کرام کے ہاں مشہور یہ ہے کہ اس کے ذمہ دم لازم آتا ہے، لھذا وہ ایک بکری مکہ میں ذبح کر کے اس کا گوشت حرم کے فقراء مساکین میں تقسیم کرے گا۔"

مکی جب باہر سے حج کا احرام باندھ کر داخل ہوا:

(وَمَنْ دَخَلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ ثُمَّ خَرَجَ مِنْ عَامِهِ ذَلِكَ إِلَى الْوَقْتِ ، وَأَحْرَمَ بِحَجَّةٍ عَلَيْهِ أَجْزَأَهُ) ذَلِكَ (مِنْ دُخُولِهِ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ) وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يُجْزِيهِ ، وَهُوَ الْقِيَاسُ اعْتِبَارًا بِمَا لَزِمَهُ بِسَبَبِ النَّذْرِ ، وَصَارَ كَمَا إِذَا تَحَوَّلَتْ السَّنَةُ .

وَلَنَا أَنَّهُ تَلَافَى الْمَتْرُوكَ فِي وَقْتِهِ ؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَيْهِ تَعْظِيمُ هَذِهِ الْبُقْعَةِ بِالْإِحْرَامِ ، كَمَا إِذَا أَتَاهُ مُحْرِمًا بِحَجَّةِ الْإِسْلَامِ فِي الِابْتِدَاءِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا تَحَوَّلَتْ السَّنَةُ ، لِأَنَّهُ صَارَ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهِ فَلَا يَتَأَدَّى إِلَّا بِإِحْرَامٍ مَقْصُودٍ كَمَا فِي الِاعْتِكَافِ الْمَنْذُورِ فَإِنَّهُ يَتَأَدَّى بِصَوْمِ رَمَضَانَ مِنْ هَذِهِ السَّنَةِ دُونَ الْعَامِ الثَّانِي

ترجمہ:

اور جو بندہ مکہ میں بغیر میقات کے داخل ہوا اور پھر اسی سال وہ نکل کر میقات کی طرف گیا اور اس نے ایسے حج کا احرام باندھا جو اس پر واجب ہے۔ تو اس کیلئے بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا کافی ہوگا۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ کافی نہیں ہے اور قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ اور یہ نذر کی وجہ سے لازم ہونے والے پر قیاس کیا گیا ہے۔ لہذا یہ اس طرح ہوگیا کہ جس طرح پلٹ آیا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے ترک شدہ کو اپنے وقت میں پورا کرنے مکمل کرلیا ہے کیونکہ احرام کے ساتھ اس بعقہ مبارکہ کی تعظیم اس پر واجب ہے۔ جس طرح اگر وہ شروع میں حج کے فریضہ کیلئے احرام باندھ کر آتا ہے۔ بہ خلاف اس صورت مسئلہ کے جب سال پلٹ کر آئے کیونکہ اب یہ اس کے ذمے قرض ہوگیا ہے۔ لہذا وہ مقصود احرام کے بغیر ادا نہ ہوگا۔ جس طرح نذر کے اعتکاف میں ہوتا ہے اور اسی لئے اس سال میں رمضان کے روزوں کے ساتھ ادا ہو جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے سال میں روزوں کے ساتھ ادا نہ ہوگا۔

میقات سے بغیر احرام کے تجاوز میں فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف:

اگر کوئی شخص (یعنی غیر مکی) حج وعمرہ کے ارادے کے بغیر میقات سے گزرے تو اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ مکہ میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھے۔ جیسا کہ امام شافعی کا مسلک ہے، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ خواہ حج وعمرہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔ یعنی اگر کوئی غیر مکی شخص مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہے خواہ وہ حج کے لئے جاتا ہو یا کسی اور غرض سے تو اس پر واجب ہے کہ وہ میقات سے احرام باندھ کر جائے احرام کے بغیر وہ مکہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ حنفی مسلک کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ۔ **لا یجاوز حد المیقات الا محرما**۔ کوئی شخص (مکہ میں داخل ہونے کے لئے) میقات کے آگے بغیر احرام کے نہ بڑھے۔ یہ حدیث اس بارے میں مطلق ہے کہ اس میں حج وعمرہ کے ارادے کی قید نہیں ہے، پھر یہ کہ احرام اس مقدس ومحترم مکان یعنی کعبہ مکرمہ کی تعظیم واحترام کی غرض سے باندھا جاتا ہے۔ حج وعمرہ کی اجائے یا نہ کیا جائے لہٰذا اس حکم کا تعلق جس طرح حج وعمرہ کرنے والے سے ہے اسی طرح یہ حکم تاجر وسیاح وگیرہ پر بھی لوگو ہوتا ہے۔ ہاں جو لوگ میقات کے اندر ہیں ان کو اپنی حاجت کے لئے بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے کیونکہ ان کو بار بار مکہ مکرمہ میں آنا جانا پڑتا ہے۔

اس واسطے ان کے لئے ہر بار احرام کا واجب ہونا دقت وتکلیف سے خالی نہیں ہوگا، لہٰذا اس معاملے میں وہ اہل مکہ کے حکم میں داخل ہیں کہ جس طرح ان کے لئے جائز ہے کہ اگر وہ کسی کام سے مکہ مکرمہ سے باہر نکلیں اور پھر مکہ میں داخل ہوں تو بغیر احرام چلے آئیں اسی طرح میقات کے اندر والوں کو بھی احرام کے بغیر مکہ میں داخل ہونا جائز ہے۔ **فمن کان دونھن** (اور جو شخص ان

مقامات کے اندر رہتا ہے الخ) کا مطلب یہ ہے کہ لوگ میقات کے اندر مگر حدودِ حرم سے باہر رہتے ہوں تو ان کے لئے احرام باندھنے کی جگہ ان کے گھر سے تا حدِ حرم ہے ان کو احرام باندھنے کے لئے میقات پر جانا ضروری نہیں ہے اگرچہ وہ میقات کے قریب ہی کیوں نہ ہوں۔ جو لوگ خاص میقات میں ہی رہتے ہوں ان کے بارے میں اس حدیث میں کوئی حکم نہیں ہے۔ لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ ان کا حکم بھی وہی ہے جو میقات کے اندر رہنے والوں کا ہے۔ وکذا لک وکذا ک (اور اسی طرح اور اسی طرح) اس کا تعلق پہلے ہی جملے سے ہے کہ حل (حدودِ حرم سے باہر سے موقیت تک جو زمین ہے) اس میں جو جہاں رہتا ہے وہیں سے احرام باندھے یعنی میقات اور حدِ حرم کے درمیان جو لوگ رہنے والے ہیں وہ اپنے اپنے گھر ہی سے احرام باندھیں گے چاہے وہ میقات کے بالکل قریب ہوں اور چاہے میقات سے کتنے ہی دور اور حدِ حرم کے کتنے ہی قریب ہوں۔ حتی اہل مکۃ یہلون منہا کا مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ یعنی اہل حرم مکہ سے احرام باندھیں جو لوگ خاص مکہ شہر میں رہتے ہیں وہ تو خاص مکہ ہی سے احرام باندھیں گے اور جو لوگ خاص مکہ شہر میں نہیں بلکہ شہر سے باہر مگر حدودِ حرم میں رہتے ہیں وہ حرم مکہ سے احرام باندھیں گے۔ حدیث کے آخری الفاظ سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ کے لئے احرام باندھنے کی جگہ مکہ ہے خواہ احرام حج کے لئے خواہ عمرہ کے لئے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ عمرہ کرنے والا حل کی طرف جائے اور وہاں سے احرام باندھ کر پھر حرم میں داخل ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ کو حکم دیا تھا کہ وہ عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے تنعیم جائیں جو حل میں ہے لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ اس حدیث کا تعلق صرف حج کے ساتھ ہے یعنی یہ حکم اہل مکہ کے لئے ہے کہ وہ جب حج کرنے کا ارادہ کریں تو احرام مکہ ہی سے باندھیں اور اگر عمرہ کرنے کا ارادہ ہو تو پھر حل میں آ کر احرام باندھیں جیسا کہ حضرت عائشہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

میقات سے آگے احرام عمرہ باندھنے والے کا حکم:

(وَمَنْ جَاوَزَ الْوَقْتَ فَأَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَأَفْسَدَهَا مَضَى فِيهَا وَقَضَاهَا) ؛ لِأَنَّ الْإِحْرَامَ يَقَعُ لَازِمًا فَصَارَ كَمَا إذَا أَفْسَدَ الْحَجَّ (وَلَيْسَ عَلَيْهِ دَمٌ لِتَرْكِ الْوَقْتِ) وَعَلَى قِيَاسِ قَوْلِ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَسْقُطُ عَنْهُ وَهُوَ نَظِيرُ الِاخْتِلَافِ فِي فَائِتِ الْحَجِّ إذَا جَاوَزَ الْوَقْتَ بِغَيْرِ إحْرَامٍ وَفِيمَنْ جَاوَزَ الْوَقْتَ بِغَيْرِ إحْرَامٍ وَأَحْرَمَ بِالْحَجِّ ثُمَّ أَفْسَدَ حَجَّتَهُ ، هُوَ يَعْتَبِرُ الْمُجَاوَزَةَ هَذِهِ بِغَيْرِهَا مِنْ الْمَحْظُورَاتِ .

وَلَنَا أَنَّهُ يَصِيرُ قَاضِيًا حَقَّ الْمِيقَاتِ بِالْإِحْرَامِ مِنْهُ فِي الْقَضَاءِ ، وَهُوَ يَحْكِي الْفَائِتَ وَلَا يَنْعَدِمُ بِهِ غَيْرُهُ مِنْ الْمَحْظُورَاتِ فَوَضَحَ الْفَرْقُ

ترجمہ:

اور جس شخص نے میقات سے آگے بڑھ کر عمرے کا احرام باندھا اور پھر عمرے کو فاسد کر دیا تو وہ عمرے کے اعمال پورے

کرے اور آئندہ سال اس عمرے کی قضاء کرے۔ کیونکہ لازم ہونے کی صورت میں واقع ہو گیا اور یہ اسی طرح ہو گیا جس طرح کسی نے حج کو فاسد کر دیا ہے۔ اور ترکِ میقات کی وجہ سے اس پر قربانی واجب نہ ہوگی۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ قیاس یہ ہے اس سے قربانی ساقط نہ ہوگی۔ اور یہ اختلاف اسی اختلاف کی ہم مثل ہے جس حج فوت ہونے والے کے حق میں ہے۔ جب وہ میقات سے بغیر احرام کے بڑھ گیا ہو۔ اور اسی طرح اس بندے کے بارے میں ہے جو احرام کے بغیر میقات سے بڑھ گیا ہو۔ اور حج کا احرام باندھ کر پھر اس نے حج کو فاسد کر دیا ہو۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ اس تجاوز کو دوسرے ممنوعاتِ حج پر قیاس کرتے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ایسا آدمی حکم قضاء میں میقات سے احرام باندھنے والا ہو جائے گا۔ قضاء فوت ہونے والے کو مکمل کرنا ہے لہٰذا اقضاء کی وجہ سے دوسرے ممنوعات ختم نہ ہوں گے۔ لہٰذا فرق کھل کر سامنے آ گیا ہے۔

شرح: اس مسئلے کا اختلاف باب الفوات میں آئے گا۔

حج وعمرے کے بغیر داخل ہونے والے کے احرام میں مذاہبِ فقہاء:

وہاں جو شخص بھی حج یا عُمرے کی نیت سے آئے وہ احرام کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ دوسری کسی غرض سے داخل ہونے والے کے لیے بھی احرام باندھ کر جانا ضروری ہے یا نہیں۔ ابن عباس کا مذہب یہ ہے کہ کسی حال میں بلا احرام داخل نہیں ہو سکتے۔ امام احمد اور امام شافعی کا بھی ایک ایک قول اسی کو موید ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ صرف وہ لوگ احرام کی قید سے مستثنیٰ ہیں جن کو بار بار اپنے کام کے لیے وہاں جانا آنا پڑتا ہو۔ باقی سب کو احرام بند جانا چاہیے۔ یہ امام احمد اور شافعی کا دوسرا قول ہے۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ جو شخص میقاتوں کے حدود میں رہتا ہو وہ مکّہ میں بلا احرام داخل ہو سکتا ہے، مگر جو حدودِ میقات سے باہر کا رہنے والا ہو وہ بلا احرام نہیں جا سکتا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

جب مکی نے حل سے احرام باندھ کر وقوفِ عرفہ کیا تو وجوبِ دم کا بیان:

(وَإِذَا خَرَجَ الْمَكِّيُّ يُرِيدُ الْحَجَّ فَأَحْرَمَ وَلَمْ يَعُدْ إلَى الْحَرَمِ وَوَقَفَ بِعَرَفَةَ فَعَلَيْهِ شَاةٌ) ؛ لِأَنَّ وَقْتَهُ الْحَرَمُ وَقَدْ جَاوَزَهُ بِغَيْرِ إحْرَامٍ ، فَإِنْ عَادَ إلَى الْحَرَمِ وَلَبَّى أَوْ لَمْ يُلَبِّ فَهُوَ عَلَى الِاخْتِلَافِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ فِي الْآفَاقِيِّ .

ترجمہ:

اور جب مکی نکلا حج کا ارادہ کیا پس اس نے احرام باندھ لیا اور پھر وہ مکہ کی جانب لوٹ کر نہ آیا بلکہ اس نے وقوفِ عرفہ کیا تو اس پر ایک بکری واجب ہے۔ کیونکہ اس کا میقات حرم ہے تحقیق وہ اس سے بغیر احرام کے تجاوز کر گیا ہے۔ پھر اگر وہ لوٹ کر حرم آیا اور پھر اس نے تلبیہ کہا یا نہ کہا تو یہ مسئلہ آفاقی کے اختلاف والے کی طرح اختلاف میں واقع ہو گیا جس کو ہم ذکر کر آئے ہیں۔

شرح

قال شارح الهداية العلامه البابرتی حنفی فی شرحه وَقَوْلُهُ (وَإِذَا خَرَجَ الْمَكِّيُّ مِنْ الْحَرَمِ إلَخْ) ظَاهِرٌ .

جب تمتع والا حرم کے باہر سے احرام باندھے تو وجوب دم کا بیان:

(وَالْمُتَمَتِّعُ إذَا فَرَغَ مِنْ عُمْرَتِهِ ثُمَّ خَرَجَ مِنْ الْحَرَمِ فَأَحْرَمَ وَوَقَفَ بِعَرَفَةَ فَعَلَيْهِ دَمٌ) ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا دَخَلَ مَكَّةَ وَأَتَى بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ صَارَ بِمَنْزِلَةِ الْمَكِّيِّ ، وَإِحْرَامُ الْمَكِّيِّ مِنْ الْحَرَمِ لِمَا ذَكَرْنَا فَيَلْزَمُهُ الدَّمُ بِتَأْخِيرِهِ عَنْهُ (فَإِنْ رَجَعَ إلَى الْحَرَمِ فَأَهَلَّ فِيهِ قَبْلَ أَنْ يَقِفَ بِعَرَفَةَ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) وَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ الَّذِي تَقَدَّمَ فِي الْآفَاقِيِّ ، وَاَللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ .

ترجمہ:

اور جب تمتع والا اپنے عمرے سے فارغ ہوا اور پھر وہ حرم سے نکل گیا اور اس نے احرام باندھا اور عرفہ کا وقوف کیا تو اس پر ایک دم واجب ہے۔ کیونکہ جب یہ بندہ مکہ میں داخل ہوا اور اس نے عمرے افعال ادا کیے تو یہ مکی کے حکم میں داخل ہو گیا۔ اسی دلیل کے پیش نظر جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اس کو بھی حرم (میقات) سے احرام کو مؤخر کرنے کی وجہ سے وجوب دم ادا کرنا ہوگا۔ اور اسی طرح اگر اسی طرح کے تمتع والا وقوف عرفہ سے پہلے حرم آیا اور تلبیہ کہا تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ اور یہ مسئلہ بھی اسی صورت کے موافق ہے جو آفاقی کے اختلاف میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالی ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

مکہ سے باہر عمرے کا احرام باندھنے میں غیر مقلدین کی رائے زنی:

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ نفلی عمرے کے لیے مکہ مکرمہ سے باہر نکلنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں عمل کیا ہے، نہ آپ کے صحابہ نے؛ ماہِ رمضان میں، نہ اُس کے سوا کسی دوسرے مہینے میں۔ سیدہ عایشہ کو بھی آپ نے خود اِس کا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ بلکہ اُن کی مراجعت (اور اصرار) پر تالیف قلب کے لیے آپ نے اُنہیں اِس کی اجازت دی تھی۔ (الاختیارات العلمیۃ، ابن تیمیۃ)

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ جس طرح آج کل بہت سے لوگ مکہ مکرمہ سے باہر نکل کر عمرہ کرتے ہیں؛ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس طرح عمرہ کرنا عمر بھر میں ایک بار بھی کبھی صادر نہیں ہوا۔ بلکہ آپ نے تو اپنے تمام عمرے مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہوئے ہی کیے ہیں۔ یہاں تک کہ منصبِ رسالت کے بعد آپ تیرہ سال مکہ ہی میں مقیم رہے، لیکن سارے عرصے میں بھی یہ بات کہ آپ

نے مکہ سے باہر نکل کر کوئی عمرہ کیا ہو، قطعاً کہیں نقل نہیں ہوئی ہے۔ (زاد المعاد، ابن القیم، (86/2)

روایت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مطابق تنعیم سے عمرہ کرنے کا بیان:

اِس باب کی تمام روایتوں کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ حجۃ الوداع کے اُس موقع پر مدینہ منورہ سے آپ کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہوئی تھیں۔ پھر جب مکہ مکرمہ پہنچیں تو وہ ایام سے تھیں؛ جس کی بنا پر اپنا قصد کیا ہوا عمرہ وہ ادا نہ کر سکیں۔ اور نتیجتاً اُسی حالتِ احرام میں باقی رہیں، یہاں تک کہ ایام حج کا آغاز ہو گیا اور اُنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق تمام حجاج کے ساتھ اپنے اُسی احرام میں حج ادا کیا۔

حج کے بعد اُنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ سب حج و عمرہ دونوں کی ادائیگی کر کے لوٹیں اور میری واپسی صرف حج کے ساتھ ہو؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: اے عائشہ! اللہ کے ہاں تمہیں بھی وہی کچھ ملے گا جو اِن سب کو ملے گا۔ پھر سیدہ نے کہا: (اے اللہ کے رسول!) میرے دل میں یہ بات کھٹک رہی ہے کہ میں حج کرنے تک بیت اللہ کا طواف تک نہ کر سکی تھی۔ (چنانچہ سیدہ کے اصرار کو دیکھ کر) آپ نے اُن کے بھائی سے کہا: اے عبدالرحمٰن! تم اِنہیں لے کر جاو اور تنعیم سے لا کر عمرہ کراو۔ (مسلم، رقم 1213-1211:۔ بخاری، رقم 1560:۔ ابوداود، رقم (1785)

باب اضافة الاحرام

یہ باب احرام کی اضافت کے بیان میں ہے

باب اضافہ احرام کی فقہی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ باب احرام کی اضافت احرام کی طرف کرنے کے بارے میں بیان ہوا ہے۔ اور جب یہ شخص اہل مکہ سے ہو۔ اور جو شخص میقات میں جنایت سے داخل ہوا ہو۔ اور یہ مسئلہ اسی طرح ہے جس طرح کوئی آفاقی عمرے سے حج کی طرف داخل ہو۔ لہذا اسی وجہ سے اس کو جنایات سے متصل بیان کیا ہے۔ کیونکہ یہ بھی جنایات کی ایک قسم ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۳۴۱، حقانیہ ملتان)

مکی نے جب عمرے کا احرام باندھا اور ایک چکر طواف کے بعد حج کا احرام باندھ لیا:

(قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ : إذَا أَحْرَمَ الْمَكِّيُّ بِعُمْرَةٍ وَطَافَ لَهَا شَوْطًا ثُمَّ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ فَإِنَّهُ يَرْفُضُ الْحَجَّ ، وَعَلَيْهِ لِرَفْضِهِ دَمٌ ، وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ وَعُمْرَةٌ) . (وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ : رَفْضُ الْعُمْرَةِ أَحَبُّ إلَيْنَا وَقَضَاؤُهَا ، وَعَلَيْهِ دَمٌ) ؛ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ رَفْضِ أَحَدِهِمَا ؛ لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَهُمَا فِي حَقِّ الْمَكِّيِّ غَيْرُ مَشْرُوعٍ ، وَالْعُمْرَةُ أَوْلَى بِالرَّفْضِ ؛ لِأَنَّهَا أَدْنَى حَالًا وَأَقَلُّ أَعْمَالًا وَأَيْسَرُ قَضَاءً لِكَوْنِهَا غَيْرَ مُؤَقَّتَةٍ ، وَكَذَا إذَا أَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ بِالْحَجِّ وَلَمْ يَأْتِ بِشَيْءٍ مِنْ أَفْعَالِ الْعُمْرَةِ لِمَا قُلْنَا .

ترجمہ:

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ جب مکی نے عمرے کا احرام باندھا اور اس کے طواف کا ایک چکر لگایا پھر اس نے حج کا احرام باندھا تو وہ حج چھوڑ دے اور اس پر ترک حج کی وجہ سے ایک قربانی واجب ہوگی۔ اور اس پر ایک حج اور ایک عمرہ واجب ہوگا۔

صاحبین نے کہا ہے کہ ہمارے مطابق اس کیلئے عمرہ چھوڑنا بہتر ہے۔ اور وہ عمرے کی قضاء کرے اور عمرے کے ترک کی وجہ سے اس پر دم واجب ہوگا۔ اس لئے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو چھوڑنا ضروری ہوگیا ہے تاکہ مکی کے حق میں حج وعمرہ کو جمع کرنے کی مشروعیت لازم نہ آئے۔ اور ترک کا زیادہ مستحق عمرہ ہے کیونکہ عمرے مرتبے میں تھوڑا ہے اور اعمال میں بھی تھوڑا ہے اور قضاء کے طور پر آسان بھی ہے اس لئے کہ عمرہ کسی وقت کے ساتھ متعین نہیں ہے۔

اور اسی طرح جس نے عمرے کا احرام باندھ لیا اور پھر حج کا احرام باندھ لیا اور عمرے کے افعال میں سے اس نے کچھ نہ کیا تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو ہم مذکورہ دلیل میں بیان کر چکے ہیں۔

شرح

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب وہ مکے میں آیا اور عمرے کے افعال بجالایا تو وہ مکی کے حکم میں ہوگیا۔ اور مکی کا احرام حرم سے ہے اور اس کی تاخیر پر دم لازم ہے۔ لہذا اسی طرح اس کی تاخیر پر بھی دم لازم ہوگا۔ اور اگر وہ حرم میں جا کر وقوف عرفات سے پہلے حلال ہوگیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ کیونکہ اب وہ مکی نہ بنا اور نہ ہی اس کی تاخیر کوئی دم لازم آئے گا۔ اور وہ آفاقی کے حکم میں ہوگا جس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۲۲۶، بیروت)

اگر کوئی آفاقی (میقات سے باہر رہنے والا) شخص بغیر احرام کے حرم میں داخل ہو جائے تو اس کے لئے واجب ہے۔ کہ وہ کسی بھی میقات کو واپس آئے اور احرام باندھ کر عمرہ کیلئے روانہ ہو اگر وہ شخص میقات کو واپس ہوئے بغیر مکہ مکرمہ میں ہی احرام باندھ لے تو اس پر دم واجب ہے اور اگر میقات کو واپس لوٹ کر احرام باندھے تو دم واجب نہ ہوگا۔ عالمگیری ج 1 ص 221 میں ہے:

ولا يجوز للافاقي ان يدخل مكة بغير احرام نوى النسك اولا ولو دخلها فعليه حجة :ر عمرة -

اور فتاوی عالمگیری کے ص 253 میں ہے:

فان احرم بالحج او العمرة من غير ان يرجع الى الميقات فعليه دم لترك حق الميقات و ان عاد الى الميقات و احرم فهذا على وجهين فان احرم بحجة او عمرة عما لزمه خرج عن العهدة .

موسوعة فقهية كويتيه ج 2 ص 129 میں ھے :.

من جاوز الميقات قاصداً الحج او العمرة او القران وهو غير محرم اثم و يجب عليه العود اليه والاحرام منه فان لم يرجع و جب عليه الدم .

رفض عمرہ یا حج میں مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک غیر مکی کیلئے حج وعمرے کو جمع کرنا مشروع ہے۔ جبکہ اس میں حضرت امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ اور ان کی دلیل اللہ تعالی کے اس فرمان سے ہے۔ "'' اور عمرے کو چھوڑنا اولی ہے۔ کیونکہ عمرے کا حال سنت ہے اور حج کا حال فرض ہونا ہے۔ اور عمرے کے افعال بھی کم ہیں یعنی طواف وسعی کرنا ہے۔ اور اسی طرح اس کے ایام بھی موقت نہیں ہیں۔ اور اس عبارت ' وَكَذَا إذَا أَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ بِالْحَجِّ وَلَمْ يَأْتِ بِشَيْءٍ مِنْ أَفْعَالِ الْعُمْرَةِ لِمَا قُلْنَا . ' میں تسامح ہے۔ کیونکہ اس قول کا عطف اور اسی طرح متفق علیہ کا عطف مختلف فیہ پر ہے۔ اور التباس اسی میں ہے کہ جب وہ عمرے کا احرام باندھے اور پھر وہ حج کرے۔ اور عمرے کے افعال میں سے کچھ بھی نہ کرے۔ اور اسی قول کی وجہ سے جو ہم کہہ چکے ہیں۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۳۴۲، حقانیہ ملتان)

فقہ حنبلی کے مطابق بھی حکم اسی طرح ہے جس طرح فقہاء احناف نے کہا ہے۔

جب اس نے احرام عمرہ کے ساتھ چار چکر لگائے ہوں:

فَإِنْ طَافَ لِلْعُمْرَةِ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ ثُمَّ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ رَفَضَ الْحَجَّ بِلَا خِلَافٍ ؛ لِأَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ فَتَعَذَّرَ رَفْضُهَا كَمَا إذَا فَرَغَ مِنْهَا ، وَلَا كَذَلِكَ إذَا طَافَ لِلْعُمْرَةِ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَلَهُ أَنَّ إحْرَامَ الْعُمْرَةِ قَدْ تَأَكَّدَ بِأَدَاءِ شَيْءٍ مِنْ أَعْمَالِهَا ، وَإِحْرَامُ الْحَجِّ لَمْ يَتَأَكَّدْ ، وَرَفْضُ غَيْرِ الْمُتَأَكِّدِ أَيْسَرُ ؛ وَلِأَنَّ فِي رَفْضِ الْعُمْرَةِ ، وَالْحَالَةُ هَذِهِ إبْطَالَ الْعَمَلِ .

وَفِي رَفْضِ الْحَجِّ امْتِنَاعٌ عَنْهُ وَعَلَيْهِ دَمٌ بِالرَّفْضِ أَيَّهُمَا رَفَضَهُ ؛ لِأَنَّهُ تَحَلَّلَ قَبْلَ أَوَانِهِ ؛ لِتَعَذُّرِ الْمُضِيِّ فِيهِ فَكَانَ فِي مَعْنَى الْمُحْصَرِ إلَّا أَنَّ فِي رَفْضِ الْعُمْرَةِ قَضَاءَهَا لَا غَيْرُ ، وَفِي رَفْضِ الْحَجِّ قَضَاؤُهُ وَعُمْرَةٌ ؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى فَائِتِ الْحَجِّ .

ترجمہ:

اگر مکی نے عمرے کیلئے چار چکر لگا کر طواف کیا اور اس نے پھر حج کا احرام باندھ لیا۔ تو وہ بغیر کسی اختلاف کے حج کو چھوڑ دے کیونکہ اکثر کل کے حکم میں ہوا کرتا ہے اور اس کیلئے عمرے کو ترک کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔ جس طرح جب وہ عمرے سے فارغ ہوا ہے اور اسی طرح جب اس نے عمرے کے چار چکروں سے کم طواف کیا ہو تو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے مطابق یہی حکم ہے اور آپ علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ عمرے کا احرام عمرے کے افعال میں سے بعض ادا کرنے کی وجہ سے پختہ ہو گیا ہے جبکہ حج کا احرام مؤکد نہیں ہوا ہے اور اس کیلئے غیر مؤکد کو ترک کرنا آسان ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ اب اگر وہ عمرہ شروع کرنے کے بعد ترک کرے تو یہ بعد از شروع باطل کرنا لازم آئے گا جبکہ حج کو چھوڑنا اس سے رکنا ہے اور ایسے مکی پر ترک کی وجہ سے ایک دم واجب ہے خواہ وہ کسی کو بھی ترک کرے۔ کیونکہ وہ وقت سے پہلے حلال ہونے والا ہے اور اسلئے بھی کہ اس کا مکمل کرنا مشکل ہے۔ لہذا یہ محصر کے حکم میں ہو جائے گا۔ ہاں البتہ عمرہ چھوڑنے کی صورت میں صرف عمرے کی قضاء واجب ہوگی اور حج کو چھوڑنے کی صورت میں حج کی قضاء واجب ہے اس لئے کہ وہ حج فوت ہونے والے کے حکم میں ہوگا۔

صاحب ہدایہ کی عبارت کے بارے میں اختلاف کا بیان:

قال العلامة ابن محمود البابرتی الحنفی علیه الرحم؛ وَقَوْلُهُ (وَلَا كَذَلِكَ إذَا طَافَ لِلْعُمْرَةِ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ عِنْدَهُمَا) اخْتَلَفَتْ النُّسَخُ هَاهُنَا فِي بَعْضِهَا عِنْدَهُمَا وَفِي بَعْضِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَفِي بَعْضِهَا : وَكَذَلِكَ

إذَا طَافَ لِلْعُمْرَةِ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ بِحَذْفِ كَلِمَةِ لَا مِنْ قَوْلِهِ وَلَا كَذَلِكَ .

قَالَ صَاحِبُ النِّهَايَةِ رَحِمَهُ اللَّهُ : ذَكَرَ الْإِمَامُ مَوْلَانَا حُسَامُ الدِّينِ الْأَخْسِيكَتِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ . وَالصَّوَابُ وَكَذَلِكَ يَعْنِي النُّسْخَةَ الْأَخِيرَةَ قَالَ : وَهَكَذَا أَيْضًا وَجَدْته بِخَطِّ شَيْخِي ، وَلِكُلٍّ وَاحِدَةٍ مِنْ هَذِهِ النُّسَخِ وَجْهٌ ، أَمَّا وَجْهُ الْأُولَى وَالثَّالِثَةِ فَظَاهِرٌ ، وَأَمَّا وَجْهُ الثَّانِيَةِ فَهُوَ أَنَّهُ لِدَفْعِ سُؤَالِ سَائِلٍ وَهُوَ أَنْ يُقَالَ : لَمَّا أَخَذَ الْأَكْثَرُ حُكْمَ الْكُلِّ يَكُونُ الْأَقَلُّ مَعْدُومًا حُكْمًا ، فَيَنْبَغِي أَنْ يَرْفُضَ الْعُمْرَةَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ حِينَئِذٍ لِأَنَّهُ لَمْ يَأْخُذْ حُكْمَ الْمَوْجُودِ فَصَارَ كَأَنَّهُ لَمْ يَطُفْ لِلْعُمْرَةِ شَيْئًا وَهُنَاكَ يَرْفُضُ الْعُمْرَةَ كَمَا مَرَّ ، فَكَذَلِكَ فِي الْمَعْدُومِ الْحُكْمِيِّ ، فَقَالَ لَيْسَ كَذَلِكَ ، لِأَنَّهُ لَمَّا أَتَى بِشَيْءٍ (عنایه شرح الهدایه ،۵،ص،۲۶۶،بیروت)

جب مکی نے حج وعمرہ دونوں کو جمع کر کے کیا تو وجوب دم کا بیان:

(وَإِنْ مَضَى عَلَيْهِمَا أَجْزَأَهُ) ؛ لِأَنَّهُ أَدَّى أَفْعَالَهُمَا كَمَا الْتَزَمَهُمَا ، غَيْرَ أَنَّهُ مَنْهِيٌّ عَنْهُمَا وَالنَّهْيُ لَا يَمْنَعُ تَحَقُّقَ الْفِعْلِ عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ أَصْلِنَا (وَعَلَيْهِ دَمٌ ؛ لِجَمْعِهِ بَيْنَهُمَا) ؛ لِأَنَّهُ تَمَكَّنَ النُّقْصَانُ فِي عَمَلِهِ لِارْتِكَابِهِ الْمَنْهِيَّ عَنْهُ ، وَهَذَا فِي حَقِّ الْمَكِّيِّ دَمُ جَبْرٍ ، وَفِي حَقِّ الْآفَاقِيِّ دَمُ شُكْرٍ

ترجمہ:

اور اگر اس نے ان دونوں کو مکمل کیا تو اس کیلئے کافی ہے کیونکہ اس نے ان دونوں کے افعال کو اسی طرح کیا ہے جس طرح وہ اس پر لازم ہوئے تھے۔ البتہ ان دونوں کو جمع کرنے سے منع کیا گیا ہے اور نہی ثبوت فعل سے مانع نہیں ہوتی (قاعدہ فقہیہ)۔ جس طرح ہمارا قانون معروف ہے ہاں اس پر ایک قربانی واجب ہے کیونکہ اس بندے نے دونوں کو جمع کیا ہے اور اس کو روکے گئے عمل کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے اس کیلئے نقصان پیدا ہو گیا۔ اور یہ مکی کے حق میں زبردستی دم ہے جبکہ آفاقی کے حق میں شکرانے کے طور پر دم ہے۔

شرح

نہی ثبوت فعل سے مانع نہیں ہوتی (قاعدہ فقہیہ

حضرت سیدنا انس (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور عصر کی ذوالحلیفہ میں پہنچ کر دو رکعتیں پڑھیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر ذوالحلیفہ میں رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری بیداء میں پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد بیان کی اور تسبیح پڑھی اور تکبیر کہی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ دونوں کی لبیک پکاری اور لوگوں نے بھی حج وعمرہ دونوں کی لبیک کہی پھر جب ہم لوگ (مکہ میں) پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو (احرام کھولنے کا) حکم دیا چنانچہ وہ احرام سے باہر ہو گئے یہاں تک کہ ترویہ کا دن آیا تو لوگوں نے حج کا احرام باندھا۔

سیدنا انس (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی اونٹ، کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ سے نحر (قربان) کیے اور مدینہ میں سینگوں والے دو مینڈھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربان کیے تھے۔

محرم نے جب یوم نحر میں دوسرے حج کا احرام باندھا:

(وَمَنْ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ يَوْمَ النَّحْرِ بِحَجَّةٍ أُخْرَى ، فَإِنْ حَلَقَ فِي الْأُولَى لَزِمَتْهُ الْأُخْرَى وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ ، وَإِنْ لَمْ يَحْلِقْ فِي الْأُولَى لَزِمَتْهُ الْأُخْرَى وَعَلَيْهِ دَمٌ قَصَّرَ أَوْ لَمْ يُقَصِّرْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) رَحِمَهُ اللَّهُ (وَقَالَا : إِنْ لَمْ يُقَصِّرْ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) ؛ لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ إِحْرَامَيْ الْحَجِّ أَوْ إِحْرَامَيْ الْعُمْرَةِ بِدْعَةٌ ، فَإِذَا حَلَقَ فَهُوَ وَإِنْ كَانَ نُسُكًا فِي الْإِحْرَامِ الْأَوَّلِ فَهُوَ جِنَايَةٌ عَلَى الثَّانِي ؛ لِأَنَّهُ فِي غَيْرِ أَوَانِهِ فَلَزِمَهُ الدَّمُ بِالْإِجْمَاعِ ، وَإِنْ لَمْ يَحْلِقْ حَتَّى حَجَّ فِي الْعَامِ الْقَابِلِ فَقَدْ أَخَّرَ الْحَلْقَ عَنْ وَقْتِهِ فِي الْإِحْرَامِ الْأَوَّلِ وَذَلِكَ يُوجِبُ الدَّمَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعِنْدَهُمَا لَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ عَلَى مَا ذَكَرْنَا ، فَلِهَذَا سَوَّى بَيْنَ التَّقْصِيرِ وَعَدَمِهِ عِنْدَهُ وَشَرْطُ التَّقْصِيرِ عِنْدَهُمَا .

ترجمہ:

جب محرم نے حج کا احرام باندھا اور پھر اس نے دس ذوالحجہ کو دوسرے حج کا احرام باندھا۔ اگر اس نے پہلے حج کا حلق کروالیا تو دوسرا حج پورا کرنا لازم ہو گیا اور اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ اور اگر اس نے پہلے حج میں حلق نہیں کروایا تو بھی دوسرا حج ضروری ہو گیا ہے اور اس پر ایک قربانی واجب ہے۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک خواہ قصر کروائے یا نہ کروائے۔

صاحبین نے کہا ہے کہ اگر اس نے قصر نہیں کروایا تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے کیونکہ حج کے دو احرام اور عمرے کے دو احراموں کو جمع کرنا بدعت ہے۔ اور جب اس نے حلق کروالیا تو یہ اس کے احرام اول کا نسک ہوا جبکہ دوسرے احرام پر جنایت واجب ہو گی۔ کیونکہ اس کا حلق وقت حلق کے سوا میں ہے۔ لہذا باجماع اس پر دم ضروری ہو گیا ہے۔ اور اگر اس نے حلق نہیں کروایا حتیٰ کہ آنے والے سال میں دوسرا حج کیا تو احرام اول کا اپنے وقت سے مؤخر ہو گیا ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ یہ عمل بھی دم کو واجب کرنے والا ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک تاخیر کی وجہ سے دم واجب نہ ہو گا۔

جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے اور اسی دلیل کے پیش نظر کہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے مطابق منڈوانے اور نہ منڈوانے کی صورت میں حکم برابر ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک قصر کروانا شرط ہے۔

حج کے دو احرام اور عمرے کے دو احراموں کو جمع کرنے کی بدعت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ احرام کو دو حجوں کیلئے یا دو عمروں کیلئے جمع کرنا حرام ہے کیونکہ یہ بدعت ہے۔ اور اس کی چار اقسام ہیں۔

(۱) تقسیم عقلی: حج کے احرام کو حج کے احرام میں داخل کرنا۔ (۲) حج کے احرام کو عمرے کے احرام میں داخل کرنا۔ (۳) عمرے کے احرام کو حج کے احرام میں داخل کرنا؛ (۴) عمرے کے احرام کو عمرے کے احرام میں داخل کرنا۔

پہلی صورت میں جنایت کی صورت حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک دم لازم آئے گا۔ دوسری صورت میں پہلے احرام کے حق میں نسک ہے۔ اور جب وہ پہلے کا حلق نہ کروائے تو دم لازم ہے۔ کیونکہ اس نے نسک کو اس وقت سے مؤخر کیا ہے۔ جس سے دم واجب ہو گیا ہے۔

صاحبین نے کہا اگرچہ اس نے قصر نہیں کروایا اس کا حج ثانی قابل عام ہے۔ لہذا اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک تاخیر نسک وجوب دم کا سبب نہیں ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۳۴۴، حقانیہ ملتان)

حج کا احرام باندھ کر پھر اس کو عمرہ میں بدل دینے کی تخصیص کا بیان:

حضرت سلیم بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے حج کی نیت کی اور پھر اس کو فسخ کر کے عمرہ میں بدل دیا تو یہ درست نہ ہو گا بلکہ یہ امر ان لوگوں کے لیے خاص تھا جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا حج کا فسخ کرنا ہمارے لیے خاص ہے یا ہمارے بعد کے لوگوں کے لیے بھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صرف تم لوگوں کے لیے خاص ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر فضل بن عباس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے اسی دوران قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی اور مسئلہ دریافت کرنے لگی فضل نے اس عورت کی طرف دیکھا اور وہ عورت بھی فضل کو دیکھنے لگی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فضل کا منہ اس عورت سے دوسری طرف پھیر دیا وہ عورت بولی یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے اور میرے والد پر حج ایسے وقت میں فرض ہوا جب وہ بوڑھے ہو چکے ہیں اور وہ سواری نہیں کر سکتے تو کیا ایسی صورت میں میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں

یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے۔

ابی رزین سے جو کہ بنی عامر سے تعلق رکھتے ہیں روایت ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ میرے والد بوڑھے ہو چکے ہیں وہ حج اور عمرہ کے سفر کے لیے طاقت نہیں رکھتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو اپنے باپ کی طرف سے حج بھی کر سکتا ہے اور عمرہ بھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا لبیک عن شبرمہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا شبرمہ کون ہے؟ اس نے کہا وہ میرا بھائی ہے (یا یہ کہا کہ وہ میرا رشتہ دار ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تو اپنا حج کر چکا ہے؟ اس نے کہا نہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پہلے تو اپنا حج ادا کر پھر اس کے بعد شبرمہ کی طرف سے حج کرنا۔ (سنن ابوداؤد کتاب الحج)

قصر کے علاوہ عمرے سے فارغ ہونے والے پر وجوب دم کا بیان:

(وَمَنْ فَرَغَ مِنْ عُمْرَتِهِ إلَّا التَّقْصِيرَ فَأَحْرَمَ بِأُخْرَى فَعَلَيْهِ دَمٌ لِإِحْرَامِهِ قَبْلَ الْوَقْتِ) ؛ لِأَنَّهُ جَمَعَ بَيْنَ إحْرَامَيْ الْعُمْرَةِ وَهَذَا مَكْرُوهٌ فَيَلْزَمُهُ الدَّمُ وَهُوَ دَمُ جَبْرٍ وَكَفَّارَةٍ (وَمَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ لَزِمَاهُ) ؛ لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَهُمَا مَشْرُوعٌ فِي حَقِّ الْآفَاقِيِّ ، وَالْمَسْأَلَةُ فِيهِ فَيَصِيرُ بِذَلِكَ قَارِنًا لَكِنَّهُ أَخْطَأَ السُّنَّةَ فَيَصِيرُ مُسِيئًا (وَلَوْ وَقَفَ بِعَرَفَاتٍ وَلَمْ يَأْتِ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ فَهُوَ رَافِضٌ لِعُمْرَتِهِ) ؛ لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ أَدَاؤُهَا إذْ هِيَ مَبْنِيَّةٌ عَلَى الْحَجِّ غَيْرُ مَشْرُوعَةٍ (فَإِنْ تَوَجَّهَ إلَيْهَا لَمْ يَكُنْ رَافِضًا حَتَّى يَقِفَ) وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ

ترجمہ:

اور جو شخص تقصیر کروائے بغیر اپنے عمرے سے فارغ ہوا تو اس نے دوسرا احرام باندھا تو وقت سے پہلے احرام باندھنے کی وجہ سے ایک دم واجب ہے۔ کیونکہ اس نے عمرے کے دو احرام جمع کیے ہیں۔ اور ایسا کرنا مکروہ ہے لہذا اس پر دم واجب ہوگا اور یہ دم نقصان کو پورا کرنے اور کفارے کے طور پر ہے۔

اور جس آفاقی نے حج کا اس کے بعد عمرے کا احرام باندھ لیا تو اس پر دونوں لازم ہوں گے۔ کیونکہ ان دونوں کو جمع کرنا آفاقی کے حق میں جائز ہے۔ اور یہ مسئلہ آفاقی کیلئے ہے کیونکہ وہ اس طرح قارن ہو جائے گا۔ البتہ خلاف سنت کرنے کی وجہ سے گناہگار ہو گا۔ اس اگر اس نے عرفات کا وقوف کر لیا اور اس نے افعال عمرہ ادا نہیں کیے ہیں تو وہ اپنے عمرے کو ترک کرنے والا ہو گا۔ کیونکہ اب اس کیلئے عمرے کی ادائیگی مشکل ہے۔ لہذا اس کا عمرہ حج پر بناء ہو جانے کی وجہ غیر مشروع ہو گیا اور اگر یہ بندہ عرفات کی طرف گیا اور یہ عمرے کو ترک کرنے کی وجہ سے گناہگار نہ ہو گا حتیٰ کہ وقوف عرفہ کرے اور اس کو ہم اس سے پہلے بیان کر آئے ہیں۔

شرح

آفاقی کیلئے حج وعمرہ جمع کرنے کا بیان: اس مسئلہ کی تشریح حج قران اور حج تمتع میں بیان کر دی گئی ہے۔

حج وعمرہ جمع کرنے کی صورت میں وجوب دم کا بیان:

(فَإِنْ طَافَ لِلْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ فَمَضَى عَلَيْهِمَا لَزِمَاهُ وَعَلَيْهِ دَمٌ لِجَمْعِهِ بَيْنَهُمَا) ؛ لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَهُمَا مَشْرُوعٌ عَلَى مَا مَرَّ فَيَصِحُّ الْإِحْرَامُ بِهِمَا ، وَالْمُرَادُ بِهَذَا الطَّوَافِ طَوَافُ التَّحِيَّةِ ، وَأَنَّهُ سُنَّةٌ وَلَيْسَ بِرُكْنٍ حَتَّى لَا يَلْزَمَهُ بِتَرْكِهِ شَيْءٌ ، وَإِذَا لَمْ يَأْتِ بِمَا هُوَ رُكْنٌ يُمْكِنُهُ أَنْ يَأْتِيَ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ ثُمَّ بِأَفْعَالِ الْحَجِّ ، فَلِهَذَا لَوْ مَضَى عَلَيْهِمَا جَازَ وَعَلَيْهِ دَمٌ لِجَمْعِهِ بَيْنَهُمَا وَهُوَ دَمُ كَفَّارَةٍ وَجَبْرٍ هُوَ الصَّحِيحُ ؛ لِأَنَّهُ بَانٍ أَفْعَالَ الْعُمْرَةِ عَلَى أَفْعَالِ الْحَجِّ مِنْ وَجْهٍ .

ترجمہ:

اگر اس نے حج کیلئے طواف کر لیا پھر اس نے عمرے کا احرام باندھا اور ان دونوں کے مناسک کیے تو اس پر اس ایک دم واجب ہے کیونکہ اس نے ان دونوں کو جمع کیا ہے۔ البتہ ان دونوں کو جمع کرنا جائز ہے اسی دلیل کے پیش نظر جو گزر چکی ہے۔ لہذا ان دونوں کا احرام صحیح ہوگا۔ اور اس طواف سے مراد طواف قدوم ہے اور یہ سنت ہے رکن نہیں ہے کہ اس کے ترک سے بھی کوئی چیز لازم ہو جائے؟۔ اور جب اس بندے نے ایسا عمل نہیں کیا ہے جو رکن ہے تو پھر اس کیلئے افعال عمرہ اور پھر افعال حج کرنا ممکن ہے۔ اور اسی دلیل کی وجہ سے کہ اگر اس نے ان دونوں کو کر لیا تو اس پر ان دونوں کو جمع کرنے کی وجہ سے ایک قربانی لازم آئے گی۔ اور یہ قربانی کفارے کی ہے اور نقصان کو پورا کرنے کی ہے۔ صحیح روایت یہی ہے۔ کیونکہ وہ شخص ایک طرح افعال عمرہ کی بناء افعال حج پر کرنے والا ہے۔

فسخ حج میں مذاہب اربعہ کا بیان:

امام نووی فرماتے ہیں کہ عمرہ کے ساتھ اس فسخ حج کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا یہ اس سال میں صرف صحابہ ہی کے لئے تھا یا ہمیشہ کے لئے دوسروں کو بھی ایسا جائز ہے؟ چنانچہ امام احمد اور اہل ظاہر کی ایک جماعت نے تو یہ کہا ہے کہ یہ فسخ حج صرف صحابہ ہی کے لئے نہیں تھا بلکہ یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی ہے، لہذا اس شخص کے لئے کہ جو حج کا احرام باندھے، اور ہدی اس کے ساتھ نہ ہو یہ جائز ہے کہ وہ حج کا احرام عمرہ کے ساتھ فسخ کر دے اور افعال عمرہ کی ادائیگی کے بعد حلال ہو جائے یعنی احرام کھول دے، جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور علماء سلف وخلف کی اکثریت کا کہنا یہ ہے

کہ یہ حکم صرف اسی سال میں صحابہ کے لئے تھا کہ زمانہ جاہلیت میں حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو جو حرام سمجھا جاتا تھا اس کی تردید ہوجائے۔

احرام حج کی تاکید کیلئے عمرے کے افعال کو ترک کرنے کا بیان:

(وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَرْفُضَ عُمْرَتَهُ) ؛ لِأَنَّ إحْرَامَ الْحَجِّ قَدْ تَأَكَّدَ بِشَيْءٍ مِنْ أَعْمَالِهِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا لَمْ يَطُفْ لِلْحَجِّ ، وَإِذَا رَفَضَ عُمْرَتَهُ يَقْضِيهَا لِصِحَّةِ الشُّرُوعِ فِيهَا (وَعَلَيْهِ دَمٌ) لِرَفْضِهَا (وَمَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فِي يَوْمِ النَّحْرِ أَوْ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ لَزِمَتْهُ) لِمَا قُلْنَا (وَيَرْفُضُهَا) أَيْ يَلْزَمُهُ الرَّفْضُ ؛ لِأَنَّهُ قَدْ أَدَّى رُكْنَ الْحَجِّ فَيَصِيرُ بَانِيًا أَفْعَالَ الْعُمْرَةِ عَلَى أَفْعَالِ الْحَجِّ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ ، وَقَدْ كُرِهَتْ الْعُمْرَةُ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ أَيْضًا عَلَى مَا نَذْكُرُ فَلِهَذَا يَلْزَمُهُ رَفْضُهَا ،

ترجمہ:

اوراس کیلئے استحباب یہ ہے کہ اپنے عمرے کوختم کردے کیونکہ اس کا حج بعض عمل کرنے کی وجہ سے پختہ ہوگیا ہے۔ بہ خلاف اس کے کہ جب اس نے طواف قدوم نہ کیا اور جب اس نے عمرے کوختم کردیا ہوتو وہ اسکی قضاء کرے۔ کیونکہ اس کیلئے عمرے کا شروع کرنا صحیح ہوگیا ہے اوراس ترک عمرہ کی وجہ سے ایک دم اس پرواجب ہے۔

اور جس بندے نے یوم نحر یا ایام تشریق میں عمرے کا احرام باندھا تو اس پر عمرہ لازم ہوگیا ہے اسی دلیل کے پیش نظر جو ہم بیان کرچکے ہیں اور وہ اس عمرے کوتوڑے کیونکہ اس کا توڑنا واجب ہے اس لئے کہ اس نے حج کا رکن ادا کرلیا۔ لہذا وہ ایک طرح سے افعال حج پر بناء کرنے والا ہے اوران دنوں میں عمرہ مکروہ بھی ہے اسی دلیل کے پیش نظر جو ہم بیان کرآئے ہیں۔ لہذا اسی دلیل کی وجہ سے اس پر عمرے کا ترک ضروری ہوا ہے۔

افعال حج کی بناء پر ترک عمرہ کا بیان:

عمرے کوترک کرتے ہوئے اس بناء پر حج کرنے کا فقہاء نے مستحب کہا ہے۔ کیونکہ افعال عمرہ پر اس صورت میں بناء یعنی ترتیب درست ہے۔ اوراسی طرح حج وعمرہ ایک ساتھ یعنی حج قران یا حج تمتع کی صورت میں جب کیے جاتے ہیں تو بھی مسئلہ اسی اصل سے ثابت ہوتا ہے۔ اور حج عمرے کوایک ساتھ کرنے میں روایت تلبیہ بھی دلالت کرنے والی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حج اور عمرہ کا ایک ساتھ تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں فرمارہے تھے لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا ۔

(سنن ابو داؤد، کتاب الحج)

ترک عمرہ کی وجہ سے وجوب دم وقضائے عمرہ کا بیان:

فَإِنْ رَفَضَهَا فَعَلَيْهِ دَمٌ ؛ لِرَفْضِهَا (وَعُمْرَةٌ مَكَانَهَا) لِمَا بَيَّنَّا (فَإِنْ مَضَى عَلَيْهَا أَجْزَأَهُ) ؛ لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ لِمَعْنًى فِي غَيْرِهَا وَهُوَ كَوْنُهُ مَشْغُولًا فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ بِأَدَاءِ بَقِيَّةِ أَعْمَالِ الْحَجِّ فَيَجِبُ تَخْلِيصُ الْوَقْتِ لَهُ تَعْظِيمًا (وَعَلَيْهِ دَمٌ لِجَمْعِهِ بَيْنَهُمَا) إمَّا فِي الْإِحْرَامِ أَوْ فِي الْأَعْمَالِ الْبَاقِيَةِ ، قَالُوا : وَهَذَا دَمُ كَفَّارَةٍ أَيْضًا .

وَقِيلَ إذَا حَلَقَ لِلْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ لَا يَرْفُضُهَا عَلَى ظَاهِرِ مَا ذَكَرَ فِي الْأَصْلِ ، وَقِيلَ يَرْفُضُهَا احْتِرَازًا عَنْ النَّهْيِ .

قَالَ الْفَقِيهُ أَبُو جَعْفَرٍ : وَمَشَايِخُنَا رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى هَذَا (فَإِنْ فَاتَهُ الْحَجُّ ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ أَوْ بِحَجَّةٍ فَإِنَّهُ يَرْفُضُهَا) ؛ لِأَنَّ فَائِتَ الْحَجِّ يَتَحَلَّلُ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقَلِبَ إحْرَامُهُ إحْرَامَ الْعُمْرَةِ عَلَى مَا يَأْتِيك فِي بَابِ الْفَوَاتِ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى فَيَصِيرُ جَامِعًا بَيْنَ الْعُمْرَتَيْنِ مِنْ حَيْثُ الْأَفْعَالُ فَعَلَيْهِ أَنْ يَرْفُضَهَا كَمَا لَوْ أَحْرَمَ بِعُمْرَتَيْنِ

ترجمہ:

اوراگر اس نے عمرہ چھوڑ دیا تو عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے اس پر دم واجب ہے اوراسی کی جگہ ایک عمرہ واجب ہے اسی دلیل کے پیش نظر جو ہم بیان کرچکے ہیں۔ البتہ جب وہ عمرہ کرگیا ہے تو پھر وہی کافی ہے۔ کیونکہ اس میں کراہت غیر عمرہ کی وجہ سے آئی ہے۔ اوراس کا یہی حکم اس کیلئے باقی ایام میں حج کے اعمال میں مصروف ہونے کے ساتھ بھی ہے۔ لہذا تعظیم کے پیش نظر اس کیلئے ضروری ہے کہ وقت کوفارغ رکھے۔ اوراس کیلئے ان دونوں کو جمع کرنے کی بناء پر ایک قربانی واجب ہے۔ اوراسکا جمع کرنا احرام میں ہے یا پھر حج کے بقیہ اعمال میں ہے۔

مشائخ فقہاء نے فرمایا ہے کہ یہ کفارے کا دم ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب وہ حج کیلئے حلق کروائے اور پھر عمرے کا احرام باندھے تو وہ اس کوترک نہ کرے۔ اور مبسوط میں ظاہری عبارت کے مطابق کہا گیا ہے کہ وہ چھوڑ دے تا کہ وہ نہی سے بچ سکے۔ اور فقیہ ابوجعفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے اسی قول پر ہمارے مشائخ ہیں۔

اور جب اس کا حج فوت ہوچکا ہے اوراس نے عمرے یا حج کا احرام باندھا تو اسے چھوڑ دے۔ کیونکہ حج کوفوت کرنے والا عمرے کے افعال سے حلال ہوجائے گا۔ سوائے اس کے کہ اس کا احرام عمرے والا احرام ہوجائے۔ اوراس کی دلیل باب الفوات میں ان شاءاللہ آئے گی۔ لہذا وہ فعل کے اعتبار سے دوعمروں کوجمع کرنے والا ہوگا۔ لہذا اس پر ترک عمرہ ضروری ہے جس طرح اگر اس نے دوعمروں کا احرام باندھا ہے۔

شرح

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس بندے نے اپنے عمرے کا احرام نحر کے دن یا ایام تشریق میں باندھا ہے اور اب اگر وہ شخص عمرے کو ترک کرے تو اس پر عمرہ ترک کرنے کی وجہ سے ایک دم واجب ہے۔ جبکہ ترک شدہ عمرے کے مقام پر ایک عمرہ واجب ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرنے کی اباحت آفاقی کیلئے ہے۔ ہاں اگر وہ اس نے عمرے کو پورا کیا اور اس کو ترک نہ کیا تو اس کیلئے کافی ہے۔

مبسوط میں ہے کہ جب اس نے حج کیلئے حلق کیا اور اس کے بعد احرام باندھا تو اب وہ عمرہ نہ چھوڑے۔ جبکہ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ عمرہ ترک کرے کیونکہ ان ایام میں نہی کا حکم جو بیان ہوا ہے اور اس پر عمل کیا جائے۔ اسی قول کے بارے میں فقیہ ابو جعفر نے کہا ہے کہ ہمارے مشائخ نے اس کو اپنایا ہے۔

جب عمرے والا ہدی نہ لائے تو اس کے حلال ہونے میں مذاہب اربعہ:

حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد کا مسلک یہ بھی ہے کہ جو شخص عمرہ کا احرام باندھے اور ہدی اپنے ساتھ نہ لائے تو افعال عمرہ کی ادائیگی کے بعد احرام سے باہر آ جائے اور اگر ہدی ساتھ لایا ہو تو احرام سے باہر نہ ہو تا آنکہ نحر قربانی کے دن اس کی ہدی ذبح ہو جائے، لیکن حضرت امام شافعی، اور حضرت امام مالک یہ کہتے ہیں کہ محض افعال عمرہ کی ادائیگی کے بعد احرام سے باہر آ جانا جائز ہے خواہ ہدی ساتھ لایا ہو یا ساتھ نہ ہو۔

دو حجوں کو جمع کرنے کی صورت میں وجوب دم کا بیان:

، وَإِنْ أَحْرَمَ بِحَجَّةٍ يَصِيرُ جَامِعًا بَيْنَ الْحَجَّتَيْنِ إِحْرَامًا فَعَلَيْهِ أَنْ يَرْفُضَهَا كَمَا لَوْ أَحْرَمَ بِحَجَّتَيْنِ وَعَلَيْهِ قَضَاؤُهَا لِصِحَّةِ الشُّرُوعِ فِيهَا وَدَمٌ لِرَفْضِهَا بِالتَّحَلُّلِ قَبْلَ أَوَانِهِ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے دوسرا احرام حج کا باندھا تو وہ احرام میں دو حج جمع کرنے والا ہو جائے گا تو اس پر دوسرے حج کا ترک لازم آئے گا۔ جس طرح وہ شخص حج کا احرام باندھے جس پر قضاء واجب ہے۔ کیونکہ اس کا شروع کرنا صحیح ہے اور دم واجب ہے کیونکہ اس نے اس کو ترک کیا ہے اور اس کے وقت سے پہلے حلال ہو گیا ہے۔ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

شرح

حج کے ارادہ سے گیا اور احرام کے وقت نیت حاضر نہ رہی تو حج ہے اور اگر نیت کچھ نہ تھی تو جب تک طواف نہ کیا ہو اُسے اختیار ہے حج کا احرام قرار دے یا عمرے کا اور طواف کا ایک پھیرا بھی کر چکا تو یہ احرام عمرہ کا ہو گیا۔ یو ہیں طواف سے پہلے جماع کیا یا روک دیا گیا (جس کو احصار کہتے ہیں) تو عمرہ قرار دیا جائے یعنی قضا میں عمرہ کرنا کافی ہے۔ جس نے حجۃ الاسلام نہ کیا ہو اور حج کا احرام باندھا، فرض و نفل کی نیت نہ کی تو حجۃ الاسلام ادا ہو گیا۔

دو حج کا احرام باندھا تو دو حج واجب ہو گئے اور دو عمرے کا تو دو عمرے۔ احرام باندھا اور حج یا عمرہ کسی خاص کو معین نہ کیا پھر حج کا احرام باندھا تو پہلا عمرہ ہے اور دوسرا عمرہ کا باندھا تو پہلا حج ہے اور اگر دوسرے احرام میں بھی کچھ نیت نہ کی تو قران ہے۔

لبیک میں حج کہا اور نیت عمرہ کی ہے یا عمرہ کہا اور نیت حج کی ہے، تو جو نیت ہے وہ ہے لفظ کا اعتبار نہیں اور لبیک میں حج کہا اور نیت دونوں کی ہے تو قران ہے۔

احرام باندھا اور یاد نہیں کہ کس کا باندھا تھا تو دونوں واجب ہیں یعنی قران کے افعال بجالائے کہ پہلے عمرہ کرے پھر حج مگر قران کی قربانی اس کے ذمہ نہیں۔ اگر دو چیزوں کا احرام باندھا اور یاد نہیں کہ دونوں حج ہیں یا عمرے یا حج و عمرہ تو قران ہے اور قربانی واجب۔ حج کا احرام باندھا اور یہ نیت نہیں کہ کس سال کریگا تو اس سال کا مراد لیا جائے گا۔ منت و نفل یا فرض و نفل کا احرام باندھا تو نفل ہے۔

اگر یہ نیت کی کہ فلاں نے جس کا احرام باندھا اُسی چیز کا میرا احرام ہے اور بعد میں معلوم ہو گیا کہ اُس نے کس چیز کا احرام باندھا ہے تو اُس کا بھی وہی ہے اور معلوم نہ ہوا تو طواف کے پہلے پھیرے سے پیشتر جو چاہے معین کر لے اور طواف کا ایک پھیرا کر لیا تو عمرہ کا ہو گیا۔ یو ہیں طواف سے پہلے جماع کیا یا روک دیا گیا یا وقوفِ عرفہ کا وقت نہ ملا تو عمرہ کا ہے۔

("الفتاوی الهندية"، كتاب المناسك، الباب الثالث فی الاحرام، ومما يتصل بذالك مسائل)

باب الاحصار

«یہ باب احصار کے بیان میں ہے»

باب الاحصار کی فقہی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔مصنف احصار کے باب کو جنایات کے باب کے بعد لائے ہیں کیونکہ اس میں بھی جنایت کی ایک قسم ہے۔کہ محرم کیلئے رکنا ہے۔اور احصار کا لغوی معنی ''منع'' ہے۔اور محصر اس شخص کو کہتے ہیں جس کو روک دیا جائے۔اہل عرب اس شخص کو محصر کہتے ہیں جس کو حج یا عمرے سے روک دیا جائے۔خواہ اس کو خوف کی وجہ سے روکا گیا ہو یا کسی بیماری کی وجہ سے یا دشمن کی وجہ سے روکا جائے۔(البنائیہ شرح الہدایہ،۵،ص،۳۵۰،حقانیہ ملتان)

احصار کا فقہی مفہوم:

احصار کے معنی لغت کے اعتبار سے تو روک لیا جانا ہیں اور اصطلاح فقہ میں احرام باندھ لینے کے بعد حج یا عمرہ سے روکا جانا احصار کہلاتا ہے۔

جس شخص پر ایسا واقعہ پیش آ جائے یعنی جس شخص نے احرام باندھا اور پھر جس کام کے واسطے یعنی حج یا عمرہ کے لئے احرام باندھا تھا اس کے ادا کرنے سے وہ رکا گیا تو اس کو محصر کہتے ہیں۔

فقہ حنفی کے مطابق ثبوت احصار کے ذرائع کا بیان:

فقہ حنفی کے مطابق احصار کی کئی صورتیں ہیں جو اس چیز کی ادائیگی سے کہ جس کا احرام باندھا ہے یعنی حج یا عمرہ، حقیقۃً یا شرعاً مانع ہو جاتی ہیں، ان صورتوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) کسی دشمن کا خوف ہو! دشمن سے مراد عام ہے خواہ کوئی آدمی ہو یا درندہ جانور۔مثلاً یہ معلوم ہو کہ راستہ میں کوئی دشمن بیٹھا ہے جو حجاج کو ستاتا ہے یا لوٹتا ہے یا مارتا ہے آگے نہیں جانے دیتا، یا ایسے ہی کسی جگہ شیر وغیرہ کی موجودگی کا علم ہو۔

(۲) بیماری! احرام باندھنے کے بعد ایسا بیمار ہو جائے کہ اس کی وجہ سے آگے نہ جا سکتا ہو یا آگے جا تو سکتا ہے مگر مرض کے بڑھ جانے کا خوف ہو۔

(۳) عورت کا محرم نہ رہے! احرام باندھنے کے بعد عورت کا محرم یا اس کا خاوند مرجائے، یا کہیں چلا جائے یا آگے جانے سے انکار کردے۔

(۴) خرچ کم ہو جائے! مثلاً احرام باندھنے کے بعد مال و اسباب چوری ہو جائے، یا پہلے ہی سے خرچ کم لے کر چلا ہو اور اب آگے کی ضروریات کے لئے روپیہ پیسہ نہ رہے۔

(۵) عورت کے لئے عدت! احرام باندھنے کے بعد عورت کا شوہر مر جائے یا طلاق دے دے جس کی وجہ سے وہ پابند عدت ہو جائے تو یہ احصار ہو جائے گا۔ہاں اگر وہ عورت اس وقت مقیم ہے اور اس کے جاء قیام سے مکہ بقدر مسافت سفر نہیں ہے تو احصار نہیں سمجھا جائے گا۔

(۶) راستہ بھول جائے اور کوئی راہ بتانے والا نہ مل سکے

(۷) عورت کو اس کا شوہر منع کردے! بشرطیکہ اس نے حج کا احرام اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر باندھا ہو، حج فرض کے روکنے اور حج نفل میں اجازت دینے کے بعد روکنے کا اختیار شوہر کو نہیں ہے۔

(۸) لونڈی یا غلام کو اس کا مالک منع کردے۔

احصار کی یہ تمام صورتیں حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہیں، بقیہ تینوں ائمہ کے ہاں احصار کی صرف ایک ہی صورت یعنی دشمن کا خود ہے، چنانچہ ان حضرات کے نزدیک دیگر صورتوں میں احصار درست نہیں ہوتا بلکہ احرام کی حالت برقرار رہتی ہے۔

احصار کے بارے میں فقہی حکم کا بیان:

جس محرم کو احصار کی مندرجہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آ جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اگر مفرد ہو تو ایک ہدی کا جانور مثلاً ایک بکری اور اگر قارن ہو تو دو ہدی کے جانور مثلاً دو بکری کسی شخص کے ذریعہ حرم میں بھیج دے تاکہ وہ اس کی طرف سے وہاں ذبح ہو۔یا قیمت بھیج دے کہ وہاں ہدی کا جانور خرید کر ذبح کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی ذبح کا دن اور وقت بھی متعین کردے یعنی جس شخص کے ذریعہ جانور حرم بھیج رہا ہو اس کو یہ تاکید کر کے کہ یہ جانور وہاں فلاں دن اور فلاں وقت ذبح کیا جائے پھر وہ اس متعین دن اور وقت کے بعد احرام کھول دے، سر منڈانے یا بال کتروانے کی ضرورت نہیں! اور پھر آئندہ سال اس کی قضا کرے بایں طور کہ اگر اس نے احصار کی وجہ سے حج کا احرام اتارا ہے تو اس کے بدلہ ایک حج اور ایک عمرہ کرے اور قران کا احرام اتارا ہے تو اس کے بدلہ ایک حج اور دو عمرے کرے جب کہ عمرہ کا احرام اتارنے کی صورت میں صرف ایک عمرہ کیا جائے گا۔

اگر ہدی کا جانور بھیجنے کے بعد احصار جاتا رہے اور یہ ممکن ہو کہ اگر محصر روانہ ہو جائے تو قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے پہنچ جائے گا اور حج بھی مل جائے گا تو اس پر واجب ہوگا کہ وہ فوراً روانہ ہو جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اس پر فوراً جانا واجب نہیں ہوگا۔ تاہم اگر وہ حج کو روانہ ہو جائے اور وہاں اس وقت پہنچے جب کہ ہدی کا جانور بھی ذبح ہو چکا ہو اور حج کا وقت بھی گزر چکا ہو تو اس صورت میں عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھول دے۔

حج فوت ہو جانے کا مطلب اور اس کا حکم

حج فوت ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص حج کے لئے گیا، اس نے احرام بھی باندھ لیا تھا مگر کوئی ایسی بات پیش آ گئی کہ عرفہ کے دن زوال آفتاب کے بعد سے بقرعید کی صبح تک کے عرصہ میں ایک منٹ کے لئے بھی وقوف عرفات نہ کر سکا، (یاد رہے

کہ وقوف عرفات کا وقت عرفہ کے دن زوال آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور بقرعید کی فجر طلوع ہوتے ہی ختم ہو جاتا ہے اس عرصہ میں وقوف عرفات فرض ہے۔ خواہ ایک منٹ کے لئے ہی کیوں نہ ہو تو اس صورت میں حج فوت ہو جائے گا اور جس شخص کا حج فوت ہو جاتا ہے اسے فائت الحج کہتے ہیں۔

جس شخص کا حج فوت ہو جائے اس کو چاہئے کہ عمرہ کر کے یعنی خانہ کعبہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کے بعد احرام کھول دے، اگر مفرد ہو تو ایک عمرہ کرے اور اگر قارن ہو دو عمرے کرے اور اس کے بعد سر منڈوا دے یا بال اتروا دے اور پھر سال آئندہ میں اس حج کی قضا کرے۔

صلح حدیبیہ کا تاریخی پس منظر اور احصار کا بیان:

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لے گئے ہیں اور وہاں عمرہ ادا فرمایا ہے۔ پیغمبر کا خواب ظاہر ہے کہ محض خواب وخیال نہ ہوسکتا تھا وہ تو وحی کی اقسام میں سے ایک قسم ہے اور آگے چل کر آیت 27 میں اللہ تعالی نے توثیق کر دی ہے کہ یہ خواب ہم نے اپنے رسول کو دکھایا تھا۔ اس لیے درحقیقت یہ نرا خواب نہ تھا بلکہ ایک الٰہی اشارہ تھا جس کی پیروی کرنا حضور کے لیے ضروری تھا۔

بظاہر اسباب اس ہدایت پر عمل کرنے کی کوئی صورت ممکن نظر نہ آتی تھی۔ کفار قریش نے 6 سال سے مسلمانوں کے لیے بیت اللہ کا راستہ بند کر رکھا تھا اور اس پوری مدت میں کسی مسلمان کو انہوں نے حج اور عمرے تک کے لیے حدود حرم کے قریب نہ پھٹکنے دیا تھا۔ اب آخر یہ کیسے توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہ کی ایک جمعیت کے ساتھ مکہ میں داخل ہونے دیں گے۔ عمرے کا احرام باندھ کر جنگی ساز وسامان ساتھ لیے ہوئے نکلنا گویا خود لڑائی کو دعوت دینا تھا اور غیر مسلح جانے کے معنی اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان خطرے میں ڈالنے کے تھے۔ ان حالات میں کوئی شخص یہ نہ سمجھ سکتا تھا کہ اللہ تعالی کے اس اشارے پر عمل کیا جائے تو کیسے۔

مگر پیغمبر کا منصب یہ تھا کہ اس کا رب جو حکم بھی اس کو دے وہ بے کھٹکے اس پر عمل کر گذرے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بلا تامل اپنا خواب صحابہ کرام کو سنا کر سفر کی تیاری شروع کر دی۔ آس پاس کے قبائل میں بھی آپ نے اعلان عام کرا دیا کہ ہم عمرے کے لیے جا رہے ہیں جو ہمارے ساتھ چلنا چاہے وہ آ جائے۔ جن لوگوں کی نگاہ ظاہری اسباب پر تھی انہوں نے سمجھا کہ یہ لوگ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی آپ کے ساتھ چلنے پر آمادہ نہ ہوا۔ مگر جو اللہ اور اس کے رسول پر سچا ایمان رکھتے تھے انہیں اس امر کی کوئی پرواہ نہ تھی کہ انجام کیا ہوگا۔ ان کے لیے بس یہ کافی تھا کہ اللہ کا اشارہ ہے اور اس کا رسول تعمیل حکم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اس کے بعد کوئی چیز ان کو رسول خدا کا ساتھ دینے سے روک نہ سکتی تھی۔ 1400 صحابی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں اس نہایت خطرناک سفر پر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

ذی القعدہ 6ھ کے آغاز میں یہ مبارک قافلہ مدینہ سے روانہ ہوا۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر سب نے عمرے کا احرام باندھا۔ قربانی

کے لیے 70 اونٹ ساتھ لیے جن کی گردنوں میں ھدی کی علامت کے طور پر قلاوے پڑے ہوئے تھے۔ پرتلوں میں صرف ایک ایک تلوار رکھ لی جس کی تمام زائرین حرم کو عرب کے معروف قاعدے کے مطابق اجازت تھی اور اس کے سوا کوئی سامان جنگ ساتھ نہ لیا۔ اس طرح یہ قافلہ لبیک لبیک کی صدائیں بلند کرتا ہوا بیت اللہ کی طرف چل پڑا۔

اس وقت مکہ اور مدینے کے تعلقات کی جو نوعیت تھی، عرب کا بچہ بچہ اس کو جانتا تھا۔ ابھی پچھلے سال ہی تو شوال 5ھ میں قریش نے قبائل عرب کی متحدہ طاقت کے ساتھ مدینے پر چڑھائی کی تھی اور غزوہ احزاب کا مشہور معرکہ پیش آچکا تھا۔ اس لیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے بڑے قافلے کے ساتھ اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو پورے عرب کی نگاہیں اس عجیب سفر کی طرف مرکوز ہو گئیں اور لوگوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ یہ قافلہ لڑنے کے لیے نہیں جا رہا ہے بلکہ ماہ حرام میں، احرام باندھ کر، ھدی کے اونٹ ساتھ لیے ہوئے بیت اللہ کا طواف کرنے جا رہا ہے اور قطعی طور پر غیر مسلح ہے۔

قریش کے لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اقدام نے سخت پریشانی میں ڈال دیا۔ ذی القعدہ کا مہینہ ان حرام مہینوں میں سے تھا جو صدہا برس سے عرب میں حج وزیارت کے لیے محترم سمجھے جاتے تھے۔ اس مہینے میں جو قافلہ احرام باندھ کر حج یا عمرے کے لیے جا رہا ہو اسے روکنے کا کسی کو حق نہ تھا، حتی کہ کسی قبیلے سے اس کی دشمنی بھی ہو تو عرب کے مسلمہ قوانین کی رو سے وہ اپنے علاقے سے اس کے گذرنے میں مانع نہ ہوسکتا تھا۔ قریش کے لوگ اس الجھن میں پڑ گئے کہ اگر ہم مدینے کے اس قافلے پر حملہ کر کے اسے مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں تو پورے ملک میں اس پر شور مچ جائے گا۔ عرب کا ہر شخص پکار اٹھے گا کہ یہ سراسر زیادتی ہے۔ تمام قبائل عرب یہ سمجھیں گے کہ ہم خانہ کعبہ کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ ہر قبیلہ اس تشویش میں مبتلا ہو جائے گا کہ آئندہ کسی کو حج اور عمرہ کرنے دینا یا نہ کرنے دینا اب ہماری مرضی پر موقوف ہے، جس سے بھی ہم ناراض ہوں گے اسے بیت اللہ کی زیارت کرنے سے اسی طرح روک دیں گے جس طرح آج مدینے کے ان زائرین کو روک رہے ہیں۔ یہ ایسی غلطی ہوگی کہ جس سے سارا عرب ہم سے منحرف ہو جائے گا۔ لیکن اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمکو اتنے بڑے قافلے کے ساتھ بخیریت اپنے شہر میں داخل ہو جانے دیتے ہیں تو پورے ملک میں ہماری ہوا اکھڑ جائے گی اور لوگ کہیں گے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرعوب ہو گئے۔ آخر کار بڑی شش وپنج کے بعد ان کی جاہلانہ حمیت ہی ان پر غالب آکر رہی اور انہوں نے اپنی ناک کی خاطر یہ فیصلہ کر لیا کہ کسی قیمت پر بھی اس قافلے کو شہر میں داخل نہیں ہونے دینا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی کعب کے ایک شخص کو مخبر کی حیثیت سے آگے بھیج رکھا تھا تا کہ وہ قریش کے ارادوں اور ان کی نقل وحرکت سے آپ کو بروقت مطلع کرتا رہے۔ جب آپ عسفان پہنچے تو اس نے آ کر آپ کو اطلاع دی کہ قریش کے لوگ پوری تیاری کے ساتھ ذی طویٰ کے مقام پر پہنچ گئے ہیں اور خالد بن ولید کو انہوں نے 200 سواروں کے ساتھ کراع الغمیم کی طرف آگے بھیج دیا ہے تا کہ وہ آپ کا راستہ روکیں۔ قریش کی چال یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح آنحضرت کے ساتھیوں سے چھیڑ چھاڑ کر کے ان کو اشتعال دلائیں اور پھر اگر لڑائی ہو جائے تو پورے ملک میں یہ مشہور کر دیں کہ یہ لوگ دراصل آئے تھے لڑنے کے لیے، مگر بہانہ

انہوںؐ نے عمرے کا کیا تھا اور احرام محض دھوکہ دینے کے لیے باندھ رکھا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اطلاع پاتے ہی فوراً راستہ بدل دیا اور ایک نہایت دشوار گذار راستہ سے سخت مشقت اٹھا کر حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے جو عین حرم کی سرحد پر واقع تھا۔ یہاں بنی خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقا اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کے ساتھ آپ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا کہ آپ کس غرض کے لیے آئے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے، صرف بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف ہمارے پیش نظر ہے۔ یہی بات ان لوگوں نے جا کر قریش کے سرداروں کو بتادی اور ان کو مشورہ دیا کہ وہ ان زائرین حرم کا راستہ نہ روکیں۔ مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے اور انہوں نے احابیش کے سردار حلی بن علقمہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تا کہ وہ آپ کو واپس جانے پر آمادہ کرے۔ سردارانِ قریش کا مقصد یہ تھا کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی بات نہ مانیں گے تو وہ ان سے ناراض ہو کر پلٹے گا اور پھر احابیش کی پوری طاقت ہمارے ساتھ ہوگی۔ مگر جب اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سارا قافلہ احرام بند ہے، ھدی کے اونٹ سامنے کھڑے ہیں جن کی گردنوں میں قلاوے پڑے ہوئے ہیں، اور یہ لوگ لڑنے کے لیے نہیں بلکہ بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے آئے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی بات کیے بغیر مکہ کی طرف پلٹ گیا اور اس نے جا کر قریش کے سرداروں سے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ لوگ بیت اللہ کی عظمت مان کر اس کی زیارت کے لیے آئے ہیں اگر تم ان کو روکو گے تو احابیش اس کام میں تمہارا ساتھ ہرگز نہ دیں گے۔ ہم تمہارے حلیف اس لیے نہیں بنے ہیں کہ تم حرمتوں کو پامال کرو اور ہم اس میں تمہاری حمایت کریں۔

پھر قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی آیا اور اس نے اپنے نزدیک بڑی اونچ نیچ سمجھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ آپ مکہ میں داخل ہونے کے ارادے سے باز آجائیں، مگر آپ نے اس کو بھی وہی جواب دیا جو بنی خزاعہ کے سردار کو دیا تھا کہ ہم لڑائی کے ارادے سے نہیں آئے ہیں بلکہ بیت اللہ کی تعظیم کرنے والے بن کر ایک دینی فریضہ بجالانے کے لیے آئے ہیں۔ واپس جا کر عروہ نے قریش کے لوگوں سے کہا کہ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی گیا ہوں، مگر خدا کی قسم، میں نے اصحاب محمد کو جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فدائی دیکھا ہے ایسا منظر کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے ہاں بھی نہیں دیکھا۔ ان لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ محمد ﷺ وضو کرتے ہیں تو ان کے اصحاب پانی کا ایک قطرہ تک زمین پر نہیں گرنے دیتے اور سب اپنے جسم پر کپڑوں پر مل لیتے ہیں۔ اب تو لوگ سوچ لو کہ تمہارا مقابلہ کس سے ہے۔

اس دوران جبکہ پیغام رسانیوں کی آمد و رفت اور گفت و شنید کا یہ سلسلہ جاری تھا، قریش کے لوگ بار بار یہ کوشش کرتے رہے کہ چپکے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیمپ پر چھاپے مار کر صحابہ کو اشتعال دلائیں اور کسی نہ کسی طرح ان سے کوئی ایسا اقدام کرا لیں جس سے لڑائی کا بہانہ ہاتھ آجائے۔ مگر ہر مرتبہ صحابہ کے صبر و ضبط اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت و فراست نے ان کی ساری تدبیروں کو ناکام کر دیا۔ ایک دفعہ ان کے چالیس پچاس آدمی رات کے وقت آئے اور مسلمانوں کے پڑاؤ پر پتھر اور تیر برسانے لگے۔ صحابہ نے ان سب کو گرفتار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا۔ مگر آپ نے ان سب کو چھوڑ دیا۔

ایک اور موقع پر تنعیم کی طرف سے 80 آدمی عین نماز فجر کے وقت آئے اور انہوں نے اچانک چھاپہ مار دیا۔ یہ لوگ بھی پکڑے گئے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھی رہا کر دیا۔ اس طرح قریش کی اپنی ہر چال اور ہر تدبیر میں ناکامی ہوتی چلی گئی۔

آخر کار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنی طرف سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ایلچی بنا کر مکہ بھیجا اور ان کے ذریعے سے سرداران قریش کو یہ پیغام دیا کہ ہم جنگ کے لیے نہیں بلکہ زیارت کے لیے ھدی ساتھ لے کر آئے ہیں، طواف اور قربانی کر کے واپس چلے جائیں گے۔ مگر وہ لوگ نہ مانے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ ہی میں روک لیا۔ اس دوران یہ خبر اڑ گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے ہیں، اور ان کے واپس نہ آنے سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ یہ خبر سچی ہے۔ اب مزید تحمل کا کوئی موقع نہ تھا۔ مکہ میں داخلہ کی بات تو دوسری تھی، اس کے لیے طاقت کا استعمال ہرگز پیش نظر نہ تھا۔ مگر جب نوبت سفیر کے قتل تک پہنچ گئی تو پھر اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہا کہ مسلمان جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کیا اور ان سے اس بات پر بیعت لی کہ اب یہاں سے ہم مرتے دم تک پیچھے نہ ہٹیں گے۔ موقع کی نزاکت نگاہ میں ہو تو آدمی سمجھ سکتا ہے کہ یہ کوئی معمولی بیعت نہ تھی۔ مسلمان صرف 1400 تھے اور کسی سامان جنگ کے بغیر آئے تھے۔ اپنے مرکز سے ڈھائی سو میل دور، عین مکہ کی سرحد پر ٹھیرے ہوئے تھے، جہاں دشمن اپنی پوری طاقت کے ساتھ ان پر حملہ آور ہو سکتا تھا اور گرد و پیش سے اپنے حامی قبیلوں کو لا کر بھی انہیں گھیرے میں لے سکتا تھا۔ اس کے باوجود ایک شخص کے سوا پورا قافلہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر مرنے مارنے کی بیعت کرنے کے لیے بلا تامل آمادہ ہو گیا۔ اس سے بڑھ کر ان لوگوں کو اخلاص ایمانی اور راہ خدا میں ان کی فدائیت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ یہی وہ بیعت ہے جو بیعت رضوان کے نام سے تاریخ اسلام میں مشہور ہے۔

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر غلطی تھی۔ وہ خود بھی واپس آگئے اور قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک وفد بھی صلح کی بات چیت کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیمپ میں پہنچ گیا۔ اب قریش اپنی اس ضد سے ہٹ گئے تھے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ کے ساتھیوں کو سرے سے مکہ میں داخل ہی نہ ہونے دیں گے۔ البتہ اپنی ناک بچانے کے لیے ان کا صرف یہ اصرار تھا کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں، آئندہ سال آپ عمرے کے لیے آ سکتے ہیں۔ طویل گفت و شنید کے بعد جن شرائط پر صلح نامہ لکھا گیا وہ یہ تھیں:

دس سال تک فریقین کے درمیان جنگ بند رہے گی، اور ایک دوسرے کے خلاف خفیہ اور علانیہ کوئی کاروائی نہ کی جائے گی۔

اس دوران قریش کا جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر بھاگ کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائے گا اسے آپ واپس کر دیں گے اور آپ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس چلا جائے گا اسے وہ واپس نہ کریں گے۔

قبائل عرب میں سے جو قبیلہ بھی فریقین میں سے کسی ایک کا حلیف بن کر اس معاہدے میں شامل ہونا چاہے گا اسے اس کا اختیار ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سال واپس جائیں گے اور آئندہ سال وہ عمرے کے لیے آ کر تین دن مکہ میں ٹھیر سکتے ہیں، بشرطیکہ پرتلوں میں صرف ایک ایک تلوار لے کر آئیں اور کوئی سامان حرب ساتھ نہ لائیں۔ ان تین دنوں میں اہل مکہ ان کے لیے شہر خالی کر دیں گے (تاکہ کسی تصادم کی نوبت نہ آئے)۔ مگر واپس جاتے ہوئے وہ یہاں کے کسی شخص کو اپنے ساتھ لے جانے کے مجاز نہ ہوں گے۔

جس وقت اس معاہدے کی شرائط طے ہو رہی تھیں، مسلمانوں کا پورا لشکر سخت مضطرب تھا۔ کوئی شخص بھی ان مصلحتوں کو نہیں سمجھ رہا تھا جنہیں نگاہ میں رکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ شرائط قبول فرما رہے تھے۔ کسی کی نظر اتنی دور رس نہ تھی کہ اس صلح کے نتیجے میں جو خیر عظیم رونما ہونے والی تھی اسے دیکھ سکے۔ کفار قریش اسے اپنی کامیابی سمجھ رہے تھے اور مسلمان اس پر بے تاب تھے کہ ہم آخر دب کر یہ ذلیل شرائط کیوں قبول کریں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے بالغ النظر مدبر تک کا یہ حال تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد کبھی میرے دل میں شک نے راہ نہ پائی تھی، مگر اس موقع پر میں بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ وہ بے چین ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا" کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ پھر آخر ہم اپنے دین کے معاملے میں یہ ذلت کیوں اختیار کریں؟" انہوں نے جواب دیا" اے عمر! وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ان کو ہرگز ضائع نہ کرے گا"۔ پھر ان سے صبر نہ ہوا جا کر یہی سوالات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی کیے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کو ویسا ہی جواب دیا جیسا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ بعد میں حضرت عمر مدتوں اس پر نوافل اور صدقات ادا کرتے رہے تا کہ اللہ تعالیٰ اس گستاخی کو معاف فرما دے جو اس روز ان سے شان رسالت میں ہو گئی تھی۔

سب سے زیادہ دو باتیں اس معاہدے میں لوگوں کو بری طرح کھل رہی تھیں۔ ایک شرط نمبر 2 جس کے متعلق لوگ کہتے تھے کہ یہ صریح نامساوی شرط ہے۔ اگر مکہ سے بھاگ کر آنے والوں کو ہم واپس کریں تو مدینہ سے بھاگ کر جانے والے کو کیوں نہ واپس کریں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر فرمایا جو ہمارے ہاں سے بھاگ کر ان کے پاس چلا جائے وہ آخر ہمارے کس کام کا ہے؟ اللہ اسے ہم سے دور ہی رکھے۔ اور جو ان کے ہاں سے بھاگ کر ہمارے پاس آ جائے اسے اگر ہم واپس کر دیں گے تو اللہ اس کے لیے خلاصی کی کوئی اور صورت پیدا فرما دے گا۔ دوسری چیز جو لوگوں کے دلوں میں کھٹک رہی تھی وہ چوتھی شرط تھی۔ مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ اسے ماننے کے معنی یہ ہیں کہ تمام عرب کے سامنے گویا ہم ناکام واپس جا رہے ہیں۔ مزید براں یہ سوال بھی دلوں میں خلش پیدا کر رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ ہم مکہ میں طواف کر رہے ہیں، مگر یہاں تو ہم طواف کیے بغیر واپس جانے کی شرط مان رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر لوگوں کو سمجھا کہ خواب میں آخر اسی سال طواف کرنے کی صراحت تو نہ تھی۔ شرائطِ صلح کے مطابق اس سال نہیں تو اگلے سال انشاء اللہ طواف ہو گا۔

جلتی پر تیل کا کام جس واقعہ نے کیا وہ یہ تھا کہ عین اس وقت جب صلح کا معاہدہ لکھا جا رہا تھا، سہیل بن عمرو کے اپنے

صاحبزادے ابوجندل، جو مسلمان ہو چکے تھے اور کفار مکہ نے ان کو قید کر رکھا تھا، کسی نہ کسی طرح بھاگ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیمپ میں پہنچ گئے۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں اور جسم پر تشدد کے نشانات تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فریاد کی کہ مجھے اس حبس بے جا سے نجات دلائی جائے۔ صحابہ کرام کے لیے یہ حالت دیکھ کر ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ مگر سہیل بن عمرو نے کہا کہ صلح نامے کی تحریر چاہے مکمل نہ ہوئی ہو، شرائط تو ہمارے اور آپ کے درمیان طے ہو چکی ہیں، اس لیے اس لڑکے کو میرے حوالے کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی حجت تسلیم فرمالی اور ابوجندل ظالموں کے حوالے کر دیے گئے۔

صلح سے فارغ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اب یہیں قربانی کر کے سر منڈواؤ اور احرام ختم کر دو۔ مگر کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ حکم دیا، مگر صحابہ پر اس وقت رنج و غم اور دل شکستگی کا ایسا شدید غلبہ تھا کہ انہوں نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پورے دور رسالت میں اس ایک موقع کے سوا کبھی یہ صورت پیش نہ آئی تھی کہ آپ صحابہ کو حکم دیں اور وہ اس کی تعمیل کے لیے دوڑ نہ پڑیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمکو اس پر سخت صدمہ ہوا اور آپ نے اپنے خیمے میں جا کر ام المومنین حضرت ام سلمہ سے اپنی کبیدہ خاطری کا اظہار فرمایا۔ انہوں نیعرض کیا کہ آپ بس خاموشی کے ساتھ تشریف لے جا کر خود اپنا اونٹ ذبح فرمائیں اور حجام کو بلا کر اپنا سر منڈوا لیں۔ اس کے بعد لوگ خود بخود آپ کے عمل کی پیروی کریں گے اور سمجھ لیں گے کہ جو فیصلہ ہو چکا ہے وہ اب بدلنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا؛ در آپ کے فعل کو دیکھ کر لوگوں نے بھی قربانیاں کر لیں، سر منڈوا لیے یا بال ترشوا لیے اور احرام سے نکل آئے۔ مگر دل ان کے غم سے کٹے جا رہے تھے۔

اس کے بعد جب یہ قافلہ حدیبیہ کی صلح کو اپنی شکست اور کمزوری سمجھتا ہوا مدینہ کی طرف واپس جا رہا تھا، اس وقت ضجنان کے مقام پر (یا بقول بعض کراع الغمیم کے مقام پر) یہ سورت نازل ہوئی، جس نے مسلمانوں کو بتایا کہ یہ صلح جس کو وہ شکست سمجھ رہے ہیں دراصل فتح عظیم ہے۔ اس کے نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا آج مجھ پر وہ چیز نازل ہوئی ہے جو میرے لیے دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔ پھر یہ سورت آپ نے تلاوت فرمائی اور خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر اسے سنایا کیونکہ وہ سب سے زیادہ رنجیدہ تھے۔

اگرچہ اہل ایمان تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سن کر ہی مطمئن ہو گئے تھے، مگر کچھ زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ اس صلح کے فوائد ایک ایک کر کے کھلتے چلے گئے یہاں تک کہ کسی کو بھی اس امر میں شک نہ رہا کہ فی الواقع یہ صلح ایک عظیم الشان فتح تھی۔

اس میں پہلی مرتبہ عرب میں اسلامی ریاست کا وجود باقاعدہ تسلیم کیا گیا۔ اس سے پہلے تک عربوں کی نگاہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی حیثیت محض قریش اور قبائل عرب کے خلاف خروج کرنے والے ایک گروہ کی تھی اور ان کو برادری باہر (Outlaw)) سمجھتے تھے۔ اب خود قریش ہی نے آپ سے معاہدہ کر کے سلطنت اسلامی کے مقبوضات پر آپ کا اقتدار مان لیا اور قبائل عرب کے لیے یہ دروازہ بھی کھول دیا کہ ان دونوں سیاسی طاقتوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ معاہدات کر لیں۔

مسلمانوں کے لیے زیارت بیت اللہ کا حق تسلیم کر کے قریش نے آپ سے آپ گویا یہ بھی مان لیا کہ اسلام کوئی بے دینی نہیں ہے جیسا کہ وہ اب تک کہتے چلے آ رہے تھے، بلکہ عرب کے مسلمہ ادیان میں سے ایک ہے اور دوسرے عربوں کی طرح اس کے پیرو بھی حج وعمرہ کے مناسک ادا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اس سے اہل عرب کے دلوں کی وہ نفرت کم ہو گئی جو قریش کے پروپیگنڈا سے اسلام کے خلاف پیدا ہو گئی تھی۔

دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ ہو جانے سے مسلمانوں کو امن میسر آ گیا اور انہوں نے عرب تمام اطراف ونواح میں پھیل کر اس تیزی سے اسلام کی اشاعت کی کہ صلح حدیبیہ سے پہلے پورے 19 سال میں اتنے آدمی مسلمان نہ ہوئے تھے جتنے اس کے بعد دو سال کے اندر ہو گئے۔ یہ اسی صلح کی برکت تھی کہ یا تو وہ وقت تھا جب حدیبیہ کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ 1400 آدمی آئے تھے، یا دو ہی سال کے بعد جب قریش کی عہد شکنی کے نتیجے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کی تو دس ہزار کا لشکر آپ کے ہمرکاب تھا۔

قریش کی طرف سے جنگ بند ہو جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ موقع مل گیا کہ اپنے مقبوضات میں اسلامی حکومت کو اچھی طرح مستحکم کر لیں اور اسلامی قانون کے اجراء سے مسلم معاشرے کو ایک مکمل تہذیب وتمدن بنا دیں۔ یہی وہ نعمت عظمٰی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ کی آیت 3 میں فرمایا کہ "آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے"۔

قریش سے صلح کے بعد جنوب کی طرف سے اطمینان نصیب ہو جانے کا فائدہ یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں نے شمال (زیر)) عرب اور وسطِ عرب کی تمام مخالف طاقتوں کو باآسانی مسخر کر لیا۔ صلح حدیبیہ پر تین ہی مہینے گذرے تھے کہ یہودیوں کا سب سے بڑا گڑھ خیبر فتح ہو گیا اور اس کے بعد فدک، وادی القریٰ، تیما اور تبوک کی یہودی بستیاں اسلام کے زیر نگیں آتی چلی گئیں۔ پھر وسطِ عرب کے وہ تمام قبیلے بھی، جو یہود وقریش کے ساتھ گٹھ جوڑ رکھتے تھے، ایک ایک کر کے تابع فرمان ہو گئے۔ اس طرح حدیبیہ کی صلح نے دو ہی سال کے اندر عرب میں قوت کا توازن اتنا بدل دیا کہ قریش اور مشرکین کی طاقت دب کر رہ گئی اور اسلام کا غلبہ یقینی ہو گیا۔

یہ تھیں وہ برکات جو مسلمانوں کو اس صلح سے حاصل ہوئیں جسے وہ اپنی ناکامی اور قریش اپنی کامیابی سمجھ رہے تھے۔ سب سے زیادہ جو چیز اس صلح میں مسلمانوں کو ناگوار ہوئی تھی اور جسے قریش اپنی جیت سمجھا تھا کہ مکہ سے بھاگ کر مدینہ جانے والوں کو واپس کر دیا جائے گا اور مدینہ سے بھاگ کر مکہ جانے والوں کو واپس نہ کیا جائے گا۔ مگر تھوڑی ہی مدت گذری تھی کہ یہ معاملہ بھی قریش پر الٹا پڑا اور تجربہ نے بتا دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہِ دور رس نے اس کے کن نتائج کو دیکھ کر یہ شرط قبول کی تھی۔ صلح کے کچھ دنوں بعد مکہ سے ایک مسلمان ابوبصیر قریش کی قید سے بھاگ نکلے اور مدینہ پہنچے۔ قریش نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدے کے مطابق انہیں ان لوگوں کے حوالے کر دیا جو ان کی گرفتاری کے لیے مکہ سے بھیجے گئے تھے۔ مگر مکہ جاتے ہوئے راستے میں وہ پھر ان کی گرفت سے بچ نکلے اور ساحل بحیرہ احمر کے اس راستے پر جا بیٹھے جس سے قریش کے تجارتی قافلے

گذرتے تھے۔ اس کے بعد جس مسلمان کو بھی قریش کی قید سے بھاگ نکلنے کا موقع ملتا وہ مدینہ جانے کے بجائے ابوبصیر کر ٹھکانے پر پہنچ جاتا، یہاں تک کہ 70 آدمی جمع ہو گئے اور انہوں نے قریش کے قافلوں پر چھاپے مار مار کر ان کا ناطقہ تنگ کر دیا۔ آخر کار قریش نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ان لوگوں کو مدینہ بلا لیں اور حدیبیہ کے معاہدے کی وہ شرط آپ سے آپ ساقط ہو گئی۔

جب کوئی احرام والا دشمن یا مرض کی وجہ سے محصر ہو جائے:

(وَإِذَا أُحْصِرَ الْمُحْرِمُ بِعَدُوٍّ أَوْ أَصَابَهُ مَرَضٌ فَمَنَعَهُ مِنْ الْمُضِيِّ جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَكُونُ الْإِحْصَارُ إلَّا بِالْعَدُوِّ ؛ لِأَنَّ التَّحَلُّلَ بِالْهَدْيِ شُرِعَ فِي حَقِّ الْمُحْصَرِ ؛ لِتَحْصِيلِ النَّجَاةِ وَبِالْإِحْلَالِ يَنْجُو مِنْ الْعَدُوِّ لَا مِنْ الْمَرَضِ .

وَلَنَا أَنَّ آيَةَ الْإِحْصَارِ وَرَدَتْ فِي الْإِحْصَارِ بِالْمَرَضِ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ اللُّغَةِ فَإِنَّهُمْ قَالُوا : الْإِحْصَارُ بِالْمَرَضِ وَالْحَصْرُ بِالْعَدُوِّ وَالتَّحَلُّلُ قَبْلَ أَوَانِهِ لِدَفْعِ الْحَرَجِ الْآتِي مِنْ قِبَلِ امْتِدَادِ الْإِحْرَامِ ، وَالْحَرَجُ فِي الِاصْطِبَارِ عَلَيْهِ مَعَ الْمَرَضِ أَعْظَمُ ،

ترجمہ:

اور جب محرم دشمن یا ایسی مرض جو اس کو جانے سے روکنے والی ہو۔ جس نے اس کو حج پورا کرنے سے روک لیا ہے۔ تو اس کیلئے حلال ہونا جائز ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ احصار صرف دشمن کی وجہ سے ہوگا۔ اسلئے کہ محصر کیلئے مشروع ہے کہ ہدی ذبح کر کے نجات حاصل کرے۔ لہذا احلال ہونے سے دشمن سے نجات ہوگی نہ کہ بیماری سے نجات پانے والا ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اہل لغت کا اس پر اجماع ہے کہ احصار کی آیت مرض کی وجہ سے واقع ہونے والے احصار کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اسلئے کہ اہل لغت کے نزدیک بیماری کی وجہ سے احصار ہوتا ہے۔ اور دشمن کی وجہ سے بھی احصار ہوتا ہے۔ اور وقت سے پہلے حلال ہونا حرج کو دور کرنے کی وجہ سے ہے۔ جو اس احرام کو لمبا کرنے والا ہے۔ کیونکہ حالت مرض میں احرام کے ساتھ صبر کرنے سے حرج میں بہت اضافہ ہوتا ہے۔

فقہ حنفی کے مطابق محصر کے احرام کھولنے کا بیان:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حج کے لئے روانہ ہونے والے تھے تو اپنی چچا زاد بہن ضباعہ بنت زبیر کے ہاں تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ شاید تم ہمارے ساتھ حج کا ارادہ رکھتی ہو؟ اور ہماری بھی یہی خواہش ہے کہ تم ہمارے ساتھ حج کے لئے چلو، ضباعہ نے عرض کیا کہ جی ہاں، میرا ارادہ تو ہے لیکن خدا کی قسم! میں اپنے کو بیمار پاتی

ہوں یعنی مرض کی بناء پر میں بڑا ضعف محسوس کر رہی ہوں اگر میں چلتی ہوں تو نہیں جانتی کہ حج پورا بھی کر سکوں گی یا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ تم حج کا ارادہ کر لو، اور جب احرام باندھو تو یہ شرط کر لو یعنی یہ کہو کہ۔ اللھم محلی حیث حبستنی۔ اے اللہ! میرے احرام سے نکلنے کی جگہ وہ ہے جہاں میں بیماری کے سبب روک دی جاؤں۔

(بخاری ومسلم)

میرے احرام سے نکلنے کی جگہ وہ ہے جہاں میں روک دی جاؤں، کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ مجھ پر مرض غالب ہو جائے اور وہاں سے میں خانہ کعبہ کی طرف آگے نہ چل سکوں اسی جگہ میں احرام کھول دوں گی۔

جن ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ احصار کی صرف ایک ہی صورت یعنی دشمن کا خوف ہے اور بیماری سے احصار نہیں ہوتا، ان کی دلیل یہی حدیث ہے کہ اگر مرض کی وجہ سے احرام کھول دینا مباح ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ضباعہ کو مذکورہ بالا شرط کرنے کا حکم نہ دیتے کیونکہ جب مرض کی وجہ سے احصار ہو ہی جاتا تو پھر شرط کا کیا فائدہ حاصل ہوتا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک چونکہ یہ ہے کہ احصار مرض کی وجہ سے بھی ہو جاتا ہے اس لئے وہ حضرت حجاج بن عمرو انصاری کی حدیث کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں جو آگے آرہی ہے، نیز ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عمر شرط کے منکر تھے جو لوگ شرط کے قائل تھے ان سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ یہی فرماتے تھے کہ کیا تمہارے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کافی نہیں ہے؟ یعنی جب اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واضح حکم موجود ہے تو پھر شرط کو اختیار کرنے کا کیا معنی۔ اب رہی یہ بات کہ جب مرض کی وجہ سے احرام کھول دینا مباح تھا تو پھر حضرت ضباعہ کو شرط کا حکم دینا کس مقصد سے تھا اور اس کا کیا فائدہ تھا؟ حنفیہ کہتے ہیں کہ ضباعہ کے حق میں شرط کا فائدہ یہ تھا کہ وہ احرام کی پابندیوں سے جلد آزاد ہو جائیں، اس لئے کہ وہ اگر یہ شرط نہ کرتیں تو انہیں احرام سے نکلنے میں دیر لگتی بایں طور کہ جب ان کی ہدی کا جانور حرم پہنچ کر ذبح ہو جاتا تب ہی وہ احرام کھول سکتی تھیں، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ محرم کے لئے احرام کھلوانا اس وقت تک درست نہیں ہے جب تک کہ اس کی ہدی حرم میں ذبح نہ ہو جائے۔ ہاں اگر وہ احرام باندھتے وقت یہ شرط کر لے کہ جس جگہ بھی مجھے احصار کی صورت پیش آجائے گی میں وہیں احرام کھول دوں گا تو وہ محض احصار کی صورت پیش آجانے پر، ہدی کا جانور ذبح ہوئے بغیر احرام سے باہر ہو سکتا ہے۔

بیماری سے احصار واقعہ ہو جاتا ہے:

حضرت حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا پاؤں ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے تو وہ حلال ہو گیا۔ یعنی اس کے لئے جائز ہے کہ وہ احرام کھول دے اور اپنے گھر واپس جائے لیکن آئندہ سال اس پر حج واجب ہو گا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) ابوداؤد کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یا وہ بیمار ہو جائے۔ نیز امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے جب کہ بغوی نے مصابیح میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو احرام باندھ لینے کے بعد دشمن کے خوف کے علاوہ بھی اور کوئی مانع پیش آجائے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ احرام کھول دے، چنانچہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دشمن کے خوف کے علاوہ احصار کی اور صورتیں بھی ہیں مثلاً بیماری وغیرہ جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔

صلح حدیبیہ اور احصار کے حکم کا بیان:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ واقعہ حدیبیہ کے سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمرہ سے روکا گیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر منڈوایا اور احرام کھولنے کے بعد اپنی ازواج مطہرات سے ہم بستر ہوئے اور اپنی ہدی کا جانور ذبح کیا، پھر اگلے سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا عمرہ ادا کیا۔ (بخاری ومسلم)

روکا گیا کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ کو روانہ ہوئے مگر حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مع رفقاء کے مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ نہ کر سکے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں احرام کھول دیا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ میں نے حجاج بن عمرو انصاری سے سنا وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی ہڈی ٹوٹ جائے (دوسری روایت میں ہے کہ یا وہ بیمار ہو جائے) تو وہ حلال ہو گیا البتہ اس کے اوپر اگلے سال حج کرنا ضروری ہو گا عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے متعلق ابن عباس اور ابوہریرہ سے تصدیق چاہی تو ان دونوں حضرات نے اس کی تصدیق کی۔

حضرت ابومیمون بن مہران سے روایت ہے کہ جس سال شام والوں نے عبداللہ بن زبیر کا مکہ میں محاصرہ کیا تھا اس سال میں عمرہ کی نیت سے نکلا میری قوم کے کچھ لوگوں نے میرے ساتھ ہدی بھیجی تو شام والوں نے ہمیں حرم میں داخل ہونے سے روک دیا میں نے اسی جگہ ہدی کی قربانی کی اور احرام کھول دیا (اور واپس چلا آیا) جب دوسرا سال آیا تو میں اپنے عمرہ کی قضا کے لیے پھر نکلا تو میں ابن عباس کے پاس گیا اور ان سے مسئلہ دریافت کیا انھوں نے کہا ہدی بھی بدل ڈال (یعنی دوسری ہدی لا) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا تھا کہ وہ اس ہدی کو بدل دیں جو انھوں نے حدیبیہ کے سال میں عمرہ قضاء میں قربان کی تھی (کیونکہ وہ ہدی حرم میں ذبح نہیں ہوئی تھی) (سنن ابوداؤد)

اشتراط کے مفید سقوط دم ہونے میں مذاہب اربعہ کا بیان:

أنه متى حل بذلك فلا دم عليه ولا صوم وممن روى أنه رأى الاشتراط عند الإحرام عمر وعلي وابن مسعود وعمار وذهب إليه عبيد السلماني وعلقمة والأسود وشريح وسعيد بن المسيب وعطاء بن أبي رباح وعطاء بن يسار وعكرمة والشافعي إذ هو بالعراق وأنكره ابن عمر وطاوس وسعيد بن جبير والزهري ومالك وأبو حنيفة : وعن أبي حنيفة أن الاشتراط يفيد سقوط الدم فأما التحلل فهو ثابت عنده

بكل إحصار واحتجوا بأن ابن عمر كن ينكر الإشتراط ويقول : حسبكم سنة نبيكم صلى الله عليه و سلم ولأنها عبادة تجب بأصل الشرع فلم يفد الاشتراط فيها كالصوم والصلاة

ولنا ما روت عائشة رضي الله عنها قالت : (دخل النبي صلى الله عليه و سلم على ضباعة بنت الزبير فقالت : يا رسول الله إني أريد الحج وأنا شاكية فقال النبي صلى الله عليه و سلم : حجي واشترطي أن محلي حيث حبستني) متفق عليه وعن ابن عباس (أن ضباعة أتت النبي صلى الله عليه و سلم فقالت : يا رسول الله إني أريد أن الحج فكيف أقول ؟ فقال : قولي لبيك اللهم لبيك ومحلي من الأرض حيث تحبسني فإن لك على ربك ما استثنيت) رواه مسلم ولا قول لأحد مع قول الرسول صلى الله عليه و سلم فيكف يعارض بقول ابن عمر ولو لم يكن فيه حديث لكان قول الخليفتين الراشدين مع من قد ذكرناه قوله من فقهاء الصحابة أولى من قول ابن عمر وغير هذا اللفظ مما يؤدى معنا يقوم مقامه لأن المقصود المعنى والعبارة إنما تعتبر لتأدية المعنى

قال إبراهيم : خرجنا مع علقمة وهو يرد العمرة فقال : اللهم إني أريد العمرة أن تيسرت وإلا فلا حرج علي وكان شريح يشترط اللهم قد عرفت نيتي وما أريد فإن كان أمرا تتمه فهو أحب إلي وإلا فلا حرج علي ونحوه عن الأسود وقالت عائشة لعورة قل : اللهم إني أريد الحج وإياه نويت فإن تيسر وإلا فعمرة ونحوه عن عميرة بن زياد (المغنى ،۳،ص،۲۴۳ ،بیروت)

محصر حلال ہوکر ایک بکری قربانی کیلئے حرم بھیجے:

(وَإِذَا جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ يُقَالُ لَهُ ابْعَثْ شَاةً تُذْبَحُ فِي الْحَرَمِ وَوَاعِدْ مَنْ تَبْعَثُهُ بِيَوْمٍ بِعَيْنِهِ يَذْبَحُ فِيهِ ثُمَّ تَحَلَّلَ) وَإِنَّمَا يَبْعَثُ إلَى الْحَرَمِ ؛ لِأَنَّ دَمَ الْإِحْصَارِ قُرْبَةٌ ، وَالْإِرَاقَةُ لَمْ تُعْرَفْ قُرْبَةً إلَّا فِي زَمَانٍ أَوْ مَكَانٍ عَلَى مَا مَرَّ فَلَا يَقَعُ قُرْبَةً دُونَهُ فَلَا يَقَعُ بِهِ التَّحَلُّلُ ، وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ) فَإِنَّ الْهَدْيَ اسْمٌ لِمَا يُهْدَى إلَى الْحَرَمِ .

ترجمہ:

اور جب اس کیلئے حلال ہونا جائز ہوا تو اس سے کہا جائے گا کہ وہ ایک بکری ذبح کیلئے حرم میں بھیجے۔اور جس کو ہدی دیکر بھیجے اس سے ایک متعین دن کا وعدہ کرے کہ وہ اس کی ہدی کو اسی وقت میں ذبح کرے گا۔اس کے بعد وہ حلال ہو جائے گا۔اور احصار کی قربانی حرم میں اس لئے بھیجی گئی ہے کیونکہ وہ ایک عبادت ہے۔اور خون بہانے کا عبادت ہونا صرف زمان ومکان کے ساتھ خاص

ہونے سے عبادت معلوم ہوا ہے۔جس طرح گزر چکا ہے لہذا وہ زمان ومکان کے بغیر عبادت نہ ہوگی۔اور اس سے حلال ہونا بھی واقع نہ ہوگا۔اور اسی حکم کیلئے اللہ تعالی کا فرمان ہے''،''اس میں اشارہ ہے اسلئے کہ ہدی اس کو کہتے ہیں جو حرم بھیجی جائے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہدایہ کے ان الفاظ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ محصر ہدی کا جانور ذبح ہونے سے پہلے احرام نہیں کھولتا اسی لئے یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی محصر نے ہدی کا جانور حرم روانہ کیا اور اس جانور کو لے جانے والے سے یہ تاکید کی کہ اس جانور کو فلاں دن اور فلاں وقت ذبح کر دینا اور پھر اس نے اس متعین دن میں یہ سمجھ کر کہ اب جانور ذبح ہو گیا ہوگا اپنے کو احرام سے باہر سمجھ لیا اور کوئی ایسا فعل کیا جو حالت احرام میں ممنوع ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ہدی کا وہ جانور اس متعین دن ذبح نہیں ہوا تھا یا ذبح تو اسی دن ہوا تھا مگر حرم میں ذبح ہونے کی بجائے حرم سے باہر ذبح ہو گیا تھا تو اس صورت میں اس نے خلاف احرام جس قدر فعل کئے ہوں گے ہر فعل کے عوض جزاء دینی پڑے گی۔

امام شافعی کے نزدیک ہدی کی حرم کے ساتھ عدم تعیین کا بیان:

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَتَوَقَّتُ بِهِ ؛ لِأَنَّهُ شُرِعَ رُخْصَةً وَالتَّوْقِيتُ يُبْطِلُ التَّخْفِيفَ .قُلْنَا : الْمُرَاعَى أَصْلُ التَّخْفِيفِ لَا نِهَايَتُهُ ، وَتَجُوزُ الشَّاةُ ؛ لِأَنَّ الْمَنْصُوصَ عَلَيْهِ الْهَدْيُ وَالشَّاةُ أَدْنَاهُ ، وَتُجْزِيهِ الْبَقَرَةُ وَالْبَدَنَةُ أَوْ سُبُعُهُمَا كَمَا فِي الضَّحَايَا ، وَلَيْسَ الْمُرَادُ بِمَا ذَكَرْنَا بَعْثَ الشَّاةِ بِعَيْنِهَا ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ قَدْ يَتَعَذَّرُ ، بَلْ لَهُ أَنْ يَبْعَثَ بِالْقِيمَةِ حَتَّى تُشْتَرَى الشَّاةُ هُنَالِكَ وَتُذْبَحَ عَنْهُ .

ترجمہ:

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے۔اس کو حرم کے ساتھ موقت نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ رخصت کے ساتھ مشروع کی گئی ہے۔اور توقیت تخفیف کی وجہ سے باطل ہو جاتی ہے۔

فقہاء احناف نے کہا ہے کہ اصل میں تخفیف کی رعایت کی گئی ہے جبکہ اسکی انتہاء کی رعایت نہیں کی گئی۔اور بکری جائز ہے کیونکہ وہ نص سے بیان شدہ قربانی ہے۔اور وہ کم از کم بکری ہے اور اس کیلئے اونٹ اور گائے یا ان کا ساتواں حصہ بھی کافی ہے۔جس طرح اضحیہ میں ہے۔اور ہمارا ذکر کردہ حکم سے مراد کوئی معین بکری نہیں ہے کیونکہ اس طرح بھیجنا ناممکن ہے۔البتہ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ بکری کی قیمت بھیج دے تا کہ وہاں سے بکری خرید کر قربانی کی جائے۔

احصار کی قربانی کے مکان میں فقہ شافعی وحنفی کے اختلاف کا بیان:

احصار کی ہدی کے علاوہ باقی ہدایا کے بارے میں تو حنفیہ اور شوافع کا اتفاق ہے کہ وہ حرم کے علاوہ اور کہیں ذبح نہ کی جائیں مگر

حج یا عمرہ کے احصار کی ہدی کہاں ذبح کی جائے؟ اس بارے میں دونوں کے اختلافی اقوال ہیں۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ احصار کی ہدی اسی جگہ ذبح کی جائے جہاں احصار کی صورت پیش آئی ہو جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ احصار کی ہدی حرم میں بھیجی جائے اور وہاں ذبح ہو، حرم کے علاوہ اور کہیں ذبح نہ کی جائے، کیونکہ خاص دنوں میں اور خاص موقع پر ہدی کا ذبح ہونا عبادت ہے۔ اور جب یہ بات ہے کہ ایک خاص وقت اور خاص جگہ ہدی کا ذبح کرنا عبادت شمار کیا جاتا ہے تو اگر اس کے خلاف کیا گیا یعنی اس ہدی کو ذبح کرنے کی جو خاص جگہ یعنی حرم ہے اگر وہاں یہ ہدی ذبح نہ کی گئی تو عبادت کہاں رہی اور جب عبادت نہ رہی تو اس کی وجہ سے حلال ہونا یعنی احرام کھولنا کس طرح درست ہوگا۔

حضرت امام شافعی کی دلیل مذکورہ بالا حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے اپنی ہدی حدیبیہ میں ذبح کی جو حل میں یعنی حرم سے باہر ہے۔

اس کا جواب حنفیہ کی جانب سے یہ دیا جاتا ہے کہ اس موقع پر ہدی کے جانوروں کا حرم میں پہنچنا ممکن ہی نہیں تھا اس مجبوری کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور صحابہ نے اپنی ہدی وہیں ذبح کر دی۔ نیز بعض علماءؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ تو حل میں ہے اور کچھ حصہ حرم میں ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ نے ہدی کے جانور حدیبیہ کے اس حصہ میں ذبح کئے ہوں جو حرم میں شامل ہے۔

قربانی حرم بھیجنے والے پر حلق وقصر کے عدم وجوب کا بیان:

وَقَوْلُهُ ثُمَّ تَحَلَّلَ إشَارَةٌ إلَى أَنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ الْحَلْقُ أَوْ التَّقْصِيرُ ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : عَلَيْهِ ذَلِكَ ، وَلَوْ لَمْ يَفْعَلْ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ (لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلَقَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ ، وَكَانَ مُحْصَرًا بِهَا وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ بِذَلِكَ) .

وَلَهُمَا أَنَّ الْحَلْقَ إنَّمَا عُرِفَ قُرْبَةً مُرَتَّبًا عَلَى أَفْعَالِ الْحَجِّ فَلَا يَكُونُ نُسُكًا قَبْلَهَا وَفِعْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ لِيُعْرَفَ اسْتِحْكَامُ عَزِيمَتِهِمْ عَلَى الِانْصِرَافِ .

ترجمہ:

امام قدوری علیہ الرحمہ کا قول کہ پھر وہ حلال ہوجائے گا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ اس پر حلق وقصر واجب نہیں ہے یہی طرفین نے کہا ہے۔ جبکہ امام ابویوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس پر واجب ہے۔ اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ میں محصر تھے اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا حکم دیا۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حلق کا عبادت ہونا افعال حج پر واقع ہونے سے معلوم ہوا ہے لہذا وہ افعال حج سے پہلے نسک نہ ہو

گا اور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سر منڈوانا اسلئے تھا تاکہ واپسی پر ان کے ارادے کا مضبوط ہونا معلوم ہو۔

شرح

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد تو یہ کہتے ہیں کہ محصر کے لئے سر منڈوانا یا بال کتروانا ضروری نہیں ہے کیونکہ حلق سر منڈوانا تقصیر بال کتروانا اسی صورت میں عبادت شمار کیا جاتا ہے جب کہ افعال حج کی ترتیب میں ہو لہذا جب حج کے افعال ادا ہی نہ ہوں تو ان کو عبادت شمار نہیں کر سکتے جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور صحابہ نے حلق یا تقصری اس مقصد سے کیا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ بس اب واپسی کا پختہ ارادہ ہو گیا ہے۔

اور عمرہ کی ادائیگی کی صورت نہیں رہی ہے حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک محصر کو اگرچہ سر منڈوانا یا کتروانا چاہئے لیکن اگر وہ سر نہ منڈوائے یا بال نہ کتروائے تو اس صورت میں بھی احرام سے باہر ہو جائے گا اور بطور جزاء اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ عمرے کے لئے گئے تو کفار قریش نے ہمیں خانہ کعبہ پہنچنے سے پہلے حدیبیہ میں روک دیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ہدی کے جانور وہیں ذبح کئے اور سر منڈوایا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقاء میں سے کچھ نے بال کتروائے اور کچھ نے سر منڈوائے۔ (بخاری)

قارن کے دو دموں کو بھیجنے کا بیان:

(وَإِنْ كَانَ قَارِنًا بَعَثَ بِدَمَيْنِ) لِاحْتِيَاجِهِ إلَى التَّحَلُّلِ مِنْ إحْرَامَيْنِ ، فَإِنْ بَعَثَ بِهَدْيٍ وَاحِدٍ لِيَتَحَلَّلَ عَنْ الْحَجِّ وَيَبْقَى فِي إحْرَامِ الْعُمْرَةِ لَمْ يَتَحَلَّلْ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ؛ لِأَنَّ التَّحَلُّلَ مِنْهُمَا شُرِعَ فِي حَالَةٍ وَاحِدَةٍ .

(وَلَا يَجُوزُ ذَبْحُ دَمِ الْإِحْصَارِ إلَّا فِي الْحَرَمِ ، وَيَجُوزُ ذَبْحُهُ قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا : لَا يَجُوزُ الذَّبْحُ لِلْمُحْصَرِ بِالْحَجِّ إلَّا فِي يَوْمِ النَّحْرِ ، وَيَجُوزُ لِلْمُحْصَرِ بِالْعُمْرَةِ مَتَى شَاءَ) اعْتِبَارًا بِهَدْيِ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ ، وَرُبَّمَا يَعْتَبِرَانِهِ بِالْحَلْقِ إذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُحَلِّلٌ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ دَمُ كَفَّارَةٍ حَتَّى لَا يَجُوزَ الْأَكْلُ مِنْهُ فَيَخْتَصُّ بِالْمَكَانِ دُونَ الزَّمَانِ كَسَائِرِ دِمَاءِ الْكَفَّارَاتِ ، بِخِلَافِ دَمِ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ ؛ لِأَنَّهُ دَمُ نُسُكٍ ، وَبِخِلَافِ الْحَلْقِ ؛ لِأَنَّهُ فِي أَوَانِهِ ؛ لِأَنَّ مُعْظَمَ أَفْعَالِ الْحَجِّ وَهُوَ الْوُقُوفُ يَنْتَهِي بِهِ .

ترجمہ:

اور جب حج قران کرنے والے نے دو دم بھیجے اس لئے کہ وہ دو احراموں سے حلال ہونے کا محتاج ہے اور اگر اس نے ایک ہدی بھیجی کہ وہ حج کے احرام سے حلال ہو جائے اور عمرے کے احرام میں رہے تو وہ ان دونوں میں سے کسی ایک ساتھ بھی حلال نہ ہو سکے گا کیونکہ ایک حالت میں دونوں سے حلال ہونے کو مشروع کرنے والا بن گیا ہے۔ احصار کے دم کو صرف حرم میں ذبح کرنا جائز ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے مطابق اس کو نحر کے دن سے پہلے ذبح کرنا جائز ہے جبکہ صاحبین نے فرمایا ہے کہ حج والے محصر کیلئے جائز نہیں ہے البتہ نحر کے دن میں جائز ہے اور عمرے سے محصر ہونے والے کیلئے جب وہ چاہے جائز ہے۔ اور تمتع کی ہدی کو قران کی ہدی پر قیاس کیا جائے گا جبکہ عام طور پر صاحبین احصار کی ہدی کو حلق پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک حلال کرنے کا ذریعہ ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کفارے کا دم ہے یہاں تک کہ اس میں کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ دم جگہ یعنی حرم کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہ زمانے یعنی نحر کے دن کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ جس طرح دوسرے کفاروں کے دم ہیں بہ خلاف دم تمتع وقران کے کیونکہ وہ نسک کے دم ہیں بہ خلاف حلق کے کیونکہ وہ اپنے وقت میں ہوتا ہے۔ جبکہ افعال حج میں سے برتر عمل وقوف عرفہ ہے اس لئے حلق اس کے ساتھ مکمل کیا جاتا ہے۔

دم احصار کے کفارہ یا ہدی ہونے میں صاحبین کا اختلاف:

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ دم کفارے کا ہے لہذا اس میں سے کچھ کھانا جائز نہیں ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک ہدی ہے اور اس کے احکام وہی ہیں جو ہدی کے احکام ہیں۔

حج کا محصر جب حلال ہو تو اس کیلئے حج وعمرے کے وجوب کا بیان:

قَالَ : (وَالْمُحْصَرُ بِالْحَجِّ إذَا تَحَلَّلَ فَعَلَيْهِ حَجَّةٌ وَعُمْرَةٌ) هَكَذَا رُوِيَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ، وَلِأَنَّ الْحَجَّةَ يَجِبُ قَضَاؤُهَا لِصِحَّةِ الشُّرُوعِ فِيهَا وَالْعُمْرَةُ لِمَا أَنَّهُ فِي مَعْنَى فَائِتِ الْحَجِّ (وَعَلَى الْمُحْصَرِ بِالْعُمْرَةِ الْقَضَاءُ) وَالْإِحْصَارُ عَنْهَا يَتَحَقَّقُ عِنْدَنَا .وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَتَحَقَّقُ ؛ لِأَنَّهَا لَا تَتَوَقَّتُ .

وَلَنَا أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَأَصْحَابَهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أُحْصِرُوا بِالْحُدَيْبِيَةِ وَكَانُوا عُمَّارًا ؛ وَلِأَنَّ شَرْعَ التَّحَلُّلِ لِدَفْعِ الْحَرَجِ وَهَذَا مَوْجُودٌ فِي إحْرَامِ الْعُمْرَةِ ،

وَإِذَا تَحَقَّقَ الْإِحْصَارُ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ إذَا تَحَلَّلَ كَمَا فِي الْحَجِّ .

ترجمہ:

اور حج میں محصر ہونے والا جب حلال ہو جائے تو اس پر حج اور عمرہ کرنا واجب ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ حج کی قضاء اس کے ابتدائے صحیح ہو جانے کے بعد واجب ہوتی ہے اور عمرہ اس لئے ہے کہ وہ فوت ہونے والے حج کے حکم میں ہے۔

اور جو شخص عمرے سے محصر ہوا ہے اس پر عمرے کی قضاء واجب ہے اور عمرے کا احصار ہمارے نزدیک ثابت ہے جبکہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے ثابت نہیں ہے۔ اسلئے کہ عمرہ کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیبیہ میں روکے گئے حالانکہ وہ سب عمرہ کرنے والے تھے۔ اور اسی دلیل کے پیش نظر ان کا حلال ہونا مشروع ہے تاکہ حرج دور کیا جائے۔ اور یہ حکم عمرے کے احرام میں بھی موجود ہے اور جب احصار ثابت ہو گیا تو اس پر قضاء واجب ہے اور اسی طرح وہ حلال ہو جائے گا جس طرح حج میں ہوتا ہے۔

محصر پر قضا واجب میں فقہ حنفی وشافعی کا اختلاف:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ واقعہ حدیبیہ کے سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمرہ سے روکا گیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر منڈوایا اور احرام کھولنے کے بعد اپنی ازواج مطہرات سے ہم بستر ہوئے اور اپنی ہدی کا جانور ذبح کیا، پھر اگلے سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا عمرہ ادا کیا۔ (بخاری ومسلم)

جیسا کہ حدیث بالا سے معلوم ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب احصار کی وجہ سے عمرہ ادا نہ کر سکے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آئندہ سال یعنی ۷ ھجری میں اس عمرہ کو پورا کیا چنانچہ اس عمرہ کو عمرۃ القضاء کہا گیا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی محصر ہو جائے یعنی اسے حج یا عمرہ سے روک دیا جائے تو وہ اس کی قضاء کرے اس لئے احناف کے مسلک میں اس کی قضا واجب ہے جب کہ حضرت امام شافعی کے ہاں محصر پر اس کی قضا واجب نہیں ہوتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۷ ھجری میں جو عمرہ کیا اس کا نام عمرۃ القضا ہونا حنفیہ کے مسلک کی تائید کرتا ہے۔

محصر قارن پر ایک حج اور دو عمروں کے وجوب کا بیان:

(وَعَلَى الْقَارِنِ حَجَّةٌ وَعُمْرَتَانِ) أَمَّا الْحَجُّ وَإِحْدَاهُمَا فَلِمَا بَيَّنَّا ، وَأَمَّا الثَّانِيَةُ فَلِأَنَّهُ مُخْرَجٌ مِنْهَا بَعْدَ صِحَّةِ الشُّرُوعِ فِيهَا .

ترجمہ:

اور جب حج قران کرنے والا محصر ہو جائے تو اس پر ایک حج اور دو عمروں کی قضاء واجب ہے ایک حج اور عمرہ اسی دلیل کے

پیش نظر جو ہم بیان کر چکے ہیں اور دوسرا عمرہ اس لئے واجب ہے کہ وہ اس کو شروع کرنے کے بعد چھوڑنے والا ہے۔

شرح

اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ فائت الحج اور محصر کے حکم میں تھوڑا سا فرق ہے فائت الحج کے لئے تو یہ حکم ہے کہ اگر وہ مفرد ہو یعنی اس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو تو طواف وسعی کر کے احرام کھول دے اس پر صرف سال آئندہ اس حج کی قضا واجب ہے، عمرہ اور ہدی اس کے لئے واجب نہیں ہے۔

محصر کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر وہ مفرد ہو اور اسے حرم پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں احصار کی کوئی صورت پیش آ جائے تو وہ پہلے ہدی کا جانور حرم بھیجے جب وہ جانور حرم میں پہنچ کر ذبح ہو جائے تو وہ احرام کھول دے اور آئندہ سال اس حج کی قضا کرے اور اس کے ساتھ ہی ایک عمرہ بھی کرے۔

لیکن حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس پر سال آئندہ صرف حج کرنا ہی واجب ہوگا عمرہ کرنا ضروری نہیں ہوگا، کیونکہ وہ صرف حج سے محصر ہوا ہے اور چونکہ ہدی کا جانور بھیج کر اس نے احرام کھولا تھا تو بس اس کے بدلہ اس کے ذمہ صرف حج ہی ہے، عمرہ نہیں ہے۔

اور اگر محصر قارن ہو (یعنی اس نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہو) تو وہ بھی ہدی کا جانور حرم میں بھیجے اور وہاں اس جانور کے ذبح ہو جانے کے بعد احرام کھول دے، لیکن سال آئندہ اس پر اس حج کی قضا اور اس کے ساتھ دو عمرے واجب ہوں گے، اس پر ایک حج اور دو عمرے واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک حج اور عمرہ تو اصلی حج وعمرہ کے بدلہ ادا کرنا ہوگا، اور دوسرا عمرہ اس واسطے کہ اس سے حج اور عمرہ فوت ہوا اس لئے اس کی جزاء کے طور پر ایک عمرہ ادا کرنا ہوگا۔

قربانی بھیجنے والے قارن نے جب ذبح کا عہد لیا ہو:

(فَإِنْ بَعَثَ الْقَارِنُ هَدْيًا وَوَاعَدَهُمْ أَنْ يَذْبَحُوهُ فِي يَوْمٍ بِعَيْنِهِ ثُمَّ زَالَ الْإِحْصَارُ ، فَإِنْ كَانَ لَا يُدْرِكُ الْحَجَّ وَالْهَدْيَ لَا يَلْزَمُهُ أَنْ يَتَوَجَّهَ بَلْ يَصْبِرَ حَتَّى يَتَحَلَّلَ بِنَحْرِ الْهَدْيِ) لِفَوَاتِ الْمَقْصُودِ مِنْ التَّوَجُّهِ وَهُوَ أَدَاءُ الْأَفْعَالِ ، وَإِنْ تَوَجَّهَ لِيَتَحَلَّلَ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ لَهُ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ فَائِتُ الْحَجِّ (وَإِنْ كَانَ يُدْرِكُ الْحَجَّ وَالْهَدْيَ لَزِمَهُ التَّوَجُّهُ) لِزَوَالِ الْعَجْزِ قَبْلَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ بِالْخَلَفِ ، وَإِذَا أَدْرَكَ هَدْيَهُ صَنَعَ بِهِ مَا شَاءَ ؛ لِأَنَّهُ مِلْكُهُ وَقَدْ كَانَ عَيَّنَهُ لِمَقْصُودٍ اسْتَغْنَى عَنْهُ (وَإِنْ كَانَ يُدْرِكُ الْهَدْيَ دُونَ الْحَجِّ يَتَحَلَّلُ) لِعَجْزِهِ عَنْ الْأَصْلِ

ترجمہ:

اگر حج قران کرنے والے نے ہدی کا جانور بھیجا اور ساتھیوں سے عہد لیا کہ وہ فلاں معین دن میں اس کو ذبح کریں گے اور اس کے بعد اس احصار ختم ہو گیا اور اب اگر وہ حج اور ہدی کو پانے والا نہیں ہے تو اس پر مکہ کی طرف چلنا واجب نہیں ہے بلکہ وہ صبر سے کام لے۔ حتیٰ کہ وہ قربانی ہونے کے ساتھ ہی حلال ہو جائے گا۔ کیونکہ مکہ چلنے سے جو اس کا مقصد تھا یعنی حج کے افعال کو ادا کرنا تو وہ اس فوت ہو چکا ہے اور اس کا آنا اس لئے تا کہ وہ عمرے کے افعال کو ادا کر کے حلال ہو جائے تو اس کا اسے اختیار ہے لہذا یہ حج کو فوت کرنے والا ہو گیا ہے۔

اور اگر وہ حج یا ہدی کو پانے والا ہے تو اس پر مکہ کی طرف چلنا واجب ہے کیونکہ اس کیلئے خلیفہ کے ساتھ مقصد حاصل کرنے سے پہلے اس کا عجز ختم ہو چکا ہے۔ اور جب وہ ہدی کو پائے تو جو چاہے وہ اسکے ساتھ سلوک کرے کیونکہ وہ اسکی ملکیت ہے اور اس نے اس کو جس مقصد کیلئے متعین کیا تھا جس کی اب ضرورت نہ رہی۔

اور اگر وہ صرف ہدی کو پانے والا ہے حج کو پانے والا نہیں ہے تو وہ حلال ہو جائے گا کیونکہ اصل یعنی حج سے عاجز ہو گیا ہے

شرح

مُحصر کو یہ اجازت ہے کہ حرم کو قربانی بھیج دے، جب قربانی ہو جائے گی اس کا احرام کھل جائے گا یا قیمت بھیج دے کہ وہاں جانور خرید کر ذبح کر دیا جائے بغیر اس کے احرام نہیں کھل سکتا، جب تک مکہ معظّمہ پہنچ کر طواف وسعی وحلق نہ کر لے، روزہ رکھنے یا صدقہ دینے سے کام نہ چلے گا اگرچہ قربانی کی استطاعت نہ ہو۔ احرام باندھتے وقت اگر شرط لگائی ہے کہ کسی وجہ سے وہاں تک نہ پہنچ سکوں تو احرام کھول دوں گا، جب بھی یہی حکم ہے اس شرط کا کچھ اثر نہیں۔ (عالمگیری، درمختار، ردالمحتار)

یہ ضروری امر ہے کہ جس کے ہاتھ قربانی بھیجے اس سے ٹھہرا لے کہ فُلاں دن فُلاں وقت قربانی ذبح ہو اور وہ وقت گزرنے کے بعد احرام سے باہر ہوگا پھر اگر اسی وقت قربانی ہوئی جو ٹھہرا تھا یا اس سے پیشتر فبہا اور اگر بعد میں ہوئی اور اُسے اب معلوم ہوا تو ذبح سے پہلے چونکہ احرام سے باہر ہوا لہٰذا دَم دے۔ مُحصر کو احرام سے باہر آنے کے لیے حلق شرط نہیں مگر بہتر ہے۔

مُحصر اگر مُفرِد ہو یعنی صرف حج یا صرف عمرہ کا احرام باندھا ہے تو ایک قربانی بھیجے اور دو بھیجیں تو پہلی ہی کے ذبح سے احرام کھل گیا اور قارِن ہو تو دو بھیجے ایک سے کام نہ چلے گا۔ (درمختار، کتاب الحج، باب الجنایات)

جب محصر حج کو پائے ہدی کو نہ پانے والا ہو تو حکم استحسان:

(وَإِنْ كَانَ يُدْرِكُ الْحَجَّ دُونَ الْهَدْيِ جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ) اسْتِحْسَانًا ، وَهَذَا التَّقْسِيمُ لَا يَسْتَقِيمُ عَلَى قَوْلِهِمَا فِي الْمُحْصَرِ بِالْحَجِّ ؛ لِأَنَّ دَمَ الْإِحْصَارِ عِنْدَهُمَا يَتَوَقَّتُ بِيَوْمِ النَّحْرِ ، فَمَنْ يُدْرِكُ الْحَجَّ يُدْرِكُ الْهَدْيَ ، وَإِنَّمَا يَسْتَقِيمُ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ

اللَّهُ وَفِي الْمُحْصَرِ بِالْعُمْرَةِ يَسْتَقِيمُ بِالِاتِّفَاقِ ؛ لِعَدَمِ تَوَقُّتِ الدَّمِ بِيَوْمِ النَّحْرِ .

وَجْهُ الْقِيَاسِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ قَدَرَ عَلَى الْأَصْلِ وَهُوَ الْحَجُّ قَبْلَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ بِالْبَدَلِ ، وَهُوَ الْهَدْيُ .

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّا لَوْ أَلْزَمْنَاهُ التَّوَجُّهَ لَضَاعَ مَالُهُ ؛ لِأَنَّ الْمَبْعُوثَ عَلَى يَدَيْهِ الْهَدْيُ يَذْبَحُهُ وَلَا يَحْصُلُ مَقْصُودُهُ ، وَحُرْمَةُ الْمَالِ كَحُرْمَةِ النَّفْسِ ، وَلَهُ الْخِيَارُ إنْ شَاءَ صَبَرَ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ أَوْ فِي غَيْرِهِ ؛ لِيُذْبَحَ عَنْهُ فَيَتَحَلَّلُ ، وَإِنْ شَاءَ تَوَجَّهَ لِيُؤَدِّيَ النُّسُكَ الَّذِي الْتَزَمَهُ بِالْإِحْرَامِ وَهُوَ أَفْضَلُ ؛ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إلَى الْوَفَاءِ بِمَا وَعَدَ (وَمَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ ثُمَّ أُحْصِرَ لَا يَكُونُ مُحْصَرًا) لِوُقُوعِ الْأَمْنِ عَنْ الْفَوَاتِ .

ترجمہ:

اور جب وہ حج پائے اور ہدی کو نہ پائے تو اس کیلئے بطور استحسان حلال ہونا جائز ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک حج میں محصر ہونے والے کیلئے یہ تقسیم صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک احصار کا دم نحر کے دن کے ساتھ خاص ہے لہذا جو بندہ حج کو پائے گا وہ ہدی کو بھی پائے گا۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے فرمان کے مطابق یہ تقسیم صحیح ہے جبکہ عمرے میں محصر ہونے والے کے حق میں بہ اتفاق صحیح ہے اس لئے کہ عمرے کی ہدی کو ذبح کرنا یوم نحر کے ساتھ خاص نہیں کیا جائے گا اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ کا قول یہ ہے کہ وہ اصل یعنی حج کرنے پر قدرت رکھنے والا ہو گیا اور بدل یعنی ہدی کے ساتھ مقصد حاصل کرنے سے پہلے قدرت رکھنے والا ہوا ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ ایسے محصر کو اگر ہم مکہ جانے کا حکم دیں تو اس کا مال ضائع ہوگا۔ کیونکہ اس شخص نے جس بندے کے ہاتھ ہدی کو روانہ کیا ہے وہ اس کو یقیناً ذبح کردے گا اور اس کا مقصد حاصل نہ ہوگا اور حرمت مال حرمت جان کی طرح ہے (قاعدہ فقہیہ) اور اس کو اختیار ہوگا کہ وہ اسی جگہ یا دوسری جگہ صبر کرے تا کہ اس کی جانب سے ہدی ذبح ہو جائے اور اگر وہ چاہے تو مکہ چلا جائے تا کہ نسک ادا کرے جو احرام نے اس پر لازم کیے ہیں اور یہی اعلیٰ ہے۔ کیونکہ وعدے کو پورا کرنے کے زیادہ قریب بھی یہی ہے۔

شرح

حج سے محصر ہونے والا اگر ہدی کو نہ پا سکتا ہو لیکن حج پا سکتا ہو تو بطور استحسان اس کیلئے حلال ہونا جائز ہے۔ البتہ فضیلت اس کیلئے یہ ہے کہ وہ مکہ میں جا کر حج کے افعال ادا کرے۔ اس مسئلہ میں اختلاف کی صورت میں امام اعظم علیہ الرحمہ کے قول پر فتویٰ

ہے۔ جو دلیل وعلت کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔

جو وقوف عرفہ کے بعد محصر ہوا تو اس کے احصار کا اعتبار نہ ہوگا:

(وَمَنْ أُحْصِرَ بِمَكَّةَ وَهُوَ مَمْنُوعٌ عَنْ الطَّوَافِ وَالْوُقُوفِ فَهُوَ مُحْصَرٌ) ؛ لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ الْإِتْمَامُ فَصَارَ كَمَا إذَا أُحْصِرَ فِي الْحِلِّ (وَإِنْ قَدَرَ عَلَى أَحَدِهِمَا فَلَيْسَ بِمُحْصَرٍ) أَمَّا عَلَى الطَّوَافِ فَلِأَنَّ فَائِتَ الْحَجِّ يَتَحَلَّلُ بِهِ وَالدَّمُ بَدَلٌ عَنْهُ فِي التَّحَلُّلِ ، وَأَمَّا عَلَى الْوُقُوفِ فَلِمَا بَيَّنَّا ، وَقَدْ قِيلَ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ خِلَافٌ بَيْنَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى وَالصَّحِيحُ مَا أَعْلَمْتُك مِنْ التَّفْصِيلِ ، وَاَللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ .

ترجمہ:

جب بندہ وقوف عرفات کے بعد محصر ہوا تو شریعت کے مطابق اس کا احصار تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ حج کے فوت ہونے سے وہ امن میں آگیا ہے اور جس شخص کو مکے میں روک دیا گیا ہے حالانکہ اس کو طواف اور وقوف سے منع کیا گیا ہے تو وہ محصر ہے کیونکہ اس کیلئے حج پورا کرنا ممکن نہیں ہے۔ لہذا وہ اس طرح ہو گیا ہے جس طرح کوئی شخص حل میں روکا گیا ہے۔ اور اگر وہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر قدرت رکھنے والا ہو تو وہ بھی محصر نہ ہوگا۔ لیکن جب وہ طواف پر قدرت رکھے تو وہ اس کے ساتھ حج فوت کرتے ہوئے حلال ہو جائے گا۔ اور دم حلال ہونے میں بدل ہے۔ اور جب وہ وقوف پر قدرت رکھنے والا ہو تب اسی دلیل کے پیش نظر ہے جو ہم نے بیان کردی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم اور حضرت امام ابو یوسف علیہما الرحمہ کے درمیان اختلاف ہے اور اس میں تحقیق وہی صحیح ہے جو میں نے تجھے بیان کردی ہے۔

شرح

فتاویٰ ہندیہ میں علمائے احناف لکھتے ہیں۔ وقوف عرفہ کے بعد احصار نہیں ہوسکتا اور اگر مکہ ہی میں ہے مگر طواف اور وقوف عرفہ دونوں پر قادر نہ ہو تو محصر ہے اور دونوں میں سے ایک پر قادر ہے تو نہیں۔

حصر قربانی بھیج کر جب احرام سے باہر ہو گیا اب اس کی قضا کرنا چاہتا ہے تو اگر صرف حج کا احرام تھا تو ایک حج اور ایک عمرہ کرے اور قران تھا تو ایک حج دو عمرے اور یہ اختیار ہے کہ قضا میں قران کرے، پھر ایک عمرہ یا تینوں الگ الگ کرے اور اگر احرام عمرہ کا تھا تو صرف ایک عمرہ کرنا ہوگا۔ (عالمگیری، کتاب الحج، باب الاحصار)

باب الفوات

﴿یہ باب حج میں فوت ہونے والے کے بیان میں ہے﴾

باب الفوات کی فقہی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مصنف نے باب الفوات کو احصار کے باب سے اس لئے موخر کیا ہے۔ کیونکہ احصار کامل عارضہ ہے جبکہ فوات ناقص عارضہ ہے۔ لہذا اس کو مقدم کیا اور فوات کو اس پر موخر کیا ہے۔ اور احصار مفرد سے مرکب کی طرف نازل ہوتا ہے اور اصول میں مفرد مرکب سے مقدم ہوتا ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، بتصرف، ج ۵، ص ۳۷۵، حقانیہ ملتان)

محرم کا جب وقوف عرفہ فوت ہو جائے تو حج کا حکم:

(وَمَنْ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ وَفَاتَهُ الْوُقُوفُ بِعَرَفَةَ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ) ؛ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ وَقْتَ الْوُقُوفِ يَمْتَدُّ إلَيْهِ (وَعَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ وَيَسْعَى وَيَتَحَلَّلَ وَيَقْضِيَ الْحَجَّ مِنْ قَابِلٍ وَلَا دَمَ عَلَيْهِ) ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ فَاتَهُ عَرَفَةُ بِلَيْلٍ فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ فَلْيَحِلَّ بِعُمْرَةٍ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ) وَالْعُمْرَةُ لَيْسَتْ إلَّا الطَّوَافَ وَالسَّعْيَ ، وَلِأَنَّ الْإِحْرَامَ بَعْدَمَا انْعَقَدَ صَحِيحًا لَا طَرِيقَ لِلْخُرُوجِ عَنْهُ إلَّا بِأَدَاءِ أَحَدِ النُّسُكَيْنِ كَمَا فِي الْإِحْرَامِ الْمُبْهَمِ ، وَهَاهُنَا عَجَزَ عَنْ الْحَجِّ فَتَتَعَيَّنُ عَلَيْهِ الْعُمْرَةُ وَلَا دَمَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّ التَّحَلُّلَ وَقَعَ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ فَكَانَتْ فِي حَقِّ فَائِتِ الْحَجِّ بِمَنْزِلَةِ الدَّمِ فِي حَقِّ الْمُحْصَرِ فَلَا يُجْمَعُ بَيْنَهُمَا .

ترجمہ:

اور جس بندے نے احرام باندھا اور وقوف عرفہ اس سے فوت ہو گیا یہاں تک نحر کے دن کی صبح طلوع ہو گئی تو اس کا حج فوت ہو گیا اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی ہے اس لئے کہ وقت وقوف نحر کی طلوع فجر تک لمبا ہوتا ہے اور اس پر واجب ہے کہ وہ طواف وسعی کر کے حلال ہو جائے۔ اور قابل ہونے پر حج قضاء کرے۔ اور اس پر کوئی دم واجب نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس سے عرفہ کی رات فوت ہو گئی اس کا حج فوت ہو گیا۔ لہذا وہ عمرے کے ساتھ حلال ہو جائے اور قابل ہو جانے پر حج ہے۔ اور عمرہ طواف وسعی کا نام ہے کیونکہ احرام کے منعقد ہو جانے کے بعد صحیح طور پر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ البتہ حج وعمرہ میں سے کسی ایک کو ادا کر لے۔ جس طرح ابہام والا احرام ہے یہاں پر جب حج سے عاجز ہوا تو عمرہ متعین ہو گیا اور اس پر کوئی دم واجب نہیں ہے

کیونکہ اس کا حلال ہونا عمرے کے افعال ادا کرنے واقع ہوا ہے۔ لہذا جس کا حج فوت ہوا یہ اس کے حق میں عمرہ کرنا ایسے ہی ہے جس طرح محصر کے حق میں دم ہوتا ہے۔ پس قربانی اور عمرہ دونوں کا جمع نہیں کیا جائے گا۔

حج سے عاجزی والے کے تعین عمرہ میں وجوب دم پر مذاہب ثلاثہ:

جو شخص حج سے عاجز ہو گیا تو اس کیلئے عمرہ متعین ہو گیا۔ تو اس پر دم واجب ہے۔ کیونکہ حکم جب دو اشیاء کے درمیان پھرا تو ایک ختم ہو گئی۔ اور اس پر دم واجب نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی، امام مالک اور حسن بن زیاد کے نزدیک دم واجب ہے۔ اس مسئلہ میں فقہاء احناف کی دلیل دار قطنی کی حدیث ہے۔

امام دار قطنی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کا وقوف عرفہ رات تک میں فوت ہو گیا، اُس کا حج فوت ہو گیا تو اب اسے چاہیے کہ عمرہ کر کے احرام کھول ڈالے اور سال آئندہ حج کرے۔ (سنن دار قطنی، رقم الحدیث، ۲۴۹۶)

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور جس کا حج فوت ہو گیا یعنی وقوف عرفہ اسے نہ ملا تو طواف وسعی کر کے سر مونڈا کر یا بال کتروا کر احرام سے باہر ہو جائے اور سال آئندہ حج کرے اور اُس پر دم واجب نہیں۔

اگر قارن کا حج فوت ہو گیا تو عمرہ کے لیے سعی وطواف کرے پھر ایک اور طواف وسعی کر کے حلق کرے اور دم قران جاتا رہا اور پچھلا طواف جسے کر کے احرام سے باہر ہو گا اُسے شروع کرتے ہی لبیک موقوف کر دے اور سال آئندہ حج کی قضا کرے، عمرہ کی قضا نہیں کیونکہ عمرہ کر چکا۔ تمتع والا قربانی کا جانور لایا تھا اور تمتع باطل ہو گیا تو جانور کو جو چاہے کرے۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب الحج)

عمرہ فوت نہیں ہو سکتا کہ اس کا وقت عمر بھر ہے اور جس کا حج فوت ہو گیا اس پر طواف صدر نہیں۔ جس کا حج فوت ہوا اس نے طواف وسعی کر کے احرام نہ کھولا اور اسی احرام سے سال آئندہ حج کیا تو یہ حج صحیح نہ ہوا۔ (عالمگیری، کتاب الحج، باب الاحصار)

پانچ دنوں کے سوا عمرے کی عدم تفویت کا بیان:

(وَالْعُمْرَةُ لَا تَفُوتُ وَهِيَ جَائِزَةٌ فِي جَمِيعِ السَّنَةِ إلَّا خَمْسَةَ أَيَّامٍ يُكْرَهُ فِيهَا فِعْلُهَا ، وَهِيَ يَوْمُ عَرَفَةَ ، وَيَوْمُ النَّحْرِ ، وَأَيَّامُ التَّشْرِيقِ) لِمَا رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ تَكْرَهُ الْعُمْرَةَ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ الْخَمْسَةِ ؛ وَلِأَنَّ هَذِهِ الْأَيَّامَ أَيَّامُ الْحَجِّ فَكَانَتْ مُتَعَيِّنَةً لَهُ . وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ : أَنَّهَا لَا تُكْرَهُ فِي يَوْمِ عَرَفَةَ قَبْلَ الزَّوَالِ ؛ لِأَنَّ دُخُولَ وَقْتِ رُكْنِ الْحَجِّ بَعْدَ الزَّوَالِ لَا قَبْلَهُ ، وَالْأَظْهَرُ مِنْ الْمَذْهَبِ مَا ذَكَرْنَاهُ ،

وَلَكِنْ مَعَ هَذَا لَوْ أَدَّاهَا فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ صَحَّ وَيَبْقَى مُحْرِمًا بِهَا فِيهَا ؛ لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ لِغَيْرِهَا وَهُوَ تَعْظِيمُ أَمْرِ الْحَجِّ وَتَخْلِيصُ وَقْتِهِ لَهُ فَيَصِحُّ الشُّرُوعُ .

ترجمہ:

اور عمرہ فوت نہیں ہوتا اور وہ پانچ دنوں کے سوا تمام میں جائز ہے۔ کیونکہ ان پانچ دنوں میں اس کا کرنا مکروہ ہے وہ یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق ہیں۔ کیونکہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ ان پانچ دنوں میں عمرے کو مکروہ سمجھتی تھیں۔ اس لئے کہ ایام ادائیگی حج کے ایام ہیں۔ لہذا حج کے متعین ہو گئے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ عرفہ کے دن زوال سے پہلے مکروہ نہیں ہے کیونکہ حج کا رکن زوال کے بعد داخل ہوتا ہے اس سے پہلے داخل نہیں ہوتا۔ اور زیادہ ظاہر وہی مذہب ہے۔ جس کو ہم بیان چکے ہیں۔ اس حکم کے باوجود اگر اس نے ان دنوں میں عمرہ کیا تو صحیح ہوگا۔ اور وہ احرام میں باقی رہے گا۔ اسلئے کہ کراہت عمرے کے غیر کی وجہ سے ہے اور حج کی تعظیم اور حج کے اوقات کی تخصیص ہے۔ لہذا عمرے کا کرنا صحیح ہے۔

شرح

معلم الحجاج میں لکھا ہوا مسئلہ درست ہے، پورے سال میں صرف پانچ دن، نویں ذی الحجہ سے تیرہویں ذی الحجہ تک عمرہ کرنا مکروہ ہے، ان پانچ دنوں کے علاوہ سال کے تمام ایام میں آفاقی اور غیر آفاقی سب کے لیے عمرہ کرنا بلا تفریق جائز اور درست ہے،

لأن العمرة جائزة فى جميع السنة بلا كراهة إلا فى خمسة أيام، لا فرق فى ذلك بين المكى والآفاقى (غنية الناسك)

عمرہ کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ یہ پورے سال میں لوگ جب چاہیں، کر سکتے ہیں۔ حج کے لیے، البتہ 8/ذوالحجہ سے 13/ذوالحجہ تک کے ایام مقرر ہیں اور یہ اِنھی ایام میں ہو سکتا ہے۔ لوگوں کو اِس عبادت کے لیے چونکہ اقصائے عالم سے سرزمین عرب کے شہر مکہ پہنچنا ہوتا ہے، اِس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کے سفر کو محفوظ رکھنے کی غرض سے چار مہینے لڑنے بھڑنے اور جنگ وجدال کے لیے ممنوع قرار دیے ہیں۔ یہ مہینے رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں۔ اِن میں سے رجب کا مہینہ عمرے کے لیے اور باقی تین حج کے لیے خاص کیے گئے ہیں۔ اِن مہینوں کی یہ حرمت ہمیشہ سے قائم چلی آ رہی ہے، اِس معاملے میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

عمرہ کی شرعی حیثیت کا بیان:

(وَالْعُمْرَةُ سُنَّةٌ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : فَرِيضَةٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْعُمْرَةُ فَرِيضَةٌ كَفَرِيضَةِ الْحَجِّ) وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ . " الْحَجُّ فَرِيضَةٌ

وَالْعُمْرَةُ تَطَوُّعٌ " ؛ وَلِأَنَّهَا غَيْرُ مُؤَقَّتَةٍ بِوَقْتٍ وَتَتَأَدَّى بِنِيَّةِ غَيْرِهَا كَمَا فِي فَائِتِ الْحَجِّ ، وَهَذِهِ أَمَارَةُ النَّفْلِيَّةِ .

وَتَأْوِيلُ مَا رَوَاهُ أَنَّهَا مُقَدَّرَةٌ بِأَعْمَالٍ كَالْحَجِّ إذْ لَا تَثْبُتُ الْفَرْضِيَّةُ مَعَ التَّعَارُضِ فِي الْآثَارِ .قَالَ (وَهِيَ الطَّوَافُ وَالسَّعْيُ) وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي بَابِ التَّمَتُّعِ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

اور عمرہ سنت ہے جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ فرض ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عمرہ فرض ہے۔ جس طرح حج فرض ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حج فرض ہے جبکہ عمرہ تطوع (نفل) ہے۔ لہذا عمرے کو کسی وقت کے مقید نہیں کیا گیا۔ اور وہ غیر کی نیت سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔ جس طرح فائت الحج میں ہے اور یہ نفل کی علامت ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ روایت کی تاویل یہ ہے کہ عمرہ اعمال کے ساتھ اسی طرح مقرر ہے۔ جس طرح حج مقرر ہے۔ لہذا التعارض آثار کے ساتھ فرضیت ثابت نہ ہوگی۔ اور فرمایا: عمرہ صرف طواف وسعی ہے اور اسے ہم نے باب التمتع میں ذکر کر دیا ہے اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

شرح

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب فرمایا کہ لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے تو اقرع بن حابس کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہر سال (حج کرنا فرض ہوا ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر چہ میں اس حج کے (ہر سال فرض ہونے کے سوال) کے بارے میں ہاں کہہ دیتا تو یقیناً (ہر سال حج کرنا) واجب (یعنی فرض) ہو جاتا تو نہ تم اس حکم پر عمل کر پاتے اور نہ تم اس کی استطاعت ہی رکھتے، حج پوری زندگی میں بشرط قدرت ایک ہی مرتبہ فرض ہے ہاں جو شخص ایک بار سے زیادہ کرے وہ نفل ہوگا (جس پر اسے بہت زیادہ ثواب ملے گا)۔ (احمد، نسائی، دارمی)

عمرہ واجب نہیں ہے بلکہ عمر بھر میں ایک مرتبہ سنت مؤکدہ ہے عمرہ کے لئے کسی خاص زمانہ کی شرط نہیں ہے، جیسا کہ حج کے لئے ہے بلکہ جس وقت چاہے کر سکتا ہے اسی طرح ایک سال میں کئی مرتبہ بھی عمرہ کیا جا سکتا ہے، البتہ غیر قارن کو ایام حج میں عمرہ کرنا مکروہ ہے ایام حج کا اطلاق یوم عرفہ یوم نحر اور ایام تشریق پر ہوتا ہے۔ عمرہ کا رکن طواف ہے اور اس میں دو چیزیں واجب ہیں ایک تو صفا و مروہ کے درمیان سعی اور دوسرے سر منڈوانے یا بال کتروانا۔ جو شرائط اور سنن وآداب حج کے ہیں وہی عمرہ کے بھی ہیں۔

عمرے وجوب یا عدم وجوب میں فقہی مذاہب کا بیان:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جس بندے پر حج فرض ہے دونوں میں روایات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ اس پر عمرہ بھی واجب ہے۔ اور یہ ایک روایت

حضرت عمر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، سعید بن میسب، طاؤس، ثوری، اسحاق، مجاہد، حسن، ابن سیرین، شعبی رضی اللہ عنہم اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ عمرہ واجب نہیں ہے۔ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے حضرت امام مالک، ابو ثور اور اصحاب رائے نے اسی طرح کہا ہے۔ اور یہ حدیث پیش کی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا عمرہ واجب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ عمرہ کرنا افضل ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت ہے اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ نے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: حج جہاد ہے اور عمرہ نفل ہے۔ اس کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ کیونکہ عمرہ غیر موقت نسک ہے لہذا یہ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سال میں کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے نزدیک (فقہاء مالکیہ) عمرہ واجب ہے کیونکہ دلیل یہ ہے"'' یہاں عمرے کا عطف حج پر ڈالا گیا ہے۔ اور امر وجوب کا تقاضہ کرتا ہے اور معطوف علیہ اور معطوف حکم میں برابری کا تقاضہ کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عمرہ قرینہ کتاب اللہ میں قرینہ حج میں سے ہے۔ حضرت رزین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میرے والد گرامی بوڑھے ہیں جو حج اور عمرے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان کی طرف سے حج اور عمرہ کرو۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بہر حال امام ترمذی کی بیان کردہ حدیث کے بارے میں امام شافعی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے اور اس قسم کی حدیث سے عمرے کا نفل ثابت نہیں ہوتا۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ اس کی اسانید صحیح نہیں ہے۔

(المغنی، ج ۳، ص ۱۶۸، بیروت)

عمرے کے عدم وجوب میں فقہ حنفی کے دلائل:

حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا تو ہمارے پاس ایک اونٹ تھا مگر ابو معقل نے اس کو راہ خدا میں دے دیا تھا ہم بیمار ہوئے اور ابو معقل اسی بیماری میں فوت ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کو تشریف لے گئے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج سے فارغ ہو کر آئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا اے ام معقل تم ہمارے ساتھ حج کے لیے کیوں نہ گئیں میں نے عرض کیا میں نے تیاری کر لی تھی لیکن ابو معقل انتقال کر گئے نیز ہمارے صرف ایک اونٹ تھا جس پر ہم حج کرتے مگر ابو معقل نے (مرتے وقت) وصیت کر دی کہ اس اونٹ کو راہ خدا میں دے دیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو تو اسی اونٹ پر حج کے لیے کیوں نہ نکلی کیونکہ حج بھی تو فی سبیل اللہ ہے خیر اب تو ہمارے ساتھ تیرا حج جاتا رہا پس تو رمضان میں عمرہ کر لے کیونکہ رمضان میں عمرہ کرنا (ثواب میں) حج کے

برابر ہے ام معقل کہا کرتی تھیں کہ حج پھر حج ہے اور عمرہ عمرہ ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے حق میں یہ فرمایا تھا (کہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے) پتہ نہیں یہ حکم میرے لیے ہی خاص تھا یا عام تھا۔ (سنن ابوداؤد)

تخصیص اوقات سے فضیلت عمرہ سے عدم وجوب کا بیان:

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ حج جہاد ہے اور عمرہ نفل ہے۔

حضرت عبداللہ بن اوفی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب عمرہ کیا ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے طواف کیا تو ہم نے آپ کے ساتھ ہی طواف کیا آپ نے نماز ادا کی تو ہم نے آپ کے ساتھ ہی نماز ادا کی اور ہم (آڑ بن کر) آپ ﷺ کو اہل مکہ سے پوشیدہ رکھتے تھے کہ کوئی آپ کو ایذاء نہ پہنچا سکے۔

حضرت وہب بن خنبش فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ حضرت ہرم بن خنبش بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔

حضرت ابو معقل سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ذی قعدہ میں عمرہ کیا۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الحج)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر عمرہ فرض یا واجب ہوتا تو اس کی فضیلت تخصیص رمضان کے ساتھ حج کی طرح ثواب میں نہ ہوتی۔ ان احادیث سے تخصیص اوقات کی بناء پر اس کے ثواب کو حج کی طرح دیا جانا خود امر کی دلیل ہے کہ عمرہ فرض نہیں ہے اور اس کی فرضیت نہ تو علی الاطلاق ہے اور نہ ہی حج کی طرح فرضیت ہے۔ لہذا ہم فقہ حنفی کی پاسبانی کرتے ہیں یہ ضرور کہیں گے۔ دیگر فقہی مذاہب سے فقہ حنفی دلائل قوی ہیں اور شریعت اسلامیہ کے فقہی مسائل میں زیادہ قریب الی الشرع ترجمانی کرنے والے مسائل اسی فقہی مذہب میں ہے۔

(۱) عدم توقیت عدم فرضیت کی دلیل:

فقہاء احناف کی یہ دلیل نہایت قوی ہے کہ اگر عمرے کا شریعت میں حکم وجوبی ہوتا تو اس میں توقیت کی شرط ضرور ہوتی جبکہ عمرہ تمام سال میں جائز ہے۔ اور اس کیلئے توقیت کا نہ پایا جانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حرم شریف میں فرض ہونے والے حج اور اس عمرے میں ضرور افتراق ہے۔ اور یہی افتراق ہی اس کے عدم وجوب کی دلیل ہے۔

(۲) تعارض آثار سقوط فرضیت کی دلیل:

ہم فقہاء احناف کی یہ دلیل بھی قرائن فقہیہ کے سب سے زیادہ قریب ہے کہ دیگر مذاہب نے جس قدر عمرے کی فرضیت یا وجوب میں آثار ذکر کیے ہیں ان میں کثیر تعارض ہے جو عمرے کی فضیلت کو بیان کرنے والا ہے اس کے وجوب کو ثابت کرنے والا نہیں ہے۔ لہذا عمرہ فرض نہیں ہے بلکہ عمرہ سنت ہے۔

(۳) اہل مکہ پر عدم وجوب عدم فرضیت کی دلیل:

ولیس علی أهل مكة عمرة نص علیه أحمد وقال : كان ابن عباس يرى العمرة واجبة ويقول : يا أهل مكة ليس عليكم عمرة إنما عمرتكم طوافكم بالبيت بهذا قال عطاء وطاوس : قال عطاء : ليس أحد من خلق الله إلا عليه حج وعمرة واجبان لا بد منهما لمن استطاع إليهما سبيلا إلا أهل مكة فإن عليهم حجة وليس عليهم عمرة من أجل طوافهم بالبيت ووجه ذلك أن ركن العمرة ومعظمها الطواف بالبيت وهم يفعلونه فاجزأ عنهم وحمل القاضی كلام أحمد على أنه لا عمرة عليهم مع الحجة لأنه يتقدم منهم فعلها فی غير وقت الحج والأمر على ما قلناه (المغنی، ج۳، ص۱۶۸، بیروت)

عمرہ فرض نہیں لہذا وہ قرض بھی نہیں:

جو علت میت کی طرف سے حج کے جائز ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے وہ علت عمرہ میں نہیں پائی جاتی لہذا فوت شدہ کی طرف سے عمرہ کو فوت شدہ کی طرف سے حج پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق یا قیاس باطل یا غلط ہے! البتہ حج بدل کی طرح عمرہ بدل کیا جا سکتا ہے اس پر نص موجود ہے۔

اس پر حج فرض ہو گیا ہو لیکن وہ زندگی بھر حج نہ کر سکے تو اسکے اولیاء اسکے ترکہ میں سے جس طرح باقی قرض ادا کریں گے ایسے ہی اللہ تعالی کا قرض حج بھی ادا کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی صورت کو قرض سے تشبیہ دی ہے۔

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَلَمْ تَحُجَّ حَتَّى مَاتَتْ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّي عَنْهَا أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَةً اقْضُوا اللَّهَ فَاللَّهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ (صحیح بخاری کتاب الحج باب الحج والنذور عن المیت)

عمرہ متعدد بار کرنے میں شوافع وحنابلہ کے دلائل:

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

عمرہ کے تکرار میں کوئی حرج نہیں، اور نبی ﷺ نے ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کرنے پر ابھارا اور ان دونوں عمروں کے مابین

وقت کی کوئی تحدید نہیں کی۔

ابن قدامہ اپنی کتاب المغنی میں کہتے ہیں: سال میں کئی ایک بار عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، علی ابن عمر، ابن عباس، انس، اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور عکرمہ، امام شافعی، سے یہ روایت کیا گیا ہے، اس لئے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی ﷺ کے حکم سے ایک ماہ میں دو بار عمرہ کیا اور اس لئے بھی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک عمرہ دوسرے عمرہ کے مابین گناہوں کا کفارہ ہے۔
(متفق علیہ)

فقہاء شوافع حنابلہ کے اس موقف پر یہ نقض وارد ہوتا ہے کہ اگر عمرہ فرض یا واجب نہیں ہے تو پھر اس کے تعدد کی اباحت کی دلیل کیا ہے۔ اور اگر وہ حج پر قیاس کریں تو پھر حج وعمرے کا فرق کیا رہ جائے گا۔ لہذا عمرہ وہ عبادت ہوئی جس کے وقت میں کوئی تعین نہ ہوا۔ تعداد میں کوئی تعین نہ ہوا۔ وجوب میں کس طرح تعین کیا جا سکتا ہے۔ لہذا فقہاء احناف کے مطابق یہ سنت ہی ہوگا۔

باب الحج عن الغیر

﴿یہ باب دوسروں کی طرف سے حج کرنے کے بیان میں ہے﴾

باب الحج عن الغیر کی فقہی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔مصنف جب نفس حج اوراس کے عوارض کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب انہوں نے حج کی نیابت کے طور پر طریقہ حج بیان کیا ہے۔جس طرح دوسروں کی طرف سے کیا جاتا ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ،۵،ص۳۹۴،حقانیہ ملتان)

حج میں اصل یہی ہے کہ جس پر فرض ہوا ہے وہ خود کرے جبکہ دوسرے سے حج کروانا یہ اس کی فرعی حیثیت ہے۔اور اصول یہی ہے اصل مقدم ہوتی ہے۔اور فرع اصل سے مؤخر ہوتی ہے۔لہذا مصنف نے باب کو اصل کی فرع سمجھتے ہوئے مؤخر ذکر کیا ہے۔اور اسی طرح حج خود کرنا بغیر شرائط یعنی حج کی اپنی شرائط کے سوا دیگر شرائط سے مقید نہیں ہے۔جبکہ دوسروں کی طرف سے حج کرنا یہ مزید شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔اور مشروط ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے۔اس لئے مصنف نے اس باب کو مؤخر ذکر کیا ہے۔

اہل سنت وجماعت کے نزدیک ایصال ثواب کا بیان:

الْأَصْلُ فِي هَذَا الْبَابِ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَهُ أَنْ يَجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهِ لِغَيْرِهِ صَلَاةً أَوْ صَوْمًا أَوْ صَدَقَةً أَوْ غَيْرَهَا عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ ، لِمَا رُوِيَ (عَنْ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَنَّهُ ضَحَّى بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَحَدُهُمَا عَنْ نَفْسِهِ وَالْآخَرُ عَنْ أُمَّتِهِ مِمَّنْ أَقَرَّ بِوَحْدَانِيَّةِ اللَّهِ تَعَالَى وَشَهِدَ لَهُ بِالْبَلَاغِ) جَعَلَ تَضْحِيَةَ إحْدَى الشَّاتَيْنِ لِأُمَّتِهِ .

ترجمہ:

اہل سنت وجماعت کے نزدیک اس باب میں قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ انسان اپنے عمل میں اختیار رکھتا ہے کہ وہ دوسرے کو ثواب پہنچائے۔خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ ہو یا صدقہ ہو یا اس کے علاوہ ہو۔کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس طرح کے دو مینڈھوں کی قربانی کی کہ ان سیاہی میں کچھ سفیدی ملی ہوئی تھی۔ان میں سے ایک اپنی طرف سے جبکہ دوسرا اپنی امت کے ان افراد کی طرف سے تھا جنہوں نے اللہ وحدانیت کا اقرار کیا اور آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دی۔لہذا آپ ﷺ نے دو بکریوں میں ایک بکری کی قربانی اپنی امت کی طرف سے کی۔

دوسروں کی طرف سے حج کرنے میں احادیث کا بیان:

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے انہوں نے کہا فضل بن عباس ؓ (حجۃ الوداع میں) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے اتنے میں خثعم قبیلے کی ایک عورت آئی فضل اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت فضل کو دیکھنے لگی نبی کریم ﷺ فضل کا منہ دوسری طرف پھیرنے لگے اس عورت نے کہا یا رسول اللہ ﷺ "اللہ نے جو اپنے بندوں پر حج فرض کیا تو ایسے وقت کہ میرا باپ نہایت بوڑھا ہے۔اور وہ اونٹنی پر جم نہیں سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ قصہ حج وداع کا ہے۔

(صحیح بخاری،رقم الحدیث ۱۵۱۴)

اگر کسی صاحب پر حج فرض تھا حج کی ادائیگی سے پہلے اُن کا انتقال ہوجائے اور اُنہوں نے حج کے متعلق وصیت نہیں کی تو ایسے صاحب کی جانب سے اگر ان کے ورثہ میں سے کوئی ان کی جانب سے حج کریں تو اس مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حج کو فرض حج کے قائم مقام کردے اور مرحوم کی جانب سے حج کی فرضیت ساقط ہوجائے ہاں ورثہ کے علاوہ غیر وارث کوئی شخص حج کرے تو نفل حج ہوگا فریضہ کی ادائیگی نہ ہوگی۔

اگر آپ کے والد پر حج فرض تھا جیسا کہ آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے کہ سفر حج کی تیاری ہوچکی تھی ان کا انتقال ہوگیا اور انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی وصیت نہیں کی تھی ایسی صورت میں ورثہ میں کوئی حج بدل کرلیں تو ان کی جانب سے ان شاء اللہ تعالیٰ فرض حج ادا ہوجائے گا والد یا والدہ کی جانب سے حج کرنا اولاد کے لئے بڑی سعادت وخوش بختی عظیم فضیلت وثواب کا باعث ہے۔

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں۔

عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حج عن ابیہ او امہ فقد قضی عنہ حجتہ و کان لہ فضل عشر حجج .

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے والد یا والدہ کی جانب سے حج کیا یقیناً اس نے ان کی جانب حج ادا کرلیا اور اسے دس حج کی ادائیگی کی فضیلت حاصل ہے۔(سنن الدار قطنی کتاب الحج حدیث نمبر: 2641)

امام طبرانی کی معجم اوسط میں روایت ہے:

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم من حج عن والدیہ او قضی عنہما مغرما بعثہ اللہ یوم القیامۃ مع الابرار .

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے ماں باپ کی جانب سے حج کیا یا ان کی جانب سے قرض ادا کیا اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن نیکوکاروں کے ساتھ مبعوث فرمائے گا۔

(معجم اوسط طبرانی حدیث نمبر: 7800) ردالمختار کتاب الحج باب الحج عن الغیر میں ہے

الذی تحصل لنا من مجموع ما قررناه ان من اهل بحجة عن شخصين ، فإن امراه بالحج وقع حجه عن نفسه البتة ، وإن عين احدهما بعد ذلك . وله بعد الفراغ جعل ثوابه لهما او لاحدهما ، وإن لم يامراه فكذلك إلا إذا كان وارثا وكان على الميت حج الفرض ولم يوص به فيقع عن الميت عن حجة الإسلام للامر دلالة وللنص ، بخلاف ما إذا اوصى به لان غرضه ثواب الإنفاق من ماله ، فلا يصح تبرع الوارث عنه

امام بخاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ میری والدہ نے حج کی منت مانی تھی لیکن وہ حج نہ کرسکیں اور ان کا انتقال ہوگیا تو کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ان کی طرف سے تو حج کر۔ کیا تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو تم اسے ادا نہ کرتیں؟ اللہ تعالیٰ کا قرضہ تو اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرنا بہت ضروری ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب العمرہ)

دار قطنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو اپنے والدین کی طرف سے حج کرے یا ان کی طرف سے تاوان ادا کرے، روزِ قیامت ابرار کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔ (دار قطنی، ۲۵۸۵)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمایا: "جو اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے تو اُن کا حج پورا کر دیا جائے گا اور اُس کے لیے دس حج کا ثواب ہے۔ (دار قطنی، ۲۵۸۴)

زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کوئی اپنے والدین کی طرف سے حج کریگا تو مقبول ہوگا اور اُن کی رُوحیں خوش ہوں گی اور یہ اللہ (عزوجل) کے نزدیک نیکو کار لکھا جائیگا۔ (دار قطنی، ۲۵۸۷)

ابو حفص کبیر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا، کہ ہم اپنے مُردوں کی طرف سے صدقہ کرتے اور اُن کی طرف سے حج کرتے اور ان کے لیے دُعا کرتے ہیں، آیا یہ اُن کو پہنچتا ہے؟ فرمایا: "ہاں بیشک ان کو پہنچتا ہے اور بے شک وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جیسے تمھارے پاس طبق میں کوئی چیز ہدیہ کی جائے تو تم خوش ہوتے ہو۔ (مسلک متقسط)

صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، کہ ایک عورت نے عرض کی، یا رسول اللہ! (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میرے باپ پر حج فرض ہے اور وہ بہت بوڑھے ہیں کہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتے کیا میں اُن کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا: "ہاں۔ (مسلک متقسط)

ابوداود وترمذی ونسائی ابی رزین عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یا رسول اللہ! (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میرے باپ بہت بوڑھے ہیں حج وعمرہ نہیں کرسکتے اور ہودج پر بھی نہیں

بیٹھ سکتے۔ فرمایا: "اپنے باپ کی طرف سے حج وعمرہ کرو۔

دوسروں کی طرف سے حج کرنے میں فقہاء اربعہ کا مذہب:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حج کے دوران) ایک شخص کو سنا کہ وہ شبرمہ کی طرف سے لبیک کہہ رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ شبرمہ کون ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میرا بھائی ہے یا کہا کہ میرا اقریبی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم اپنی طرف سے حج کرچکے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پہلے تم اپنی طرف سے حج کرو پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرنا۔ (شافعی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ جو شخص پہلے اپنا فرض حج نہ کرچکا ہو اس کو دوسرے کی طرف سے حج کرنا درست نہیں ہے، چنانچہ یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے۔

حضرت امام اعظم اور حضرت امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ دوسرے کی طرف سے حج کرنا درست ہے چاہے خود اپنا فریضہ حج ادا نہ کرپایا ہو۔ لیکن ان حضرات کے نزدیک بھی اولیٰ یہی ہے کہ پہلے اپنا حج کرے اس کے بعد دوسرے کی طرف سے حج کرے چنانچہ ان کے مسلک کے مطابق اس حدیث میں پہلے اپنا حج کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ استحباب کے طور پر ہے وجوب کے طور پر نہیں ہے۔ ویسے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے یا یہ کہ منسوخ ہے اس لئے انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ہے۔

زندہ یا میت کی طرف سے حج کا اجیر بنانے میں اہل تشیع کا نظریہ:

میت کی جانب سے حج واجب یا مستحب کے لئے کسی شخص کو اجیر کرنا جائز ہے، لیکن زندہ شخص کی جانب سے فقط مستحبی حج کے لئے کسی کو اجیر کیا جاسکتا ہے، مگر وہ لوگ کہ جن پر حج واجب ہے اور کوتاہی کے سبب حج بجا نہیں لائے اور فی الوقت بیماری یا پیری و ناتوانی کی وجہ سے حج پر قادر نہیں ہیں، ایسی صورت میں ان لوگوں پر نائب کرنا واجب ہے، لیکن اگر ایسے وقت استطاعت مالی میسر ہوئی کہ استطاعت جسمانی سے محروم ہے، یا راستہ اس کے لئے مسدود ہے تو حج اس پر واجب نہیں ہے اور نائب کرنا بھی واجب نہیں ہے، نہ حیات میں، نہ اس کی موت کے بعد

مسئلہ ۔ جس شخص پر حج مستقر اور متعین ہوا، یعنی سال اول ہر رخ سے استطاعت رکھنے کے باوجود حج پر نہیں گیا، اگر بعد میں بیماری یا پیری کی وجہ سے حج پر جانے کی قدرت سے ہاتھ دھو بیٹھے یا اس کے لئے بہت پر مشقت ہو تو ایسی صورت میں کسی کو نائب کرنا واجب ہے البتہ شرط یہ ہے کہ آئندہ اور مستقبل میں اچھا ہونے اور قدرت پیدا کرنے کی امید نہ رکھتا ہو، اور احتیاط واجب یہ ہے کہ اوّلین فرصت میں اس کام کو انجام دے

مسئلہ ۔ اگر کوئی شخص کئی سالوں سے مستطیع ہے اور فی الوقت موجودہ کسالت کے پیش نظر ہوائی جہاز کا سفر اس کے لئے میسر نہیں ہے اور ہوائی جہاز کے علاوہ دوسرا اور کوئی وسیلہ اس کے لئے فراہم نہیں ہے تو بہبودی کی امید نہ رکھنے کی صورت میں کسی کو اپنے

حج کے نیابت دینا واجب ہے۔ (توضیح المسائل، باب نیابتی حج)

قرآن کی روشنی میں ایصال ثواب کا ثبوت و تحقیق:

قرآن مجید کی آیات میں سے بہت سی آیات سے یہ استدلال ثابت ہے۔ کہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے کا اسلام حکم دیتا ہے۔ یہ بھلائی دنیاوی ہو اخروی ہو دونوں طرح سے حسن سلوک کرنا نیکی ہے۔ اسی طرح فوت شدہ مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا بہترین طریقہ ایصال ثواب ہے۔

(۱) فوت شدہ مسلمانوں کیلئے دعا کرنے کا حکم:

وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

اور وہ جو ان کے بعد آئے۔ عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ۔ اے رب ہمارے بیشک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے۔

اس آیت میں غور کریں کہ دوسروں کیلئے دعا کو بیان کیا گیا ہے۔ اور اس میں عموم ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا فوت شدہ ہوں۔ جب حکم عموم کے بیان ہوا اور اس کے عموم پر یعنی جب فوت شدہ کو ثواب پہنچنے کا حکم ثابت ہو رہا ہے۔ اور احادیث متواترہ بھی دوسروں کو ثواب پہنچانے پر حجت ہوں تو اس حکم میں کوئی شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ یقیناً اس اعتقاد کو اپنانا قرآن وسنت کے تعلیمات کے عین مطابق ہوگا۔ کہ دوسروں کو ثواب پہنچتا ہے۔ البتہ احادیث سے ایسے دلائل بھی موجود ہیں جو اوقات کی تخصیص کا فائدہ دیتے ہیں۔ جس طرح نماز میں سو مسلمان یا چالیس مسلمان یا مسلمانوں کی تین صفوں کی فضیلت کہ ان کی دعا سے فوت ہونے والا بخشا جائے گا۔

(۲) آنے والے زمانے میں پیدا ہونے والی اولاد کیلئے دعا کا حکم:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ☆ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ☆ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۔(ابراھیم، ۴۰)

اے میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو۔ اے ہمارے رب اور میری دعا سن لے۔ اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔

احادیث کی روشنی میں ایصال ثواب کا ثبوت و تحقیق:

(۱) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ان کی والدہ فوت ہوگئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا؟ میری ماں فوت ہوگئی ہے کیا میں اسکی طرف سے صدقہ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ کون سا صدقہ بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی پلانا۔ (احمد، نسائی)

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر میں میت کی مثال ڈوبنے والے اور فریاد کرنے والے کی طرح ہے، جو اپنے ماں باپ، بھائی یا کسی دوست کی دُعا کا منتظر رہتا ہے۔ جب اسے دُعا پہنچتی ہے تو اسے یہ دنیا جہاں کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ بیشک اہل دنیا کی دُعا سے اللہ تعالیٰ اہل قبور کو پہاڑوں کے برابر اجر عطا فرماتا ہے۔ مردوں کیلئے زندوں کا بہترین تحفہ ان کیلئے استغفار کرنا ہے۔ (بیہقی)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ جنت میں نیک آدمی کا درجہ بلند فرماتا ہے تو آدمی عرض کرتا ہے، یا اللہ! یہ درجہ مجھے کیسے حاصل ہوا؟ اللہ رب العالمین فرماتا ہے: تیرے بیٹے نے تیرے لئے استغفار کیا ہے۔ (احمد)

(۴) حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب حد زنا لگنے سے سنگسار کر دیا تو بعد از دفن جب دو دن یا تین گزر گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے جہاں صحابہ کرام بیٹھے تھے پس سلام کیا آپ ﷺ نے اور بیٹھ گئے اور صحابہ کرام کو فرمایا کہ ماعز بن مالک کی بخشش کی دعا کرو تو صحابہ کرام نے ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کی مغفرت کی دعا مانگی۔ (مسلم، جلد دوم) بفضلہٖ تعالیٰ اہل سنت وجماعت کا یہی معمول ہے۔

ساتواں:

(۵) حضرت طاوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ بے شک مردے سات دن تک اپنی قبروں میں آزمائے جاتے ہیں تو صحابہ کرام سات روز تک ان کی جانب سے کھانا کھلانا مستحب سمجھتے تھے۔ (شرح الصدور ابو نعیم فی الحلیہ) چنانچہ شیخ المحدثین حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا وتصدیق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ھفت روز۔ (اشعتہ اللمعات شرح مشکوٰۃ) اور میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کرنا چاہیئے۔

دسواں:

(۶) فرمایا دس دنوں میں قرآن ختم کرو۔ (بخاری شریف، جلد اول) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ قرآن کتنے دنوں میں پڑھا جائے فرمایا دس دنوں میں۔ (ابوداؤد مترجم جلد اول) لہذا قرآن پڑھ کر میت کو بخشنے میں کوئی حرج نہیں!

(۷) حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو سکھایا کرتے تھے کہ وہ جب قبرستان جائیں تو وہاں یہ کہیں دعا (السلام علیکم اهل الديار من المومنين والمسلمين وانا ان شاء الله للاحقون نسأل الله لنا ولكم العافية) سلامتی ہو تم پر اے گھر والے مومنین ومسلمین سے! یقیناً ہم بھی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم سے ضرور ملیں گے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے عافیت یعنی مکروہات سے نجات مانگتے ہیں۔ (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کو گھر اس لیے فرمایا ہے کہ جس طرح زندہ انسان اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہیں اسی طرح مردے اپنی اپنی قبروں میں رہتے ہیں۔

اهل الديار من المومنين والمسلمين من المومنين اهل الديار کا بیان اور اس کی وضاحت ہے اسی طرح و

المسلمین من المومنین کی تاکید کے لیے استعمال فرمایا گیا ہے۔

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے قبرستان سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبروں کی طرف روئے مبارک کر کے متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ دعا (السلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر) ۔اے قبر والو! تمہاری خدمت میں سلام پیش ہے اور اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم میں سے پہلے پہنچے ہوئے ہو اور ہم بھی تمہارے پیچھے آنے ہی والے ہیں۔امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حدیث کے الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبروں کی طرف اپنا روئے مبارک کر کے متوجہ ہوئے، میں اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی شخص اہل قبور پر سلام پیش کرے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ اس وقت اس کا منہ میت کے منہ کے سامنے ہو، اسی طرح جب دعاء مغفرت و فاتحہ خوانی وغیرہ کے لیے قبر پر کھڑا ہو تو اپنا منہ میت کے سامنے رکھے چنانچہ علماء و مجتہدین کا یہی مسلک ہے اور اسی کے مطابق تمام مسلمانوں کا عمل ہے صرف علامہ ابن حجر اس کے خلاف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مستحب ہے کہ قبر پر حاضر ہونے والا دعائے مغفرت و فاتحہ خوانی کے وقت اپنا منہ قبلہ کی طرف رکھے۔

مظہر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی میت کی زیارت اس کی زندگی کی ملاقات کی طرح ہے لہٰذا جس طرح کسی شخص کی زندگی میں اس سے ملاقات کے وقت اپنا منہ اس کے منہ کی طرف متوجہ رکھا جاتا ہے اس طرح اس کے مرنے کے بعد اس کی میت یا اس کی قبر کی زیارت کے وقت بھی اپنا منہ اس کے منہ کے سامنے رکھا جائے پھر یہ کہ کسی بھی میت کے سامنے وہی طریقہ وآداب ملحوظ رہنے چاہئیں جو اس کی زندگی میں نشست و برخاست کے وقت ملحوظ ہوتے تھے۔مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص کی ملاقات کے وقت جو اپنے کمالات و فضائل کی بنا پر عظیم المرتبت و رفیع القدر تھا ادب و احترام کے پیش نظر اس کے بالکل قریب نہیں بیٹھتا تھا بلکہ اس سے کچھ فاصلہ پر بیٹھتا تھا تو اب اس کی میت یا اس کی قبر کی زیارت کے وقت بھی وہ فاصلہ سے کھڑا رہے یا بیٹھے اور اگر اس کی زندگی میں بوقت ملاقات اس کے قریب بیٹھتا تھا کہ جب اس کی میت یا قبر کی زیارت کرے تو اس کے قریب ہی کھڑا ہو یا بیٹھے۔

جب کسی قبر کی زیارت کی جائے تو اس وقت سورۃ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد تین مرتبہ پڑھے اور اس کا ثواب میت کو بخش کر اس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔

ائمہ اربعہ کے مطابق ایصال ثواب کا ثبوت:

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور بدنی عبادتوں کے ذریعہ ایصال ثواب حدیث سے ثابت ہے اور یہی ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کی رائے ہے اور فقہاء شوافع میں سے بھی بہت سے لوگ اسی کے قائل ہیں؛ البتہ عمل کیلئے اخلاص چاہئے اور جس میں اخلاص ہو، جو عمل اخلاص سے خالی ہو وہ خود لائق ثواب نہیں اور جو عمل خود ہی لائقِ ثواب نہ ہو اس کا ثواب دوسروں کو کیوں کر ایصال کیا جا سکتا ہے؟ یہی بات مشہور فقیہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔

(رد المحتار ،ابن عابدین شامی)

حافظ سیوطی شرح الصدور میں لکھتے ہیں کہ: جمہور سلف اور ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد) کے نزدیک میت کو تلاوتِ قرآنِ کریم کا ثواب پہنچتا ہے، لیکن اس مسئلے میں ہمارے امام شافعی کا اختلاف ہے۔

انہوں نے امام قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ: شیخ عزالدین بن عبدالسلام فتویٰ دیا کرتے تھے کہ میت کو تلاوتِ قرآنِ کریم کا ثواب نہیں پہنچتا، جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے کسی شاگرد کو خواب میں ان کی زیارت ہوئی، اور ان سے دریافت کیا کہ آپ زندگی میں یہ فتویٰ دیا کرتے تھے، اب تو مشاہدہ ہو گیا ہوگا، اب کیا رائے ہے؟ فرمانے لگے کہ: میں دُنیا میں یہ فتویٰ دیا کرتا تھا، لیکن یہاں آکر جو اللہ تعالیٰ کے کرم کا مشاہدہ کیا تو اس فتویٰ سے رُجوع کرلیا، میت کو قرآنِ کریم کی تلاوت کا ثواب پہنچتا ہے۔امام محی الدین نووی شافعی شرح المہذب میں لکھتے ہیں کہ: قبر کی زیارت کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ جس قدر ہو سکے قرآنِ کریم کی تلاوت کرے، اس کے بعد اہلِ قبور کے لئے دُعا کرے، امام شافعی نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اس پر ہمارے اصحاب متفق ہیں۔فقہائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی کتابوں میں بھی ایصالِ ثواب کی تصریحات موجود ہیں، اس لئے میت کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی تو بلاشبہ دُرست ہے۔(شرح مہذب، ج۵، ص۳۱۱، بیروت)

غیر مقلدین کے اکابرین سے ایصال ثواب کا ثبوت:

غیر مقلد عالم مولوی عبدالستار لکھتا ہے۔میت کے لئے انفرادی طور پر قرآن پڑھ کے اس کا ثواب، میت کو پہنچانا چاہئے، اتفاقیہ طور پر اگر کچھ لوگ جمع ہو جائیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے مگر اس کو رسم اور رواج نہیں بنانا چاہئے، امام احمد اور امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ میت کو قرآن پڑھنے کا ثواب پہنچتا ہے، امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

وقراۃ القران عنہ فھذا فیہ قولان احدھما ینتفع بہ وھو مذھب احمد و ابی حنیفۃ۔(فتاوی ص ۳۱۵)

یعنی میت کی طرف سے قرآن پڑھنے کے بارے میں دو قول ہے، ایک قول یہ ہے کہ میت کو اس سے فائدہ ہوتا ہے اور یہی امام احمد اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔

نیز فرماتے ہیں: فاذا اھدی میت ثوابصیام اوصلاۃ او قراۃ جاز ذالک (ص ۳۲۲،) یعنی اگر میت کو روزہ، نماز یا قرآن کی تلاوت کا ثواب ہدیہ کرے تو یہ جائز ہے (فتاوی ستاریہ شائع کردہ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل کراچی)

اس تمام بحث سے ہم یہ نتیجہ اخز کرنے کے لائق ہو گئے ہیں کہ؛

۱۔مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کرنا عین اسلام ہے۔

۲۔وہ کھانے اور نعمتیں جن پر اللہ کا نام لیکر ایصال ثواب کی غرض سے حاجتمندوں کو کھلایا جاتا ہے، وہ شرعا درست ہے۔

۳۔اولیاء اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے جنکو اللہ نے سفارش و عطا کا حق دے رکھا ہے۔

۴ شفاعت کا نظریہ حقیقی ہے اور قرآن اسکا مصدق ہے۔

۵-ایصال ثواب وشفاعت کانظریہ کسی طور بھی بدعت نہیں اور اسکو بدعت کہنا ازخود بدعت ہے اور خلاف قرآن وسنت ہے۔

عبادات مالیہ وبدنیہ کے احکام کا بیان:

وَالْعِبَادَاتُ أَنْوَاعٌ : مَالِيَّةٌ مَحْضَةٌ كَالزَّكَاةِ ، وَبَدَنِيَّةٌ مَحْضَةٌ كَالصَّلَاةِ ، وَمُرَكَّبَةٌ مِنْهُمَا كَالْحَجِّ ، وَالنِّيَابَةُ تَجْرِي فِي النَّوْعِ الْأَوَّلِ فِي حَالَتَيْ الِاخْتِيَارِ وَالضَّرُورَةِ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ بِفِعْلِ النَّائِبِ ، وَلَا تَجْرِي فِي النَّوْعِ الثَّانِي بِحَالٍ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ وَهُوَ إتْعَابُ النَّفْسِ لَا يَحْصُلُ بِهِ ، وَتَجْرِي فِي النَّوْعِ الثَّالِثِ عِنْدَ الْعَجْزِ لِلْمَعْنَى الثَّانِي وَهُوَ الْمَشَقَّةُ بِتَنْقِيصِ الْمَالِ ، وَلَا تَجْرِي عِنْدَ الْقُدْرَةِ لِعَدَمِ إتْعَابِ النَّفْسِ ، وَالشَّرْطُ الْعَجْزُ الدَّائِمُ إلَى وَقْتِ الْمَوْتِ لِأَنَّ الْحَجَّ فَرْضُ الْعُمُرِ ، وَفِي الْحَجِّ النَّفْلِ تَجُوزُ الْإِنَابَةُ حَالَةَ الْقُدْرَةِ لِأَنَّ بَابَ النَّفْلِ أَوْسَعُ ، ثُمَّ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ أَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عَنْ الْمَحْجُوجِ عَنْهُ وَبِذَلِكَ تَشْهَدُ الْأَخْبَارُ الْوَارِدَةُ فِي الْبَابِ كَحَدِيثِ الْخَثْعَمِيَّةِ فَإِنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيهِ (حُجِّي عَنْ أَبِيك وَاعْتَمِرِي) .

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ : أَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عَنْ الْحَاجِّ ، وَلِلْآمِرِ ثَوَابُ النَّفَقَةِ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ بَدَنِيَّةٌ ، وَعِنْدَ الْعَجْزِ أُقِيمَ الْإِنْفَاقُ مُقَامَهُ كَالْفِدْيَةِ فِي بَابِ الصَّوْمِ .

ترجمہ:

عبادت کی اقسام ہیں۔ایک صرف مالی عبادت ہے۔جس طرح زکوۃ ہے جبکہ دوسری صرف بدنی ہے۔جس طرح نماز ہے اور تیسری ان دونوں سے مرکب ہے اور وہ حج ہے۔اور نیابت پہلی قسم میں اختیار اور ضرورت دونوں حالتوں میں جاری ہوتی ہے کیونکہ نائب کے فعل سے مقصد حاصل ہوجاتا ہے۔اور دوسری قسم میں کوئی نیابت جائز نہیں ہے۔کیونکہ اس میں مقصود نفس کا مشقت برداشت کرنا ہے اور یہ قدرت کے وقت جاری نہیں ہوتی۔اور تیسری قسم میں عجز کے وقت نیابت جاری ہوتی ہے۔اور دوسری قسم کا حکم اس لئے ہے کہ مال کی کمی سے مشقت برداشت کرنا ہے لہذا قدرت اس میں نیابت جاری نہ ہوگی۔کیونکہ نفس کو سزا دینا موجود نہ ہوگا اور شرط یعنی موت کے وقت تک عجز کا باقی رہنا ہے۔کیونکہ حج ساری عمر کا فریضہ ہے۔اور نفلی حج میں قدرت کے وقت بھی نائب بنانا جائز ہے۔کیونکہ نفل کا باب وسیع ہے۔

ظاہر مذہب یہ ہے کہ حج اس شخص کی طرف سے واقع ہوگا جس کی طرف سے کیا گیا ہے۔اور اس باب میں بیان ہونے والی تمام احادیث اسی دلیل پر موجود ہیں۔

خثعمیہ عورت کی حدیث جس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا: تو اپنے باپ کی طرف حج وعمرہ کر۔حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حج توجہ کرنے والے کی طرف سے واقع ہوگا جبکہ حکم دینے والے کیلئے خرچ کرنے کا ثواب ہے۔کیونکہ حج عبادت بدنیہ ہے اور عجز کے وقت خرچ کرنے کے قائم مقام ہوگیا جس طرح صوم کے باب میں فدے کا حکم ہے۔

شرح

مصنف کی اس عبارت میں عبادت بدنیہ کی مشقت کو بیان کیا گیا ہے اور اصول فقہ میں یہ قانون ہے کہ جس عبادت میں جس قدر مشقت ہوگی اس میں ثواب بھی اسی کی مقدار زیادہ ہوگا۔لہذا اس کا ثبوت حسب ذیل قاعدہ فقہیہ سے ہے۔

فوائد مشقت کی مقدار کے مطابق کا قاعدہ فقہیہ:

النعمة بقدر النقمة و النقمة بقدر النعمة ۔(الاشباہ والنظائر)

فوائد مشقت کی مقدار کے مطابق ہوتے ہیں اور مشقت بھی فوائد کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک انسان عبادات وریاضات میں جس قدر محنت ومشقت اٹھاتا ہے اسے ثواب ودرجہ بھی اسی کے مطابق حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح محنت وجہد بھی مسلمانوں پر اسی قدر ہے۔جس کی وہ صلاحیت رکھتے ہیں۔

اس قاعدہ کا ثبوت یہ حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث سنی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیٹھ کر نماز کا آدھا اجر ہوتا ہے ایک دن میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، میں نے اپنا ہاتھ آپ کے سر اقدس پر رکھا آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا آدھا اجر ہوتا ہے حالانکہ آپ خود بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں آپ نے فرمایا: ہاں لیکن تم مجھ جیسے کب ہو؟ (مسلم ج ۱ص ۲۵۳،قدیمی کتب خانہ کراچی)

لیلۃ القدر کے قیام پر عنائیت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے رمضان میں ایمان واحتساب کے ساتھ روزہ رکھا اس کے گذشتہ گناہ بخش دیئے گئے اور جس نے قدر کی رات ایمان واحتساب کے ساتھ قیام کیا اس کے بھی سابقہ گناہ بخش دیئے گئے (بخاری ج ۱ص ۲۷۰، قدیمی کتب خانہ کراچی)

جہاد میں بقدر مشقت فوائد:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنولحیان کی طرف لشکر بھیجا اور فرمایا: ہر دو آدمیوں

میں سے ایک جائے اور فرمایا: تم میں سے جو شخص بھی (جہاد پر) جانے والے کے اہل وعیال کی دیکھ بھال کیلئے اور اس کے گھر اور اسکے مال کی نگہبانی کیلئے بیٹھے گا اس کو جہاد پر جانے والے شخص کا آدھا اجر ملے گا۔

(مسلم ج ۲ ص ۱۳۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

دو افراد کی طرف سے حج کرنے والے کا بیان:

قَالَ (وَمَنْ أَمَرَهُ رَجُلَانِ بِأَنْ يَحُجَّ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حَجَّةً فَأَهَلَّ بِحَجَّةٍ عَنْهُمَا فَهِيَ عَنْ الْحَاجِّ وَيَضْمَنُ النَّفَقَةَ) لِأَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عَنْ الْآمِرِ حَتَّى لَا يَخْرُجَ الْحَاجُّ عَنْ حَجَّةِ الْإِسْلَامِ ، وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَمَرَهُ أَنْ يُخْلِصَ الْحَجَّ لَهُ مِنْ غَيْرِ اشْتِرَاكٍ ، وَلَا يُمْكِنُ إيقَاعُهُ عَنْ أَحَدِهِمَا لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ فَيَقَعُ عَنْ الْمَأْمُورِ ، وَلَا يُمْكِنُهُ أَنْ يَجْعَلَهُ عَنْ أَحَدِهِمَا بَعْدَ ذَلِكَ ، بِخِلَافِ مَا إذَا حَجَّ عَنْ أَبَوَيْهِ فَإِنَّ لَهُ أَنْ يَجْعَلَهُ عَنْ أَيِّهِمَا شَاءَ لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ بِجَعْلِ ثَوَابِ عَمَلِهِ لِأَحَدِهِمَا أَوْ لَهُمَا فَيَبْقَى عَلَى خِيَارِهِ بَعْدَ وُقُوعِهِ سَبَبًا لِثَوَابِهِ ، وَهُنَا يَفْعَلُ بِحُكْمِ الْآمِرِ ، وَقَدْ خَالَفَ أَمْرَهُمَا فَيَقَعُ عَنْهُ .

ترجمہ:

فرمایا: اگر ایک آدمی کو دو اشخاص نے اپنا نائب بنالیا اور دونوں میں سے ہر ایک نے اسکو حکم دیا کہ وہ میری طرف سے حج کرے۔ لہذا اس نے دونوں کی طرف سے ایک ہی حج کا تلبیہ کہا تو یہ حج نائب حج کرنے کی طرف سے ہو جائے گا۔ اور نفقہ کا ضامن وہی ہوگا۔ کیونکہ حج کا وقوع تو حکم دینے والے کی طرف ہونا ہے حتیٰ کہ حج کرنے والا فریضہ حج سے فارغ ہو جائے۔ اور جب ان دونوں میں سے ہر ایک نے حکم دیا تھا۔ تو حج دوسرے کی شمولیت کے بغیر اسی کیلئے خاص ہو گیا۔ کیونکہ اولویت کے پیش نظر ان دونوں میں سے کسی کی طرف سے بھی وقوع ممکن نہیں ہے۔ لہذا وہ مأمور کی طرف ادا ہوگا اور ایسا بھی نہیں ہو سکتا کہ نائب اس کے بعد اس کو کسی ایک جانب پھیر دے بہ خلاف اس صورت کے جب اس نے اپنے والدین کی طرف سے حج کیا تو اسے اختیار ہے والدین میں سے کسی ایک کی طرف سے کرے۔ کیونکہ وہ اپنا ثواب کسی ایک طرف ہدیہ کرنے کا مجاز ہے یا دونوں کو ہدیہ کر دے۔ لہذا وقوع حج کے بعد اس کو اختیار ہے کیونکہ نائب حکم دینے والے کے مطابق کرتا ہے۔ حالانکہ یہاں نائب نے دونوں مؤکلوں کے حکم کی مخالفت کی لہذا یہ حج نائب کی طرف سے واقع ہوگا۔

دو شخصوں کی طرف سے حج کرنے والے کیلئے اختیار و عدم اختیار کا بیان:

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ دو شخصوں نے ایک ہی کو حجِ بدل کے لیے بھیجا، اس نے ایک حج میں دونوں کی طرف سے لبیک کہا تو دونوں میں کسی کی طرف سے نہ ہوا بلکہ اس حج کرنے والے کا ہوا اور دونوں کو تاوان دے اور اب اگر چاہے کہ دونوں میں سے ایک کے لیے کر دے تو یہ بھی نہیں کرسکتا اور اگر ایک کی طرف سے لبیک کہا مگر یہ معین نہ کیا کہ کس کی طرف سے تو اگر یوہیں مبہم رکھا جب بھی کسی کا نہ ہوا اور اگر بعد میں یعنی افعال حج ادا کرنے سے پہلے معین کر دیا تو جس کے لیے کیا اُس کا ہو گیا اور اگر احرام باندھتے وقت کچھ نہ کہا کہ کس کی طرف سے ہے نہ معین نہ مبہم جب بھی یہی دونوں صورتیں ہیں۔

اور اگر ماں باپ دونوں کی طرف سے حج کیا تو اُسے اختیار ہے کہ اس حج کو باپ کے لیے کر دے یا ماں کے لیے اور اُس کا حج فرض ادا ہو گا یعنی جب کہ ان دونوں نے اُسے حکم نہ کیا اور اگر حج کا حکم دیا ہو تو اس میں بھی وہی احکام ہیں جو اوپر مذکور ہوئے اور اگر بغیر کہے اپنے آپ دو شخصوں کی طرف سے حجِ نفل کا احرام باندھا تو اختیار ہے جس کے لیے چاہے کر دے مگر اس سے اُس کا فرض ادا نہ ہو گا جب کہ وہ اجنبی ہے۔ یونہی ثواب پہنچانے کا بھی اختیار ہے بلکہ ثواب تو دونوں کو پہنچا سکتا ہے۔ (ردمحتار، کتاب الحج)

ابہام توکلیت میں مؤکلین کی مخالف کا بیان:

وَيَضْمَنُ النَّفَقَةَ إنْ أَنْفَقَ مِنْ مَالِهِمَا لِأَنَّهُ صَرَفَ نَفَقَةَ الْآمِرِ إلَى حَجِّ نَفْسِهِ ، وَإِنْ أَبْهَمَ الْإِحْرَامَ بِأَنْ نَوَى عَنْ أَحَدِهِمَا غَيْرَ عَيْنٍ ، فَإِنْ مَضَى عَلَى ذَلِكَ صَارَ مُخَالِفًا لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ ، وَإِنْ عَيَّنَ أَحَدَهُمَا قَبْلَ الْمُضِيِّ فَكَذَلِكَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ الْقِيَاسُ لِأَنَّهُ مَأْمُورٌ بِالتَّعْيِينِ ، وَالْإِبْهَامُ يُخَالِفُهُ فَيَقَعُ عَنْ نَفْسِهِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا لَمْ يُعَيِّنْ حَجَّةً أَوْ عُمْرَةً حَيْثُ كَانَ لَهُ أَنْ يُعَيِّنَ مَا شَاءَ لِأَنَّ الْمُلْتَزَمَ هُنَاكَ مَجْهُولٌ وَهَاهُنَا الْمَجْهُولُ مَنْ لَهُ الْحَقُّ .

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ الْإِحْرَامَ شُرِعَ وَسِيلَةً إلَى الْأَفْعَالِ لَا مَقْصُودًا بِنَفْسِهِ .

وَالْمُبْهَمُ يَصْلُحُ وَسِيلَةً بِوَاسِطَةِ التَّعْيِينِ فَاكْتَفَى بِهِ شَرْطًا ، بِخِلَافِ مَا إذَا أَدَّى الْأَفْعَالَ عَلَى الْإِبْهَامِ لِأَنَّ الْمُؤَدَّى لَا يَحْتَمِلُ التَّعْيِينَ فَصَارَ مُخَالِفًا

ترجمہ:

جب وہ دونوں مؤکلوں کے مال سے خرچ کرے تو وہ ضامن ہوگا اس لئے کہ اس نے مؤکلوں کا مال اپنے ذاتی حج کیلئے خرچ کیا ہے۔

اگر وکیل نے احرام کو مبہم رکھا یا اس نے دونوں میں کسی ایک طرف سے تعیین نہیں کی اور نہ تعین کی نیت کی۔ اور ابہام والی نیت کے گزر گیا اس صورت میں بھی اولویت نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے مؤکلان کی مخالفت کرنے والا ہے۔ اور اگر اس نے مناسک حج

سے پہلے ان دونوں میں سے ایک کا تعین کرلیا۔تو حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک یہی حکم ہے۔اور قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے۔کیونکہ وکیل کو معین کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔جبکہ ابہام رکھنا اس کی مخالفت ہے لہذا یہ حج خود اسی جانب سے ہو جائے گا بہ خلاف اس صورت کے جب اس نے حج وعمرہ کو متعین نہیں کیا تو اسے اختیار ہے کہ جس کیلئے پسند کرے متعین کرلے۔کیونکہ جو چیز اس نے اپنے اوپر لازم کی ہے مجہول ہے۔اور یہاں وہ بندہ مجہول ہے جس کا حق ہے۔اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ احرام مناسک حج ادا کرنے کے وسیلے سے مشروع ہوا ہے جبکہ وہ خود مقصود نہیں ہے۔اور ابہام والا احرام تعیین کیلئے وسیلہ بن سکتا ہے۔لہذا شرط کے اعتبار سے ابہام والے احرام پر اکتفاء کیا جائے گا۔بہ خلاف اس صورت کے جب ابہام کی حالت پر مناسک حج ادا کرلئے ہیں۔کیونکہ احتمال کا تعین نہ رکھنے والی چیز ادا ہوگئی ہے۔لہذا وہ مخالف ہوگیا ہے۔

ایک کی طرف سے حج اور دوسرے کی طرف سے عمرہ کرنے کا بیان:

فتاویٰ ہندیہ میں فقہائے احناف نے لکھا ہے۔

صرف حج یا صرف عمرہ کو کہا تھا اُس نے دونوں کا احرام باندھا،خواہ دونوں اُسی کی طرف سے کیے یا ایک اس کی طرف سے، دوسرا اپنی یا کسی اور کی طرف سے بہر حال اس کا حج ادا نہ ہوا تاوان دینا آئے گا۔حج کے لیے کہا تھا اُس نے عمرہ کا احرام باندھا،پھر مکہ معظمہ سے حج کا جب بھی اُس کی مخالفت ہوئی لہٰذا تاوان دے۔

حج کے لیے کہا تھا اُس نے حج کرنے کے بعد عمرہ کیا یا عمرہ کے لیے کہا تھا اس نے عمرہ کر کے حج کیا،تو اِس میں مخالفت نہ ہوئی اُس کا حج یا عمرہ ادا ہوگیا۔مگر اپنے حج یا عمرہ کے لیے جو خرچ کیا خود اس کے ذمہ ہے،بھیجنے والے پر نہیں اور اگر اُلٹا کیا یعنی جو اس نے کہا اسے بعد میں کیا تو مخالفت ہوگئی،اس کا حج یا عمرہ ادا نہ ہوا تاوان دے۔

ایک شخص نے اس سے حج کو کہا دوسرے نے عمرہ کو مگر ان دونوں نے جمع کرنے کا حکم نہ دیا تھا،اس نے دونوں کو جمع کر دیا تو دونوں کا مال واپس دے اور اگر یہ کہہ دیا تھا کہ جمع کرلینا تو جائز ہوگیا۔افضل یہ ہے کہ جسے حج بدل کے لیے بھیجا جائے،وہ حج کر کے واپس آئے اور جانے آنے کے مصارف بھیجنے والے پر ہیں اور اگر وہیں رہ گیا جب بھی جائز ہے۔حج کے بعد قافلہ کے انتظار میں جتنے دن ٹھہرنا پڑے،اِن دنوں کے مصارف بھیجنے والے کے ذمہ ہیں اور اس سے زائد ٹھہرنا ہو تو خود اس کے ذمہ مگر جب وہاں سے چلا تو واپسی کے مصارف بھیجنے والے پر ہیں اور اگر مکہ معظمہ میں بالکل رہنے کا ارادہ کرلیا تو اب واپسی کے اخراجات بھی بھیجنے والے پر نہیں۔(عالمگیری،کتاب الحج،باب الحج عن الغیر)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جس کو بھیجا وہ اپنے کسی کام میں مشغول ہوگیا اور حج فوت ہوگیا تو تاوان لازم ہے،پھر اگر سال آئندہ اس نے اپنے مال سے حج کر دیا تو کافی ہوگیا اور اگر وقوفِ عرفہ سے پہلے جماع کیا جب بھی یہی حکم ہے اور اُسے اپنے مال سے سال آئندہ حج وعمرہ کرنا ہوگا اور اگر وقوف کے بعد جماع کیا تو حج ہوگیا اور اُس پر اپنے مال سے دَم دینا لازم اور اگر غیر اختیاری آفت میں مبتلا ہوگیا تو جو کچھ

پہلے خرچ ہو چکا ہے،اُس کا تاوان نہیں مگر واپسی میں اب اپنا مال خرچ کرے۔

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جس پر حج فرض ہو یا قضا یا منّت کا حج اُس کے ذمہ ہو اور موت کا وقت قریب آ گیا تو واجب ہے کہ وصیت کر جائے۔جس پر حج فرض ہے اور نہ ادا کیا نہ وصیت کی تو بالا جماع گنہگار ہے،اگر وارث اُس کی طرف سے حج بدل کرانا چاہے تو کرا سکتا ہے۔انشاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ ادا ہو جائے اور اگر وصیت کر گیا تو تہائی مال سے کرایا جائے اگرچہ اُس نے وصیت میں تہائی کی قید نہ لگائی۔مثلاً یہ کہہ مرا کہ میری طرف سے حج بدل کرایا جائے۔

تہائی مال کی مقدار اتنی ہے کہ وطن سے حج کے مصارف کے لیے کافی ہے تو وطن ہی سے آدمی بھیجا جائے،ورنہ بیرونِ میقات جہاں سے بھی اُس تہائی سے بھیجا جا سکے۔یونہیں اگر وصیت میں کوئی رقم معیّن کر دی ہو تو اس رقم میں اگر وہاں سے بھیجا جا سکتا ہے تو بھیجا جائے ورنہ جہاں سے ہو سکے اور اگر وہ تہائی یا وہ رقم معیّن بیرونِ میقات کہیں سے بھی کافی نہیں تو وصیت باطل۔(ردالمحتار،کتاب الحج،باب الحج عن الغیر)

غیر کے حکم سے قران کرنے والے کے دم کا بیان:

قَالَ (فَإِنْ أَمَرَهُ غَيْرُهُ أَنْ يَقْرُنَ عَنْهُ فَالدَّمُ عَلَى مَنْ أَحْرَمَ) لِأَنَّهُ وَجَبَ شُكْرًا لِمَا وَفَّقَهُ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ الْجَمْعِ بَيْنَ النُّسُكَيْنِ وَالْمَأْمُورُ هُوَ الْمُخْتَصُّ بِهَذِهِ النِّعْمَةِ لِأَنَّ حَقِيقَةَ الْفِعْلِ مِنْهُ ، وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ تَشْهَدُ بِصِحَّةِ الْمَرْوِيِّ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عَنْ الْمَأْمُورِ (وَكَذَلِكَ إنْ أَمَرَهُ وَاحِدٌ بِأَنْ يَحُجَّ عَنْهُ وَالْآخَرُ بِأَنْ يَعْتَمِرَ عَنْهُ وَأَذِنَا لَهُ بِالْقِرَانِ) فَالدَّمُ عَلَيْهِ لِمَا قُلْنَا

ترجمہ:

فرمایا:اور اگر کسی شخص نے دوسرے کو حکم دیا کہ وہ اس کی طرف سے قران کرے تو قربانی اس بندے پر واجب ہوگی جس نے احرام باندھا ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ شکر ادا کرنا واجب ہے کیونکہ اسی نے اس کو حج وعمرہ جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔اور اس نعمت کے ساتھ وکیل کو خاص کیا گیا کیونکہ فعل باعتبار حقیقت اسی کی جانب سے ہے۔اور یہ مسئلہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کو حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت کیا گیا ہے کہ حج غائب کی طرف سے ہو جاتا ہے۔اور اسی طرح اگر کسی نے یہ حکم دیا کہ وہ میری طرف سے حج کرے اور کسی اور نے کہا کہ وہ میری طرف سے عمرہ کرے اور دونوں مؤکلوں نے اس کو قران کرنے کا اجازت دی ہے تو قران کا دم وکیل پر ہوگا دلیل وہی جو ہم کہہ چکے ہیں۔

شرح

اس مسئلہ کی دلیل وہی ہے جس کو شروع میں دوسروں کی طرف سے حج کرنے کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ اور اس بات کا فرق ہے۔ کہ قربانی احرام باندھنے والے پر ہوگی۔ جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ قربانی اس شخص کی طرف سے ہونی چاہیے جس کی طرف سے یہ حج قران کرنے والا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے یہاں قیاس نہیں بلکہ حج قران کرنے والے کے فعل کو حقیقت پر محمول کیا جائے گا۔ کہ حقیقت میں افعال حج وہ خود بجالانے والا ہے۔ اس مسئلہ سے اس فقہی جزئی کا ثبوت بھی ہوتا ہے کہ حج کا وقوع مأمور کی طرف کیا گیا ہے۔ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح دلیل بیان کی گئی ہے۔

میت کی طرف سے حج کرنیوالا محصر دم مال میت سے دے گا:

(وَدَمُ الْإِحْصَارِ عَلَى الْآمِرِ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ (وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : عَلَى الْحَاجِّ) لِأَنَّهُ وَجَبَ لِلتَّحَلُّلِ دَفْعًا لِضَرَرِ امْتِدَادِ الْإِحْرَامِ ، وَهَذَا رَاجِعٌ إلَيْهِ فَيَكُونُ الدَّمُ عَلَيْهِ .وَلَهُمَا أَنَّ الْآمِرَ هُوَ الَّذِي أَدْخَلَهُ فِي هَذِهِ الْعُهْدَةِ فَعَلَيْهِ خَلَاصُهُ (فَإِنْ كَانَ يَحُجُّ عَنْ مَيِّتٍ فَأُحْصِرَ فَالدَّمُ فِي مَالِ الْمَيِّتِ) عِنْدَهُمَا خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ ثُمَّ قِيلَ : هُوَ مِنْ ثُلُثِ مَالِ الْمَيِّتِ لِأَنَّهُ صِلَةٌ كَالزَّكَاةِ وَغَيْرِهَا .وَقِيلَ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ لِأَنَّهُ وَجَبَ حَقًّا لِلْمَأْمُورِ فَصَارَ دَيْنًا

ترجمہ:

احصار کا دم مؤکل پر واجب ہے اور یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے احصار کا دم حاجی یعنی وکیل پر واجب ہے۔ کیونکہ احصار کا دم حلال ہونے کیلئے واجب ہوا ہے۔ تا کہ احرام کے لمبا ہونے کا نقصان دور ہو جائے۔ لہذا یہ نقصان وکیل کی طرف لوٹایا جائے گا۔ پس دم بھی اسی پر واجب ہوگا۔ جبکہ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ مؤکل وہی بندہ ہے جس نے نائب کو ذمہ داری سونپی ہے لہذا اس کو چھڑوانا بھی مؤکل پر واجب ہے۔

اگر یہ شخص میت کی جانب سے حج کرتا ہوا محصر ہو گیا تو طرفین کے نزدیک احصار کا دم میت کے مال سے دے دینا واجب ہے جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نہیں۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ وہ میت کے تہائی مال میں سے ہوگا کیونکہ یہ صلہ ہے کیونکہ زکوٰۃ والے مسئلہ کی طرح ہو گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے احصار کا دم میت کے کل ترکہ سے دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ حق وکیل بن کر واجب ہوا ہے۔ لہذا یہ دین (قرض) ہو جائے گا۔

دم احصار کے وکیل پر وجوب میں فقہاء احناف کا اختلاف:

دم احصار کی ادائیگی آمر سے ہو یا مأمور سے ہو اس میں فقہاء احناف کا اختلاف ہے۔ طرفین کے نزدیک یہ دم آمر پر واجب ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حکم اصل کی طرف یعنی آمر ہی طرف لوٹنے والا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک احصار کا دم آمر پر نہیں بلکہ مأمور پر ہوگا۔ کیونکہ جب یہ حکم مأمور کے سپرد ہو گیا ہے اور اب اس سپردگی سے خلاصی پر اسی پر ہے لہذا اس پر دم واجب ہوگا۔ فقہاء احناف کے اس مسئلہ میں مختار مذہب کیا ہے تو اس سلسلے میں ہم جید فقیہ خاتم المحققین فی مذہب الاحناف کی حسب ذیل عبارت کا مفہوم نقل کر رہے ہیں۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور جو شخص نزدیک راستہ چھوڑ کر دُور کی راہ سے گیا، کہ خرچ زیادہ ہوا اگر اس راہ سے حاجی جایا کرتے ہیں تو اس کا اُسے اختیار ہے۔ مرض یا دشمن کی وجہ سے حج نہ کر سکا یا اور کسی طرح پر مُحصر ہوا تو اس کی وجہ سے جو دَم لازم آیا، وہ اُس کے ذمہ ہے جس کی طرف سے گیا اور باقی ہر قسم کے دَم اِس کے ذمہ ہیں۔ مثلاً سلا ہوا کپڑا پہنا یا خوشبو لگائی یا بغیر احرام میقات سے آگے بڑھا یا شکار کیا یا بھیجنے والے کی اجازت سے قران وتمتع کیا۔ (درمختار، کتاب الحج)

جماع کے دم کا حاجی پر ہونے کا بیان:

(وَدَمُ الْجِمَاعِ عَلَى الْحَاجِّ) لِأَنَّهُ دَمُ جِنَايَةٍ وَهُوَ الْجَانِي عَنْ اخْتِيَارٍ (وَيَضْمَنُ النَّفَقَةَ) مَعْنَاهُ : إذَا جَامَعَ قَبْلَ الْوُقُوفِ حَتَّى فَسَدَ حَجُّهُ لِأَنَّ الصَّحِيحَ هُوَ الْمَأْمُورُ بِهِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا فَاتَهُ الْحَجُّ حَيْثُ لَا يَضْمَنُ النَّفَقَةَ لِأَنَّهُ مَا فَاتَهُ بِاخْتِيَارِهِ.

أَمَّا إذَا جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوفِ لَا يَفْسُدُ حَجُّهُ وَلَا يَضْمَنُ النَّفَقَةَ لِحُصُولِ مَقْصُودِ الْأَمْرِ .

وَعَلَيْهِ الدَّمُ فِي مَالِهِ لِمَا بَيَّنَّا ، وَكَذَلِكَ سَائِرُ دِمَاءِ الْكَفَّارَاتِ عَلَى الْحَاجِّ لِمَا قُلْنَا

ترجمہ:

اور جماع کا دم حاجی پر واجب ہے کیونکہ وہی جنایت کرنے والا ہے اور وہ جرم کرنے والے کے اختیار سے ہے۔ اور نفقہ کا ضامن بھی ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے وقوف عرفہ سے پہلے جماع کیا یہاں تک کہ اس کا حج فاسد ہو گیا۔ اس لئے کہ اسے جس حج کا وکیل بنایا گیا تھا وہ صحیح ہے۔ بہ خلاف اس صورت کے کہ جب اس کا حج فوت ہو گیا۔ لہذا اس میں وہ نفقہ کا ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کے اختیار سے فوت نہیں ہوا ہے۔ اور اگر (نائب) وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو اس کا حج فاسد نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ نفقہ کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ مقصود مؤکل حاصل ہو چکا ہے۔ اور وکیل کے مال سے جنایت کا دم واجب ہوگا اسی دلیل کی بنیاد پر جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اسی طرح کفارے کے تمام دم اسی حاجی یعنی وکیل پر واجب ہیں۔ دلیل وہی جو ہم نے بیان کی ہے۔

شرح

اس مسئلہ کی دلیل واضح ہے کہ اگر حاجی جماع کرتا ہے تو دم اسی پر واجب ہے جس کی طرف سے وہ حج کر رہا ہے اس پر دم کا وجوب نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے اسکو حج کرنے میں وکیل یا نائب بنایا ہے۔ جماع کرنے میں تو اس کی طرف حکم یا اس کے ساتھ کوئی

معاہدہ قطعاً نہیں ہوا۔ اور نہ ایسا معاہدہ جائز ہے۔ اس مسئلہ کی دلیل حسب ذیل قاعدہ فقہیہ سے ہے۔

قاعدہ فقہیہ، ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے:

ولا تکسب کل نفس الا علیها ۔(الانعام ۱٦۴) ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے۔

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس نے جو کسب کیا چاہے اس کا تعلق بھلائی سے ہو یا برائی سے ہو اصل کے اعتبار اسکی جزاء وسزا کا وہی مستحق ہے تاہم کئی ذرائع واسباب ایسے بھی ہیں جن کی وجہ سے دوسرے افراد بھی جزاء وسزا پا۔تے ہیں۔

دوسروں کی وجہ سے سزائی اسباب:

ترجمہ:۱۔اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور کئی بوجھ اٹھائیں گے۔(العنکبوت ۱۳)

۲۔تا کہ وہ (متکبر کافر) قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ اٹھائیں اور کچھ بوجھ ان لوگوں کے اٹھائیں جنہیں وہ اپنی جہالت سے گمراہ کرتے تھے سنو؛ وہ کیا برا بوجھ ہے جسے وہ اٹھاتے ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے خون کی سزا سے ایک حصہ پہلے ابن آدم (قابیل) کو بھی ملے گا کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کرنے کی رسم اور گناہ ایجاد کیا۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث ۳۳۳۵)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمہ کی ایک چوب سے مارا۔ حالانکہ وہ اس وقت حاملہ تھی اور اس ضرب سے اس کو ہلاک کر دیا۔ ان میں سے ایک عورت بنولحیان کی تھی رسول اللہ ﷺ نے قاتلہ کے عصبات (باپ کی طرف سے رشتہ داروں) پر مقتولہ کی دیت لازم کی، اس اسکے پیٹ کے بچہ کے تاوان میں ایک باندی یا ایک غلام کا دینا لازم کیا۔ (صحیح مسلم ج ۲، ص ۵۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک آدمی یہود کی رہٹ والی زمین میں مقتول پایا گیا ،انہوں نے اس کا نبی ﷺ سے ذکر کیا آپ نے یہود کے پچاس چنے ہوئے لوگوں کو بلایا اور ہر ایک سے یہ قسم لی؛ نہ میں نے اس کو قتل کیا اور نہ مجھے اس کے قتل کا علم ہے پھر ان پر دیت لازم کر دی۔ یہود نے کہا بہ خدا یہ وہی فیصلہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تھا۔ (سنن دار قطنی ج ۴، رقم الحدیث ۲۱۹) (قواعد فقہیہ، ص، ۲٦۱، شبیر برادرز لاہور)

حج کے موصی لہ سے جب حج ادا نہ کیا گیا:

(وَمَنْ أَوْصَى بِأَنْ يُحَجَّ عَنْهُ فَأَحَجُّوا عَنْهُ رَجُلًا فَلَمَّا بَلَغَ الْكُوفَةَ مَاتَ أَوْ سُرِقَتْ نَفَقَتُهُ وَقَدْ أَنْفَقَ النِّصْفَ يُحَجُّ عَنْ الْمَيِّتِ مِنْ مَنْزِلِهِ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

رَحِمَهُ اللَّهُ (وَقَالَا : يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ مَاتَ الْأَوَّلُ) فَالْكَلَامُ هَاهُنَا فِي اعْتِبَارِ الثُّلُثِ وَفِي مَكَانِ الْحَجِّ . أَمَّا الْأَوَّلُ فَالْمَذْكُورُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ . أَمَّا عِنْدَ مُحَمَّدٍ يُحَجُّ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ مِنْ الْمَالِ الْمَدْفُوعِ إلَيْهِ إنْ بَقِيَ شَيْءٌ وَإِلَّا بَطَلَتْ الْوَصِيَّةُ اعْتِبَارًا بِتَعْيِينِ الْمُوصِي إذْ تَعْيِينُ الْوَصِيِّ كَتَعْيِينِهِ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُحَجُّ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ مِنْ الثُّلُثِ الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمَحَلُّ لِنَفَاذِ الْوَصِيَّةِ . وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ قِسْمَةَ الْوَصِيِّ وَعَزْلَهُ الْمَالَ لَا يَصِحُّ إلَّا بِالتَّسْلِيمِ إلَى الْوَجْهِ الَّذِي سَمَّاهُ الْمُوصِي لِأَنَّهُ لَا خَصْمَ لَهُ لِيَقْبِضَ وَلَمْ يُوجَدْ التَّسْلِيمُ إلَى ذَلِكَ الْوَجْهِ فَصَارَ كَمَا إذَا هَلَكَ قَبْلَ الْإِفْرَازِ وَالْعَزْلِ فَيُحَجُّ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ . وَأَمَّا الثَّانِي فَوَجْهُ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ الْقِيَاسُ أَنَّ الْقَدْرَ الْمَوْجُودَ مِنْ السَّفَرِ قَدْ بَطَلَ فِي حَقِّ أَحْكَامِ الدُّنْيَا ، قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (إذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إلَّا مِنْ ثَلَاثٍ) الْحَدِيثَ ، وَتَنْفِيذُ الْوَصِيَّةِ مِنْ أَحْكَامِ الدُّنْيَا فَبَقِيَتْ الْوَصِيَّةُ مِنْ وَطَنِهِ كَأَنْ لَمْ يُوجَدْ الْخُرُوجُ . وَجْهُ قَوْلِهِمَا وَهُوَ الِاسْتِحْسَانُ أَنَّ سَفَرَهُ لَمْ يَبْطُلْ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ) الْآيَةَ ، وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ مَاتَ فِي طَرِيقِ الْحَجِّ كُتِبَ لَهُ حَجَّةٌ مَبْرُورَةٌ فِي كُلِّ سَنَةٍ) وَإِذَا لَمْ يَبْطُلْ سَفَرُهُ اُعْتُبِرَتْ الْوَصِيَّةُ مِنْ ذَلِكَ الْمَكَانِ ، وَأَصْلُ الِاخْتِلَافِ فِي الَّذِي يَحُجُّ بِنَفْسِهِ ، وَيَنْبَنِي عَلَى ذَلِكَ الْمَأْمُورُ بِالْحَجِّ .

ترجمہ:

اور جس شخص نے یہ وصیت کی کہ اس کی طرف سے حج کروایا جائے۔ تو میت کے ورثاء نے اس کی طرف سے ایک آدمی کو حج کروا دیا۔ پس نائب جب کوفے تک پہنچا۔ تو وہ فوت ہو گیا۔ یا اس نائب کا نفقہ چوری ہو گیا جبکہ وہ نصف نفقہ خرچ کر چکا ہے۔ تو میت کی طرف سے حج کروایا جائے اس مال سے جو تہائی سے مال بچا ہوا ہے۔ یہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے۔

صاحبین نے کہا ہے کہ وہاں سے حج کروایا جائے گا جہاں پہلا نائب فوت ہوا ہے۔ لہذا اس مسئلہ میں کلام تہائی مال کے اعتبار کا اور حج کی کی جگہ میں ہے۔ اور پہلا بیان حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا قول ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک مال نائب کو دیا گیا تھا اس مال میں سے اگر کچھ باقی رہ گیا ہے تو اس بچے ہوئے مال سے

حج کروایا جائے۔ ورنہ وصیت باطل ہو جائے گی۔ لہذا موصی کے تعین پر قیاس کیا جائے گا۔ کیونکہ وصی کا تعین کرنا موصی کے تعین کی طرح ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک پہلی تہائی سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اس سے حج کروایا جائے گا۔ کیونکہ وصیت کو نافذ کرنے میں یہی تہائی محل ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ وصی کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ مال تقسیم کرے اور اس کو الگ کرے۔ لیکن جب وہ اسی جانب سپرد کرنے والا ہو جس طرف موصی نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ موصی سے کوئی جھگڑنے والا نہیں ہے جو قبضہ کر لے۔ لہذا یہ اسی جانب سپرد کرنا نہ پایا گیا تو یہ اس طرح ہو گیا جس طرح وصیت کا مال جدا ہونے اور الگ کرنے سے پہلے ہلاک ہو گیا۔ لہذا بقیہ مال کی تہائی سے حج کروایا جائے گا۔ اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے دوسرے قول کی دلیل اور قیاس بھی اسی طرح ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس سفر کی مقدار موجود ہے وہ دنیا کے احکام کے حق میں باطل ہو گئی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو سوائے تین اعمال کے اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ اور وصی کو نافذ کرنا دنیا کے احکام میں ہے۔ لہذا وصیت کے وطن میں باقی رہ گئی کیونکہ خروج نہ پایا گیا۔

صاحبین کے قول کی دلیل اور استحسان یہ ہے کہ اس کا سفر باطل نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلا۔ اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص حج کی راہ میں فوت ہو گیا تو اس کیلئے ہر سال مقبول حج لکھا جاتا ہے۔ اور جب اس کا سفر باطل نہ ہوا تو وصیت اس مقام سے اعتبار کی جائے گی۔ اور اصل اختلاف اس بندے کے بارے میں جو خود حج کرے اور اس کی بناء حج کے ساتھ مامور ہونے والے پر ہوگی۔

وصی کا حج کرنے والا جب راستے میں فوت ہو جائے تو احکام:

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جب کوئی شخص حج کو چلا اور راستہ میں یا مکہ معظمہ میں وقوفِ عرفہ سے پہلے اُس کا انتقال ہو گیا تو اگر اُسی سال اُس پر حج فرض ہوا تھا تو وصیت واجب نہیں اور اگر وقوف کے بعد انتقال ہوا تو حج ہو گیا، پھر اگر طوافِ فرض باقی ہے اور وصیت کر گیا کہ اُس کا حج پورا کر دیا جائے تو اُس کی طرف سے بدنہ کی قربانی کر دی جائے۔

اور اگر راستہ میں انتقال ہوا اور حجِ بدل کی وصیت کر گیا تو اگر کوئی رقم یا جگہ معین کر دی ہے تو اس کے کہنے کے موافق کیا جائے، اگرچہ اس کے مال کی تہائی اتنی تھی کہ اُس کے وطن سے بھیجا جا سکتا اور اس نے غیر وطن سے بھیجنے کی وصیت کی یا وہ رقم اتنی بتائی کہ اس میں وطن سے نہیں جایا جا سکتا تو گنہگار ہوا اور معین نہ کی تو وطن سے بھیجا جائے۔

اور جب وصی نے یعنی جس کو کہہ گیا کہ تو میری طرف سے حج کرا دینا، غیر جگہ سے بھیجا اور تہائی اتنی تھی کہ وطن سے بھیجا جا سکتا ہے تو یہ حج میّت کی طرف سے نہ ہوا بلکہ وصی کی طرف سے ہوا، لہٰذا میّت کی طرف سے یہ شخص دوبارہ اپنے مال سے حج کرائے مگر جب کہ وہ جگہ جہاں سے بھیجا ہے وطن سے قریب ہو کہ وہاں جا کر رات کے آنے سے پہلے واپس آ سکتا ہو تو ہو جائے گا۔

اور اگر اس کا مال اس قابل نہیں کہ وطن سے بھیجا جائے تو جہاں سے ہو سکے بھیجیں، پھر اگر حج کے بعد کچھ بچ رہا جس سے معلوم ہوا کہ اور ادھر سے بھیجا جا سکتا تھا تو وصی پر اس کا تاوان ہے، لہٰذا دوبارہ حجِ بدل وہاں سے کرائے جہاں سے ہو سکتا تھا مگر جب کہ بہت تھوڑی مقدار بچی مثلاً توشہ وغیرہ ہے۔

اگر اس کے لیے وطن نہ ہو تو جہاں انتقال ہوا وہاں سے حج کو بھیجا جائے اور اگر متعدد وطن ہوں تو ان میں جو جگہ مکہ معظمہ سے زیادہ قریب ہو وہاں سے۔

جسے حج کرنے کو بھیجا وقوفِ عرفہ سے پیشتر اس کا انتقال ہو گیا یا مال چوری گیا پھر جو مال باقی رہ گیا، اُس کی تہائی سے دوبارہ وطن سے حج کرنے کے لیے کسی کو بھیجا جائے اور اگر اتنے میں وطن سے نہیں بھیجا جا سکتا تو جہاں سے ہو سکے اور اگر دوسرا شخص بھی مر گیا یا پھر مال چوری ہو گیا تو اب جو کچھ مال ہے، اس کی تہائی سے بھیجا جائے اور یکے بعد دیگرے یوہیں کرتے رہیں، یہاں تک کہ مال کی تہائی اس قابل نہ رہی کہ اس سے حج ہو سکے تو وصیت باطل ہو گئی اور اگر وقوفِ عرفہ کے بعد مرا تو وصیت پوری ہو گئی۔

(ردمحتار، کتاب الحج)

جس نے حج میں والدین کی طرف سے تلبیہ کہا:

قَالَ (وَمَنْ أَهَلَّ بِحَجَّةٍ عَنْ أَبَوَيْهِ يَجْزِيهِ أَنْ يَجْعَلَهُ عَنْ أَحَدِهِمَا) لِأَنَّ مَنْ حَجَّ عَنْ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إذْنِهِ فَإِنَّمَا يَجْعَلُ ثَوَابَ حَجِّهِ لَهُ ، وَذَلِكَ بَعْدَ أَدَاءِ الْحَجِّ فَلَغَتْ نِيَّتُهُ قَبْلَ أَدَائِهِ ، وَصَحَّ جَعْلُهُ ثَوَابَهُ لِأَحَدِهِمَا بَعْدَ الْأَدَاءِ ، بِخِلَافِ الْمَأْمُورِ عَلَى مَا فَرَّقْنَا مِنْ قَبْلُ ، وَاَللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ .

ترجمہ:

اور جس شخص نے اپنے والدین کی جانب سے حج کا تلبیہ کہا تو اس کیلئے والدین میں سے کسی ایک جانب سے حج کو کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اگر کسی بندے نے اپنے غیر کی طرف سے حج کیا تو اس کیلئے ثواب ہوگا خواہ اس کی اجازت کے بغیر ہو۔ اور یہ مسئلہ حج ادا کر لینے کے بعد ہے۔ لہذا حج ادا کرنے سے پہلے اس کی نیت فضول جائے گی۔ البتہ حج ادا کرنے کے بعد ان دونوں میں سے کسی ایک طرف سے حج کرنا صحیح ہے۔ بہ خلاف اس مامور کے جس کا فرق ہم نے پہلے کر دیا ہے۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے

شرح

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف کا قول کہ ہم نے فرق بیان کر دیا ہے اس سے ان کا ارادہ یہ ہے کہ اس دونوں والدین میں سے کسی ایک طرف سے حج کرنا ثواب والا عمل ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۲۸۵، بیروت)

باب الہدی

﴿یہ باب حج والے کیلئے قربانی کرنے کے بیان میں ہے﴾

باب الہدی کی فقہی مطابقت کا بیان:

مصنف جب حج کے بیان سے فارغ ہوئے ہیں کیونکہ حج کے احکام کثیر ہیں۔ تو اس کے بعد انہوں نے ہدی کا باب شروع کیا ہے۔ اس باب میں ہدی اور اس اقسام کو بیان کیا گیا ہے۔ دیوان میں ہے کہ ہدی اسے کہتے ہیں جس کو حرم کی طرف چلایا جائے۔ خواہ وہ بکری ہو یا گائے ہو یا اونٹ ہو۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص ۴۱۲، حقانیہ ملتان)

ہدی کی تعریف اور اس کا مصداق:

ہدی ہا کے زبر اور دال کے سکون کے ساتھ، ان چوپایوں کو کہتے ہیں جو حرم میں طلب ثواب کی خاطر ذبح کئے جاتے ہیں، وہ بکری دنبہ، بھیڑ ہوں خواہ گائے، بھینس بیل اور خواہ اونٹ ہوں، اور عمر وغیرہ کی جو شرائط قربانی کے جانوروں میں ہوتی ہیں وہی ہدی میں بھی ہوتی ہیں۔ بکری اور اس کی مانند دوسرے جانور جیسے دنبہ اور بھیڑ کی قربانی یوں تو ہر موقع پر جائز ہے لیکن اگر کوئی شخص حالت جنابت یا حیض میں طواف الزیارۃ کرے یا کوئی شخص وقوف عرفات کے بعد سر منڈانے سے پہلے ہی جماع کرے تو اس صورت میں بطور کفارہ و جزاء قربانی کے لئے بکری کا ذبح کرنا کافی ہوگا بلکہ بدنہ یعنی اونٹ یا گائے کی قربانی کرنی ہوگی۔

ہدی کی دو قسمیں ہیں: (۱) واجب (۲) تطوع یعنی نفل، پھر ہدی واجب کی کئی قسمیں ہیں۔ ہدی قران، ہدی تمتع، ہدی جنایات، ہدی نذر اور ہدی احصار۔

ہدی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بندہ بارگاہ حق جل مجدہ میں اس جانور کی قربانی کا ہدیہ بھیجتا ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرتا ہے اس مناسبت سے اس جانور کو ہدی کہتے ہیں۔

ہدی کے مدراج واقسام کا بیان:

(الْهَدْيُ أَدْنَاهُ شَاةٌ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ الْهَدْيِ فَقَالَ : أَدْنَاهُ شَاةٌ) قَالَ (وَهُوَ مِنْ ثَلَاثَةِ أَنْوَاعٍ : الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ) لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا جَعَلَ الشَّاةَ أَدْنَى فَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَعْلَى وَهُوَ الْبَقَرُ وَالْجَزُورُ ، وَلِأَنَّ الْهَدْيَ مَا يُهْدَى إلَى الْحَرَمِ لِيُتَقَرَّبَ بِهِ فِيهِ ، وَالْأَصْنَافُ الثَّلَاثَةُ سَوَاءٌ فِي هَذَا الْمَعْنَى

ترجمہ:

قربانی کم از کم بکری کی ہے۔ اسی دلیل کی بنیاد پر جو روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ہدی کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کم از کم بکری ہے۔ فرمایا اس کی تین اقسام ہیں۔ (۱) اونٹ (۲) گائے (۳) بکری کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کم از کم بکری کو ضروری قرار دیا ہے۔ پس اس کیلئے اعلیٰ ضروری ہے وہ گائے اور اونٹ ہیں۔ کیونکہ ہدی وہ ہے جس کو حرم تک قرب کیلئے لایا جائے۔ اور اس کے ساتھ حرم میں قرب حاصل کیا جائے۔ اور اس مفہوم میں تینوں اقسام برابر ہیں۔

قرآن وسنت کے مطابق ہدی کے جانوروں کا بیان:

(وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ☆ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ☆لَنْ يَّنَالَ اللهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ

اور قربانی کے اونٹ، گائے ہم نے تمھارے لیے اللہ (عزوجل) کی نشانیوں سے کیے، تمھارے لیے ان میں بھلائی ہے تو اُن پر اللہ (عزوجل) کا نام لو، ایک پاؤں بندھے، تین پاؤں سے کھڑے پھر جب اُن کی کروٹیں گر جائیں تو اُن میں سے خود کھاؤ اور قناعت کرنے والے اور بھیک مانگنے والے کو کھلاؤ۔ یوہیں ہم نے ان کو تمھارے قابو میں کر دیا کہ تم احسان مانو، اللہ (عزوجل) کو ہرگز نہ اُن کے گوشت پہنچتے ہیں، نہ اُن کے خون، ہاں اُس تک تمھاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔ یوہیں اُن کو تمھارے قابو میں کر دیا کہ تم اللہ (عزوجل) کی بڑائی بولو، اُس پر کہ اُس نے تمھیں ہدایت فرمائی اور خوشخبری پہنچا دو نیکی کرنے والوں کو۔

(الدرالمختار" ، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

(۱) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی، کہتی ہیں: میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قربانیوں کے ہار اپنے ہاتھ سے بنائے پھر حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اُن کے گلوں میں ڈالے اور اُن کے کوہان چیرے اور حرم کو روانہ کیں۔ (بخاری ومسلم، کتاب الحج)

(۲) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دسویں ذی الحجہ کو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے ایک گائے ذبح فرمائی۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ کہ ازواجِ مُطہرات کی طرف سے حج میں گائے ذبح کی۔

(۳) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا: کہ "جب تو مجبور ہو جائے تو ہدی پر معروف کے ساتھ سوار ہو، جب تک دوسری سواری نہ ملے۔ ومسلم، کتاب الحج)

(۴) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سولہ اونٹ ایک شخص کے ساتھ حرم کو بھیجے۔ انھوں نے عرض کی، ان میں سے اگر کوئی تھک جائے تو کیا کروں؟ فرمایا: "اُسے نحر کر دینا اور خون سے اُس کے پاؤں رنگ

دینا اور پہلو پر اُسکا چھاپا لگا دینا اور اس میں سے تم اور تمھارے ساتھیوں میں سے کوئی نہ کھائے۔ (مسلم، کتاب الحج)

(۵) علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی قربانی کے جانوروں پر مامور فرمایا اور مجھے حکم فرمایا: کہ " گوشت اور کھالیں اور جُھول تصدق کردوں اور قصاب کو اس میں سے کچھ نہ دوں۔ فرمایا کہ ہم اُسے اپنے پاس سے دیں گے۔ (مسلم، کتاب الحج)

(۶) حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ پانچ یا چھ اونٹ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خدمت میں قربانی کے لیے پیش کیے گئے، وہ سب حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے قریب ہونے لگے کہ کس سے شروع فرمائیں (یعنی ہرایک کی یہ خواہش تھی کہ پہلے مجھے ذبح فرمائیں یا اس لیے کہ پہلے جسے چاہیں ذبح فرمائیں) پھر جب اُن کی کروٹیں زمین سے لگ گئیں تو فرمایا: "جو چاہے ٹکڑا لے لے۔" (سنن ابوداود، کتاب الحج)

<u>ہدی کے جانور وہی ہیں جو قربانی کے ہیں:</u>

(وَلَا يَجُوزُ فِي الْهَدَايَا إِلَّا مَا جَازَ فِي الضَّحَايَا) لِأَنَّهُ قُرْبَةٌ تَعَلَّقَتْ بِإِرَاقَةِ الدَّمِ كَالْأُضْحِيَّةِ فَيَتَخَصَّصَانِ بِمَحَلٍّ وَاحِدٍ

(وَالشَّاةُ جَائِزَةٌ فِي كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا فِي مَوْضِعَيْنِ : مَنْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ جُنُبًا . وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ فِيهِمَا إِلَّا الْبَدَنَةُ) وَقَدْ بَيَّنَّا الْمَعْنَى فِيمَا سَبَقَ

<u>ترجمہ:</u>

اور وہی جانور ہدایا میں جائز ہیں جو ضحایا میں جائز ہیں۔ کیونکہ ہدی بھی ثواب میں اضحیہ کی طرح ہے کیونکہ وہ بھی خون بہانے سے متعلق ہے۔ لہذا دو تخصیصات ایک محل میں جمع ہوگئیں۔ اور بکری دو جگہوں کے سوا ہر مقام پر جائز ہے۔ (۱) جس نے جنابت کی حالت میں طواف زیارت کیا (۲) جس نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا۔ کیونکہ ان دونوں مقامات کیلئے صرف بدنہ جائز ہے اور اس کی دلیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

شرح

گائے اور اونٹ کی قربانی میں سات لوگ شریک ہوسکتے ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ (کے مقام) میں ہم لوگوں نے اونٹ اور گائے دونوں کو سات سات آدمیوں کی طرف سے قربانی کیا تھا۔

(ابن ماجہ، السنن، کتاب الأضاحی، باب عن کم تجزی البدنة والبقرة، 3 : 536، رقم : (3132)

<u>قربانی کے وجوب وسنت ہونے میں مذاہب اربعہ کا بیان:</u>

قربانی دین اسلام کا ایک شعار اور علامت ہے، جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل میں مذکور ہے کہ: جب کسی علاقے کے باشندے قربانی کرنا چھوڑ دیں تو اس بنا پر ان سے لڑائی جائے گی کیونکہ یہ دین اسلام کا ایک شعار اور علامت ہے۔

علماء کرام اس کے حکم کے بارہ میں دو قسموں میں تقسیم ہوتے ہیں: علماء کرام کا ایک گروہ تو اسے واجب قرار دیتا ہے ان میں امام اوزاعی، للیث، امام ابوحنیفہ، اور امام احمد کی ایک روایت شامل ہیں، اور ابن تیمیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ تعالی کے مسلک کا بھی ایک قول یا ظاہر مذھب یہی ہے۔

اس قول کے قائلین کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

1 اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: (پس تو اپنے رب کے لیے نماز ادا کر اور قربانی کر) سورۃ الکوثر اور یہ فعل امر ہے اور امر وجوب کا متقاضی ہے۔

-2 صحیحین وغیرہ میں جندب رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جس نے بھی نماز عید کی ادائیگی سے قبل قربانی کرلی اسے چاہیے کہ وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے ذبح نہیں کی وہ اللہ تعالی کا نام لے کر ذبح کرے) صحیح مسلم حدیث نمبر (3621)۔

-3 ابوھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو استطاعت رکھنے کے باوجود قربانی نہیں کرتا وہ ہماری عیدگاہ کے نزدیک نہ آئے) مسند احمد، سنن ابن ماجہ، امام حاکم رحمہ اللہ تعالی نے اسے صحیح کہا ہے اور فتح الباری میں ہے کہ اس کے رجال ثقات ہیں۔

۔علماء کرام کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے، امام شافعی کا مسلک یہی ہے، اور امام مالک، اور امام احمد سے مشہور ہے، لیکن اس قول کے بہت سے قائلین کا کہنا ہے کہ طاقت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرنے والے کیلیے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

اس قول کے قائلین کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

-1 سنن ابوداود کی مندرجہ ذیل حدیث: جابر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید الاضحیٰ کی نماز ادا کی اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو دو مینڈھے لائے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ذبح کرتے ہوئے کہا: بسم اللہ واللہ اکبر، اے اللہ یہ میری جانب سے اور میری امت میں سے قربانی نہ کرنیوالے کی جانب سے ہے۔ سنن ابوداود بشرح محمد شمس الحق عظیم آبادی (7/486)۔

-2 امام بخاری کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت کی روایت کردہ حدیث: (تم میں سے جو بھی قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائے)۔

نفلی، تمتع اور قران کی قربانی سے کھانے کا بیان:

(وَيَجُوزُ الْأَكْلُ مِنْ هَدْيِ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ) لِأَنَّهُ دَمُ نُسُكٍ فَيَجُوزُ الْأَكْلُ مِنْهَا بِمَنْزِلَةِ الْأُضْحِيَّةِ ، وَقَدْ صَحَّ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ مِنْ لَحْمِ هَدْيِهِ وَحَسَا مِنْ الْمَرَقَةِ) وَيُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا لِمَا رَوَيْنَا ، وَكَذَلِكَ يُسْتَحَبُّ أَنْ يَتَصَدَّقَ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي عُرِفَ فِي الضَّحَايَا (وَلَا يَجُوزُ الْأَكْلُ مِنْ بَقِيَّةِ الْهَدَايَا) لِأَنَّهَا دِمَاءُ كَفَّارَاتٍ ، وَقَدْ صَحَّ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أُحْصِرَ بِالْحُدَيْبِيَةِ وَبَعَثَ الْهَدَايَا عَلَى يَدَيْ نَاجِيَةَ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ لَهُ : لَا تَأْكُلْ أَنْتَ وَرُفْقَتُكَ مِنْهَا شَيْئًا)

ترجمہ:

نفلی، تمتع اور قران کی ہدی کھانا اپنے لئے جائز ہے کیونکہ یہ نسک کی قربانی ہے۔لہذا اضحیہ کی طرح اس سے کھانا جائز ہے۔اور صحیح یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ہدی میں سے گوشت تناول فرمایا اور شوربے میں سے نوش فرمایا تھا۔حج کرنے والے کیلئے مستحب ہے کہ ان قربانیوں میں خود کھائے اسی حدیث کے پیش نظر جو ہم نے روایت کی ہے۔اور اسی طرح مستحب یہ ہے قربانیوں والے طریقے پر صدقہ کرے۔جو معلوم ہو چکا ہے۔اور جو باقی ہدایا ہیں ان سے کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ کفارے کی قربانیاں ہیں اور صحیح طور پر وہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب حدیبیہ میں محصر ہوئے تو آپ ﷺ نے ہدایا کو ناجیہ اسلمی کو دیکر بھیجا اور ان سے فرمایا: کہ تم اس میں کچھ نہ کھانا اور تیرے ساتھی اس میں سے کچھ کھالیں۔

قربانی کا گوشت خود کھانے میں فقہی مذاہب کا بیان:

قربانی کرنے والے کے لیے سب سے پہلے خود کھانا مستحب ہے جب اس کے لیے ایسا کرنا ممکن ہو تو وہ پہلے خود کھائے کیونکہ حدیث میں ہے:(ہر شخص اپنی قربانی میں سے کھائے) یہ حدیث صحیح ہے،(صحیح الجامع حدیث نمبر(5349)

اور اہل علم کا قول ہے کہ نماز عید اور خطبہ کے بعد کھانا چاہیے،ان میں علی،ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہم،امام مالک،امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ شامل ہیں،اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے: بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر میں کھانے کے بغیر نہیں نکلتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرنے سے قبل نہیں کھاتے تھے۔

(مشکوۃ المصابیح (452/1)

- قربانی ذبح کرنے میں افضل تو یہ ہے کہ قربانی کرنے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے،لیکن اگر وہ نہیں کرسکتا وہ اس کے لیے کسی دوسرے سے ذبح کرنا بھی مستحب ہے۔

- ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہم کہتے ہیں کہ: قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا مستحب ہے،ایک تہائی کھانے کے لیے،اور ایک تہائی تحفہ اور ھدیہ دینے کے لیے،اور ایک تہائی صدقہ کرنے کے لیے۔

اور جیسا کہ علماء کرام اس پر متفق ہیں نہ تو قربانی کا گوشت بیچنا جائز ہے اور نہ ہی اس کی چربی،اور کھال وغیرہ،اور صحیح حدیث میں ہے کہ: جس نے اپنی قربانی کی کھال بیچ ڈالی اس کی قربانی ہی نہیں۔اسے صحیح الجامع میں حسن قرار دیا گیا ہے

(صحیح الجامع حدیث نمبر(6118)

اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ قصائی کو بھی اس میں سے بطور اجرت کچھ نہیں دیا جائے گا،کیونکہ علی رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں قربانی کے جانوروں کی نگرانی کروں اور ان کے گوشت،کھالوں اور جھول کو صدقہ کردوں اور ذبح کرنے والے قصائی کو اس میں سے کچھ بھی نہ دوں،اور وہ کہتے ہیں ہم اسے اپنی جانب سے دیتے تھے۔

(متفق علیہ)

ہدی یوم نحر میں ذبح کیا جائے خواہ وہ نفلی،تمتع وقران کی ہو:

(وَلَا يَجُوزُ ذَبْحُ هَدْيِ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ إلَّا فِي يَوْمِ النَّحْرِ) قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ (وَفِي الْأَصْلِ يَجُوزُ ذَبْحُ دَمِ التَّطَوُّعِ قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ ، وَذَبْحُهُ يَوْمَ النَّحْرِ أَفْضَلُ وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ) لِأَنَّ الْقُرْبَةَ فِي التَّطَوُّعَاتِ بِاعْتِبَارِ أَنَّهَا هَدَايَا وَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ بِتَبْلِيغِهَا إلَى الْحَرَمِ ، فَإِذَا وُجِدَ ذَلِكَ جَازَ ذَبْحُهَا فِي غَيْرِ يَوْمِ النَّحْرِ ، وَفِي أَيَّامِ النَّحْرِ أَفْضَلُ لِأَنَّ مَعْنَى الْقُرْبَةِ فِي إرَاقَةِ الدَّمِ فِيهَا أَظْهَرُ ، أَمَّا دَمُ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ) وَقَضَاءُ التَّفَثِ يَخْتَصُّ بِيَوْمِ النَّحْرِ ، وَلِأَنَّهُ دَمُ نُسُكٍ فَيَخْتَصُّ بِيَوْمِ النَّحْرِ كَالْأُضْحِيَّةِ (وَيَجُوزُ ذَبْحُ بَقِيَّةِ الْهَدَايَا فِي أَيِّ وَقْتٍ شَاءَ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَجُوزُ إلَّا فِي يَوْمِ النَّحْرِ اعْتِبَارًا بِدَمِ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ ، فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ دَمُ جَبْرٍ عِنْدَهُ . وَلَنَا أَنَّ هَذِهِ دِمَاءُ كَفَّارَاتٍ فَلَا تَخْتَصُّ بِيَوْمِ النَّحْرِ لِأَنَّهَا لَمَّا وَجَبَتْ لِجَبْرِ النُّقْصَانِ كَانَ التَّعْجِيلُ بِهَا أَوْلَى لِارْتِفَاعِ النُّقْصَانِ بِهِ مِنْ غَيْرِ تَأْخِيرٍ ، بِخِلَافِ دَمِ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ لِأَنَّهُ دَمُ نُسُكٍ

ترجمہ:

نفلی ہدی تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی صرف ایام نحر میں دینا جائز ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مبسوط میں ہے کہ نفلی ہدی یوم نحر سے پہلے دینا جائز ہے۔ جبکہ یوم نحر میں افضل ہے۔ اور صحیح روایت یہی ہے۔ کیونکہ نفل میں ثواب اس لحاظ سے ہے کہ وہ ہدی ہے اور ہدی کا ہونا اسے حرم میں پہنچانے سے حاصل ہوگا۔ پھر جب اس نے ہدی پالی تو اس یوم نحر کے سوا میں ذبح کرنا جائز ہے۔ ہاں ایام نحر میں فضیلت ہے۔ اس لئے خون بہانے میں قربت کا حکم ان ایام میں ظاہر ہے۔ اور تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ''اس قربانی سے تم کھاؤ اور پریشان حال فقیر کو بھی کھلاؤ پھر آلودگی دور کرو'' اور آلودگی دور کرنا جس طرح ناخن تراشنا ہے یہ یوم نحر کے ساتھ خاص ہیں۔ کیونکہ دم تمتع اور قران کا دم نسک کی قربانی ہے۔ لہذا وہ بھی یوم نحر کے ساتھ خاص ہوگی جس طرح عام قربانی یوم نحر کے ساتھ خاص ہے۔

بقیہ قربانیوں کا ذبح کرنا جس وقت وہ پسند کرے جائز ہے جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یوم نحر کے سوا جائز نہیں ہے۔ اس کو دم قران اور دم تمتع پر قیاس کیا جائے گا کیونکہ ان کے نزدیک ہر ایک دن نقصان کو پورا کرنے کیلئے واجب ہوا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ کفارات کے دم ہیں لہذا یوم نحر کے ساتھ خاص نہ ہوں گے لہذا جب ان دموں کو نقصان پورا کرنے کیلئے واجب کیا گیا ہے تو ان میں جلدی افضل ہے۔ تاکہ تاخیر کیے بغیر ان سے نقصان کا حکم اٹھ جائے۔ بہ خلاف دم تمتع اور دم قران کے کیونکہ یہ نسک کی قربانی ہے۔

ہدی کو حرم میں ذبح کرنے کا استدلالی بیان:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو یہ حکم دیا کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر اپنی ہدی کے ان جانوروں کے عوض ذبح کریں جو انہوں نے واقعہ حدیبیہ کے سال ذبح کئے تھے۔ (مشکوۃ المصابیح)

اس حکم گرامی کا مطلب یہ تھا کہ صحابہ نے واقعہ حدیبیہ کے موقعہ پر عمرہ سے احصار کی صورت پیش آ جانے کی وجہ سے ہدی کے جو جانور ذبح کئے تھے سال آئندہ عمرۃ القضا کے موقع پر ان جانوروں کے بدلے دوسرے جانور حرم پہنچ کر ذبح کریں تاکہ ہدی کا حرم میں ذبح ہونا واقع ہو جائے کیونکہ احصار کی ہدی کا جانور حرم ہی میں ذبح کیا جاتا ہے جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔ لیکن مذکورہ بالا حکم کا یہ مطلب اس صورت میں ہے جب کہ یہ بات ثابت ہو کہ واقعہ حدیبیہ کے موقع پر ہدی کے جانور حرم سے باہر ذبح کیے گئے تھے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ہدی کے وہ جانور حرم ہی میں ذبح ہوئے تھے کیونکہ حدیبیہ کا اکثر حصہ حدود حرم میں واقع ہے (جیسا کہ باب کی پہلی حدیث کی تشریح کے ضمن میں ایک قول نقل کیا گیا تھا) تو پھر واقعہ حدیبیہ کے موقع پر ذبح کیے گئے جانوروں کے عوض دوسرے جانور ذبح کرنے کے اس حکم کا تعلق صرف احتیاط اور حصول فضیلت سے ہوگا اور کہا جائے گا کہ یہ حکم محض استحباب کے طور پر ہے۔

مساکین حرم پر صدقہ کرنے کے جواز کا بیان:

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ ذَبْحُ الْهَدَايَا إلَّا فِي الْحَرَمِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى فِي جَزَاءِ الصَّيْدِ (هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ) فَصَارَ أَصْلًا فِي كُلِّ دَمٍ هُوَ كَفَّارَةٌ ، وَلِأَنَّ الْهَدْيَ اسْمٌ لِمَا يُهْدَى إلَى مَكَانٍ وَمَكَانُهُ الْحَرَمُ .قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ ، وَفِجَاجُ مَكَّةَ كُلُّهَا مَنْحَرٌ) (وَيَجُوزُ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِهَا عَلَى مَسَاكِينِ الْحَرَمِ وَغَيْرِهِمْ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ الصَّدَقَةَ قُرْبَةٌ مَعْقُولَةٌ ، وَالصَّدَقَةُ عَلَى كُلِّ فَقِيرٍ قُرْبَةٌ .

ترجمہ:

امام قدوری علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ حرم کے سوا ذبح کرنا ہدایا کا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ شکار مارنے کی جزاء کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ہدی کعبہ پہنچنے والی ہو۔ لہذا ہر وہ قربانی جو کفارے کے طور پر یہ قول اس کیلئے اصل ہے اور ہدی وہ چیز ہے جو مکان کی طرف بھیجی۔ اور اس کی جگہ حرم ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا منیٰ سارا قربانی کی جگہ ہے۔ اور مکہ کی راہیں ساری قربانی کی جگہیں ہیں۔ اور قربانی کے گوشت کو حرم وغیر حرم کے مساکین پر صدقہ کرنا جائز ہے۔ بہ خلاف حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے کیونکہ صدقہ معقول ثواب ہے اور ہر فقیر پر صدقہ کرنا ثواب ہے۔

شرح

ہدی کا گوشت حرم کے مساکین کو دینا بہتر ہے، اس کی نکیل اور جُھول کو خیرات کر دیں اور قصاب کو اس کے گوشت میں سے کچھ نہ دیں۔ ہاں اگر اُسے بطور تصدق دیں تو حرج نہیں۔

ہدی کے جانور پر بلاضرورت سوار نہیں ہو سکتا نہ اس پر سامان لاد سکتا ہے اگرچہ نفل ہو اور ضرورت کے وقت سوار ہوا یا سامان لادا اور اس کی وجہ سے اُس میں کچھ نقصان آیا تو اتنا محتاجوں پر تصدق کرے۔ (فتاویٰ شامی، کتاب الحج)

ہدایا کی شہرت میں عدم وجوب کا بیان:

قَالَ (وَلَا يَجِبُ التَّعْرِيفُ بِالْهَدَايَا) لِأَنَّ الْهَدْيَ يُنْبِئُ عَنْ النَّقْلِ إلَى مَكَانٍ لِيَتَقَرَّبَ بِإِرَاقَةِ دَمِهِ فِيهِ لَا عَنْ التَّعْرِيفِ فَلَا يَجِبُ ، فَإِنْ عُرِفَ بِهَدْيِ الْمُتْعَةِ فَحَسَنٌ لِأَنَّهُ يَتَوَقَّتُ بِيَوْمِ النَّحْرِ فَعَسَى أَنْ لَا يَجِدَ مَنْ يُمْسِكُهُ فَيَحْتَاجُ إلَى أَنْ يُعَرَّفَ بِهِ ، وَلِأَنَّهُ دَمُ نُسُكٍ فَيَكُونُ مَبْنَاهُ عَلَى التَّشْهِيرِ بِخِلَافِ دِمَاءِ الْكَفَّارَاتِ لِأَنَّهُ يَجُوزُ ذَبْحُهَا قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا وَسَبَبُهَا الْجِنَايَةُ فَيَلِيقُ بِهَا السَّتْرُ .

ترجمہ:

فرمایا: ہدایا کی شہرت واجب نہیں ہے کیونکہ کسی جگہ کی طرف منتقل کرنا ہی صرف ہدی کی خبر دینے والا عمل ہے۔ تاکہ اس سے خون بہا والی قربت حاصل کی جائے۔ جبکہ تعریف سے نہیں ہے لہذا تعریف واجب نہ ہوئی۔ اور اگر اس نے تمتع کی ہدی کی تعریف کی تو اچھی بات ہے کیونکہ تمتع کی ہدی کو ذبح کرنے کا حکم نحر کے دن کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اسے کوئی اس طرح شخص مل جائے تو اس کو روک دے۔ تو پھر وہ عرفات کی طرف لے جانے کا محتاج ہوگا۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ تمتع کی ہدی نسک کی ہدی ہے۔ لہذا اس کی تشہیر ضروری ہے۔ جبکہ کفارات کی قربانیوں میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ ان کو یوم نحر سے پہلے ذبح کرنا جائز ہے۔ اسی دلیل کی بنیاد پر جس کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اور اس کا سبب جنایت ہے جس میں خفا ہی مناسب ہے۔

شرح

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف کا قول کہ ہدایا کی تعریف واجب نہیں ہے یعنی جب وہ ان کو عرفات کی طرف لانے والا ہو۔ اور مصنف کا قول ''علی ماذکرنا'' سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کفارات کی قربانیاں نقصان کو پورا کرنے کیلئے واجب ہوئی ہیں۔ لہذا ان کو پہلے کرنا افضل ہے۔ تاکہ نقصان والا حکم ان سے اٹھ جائے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۲۹، بیروت)

بدنہ میں نحر جبکہ بقر وغنم میں ذبح کے افضل ہونے کا بیان:

قَالَ (وَالْأَفْضَلُ فِي الْبُدْنِ النَّحْرُ وَفِي الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الذَّبْحُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) قِيلَ فِي تَأْوِيلِهِ الْجَزُورُ ، وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى (أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً) وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ) وَالذِّبْحُ مَا أُعِدَّ لِلذَّبْحِ ، وَقَدْ صَحَّ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحَرَ الْإِبِلَ وَذَبَحَ الْبَقَرَ وَالْغَنَمَ ،) ثُمَّ إنْ شَاءَ نَحَرَ الْإِبِلَ فِي الْهَدَايَا قِيَامًا وَأَضْجَعَهَا ، وَأَيُّ ذَلِكَ فَعَلَ فَهُوَ حَسَنٌ ، وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَنْحَرَهَا قِيَامًا لِمَا رُوِيَ (أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحَرَ الْهَدَايَا قِيَامًا) ، وَأَصْحَابُهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ كَانُوا يَنْحَرُونَهَا قِيَامًا مَعْقُولَةَ الْيَدِ الْيُسْرَى ، وَلَا يَذْبَحُ الْبَقَرَ وَالْغَنَمَ قِيَامًا لِأَنَّ فِي حَالَةِ الِاضْطِجَاعِ الْمَذْبَحَ أَبْيَنُ فَيَكُونُ الذَّبْحُ أَيْسَرَ وَالذَّبْحُ هُوَ السُّنَّةُ فِيهِمَا .

ترجمہ:

فرمایا: اونٹ میں نحر افضل جبکہ گائے بکری میں ذبح افضل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اپنے رب کی نماز پڑھو اور

نحر (قربانی) کرو۔ اس کی تاویل میں کہا ہے کہ جزور سے مراد اونٹ ہے اور اللہ کا ارشاد ''تم گائے کو ذبح کرو'' اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ''ہم نے اس کو ذبح عظیم کے ساتھ فدیہ دیا'' اور ذبح کا حکم اس جانور کیلئے ہے جو ذبح کیلئے میسر ہو۔ اور صحیح یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اونٹ کا نحر کیا اور گائے بکری کو ذبح کیا۔ اس کے بعد اگر وہ چاہے تو اونٹ کو قربانیوں میں کھڑا کر کے یا بٹھا کر نحر کرے یا جو طریقہ اختیار کرے ان میں سے وہی اچھا ہے۔ جبکہ فضیلت اس میں ہے کہ اس کو کھڑا کر کے نحر کرے۔ کیونکہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانیوں کو کھڑا کر کے نحر کیا اور نبی کریم ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اونٹوں کو کھڑا کر کے اس طرح نحر کرتے کہ ان کا ایک ہاتھ باندھ دیتے تھے۔ جبکہ گائے بکری کو کھڑا کر کے ذبح نہ کرے کیونکہ اس کو لٹا کر ذبح کرنے کا حکم بڑا واضح ہے۔ اور ذبح کرنا آسان بھی ہے اور دونوں میں ذبح ہی سنت ہے۔

نحر کا لغوی مفہوم:

نحر کے اصل معنی اونٹ کے حلقوم میں چھری یا نیزہ مار کر اسے ذبح کرنا۔ دوسرے جانوروں کو زمین پر لٹا کر ان کے گلوں پر چھری پھیری جاتی ہے اسے ذبح کرنا کہتے ہیں۔ لیکن یہاں نحر سے مراد مطلق قربانی ہے، علاوہ ازیں اس میں بطور صدقہ وخیرات جانور قربان کرنا، حج کے موقعے پر منیٰ میں اور عید الاضحیٰ کے موقعے پر قربانی کرنا، سب شامل ہیں۔

اونٹ کے نحر کا طریقہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا، انہوں نے اس سے فرمایا کہ اس اونٹ کو کھڑا کر دو اور اس کا بایاں پاؤں باندھو اور اس طرح اونٹ کو نحر کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے طریقہ کو اختیار کرو۔ (بخاری ومسلم)

اونٹ کے سینہ میں برچھی مارنے کو نحر کہتے ہیں اور گائے وغیرہ کا گلا چھری سے کاٹنا ذبح کہلاتا ہے لہذا اونٹ کو تو نحر کرنا افضل ہے اور گائے بیل، بھینس، بھیڑ اور بکری کو ذبح کرنا افضل ہے۔

نحر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنا افضل ہے اور اگر کھڑا نہ کیا جا سکے تو پھر بٹھا کر نحر کرنا لٹا کر نحر کرنے سے افضل ہے۔ جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں ان کو بائیں پہلو پر لٹا کر ذبح کرنا چاہئے۔

قرآن کریم سے بھی یہی ثابت ہے کہ اونٹ کو نحر کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے۔ آیت (فصل لربك وانحر) الکوثر)۔ اللہ تعالیٰ کے واسطے نماز پڑھو اور نحر کرو۔ اس آیت کی تفسیر میں اونٹ کو نحر کرنا لکھا گیا ہے۔ ذبح کرنے کے بارے میں یہ آیت کریمہ ہے ۔ (اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً) 2۔البقرۃ 67:)۔ یہ کہ گائے کو ذبح کرو۔

ہر اونٹ گائے جو قربانی کے لئے مقرر کر دیا جائے۔ وہ بدن میں داخل ہے۔ گو بعض لوگوں نے صرف اونٹ کو ہی بدن کہا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اونٹ تو ہے ہی گائے بھی اس میں شامل ہے حدیث میں ہے کہ جس طرح اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے

قربان ہوسکتا ہے اسی طرح گائے بھی۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح مسلم شریف میں روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم اونٹ میں سات شریک ہوجائیں اور گائے میں بھی سات آدمی شرکت کرلیں۔ امام اسحاق بن راہویہ وغیرہ تو فرماتے ہیں ان دونوں جانوروں میں دس دس آدمی شریک ہوسکتے ہیں

مسند احمد اور سنن نسائی میں ایسی حدیث بھی آئی ہے۔ واللہ اعلم پھر فرمایا ان جانورں میں تمہارا اخروی نفع ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بقرہ عید والے دن انسان کا کوئی عمل اللہ کے نزدیک قربانی سے زیادہ پسندیدہ نہیں۔ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت انسان کی نیکیوں میں پیش کیا جائے گا۔ یادرکھو قربانی کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں پہنچ جاتا ہے پس ٹھنڈے دل سے قربانیاں کرو (ابن ماجہ ترمذی)

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ تو قرض اٹھا کر بھی قربانی کیا کرتے تھے اور لوگوں کے دریافت کرنے پر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہیں اس میں تمہارا بھلا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کسی خرچ کا فضل اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہ نسبت اس خرچ کے جو بقرہ عید والے دن کی قربانی پر کیا جائے ہرگز افضل نہیں۔ (دارقطنی)

پس اللہ فرماتا ہے تمہارے لئے ان جانوروں میں ثواب ہے نفع ہے ضرورت کے وقت دودھ پی سکتے ہو سوار ہوسکتے ہو پھر ان کی قربانی کے وقت اپنا نام پڑھنے کی ہدایت کرتا ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے عید الضحیٰ کی نماز رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی نماز سے فراغت پاتے ہی سامنے مینڈھا لایا گیا جسے آپ نے دعا (بسم اللہ واللہ اکبر) پڑھ کر ذبح کیا پھر کہا اے اللہ یہ میری طرف سے ہے اور میری امت میں سے جو قربانی نہ کرسکے اس کی طرف سے ہے (احمد داؤد ترمذی)

فرماتے ہیں عید والے دن آپ کے پاس دو مینڈھے لائے گئے انہیں قبلہ رخ کرکے آپ نے دعا (وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لاشریك له وبذلك امرت وانا اول المسلمین اللهم منك ولك عن محمد وامته) پڑھ کر بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر ذبح کرڈالا۔

حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھے موٹے تازے تیار عمدہ بڑے سینگوں والے چتکبرے خریدتے، جب نماز پڑھ کر خطبے سے فراغت پاتے ایک جانور آپ کے پاس لایا جاتا آپ وہیں عیدگاہ میں ہی خود اپنے ہاتھ سے اسے ذبح کرتے اور فرماتے اللہ تعالیٰ یہ میری ساری امت کی طرف سے ہے جو بھی توحید وسنت کا گواہ ہے پھر دوسرا جانور حاضر کیا جاتا جسے ذبح کرکے فرماتے یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد کی طرف سے ہے پھر دونوں کا گوشت مسکینوں کو بھی دیتے اور آپ اور آپ کے گھر والے بھی کھاتے۔ (احمد ابن ماجہ)

صواف کے معنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اونٹ کو تین پیروں پر کھڑا کرکے اس کا بایاں ہاتھ باندھ کر دعا (بسم الله والله اکبر لااله الا الله اللهم منك ولك) پڑھ کر اسے نحر کرنے کے کئے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو

دیکھا کہ اس نے اپنے اونٹ کو قربان کرنے کے لئے بٹھایا ہے تو آپ نے فرمایا اسے کھڑا کردے اور اس کا پیر باندھ کر اسے نحر کر یہی سنت ہے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اونٹ کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا کرکے ہی نحر کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلیمان بن عبدالملک سے فرمایا تھا کہ بائیں طرف سے نحر کیا کرو۔ حجتہ الوداع کا بیان کرتے ہوئے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر کئے آپ کے ہاتھ میں حربہ تھا جس سے آپ زخمی کررہے تھے۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں صوافن ہے یعنی کھڑے کرکے پاؤں باندھ کر صواف کے معنی خالص کے بھی کئے گئے ہیں یعنی جس طرح جاہلیت کے زمانے میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرتے تھے تم نہ کرو، صرف اللہ واحد کے نام پر ہی قربانیاں کرو۔ پھر جب یہ زمین پر گرپڑیں یعنی نحر ہوجائیں ٹھنڈے پڑجائیں تو خود کھاؤ اوروں کو بھی کھلاؤ نیزہ مارتے ہی ٹکڑے کاٹنے شروع نہ کرو جب تک روح نہ نکل جائے اور ٹھنڈا نہ پڑجائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ روحوں کے نکالنے میں جلدی نہ کرو صحیح مسلم کی حدیث میں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ سلوک کرنا لکھ دیا ہے دشمنوں کو میدان جنگ میں قتل کرتے وقت بھی نیک سلوک رکھو اور جانوروں کو ذبح کرتے وقت بھی اچھی طرح سے نرمی کے ساتھ ذبح کرو چھری تیز کرلیا کرو اور جانور کو تکلیف نہ دیا کرو۔ فرمان ہے کہ جانور میں جب تک جان ہے اور اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے تو اس کا کھانا حرام ہے۔ (احمد ابوداؤد ترمذی)

پھر فرمایا اسے خود کھاؤ بعض سلف تو فرماتے ہیں یہ کھانا مباح ہے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہے مستحب ہے اور لوگ کہتے ہیں واجب ہے۔ اور مسکینوں کو بھی دو خواہ وہ گھروں میں بیٹھنے والے ہوں خواہ وہ دربدر سوال کرنے والے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ قانع تو وہ ہے جو صبر سے گھر میں بیٹھا رہے اور معتر وہ ہے جو سوال تو نہ کرے لیکن اپنی عاجزی مسکینی کا اظہار کرے۔ یہ بھی مروی ہے کہ قانع وہ ہے جو مسکین ہو آنے جانے والا۔ اور معتر سے مراد دوست اور ناتواں لوگ اور وہ پڑوسی جو گو مالدار ہوں لیکن تمہارے ہاں جو آئے جائے اسے وہ دیکھتے ہوں۔ وہ بھی ہیں جو طمع رکھتے ہوں اور وہ بھی جو امیر فقیر موجود ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قانع سے مراد اہل مکہ ہیں۔

امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ قانع سے مراد تو سائل ہے کیونکہ وہ اپنا ہاتھ سوال کے لئے دراز کرتا ہے۔ اور معتر سے مراد وہ جو ہیر پھیر کرے کہ کچھ مل جائے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنے چاہئیں۔ تہائی اپنے کھانے کو، تہائی دوستوں کے دینے کو، تہائی صدقہ کرنے کو۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے تمہیں قربانی کے گوشت کو جمع کرکے رکھنے سے منع فرمادیا تھا کہ تین دن سے زیادہ تک نہ روکا جائے اب میں اجازت دیتا ہوں کہ کھاؤ جمع کرو جس طرح چاہو۔

اگر وہ خود ذبح کرنا جانتا ہے تو قربانی کو خود ذبح کرنا افضل ہے

قَالَ (وَالْأَوْلَى أَنْ يَتَوَلَّى ذَبْحَهَا بِنَفْسِهِ إذَا كَانَ يُحْسِنُ ذَلِكَ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاقَ مِائَةَ بَدَنَةٍ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَنَحَرَ نَيِّفًا وَسِتِّينَ بِنَفْسِهِ ، وَوَلَّى الْبَاقِيَ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ) ، وَلِأَنَّهُ قُرْبَةٌ وَالتَّوَلِّي فِي الْقُرُبَاتِ أَوْلَى لِمَا فِيهِ مِنْ زِيَادَةِ الْخُشُوعِ ، إلَّا أَنَّ الْإِنْسَانَ قَدْ لَا يَهْتَدِي لِذَلِكَ وَلَا يُحْسِنُهُ فَجَوَّزْنَا تَوْلِيَتَهُ غَيْرَهُ .

ترجمہ:

افضل یہ ہے کہ خود ذبح کرے جبکہ وہ اچھی طرح کرسکتا ہے کیونکہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک سو بدنہ لائے اور ساٹھ سے زائد کا نحر آپ ﷺ نے خود کیا اور بقیہ کی ذمہ داری حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو سپرد کی کیونکہ نحر کرنا ایک ثواب ہے اور اطاعت میں خود عمل کرنا افضل ہے۔ کیونکہ اس میں عجز زیادہ ہے۔ البتہ جب اس کو رہنمائی حاصل نہ ہو جس کی وجہ سے وہ اچھی طرح نہ کرسکتا ہو۔ لہذا ہم نے دوسرے کو اس کام میں نائب بنانا جائز قرار دیا ہے۔

قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا چاہیے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دنبوں کی جو سینگوں والے (یعنی جن کے سینگ لمبے تھے یا یہ کہ سینگ ٹوٹے ہوئے نہ تھے) اور ابلق (یعنی سیاہ رنگ کے) تھے قربانی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر (خود) اپنے ہاتھ سے انہیں ذبح کیا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پہلو (یا کلے) پر پاؤں رکھے ہوئے تھے اور بسم اللہ واللہ اکبر کہتے تھے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم(

قربانی کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ اگر وہ ذبح کے آداب جانتا ہو تو قربانی کا جانور خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے ورنہ بصورت دیگر اپنی طرف سے کسی دوسری آدمی سے ذبح کرائے اور خود وہاں موجود رہے۔ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا (یعنی بسم اللہ کہنا) حنفیہ کے نزدیک شرط ہے اور تکبیر کہنی (یعنی واللہ اکبر کہنا) علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ ویقول بسم اللہ واللہ اکبر میں اس طرف اشارہ ہے کہ لفظ واللہ اکبر واؤ کے ساتھ کہنا افضل ہے۔ ذبح کے وقت درود پڑھنا جمہور علماء کے نزدیک مکروہ ہے جب کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک سنت ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قربانی کے لیے) ایک ایسے سینگ دار دنبہ کے لانے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلتا ہو (یعنی اس کے پاؤں سیاہ ہوں) سیاہی میں بیٹھتا ہو (یعنی اس کا پیٹ اور سینہ سیاہ ہو) اور سیاہی میں دیکھتا ہو (یعنی اس کی آنکھوں کے گرد سیاہی ہو) چنانچہ (جب) آپ کے لیے قربانی کے واسطے ایسا دنبہ لایا گیا (تو) فرمایا کہ عائشہ! چھری لاؤ (جب چھری لائی تو) پھر فرمایا کہ اسے پتھر پر (رگڑ کر) تیز کرو، میں نے چھری تیز کی، آپ نے چھری لی اور

دنبے کو پکڑ کر اسے لٹایا پھر جب اسے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو یہ فرمایا کہ اللھم تقبل من محمد و ال محمد و من امة محمد (یعنی اے اللہ! اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبول فرما) پھر اسے ذبح کر دیا۔ (صحیح مسلم)

جب جانور کو ذبح کیا جا رہا ہو، اس کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک ایسے آدمی کو درے سے مارا تھا جس نے ایسا کیا تھا۔ اسی طرح ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا بھی مکروہ ہے۔

قربانی میں بدنہ کا اونٹ گائے پر اطلاق ہونے کا بیان:

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے جانور پیدا کئے اور انہیں اپنے نام پر قربان کرنے اور اپنے گھر بطور قربانی کے پہنچانے کا حکم فرمایا اور انہیں شعائر اللہ قرار دیا اور حکم فرمایا آیت (لاتحلوشعائر الله الخ) نہ تو اللہ کے ان عظمت والے نشانات کی بے ادبی کرو نہ حرمت والے مہینوں کی گستاخی کرو لہذا ہر اونٹ گائے جو قربانی کے لئے مقرر کر دیا جائے۔ وہ بدن میں داخل ہے۔ گو بعض لوگوں نے صرف اونٹ کو ہی بدن کہا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اونٹ تو ہے ہی گائے بھی اس میں شامل ہے۔

حدیث میں ہے کہ جس طرح اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے قربان ہو سکتا ہے اسی طرح گائے بھی۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح مسلم شریف میں روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم اونٹ میں سات شریک ہو جائیں اور گائے میں بھی سات آدمی شرکت کرلیں۔

امام اسحاق بن راہویہ وغیرہ تو فرماتے ہیں ان دونوں جانوروں میں دس دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں مسند احمد اور سنن نسائی میں ایسی حدیث بھی آئی ہے۔ واللہ اعلم پھر فرمایا ان جانورں میں تمہارا اخروی نفع ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بقرہ عید والے دن انسان کا کوئی عمل اللہ کے نزدیک قربانی سے زیادہ پسندیدہ نہیں۔ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت انسان کی نیکیوں میں پیش کیا جائے گا۔ یاد رکھو قربانی کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں پہنچ جاتا ہے پس ٹھنڈے دل سے قربانیاں کرو (ابن ماجہ ترمذی)

اطلاق بدنہ میں فقہی مذاہب کا بیان:

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ تو قرض اٹھا کر بھی قربانی کیا کرتے تھے اور لوگوں کے دریافت کرنے پر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہیں اس میں تمہارا بھلا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کسی خرچ کا فضل اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہ نسبت اس خرچ کے جو بقرہ عید والے دن کی قربانی پر کیا جائے ہرگز افضل نہیں۔ (دار قطنی)

پس اللہ فرماتا ہے تمہارے لئے ان جانوروں میں ثواب ہے نفع ہے ضرورت کے وقت دودھ پی سکتے ہو سوار ہو سکتے ہو پھر ان

کی قربانی کے وقت اپنا نام پڑھنے کی ہدایت کرتا ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے عید اضحیٰ کی نماز رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی نماز سے فراغت پاتے ہی سامنے مینڈھا لایا گیا جسے آپ نے دعا (بسم اللہ واللہ اکبر) پڑھ کر ذبح کیا پھر کہا اے اللہ یہ میری طرف سے ہے اور میری امت میں سے جو قربانی نہ کر سکے اس کی طرف سے ہے (احمد داؤد ترمذی) فرماتے ہیں عید والے دن آپ کے پاس دو مینڈھے لائے گئے انہیں قبلہ رخ کر کے آپ نے دعا (وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لاشریك له وبذلك امرت وانا اول المسلمین اللهم منك ولك عن محمد وامته) پڑھ کر بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر ذبح کر ڈالا۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھے موٹے تازے تیار عمدہ بڑے سینگوں والے چتکبرے خریدتے، جب نماز پڑھ کر خطبے سے فراغت پاتے ایک جانور آپ کے پاس لایا جاتا آپ وہیں عید گاہ میں ہی خود اپنے ہاتھ سے اسے ذبح کرتے اور فرماتے اللہ تعالیٰ یہ میری ساری امت کی طرف سے ہے جو بھی توحید وسنت کا گواہ ہے پھر دوسرا جانور حاضر کیا جاتا جسے ذبح کر کے فرماتے یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد کی طرف سے ہے پھر دونوں کا گوشت مسکینوں کو بھی دیتے اور آپ اور آپ کے گھر والے بھی کھاتے۔ (احمد ابن ماجہ) صواف کے معنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اونٹ کو تین پیروں پر کھڑا کر کے اس کا بایاں ہاتھ باندھ کر دعا (بسم اللہ واللہ اکبر لا الہ الا اللهم منك ولك) پڑھ کر اسے نحر کرنے کے کئے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنے اونٹ کو قربان کرنے کے لئے بٹھایا ہے تو آپ نے فرمایا اسے کھڑا کر دے اور اس کا پیر باندھ کر اسے نحر کر یہی سنت ہے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اونٹ کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا کر کے ہی نحر کرتے تھے۔

(ابو داؤد)

حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلیمان بن عبد الملک سے فرمایا تھا کہ بائیں طرف سے نحر کیا کرو۔ حجۃ الوداع کا بیان کرتے ہوئے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر کئے آپ کے ہاتھ میں حربہ تھا جس سے آپ زخمی کر رہے تھے۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں صوافن ہے یعنی کھڑے کر کے پاؤں باندھ کر صواف کے معنی خالص کے بھی کئے گئے ہیں یعنی جس طرح جاہلیت کے زمانے میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرتے تھے تم نہ کرو، صرف اللہ واحد کے نام پر ہی قربانیاں کرو۔ پھر جب یہ زمین پر گر پڑیں یعنی نحر ہو جائیں ٹھنڈے پڑ جائیں تو خود کھاؤ اوروں کو بھی کھلاؤ نیزہ مارتے ہی ٹکڑے کاٹنے شروع نہ کرو جب تک روح نہ نکل جائے اور ٹھنڈا نہ پڑ جائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ روحوں کے نکلنے میں جلدی نہ کرو صحیح مسلم کی حدیث میں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ سلوک کرنا لکھ دیا ہے دشمنوں کو میدان جنگ میں قتل کرتے وقت بھی نیک سلوک رکھو اور جانوروں کو ذبح کرتے وقت بھی اچھی طرح سے نرمی کے ساتھ ذبح کرو چھری تیز کر لیا کرو اور جانور کو تکلیف نہ دیا کرو۔ فرمان ہے کہ جانور میں جب تک جان ہے اور اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے تو اس کا کھانا حرام ہے۔

(احمد ابو داؤد ترمذی)

پھر فرمایا اسے خود کھاؤ بعض سلف تو فرماتے ہیں یہ کھانا مباح ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہے مستحب ہے اور لوگ کہتے ہیں واجب ہے۔ اور مسکینوں کو بھی دو خواہ وہ گھروں میں بیٹھنے والے ہوں خواہ وہ در بدر سوال کرنے والے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ قانع تو وہ ہے جو صبر سے گھر میں بیٹھا رہے اور معتر وہ ہے جو سوال تو نہ کرے لیکن اپنی عاجزی مسکینی کا اظہار کرے۔ یہ بھی مروی ہے کہ قانع وہ ہے جو مسکین ہو آنے جانے والا۔ اور معتر سے مراد دوست اور ناتواں لوگ اور وہ پڑوسی جو گو مالدار ہوں لیکن تمہارے ہاں جو آئے جائے اسے وہ دیکھتے ہوں۔ وہ بھی ہیں جو طمع رکھتے ہوں اور وہ بھی جو امیر فقیر موجود ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قانع سے مراد اہل مکہ ہیں۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ قانع سے مراد تو سائل ہے کیونکہ وہ اپنا ہاتھ سوال کے لئے دراز کرتا ہے۔ اور معتر سے مراد وہ جو ہیر پھیر کرے کہ کچھ مل جائے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنے چاہئیں۔ تہائی اپنے کھانے کو، تہائی دوستوں کے دینے کو، تہائی صدقہ کرنے کو۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے تمہیں قربانی کے گوشت کو جمع کر کے رکھنے سے منع فرمادیا تھا کہ تین دن سے زیادہ تک نہ روکا جائے اب میں اجازت دیتا ہوں کہ کھاؤ جمع کرو جس طرح چاہو۔ اور روایت میں ہے کہ کھاؤ جمع کرو اور صدقہ کرو۔ اور روایت میں ہے کھاؤ اور کھلاؤ اور راہ للہ دو۔ بعض لوگ کہتے ہیں قربانی کرنے والا آدھا گوشت آپ کھائے اور باقی صدقہ کر دے کیونکہ قرآن نے فرمایا ہے خود کھاؤ اور محتاج فقیر کو کھلاؤ۔ اور حدیث میں بھی ہے کہ کھاؤ، جمع، ذخیرہ کرو اور راہ للہ دو۔ اب جو شخص اپنی قربانی کا سارا گوشت خود ہی کھا جائے تو ایک قول یہ بھی ہے کہ اس پر کچھ حرج نہیں۔ بعض کہتے ہیں اس پر ویسی ہی قربانی یا اس کی قیمت کی ادائیگی ہے بعض کہتے ہیں آدھی قیمت دے، بعض آدھا گوشت۔ بعض کہتے ہیں اس کے اجزا میں سے چھوٹے سے جز کی قیمت اس کے ذمے ہے باقی معاف ہے۔ کھال کے بارے میں مسند احمد میں حدیث ہے کہ کھاؤ اور فی اللہ دو اور اس کے چمڑوں سے فائدہ اٹھاؤ لیکن انہیں بیچو نہیں۔ بعض علماء نے بیچنے کی رخصت دی ہے۔ بعض کہتے ہیں غریبوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

(مسئلہ) براء بن عازب کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے ہمیں اس دن نماز عید ادا کرنی چاہئے پھر لوٹ کر قربانیاں کرنی چاہئیں جو ایسا کرے اس نے سنت کی ادائیگی کی۔ اور جس نے نماز سے پہلے ہی قربانی کر لی اس نے گویا اپنے والوں کے لئے گوشت جمع کر لیا اسے قربانی سے کوئی لگاؤ نہیں (بخاری مسلم)

اسی لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ قربانی کا اول وقت اس وقت ہوتا ہے جب سورج نکل

آئے اور اتنا وقت گزر جائے کہ نماز ہو لے اور دو خطبے ہو لیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے بعد کا اتنا وقت بھی کہ امام ذبح کر لے۔ کیونکہ صحیح مسلم میں ہے امام جب تک قربانی نہ کرے تم قربانی نہ کرو۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو گاؤں والوں پر عید کی نماز ہی نہیں اس لئے کہتے ہیں کہ وہ طلوع فجر کے بعد ہی قربانی کر سکتے ہیں ہاں شہری لوگ جب تک امام نماز سے فارغ نہ ہو لے قربانی نہ کریں واللہ اعلم۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف عید والے دن ہی قربانی کرنا مشروع ہے اور قول ہے کہ شہر والوں کے لئے تو یہی ہے کیونکہ یہاں قربانیاں آسانی سے مل جاتی ہیں۔ لیکن گاؤں والوں کے لئے عید کا دن اور اس کے بعد کے ایام تشریق۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دسویں اور گیارھویں تاریخ سب کے لئے قربانی کی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عید کے بعد کے دو دن۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عید کا دن اور اس کے بعد کے تین دن جو ایام تشریق کے ہیں۔ امام شافعی کا مذہب یہی ہے کیونکہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایام تشریق سب قربانی کے ہیں (احمد، ابن حبان)

کہا گیا ہے کہ قربانی کے دن ذی الحجہ کے خاتمہ تک ہیں لیکن یہ قول غریب ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اسی وجہ سے ہم نے ان جانوروں کو تمہارا فرماں بردار اور زیر اثر کر دیا ہے کہ تم چاہو سواری لو، جب چاہو دودھ نکال لو، جب چاہو ذبح کر کے گوشت کھا لو۔ جیسے سورۂ یٰسین میں آیت (اولم یروا) سے (افلا تشکرون) تک بیان ہوا ہے۔ یہی فرمان یہاں ہے کہ اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرو اور ناشکری، ناقدری نہ کرو۔ (تفسیر ابن کثیر، حج، ۳۵)

قربانی والے جانور کی رسیوں وغیرہ کو صدقہ کرنے کا بیان:

قَالَ (وَيَتَصَدَّقُ بِجَلَالِهَا وَخِطَامِهَا وَلَا يُعْطِي أُجْرَةَ الْجَزَّارِ مِنْهَا) (لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَصَدَّقْ بِجَلَالِهَا وَبِخُطُمِهَا وَلَا تُعْطِ أَجْرَ الْجَزَّارِ مِنْهَا)

ترجمہ:

امام قدوری علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ قربانی کی کھالوں اور رسیوں کو صدقہ کرے۔ اسے قصاب کو اجرت کے طور پر نہ دے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ ان کی کھالیں اور رسیوں کو صدقہ کرو اور اس سے قصاب کو اجرت نہ دینا۔

قربانی کی کھالوں کو اجرت میں دینے کی ممانعت کا بیان:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ہدایت فرمائی کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹوں کی خبر گیری کروں، ان کے گوشت کو خیرات کر دوں اور ان کی کھالیں اور جھولیں بھی صدقہ کر دوں، اور یہ کہ قصائی کو ان میں سے کوئی چیز (بطور مزدوری) نہ دوں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (مزدوری) ہم اپنے پاس سے دیں گے۔ (بخاری ومسلم)

اونٹوں سے مراد وہ اونٹ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع میں بطور ہدی مکہ مکرمہ لے گئے تھے اور جن کی تعداد سو تھی، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ہدی کے جانور کی کھال، جھول اور مہار وغیرہ بھی خیرات کر دینی چاہئے، ان چیزوں کو قصائی کو مزدوری میں نہ دینا چاہئے ہاں اگر قصائی کو احسانا دیا جائے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

چاہے تو کھال ہی کسی کو صدقہ وخیرات کر دی جائے اور اگر اس کو فروخت کر کے جو قیمت ملے وہ صدقہ کر دی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

ہدی کا دودھ نہ نکالنا چاہئے بلکہ اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑک دیا جائے تا کہ اس کا دودھ اترنا موقوف ہو جائے اور اگر دودھ نہ نکالنے سے جانور کو تکلیف ہو تو پھر دودھ نکال لیا جائے اور اسے خیرات کر دیا جائے۔

قربانی اللہ کی رضا کی لیے دی جاتی ہے اس لیے اس کی کھال اور گوشت وغیرہ بطور اجرت قصاب کو دینا منع ہے۔ اسی طرح کھال کو فروخت کر کے اس کے پیسے خود استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں کھال کا مشکیزہ وغیرہ بنا کر اس کو اپنے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

امام حاکم علیہ الرحمہ روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے قربانی کی کھال فروخت کی اس کی کوئی قربانی نہیں۔ (حاکم، المستدرک، ج ۲ ص ۳۸۹)

اس روایت کے مطابق کھال کو فروخت کر کے اپنے استعمال میں لانے کی ممانعت ہے۔ اسی طرح قصاب کی اس سے اجرت بھی جائز نہیں۔ سو قربانی کی کھال کو فروخت کرنا سخت ناپسند کیا گیا۔

آج کل بعض لوگ قربانی پر کثیر رقم خرچ کرتے ہیں مگر قصاب یا کسی شخص کو اجرت کے طور پر اس کی کھال یا گوشت دیتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ سو قصاب کو اجرت اپنے پاس سے ادا کرنی چاہیے اور کھال یا اس کی قیمت کو مساکین وفقراء یا فلاحی کاموں میں خرچ کرنا چاہیے۔

قربانی کی کھالوں کو صدقہ کرنے میں فقہی احکام کا بیان:

ہاں تک قربانی کے گوشت کا تعلق ہے، اس کا ذکر تو خود قرآن ہی میں موجود ہے کہ اس کو کھاؤ، کھلاؤ اور غریبوں کو دو:

فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ. (الحج ۲۲: ۲۸) (پھر اس میں سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ۔"

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ یہ نکتہ ملحوظ رکھنے کا ہے کہ اس میں فقیر کو دینے کا ذکر 'اٰتُوا' یا 'تَصَدَّقُوا' کے الفاظ کے ساتھ نہیں آیا ہے، بلکہ 'اَطْعِمُوا' کے لفظ کے ساتھ آیا ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کرلیا جائے کہ 'ایتاء' اور 'تصدق' کے الفاظ تملیک شخصی کے مفہوم کے لیے آتے ہیں، جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے تو کیا 'اطعام' کا لفظ بھی تملیک شخصی کے مفہوم کا حامل ہے؟ اگر ایک شخص اپنا قربانی کا گوشت پکا کر بہت سے غریبوں کو بلا کر ایک دعوت عام کی صورت میں کھلا دے تو کیا یہ اطعام نہ ہوگا؟

حالانکہ "فتح القدیر" کی تصریح کے مطابق اس صورت میں تملیک نہیں پائی گئی جس کو صدقات وزکوٰۃ کی شرط لازم قرار دیا گیا ہے۔

قربانی کی کھالوں کو ذاتی تصرف میں لانے والوں کا موقف وجواب:

جو حکم قربانی کے گوشت کا ہے، احادیث اور فقہا کی تصریحات سے ثابت ہے کہ بعینہ وہی حکم قربانی کی کھالوں کا بھی ہے، یعنی ایک شخص اپنی قربانی کی کھال خود اپنے کسی ذاتی مصرف میں بھی لاسکتا ہے، کسی کو ہبہ بھی کرسکتا ہے اور کسی محتاج اور غریب کو صدقہ بھی کرسکتا ہے۔ پس یہ بات ناجائز ہے کہ خسیسوں اور لئیموں کی طرح اس کو سرمایہ بنانے کی کوشش کرے۔

حضرت قتادہ بن نعمان سے روایت ہے کہ:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام فقال انی کنت امرتکم ان لا تاکلوا لحوم الا وضاحی فوق ثلاثۃ ایام لیسعکم. وانی احلہ لکم فکلوا ما شئتم ولا تبیعوا لحوم الھدی والاضاحی وکلوا وتصدقوا واستمتعوا بجلودھا ولا تبیعوھا. (نیل الاوطار ۱۳۷/۵)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ نے خطبہ دیا کہ میں نے تم کو یہ حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھ چھوڑا کرو، یہ حکم اس لیے دیا تھا کہ وہ تم سب کے لیے کافی ہوسکے۔ اب میں اس کو تمھارے لیے جائز کرتا ہوں۔ پس تم اس کو جس طرح چاہو برتو، البتہ نذر یا قربانی کا گوشت بیچو نہیں۔ کھاؤ، خیرات کرو اور ان کی کھالوں سے فائدہ اٹھاؤ، البتہ ان کو بیچو نہیں۔"

اس حدیث سے واضح ہے کہ قربانی کے گوشت اور اس کی کھال کے مصرف میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص چاہتا ہے تو اس کو اپنے کسی ذاتی مصرف میں بھی لاسکتا ہے، لیکن اس کو سرمایہ بنانے کا ذریعہ نہ بنائے، بلکہ اس کو صدقہ کردے۔

فقہا کی تصریحات بھی اس کے متعلق یہی ہیں۔

امام شوکانی مذکورہ حدیث کے تحت فرماتے ہیں: اور اس حدیث سے بیچے بغیر ان کھالوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نکلتی ہے۔ محمد بن حسن سے مروی ہے کہ اس کھال کے بدلہ میں آدمی گھر کے لیے چھلنی یا اس طرح کی گھریلو چیزوں میں سے کوئی چیز حاصل کرسکتا ہے، البتہ کھانے پینے کی کوئی چیز اس کے بدلہ میں نہ حاصل کرے۔ امام ثوری کہتے ہیں کہ اس کو بیچے نہیں، گھر کے لیے ڈول یا مشکیزہ بنالے۔"

حنفی فقہا کی تصریحات اس بارے میں یہ ہیں:

ولما جاز الاکل منھا دل علی جواز الانتفاع بجلودھا من غیر جھۃ البیع ولذالک قال اصحابنا یجوز الانتفاع بجلد الاضحیۃ وروی ذالک عن عمر وابن عباس وعائشۃ وقال الشعبی کان مسروق یتخذ مسک اضحیتہ مصلی ویصلی علیہ. (احکام القرآن، ابوبکر جصاص ۳/ ۲۹۳)

"جب قربانی کا گوشت کھانا جائز ہوا تو یہ بات اس کی دلیل ہے کہ اس کی کھالوں سے آدمی فائدہ بھی اٹھا سکتا ہے، بشرطیکہ اس سے سرمایہ بنانے کی کوشش نہ کرے۔ اسی وجہ سے ہمارے علما کا مذہب یہ ہے کہ قربانی کی کھال سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ یہی بات

حضرت عمر، حضرت ابن عباس، اور حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے۔ شعبی کہتے ہیں کہ مسروق اپنی قربانی کی کھال کی جائے نماز بنالیا کرتے اور اس پر نماز پڑھا کرتے۔"

غور فرمایئے کہ زکوٰۃ وصدقات کی تمام معروف اقسام میں سے ہے کوئی قسم ایسی جس میں آدمی کے لیے یہ سارے تصرفات جائز ہوں کہ وہ اس سے خود بھی فائدہ اٹھا سکے اور بلا امتیاز امیر وغریب، سید وغیر سید، کسی دوسرے کو بھی دے سکے اور اس کو صدقہ بھی کرسکے؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہے تو آخر یہ بات کس طرح صحیح ہوسکتی ہے کہ وہ ساری شرطیں جو صدقات واجبہ کے لیے مقرر ہیں، وہ اس پر بھی لاکر چسپاں کردی جائیں؟ ہم نے تھوڑی دیر کے لیے فرض کیا کہ تملیک ادائیگی زکوٰۃ کے لیے رکن کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن کیا قربانی کی کھال زکوٰۃ اور صدقہ ہے کہ اس پر سارے احکام صدقہ اور زکوٰۃ کے عائد کیے جائیں؟

میں نے تو مذکورہ بالا احادیث واقوال کی روشنی میں جو کچھ سمجھا ہے، وہ یہ ہے کہ قربانی کے گوشت اور اس کی کھالوں کا معاملہ صدقات وزکوٰۃ کے سلسلہ سے تعلق رکھنے کے بجائے مکارم اخلاق، فیاضی اور احسان وتبرع سے تعلق رکھتا ہے، آدمی ان کو کھائے، کھلائے، خود برتے اور دوسروں کو ہدیے، تحفے اور صدقے کے طور پر دے۔ بس ان کو سینت کر رکھنے یا بیچ کر سرمایہ بنانے کی فکر نہ کرے۔ غربا اور محتاجوں کو اس میں سے پوری فیاضی کے ساتھ دے، بلکہ فضیلت یہی ہے کہ اگر خود ضرورت محسوس نہیں کرتا تو سب کچھ صدقہ کردے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے:

عن علی ابن ابی طالب قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اتصدق بلحومھا وجلودھا واجلتھا. (سنن النسائی الکبریٰ، رقم ۴۱۴۵)

"حضرت علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ آپ کے قربانی کے اونٹوں کی قربانی کراؤں اور ان کے گوشت، ان کی کھالیں، یہاں تک کہ ان کے جھول سب صدقہ کردوں۔"

قربانی کی کھالوں کے بارے میں حتمی حکم کا بیان:

قربانی کھالوں کے بارے میں حدیث صدقہ ہی اس حکم کیلئے اصل ثابت ہوئی اور اسی حدیث کے پیش نظر ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قربانی والے بدنہ پر سواری کی ممانعت کا بیان:

(وَمَنْ سَاقَ بَدَنَةً فَاضْطُرَّ إلَى رُكُوبِهَا رَكِبَهَا ، وَإِنْ اسْتَغْنَى عَنْ ذَلِكَ لَمْ يَرْكَبْهَا) لِأَنَّهُ جَعَلَهَا خَالِصَةً لِلَّهِ تَعَالَى ، فَمَا يَنْبَغِي أَنْ يَصْرِفَ شَيْئًا مِنْ عَيْنِهَا أَوْ مَنَافِعِهَا إلَى نَفْسِهِ إلَى أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ، إلَّا أَنْ يَحْتَاجَ إلَى رُكُوبِهَا لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا وَيْلَكَ) وَتَأْوِيلُهُ أَنَّهُ كَانَ عَاجِزًا مُحْتَاجًا وَلَوْ

رَكِبَهَا فَانْتَقَصَ بِرُكُوبِهِ فَعَلَيْهِ ضَمَانُ مَا نَقَصَ مِنْ ذَلِكَ

ترجمہ:

اور جو شخص قربانی لیکر چلا پھر اس پر سواری کرنے کیلئے مجبور ہوا تو وہ سواری کرلے۔ اور اگر اس کو اس پر سواری کرنے کی ضرورت نہ ہو تو سواری نہ کرے۔ تاکہ اس کو اللہ کے لئے خاص کرلے۔ لہذا اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کی طرف کسی چیز کو اپنے تصرف میں لائے یا نفع حاصل کرے۔ حتیٰ کہ اس کو اپنی جگہ پر پہنچادے۔ لیکن جس وقت وہ سواری پر مجبور ہو۔ کیونکہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو قربانی کو ہانک رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا برا ہو تو اس پر سوار ہوجا۔ اور اس حدیث کی وضاحت یہ ہے کہ وہ بندہ محتاج و عاجز تھا۔ اور اگر وہ شخص اس سواری پر سوار ہوگیا اور اسکی سواری کی وجہ سے اس میں کوئی نقص پیدا ہوگیا تو وہ اس آنے والا نقص کا ضامن ہوگا۔

ہدی پر سوار ہونے کا مسئلہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اونٹ ہانکتا ہوا جارہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس اونٹ پر سوار ہوجاؤ۔ اس نے کہا کہ یہ تو ہدی ہے (میں اس پر کیسے سوار ہوجاؤں؟ وہ یہ سمجھتا تھا کہ ہدی پر سوار ہونا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا کہ اس پر سوار ہوجاؤ۔ اس نے پھر کہا کہ یہ ہدی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس پر سوار ہوجاؤ۔ افسوس ہے تم پر کہ میں تمہیں سوار ہونے کے لئے کہتا ہوں اور تم اپنی طرف سے عذر بیان کرتے ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات دوسری یا تیسری مرتبہ میں فرمائی۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوزبیر (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے سنا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہدی پر سوار ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تک کہ تمہیں کوئی اور سواری نہ ملے اور تم سوار ہونے پر مجبور ہو تو اس ہدی پر (اس) احتیاط کے ساتھ سوار ہو (کہ اسے کوئی ضرر و تکلیف نہ پہنچے) (مسلم)

اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں آیا ہدی پر سوار ہونا جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر سوار ہونے کی صورت میں ہدی کو کوئی ضرر نہ پہنچے تو اس پر سوار ہونا جائز ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ مسئلہ ہے کہ اگر ضرورت و مجبوری ہو تو ہدی پر سوار ہوا جاسکتا ہے ورنہ نہیں، لہٰذا جن روایتوں میں ہدی پر سوار ہونے کا مطلق طور پر جواز ملتا ہے وہ روایتیں ضرورت و مجبوری پر محمول ہیں۔

جب کسی ہدی پر سواری کرنے کی وجہ سے نقص لازم آئے تو حکم:

(وَإِنْ كَانَ لَهَا لَبَنٌ لَمْ يَحْلُبْهَا) لِأَنَّ اللَّبَنَ مُتَوَلِّدٌ مِنْهَا فَلَا يَصْرِفُهُ إِلَى حَاجَةِ نَفْسِهِ

(وَيُنْضِحُ ضَرْعَهَا بِالْمَاءِ الْبَارِدِ حَتَّى يَنْقَطِعَ اللَّبَنُ) وَلَكِنْ هَذَا إِذَا كَانَ قَرِيبًا مِنْ وَقْتِ الذَّبْحِ فَإِنْ كَانَ بَعِيدًا مِنْهُ يَحْلُبُهَا وَيَتَصَدَّقُ بِلَبَنِهَا كَيْ لَا يَضُرَّ ذَلِكَ بِهَا ، وَإِنْ صَرَفَهُ إِلَى حَاجَةِ نَفْسِهِ تَصَدَّقَ بِمِثْلِهِ أَوْ بِقِيمَتِهِ لِأَنَّهُ مَضْمُونٌ عَلَيْهِ

ترجمہ:

اور اگر اس کے تھنوں میں دودھ ہو تو اسکو نہ نکالے کیونکہ دودھ اسی جانور سے پیدا ہوا ہے لہذا وہ اس کو اپنے ذاتی تصرف میں نہ لائے اور اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھینکتا رہے تاکہ دودھ آنا بند ہوجائے۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب وقت ذبح قریب آجائے اور اگر وقت ذبح دور ہے تو اس کا دودھ نکالے اور اس کو مسکینوں پر صدقہ کرے۔ تاکہ تھنوں والا دودھ اس کو نقصان نہ دے۔ اور اگر اس نے دودھ اپنی حاجت میں صرف کیا تو اس کی مثل یا اس کی قیمت کی مثل صدقہ کرے کیونکہ اس پر ضمانت لازم ہے۔

شرح

اگر وہ دودھ والا جانور ہے تو دودھ نہ دوہے اور تھن پر ٹھنڈا پانی چھڑک دیا کرے کہ دودھ موقوف ہوجائے اور اگر ذبح میں وقفہ ہو اور نہ دوہنے سے ضرر ہوگا تو دوہ کر دودھ خیرات کردے اور اگر خود کھالیا یا غنی کو دیدیا یا ضائع کردیا تو اتنا ہی دودھ یا اس کی قیمت مساکین پر تصدق کرے۔ اگر وہ بچہ جنی تو بچہ کو تصدق کردے یا اُسے بھی اُس کے ساتھ ذبح کردے اور اگر بچہ کو بیچ ڈالا یا ہلاک کردیا تو قیمت کو تصدق کرے اور اس قیمت سے قربانی کا جانور خرید لیا تو بہتر ہے۔ غلطی سے اُس نے دوسرے کے جانور کو ذبح کردیا اور دوسرے نے اُس کے جانور کو تو دونوں کی قربانیاں ہوگئیں۔ (منسک)

جب نفلی قربانی ہلاک ہوگئی تو بدل کے عدم وجوب کا بیان:

(وَمَنْ سَاقَ هَدْيًا فَعَطِبَ ، فَإِنْ كَانَ تَطَوُّعًا فَلَيْسَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ) لِأَنَّ الْقُرْبَةَ تَعَلَّقَتْ بِهَذَا الْمَحَلِّ وَقَدْ فَاتَ (وَإِنْ كَانَ عَنْ وَاجِبٍ فَعَلَيْهِ أَنْ يُقِيمَ غَيْرَهُ مَقَامَهُ) لِأَنَّ الْوَاجِبَ بَاقٍ فِي ذِمَّتِهِ (وَإِنْ أَصَابَهُ عَيْبٌ كَبِيرٌ يُقِيمُ غَيْرَهُ مَقَامَهُ) لِأَنَّ الْمَعِيبَ بِمِثْلِهِ لَا يَتَأَدَّى بِهِ الْوَاجِبُ فَلَا بُدَّ مِنْ غَيْرِهِ (وَصَنَعَ بِالْمَعِيبِ مَا شَاءَ) لِأَنَّهُ الْتَحَقَ بِسَائِرِ أَمْلَاكِهِ

ترجمہ:

اور جو شخص قربانی لیکر یہاں تک کہ وہ ہلاک ہوگئی تو اگر وہ نفلی تھی تو اس پر دوسری واجب نہیں ہے۔ کیونکہ قربت اسی جگہ کے ساتھ متعلق ہے اور وہ محل فوت ہوگیا۔ اور اگر وہ ہدی واجب تھی تو اس پر دوسری واجب ہے۔ اور وہ دوسری کو اس کی جگہ قائم مقام کرے۔ اسلئے کہ واجب اسکے ذمہ پر باقی ہے۔ اور اگر اس نے بڑا عیب آیا تب بھی وہ اس کے مقام پر دوسری قائم کرے۔ کیونکہ

جب کوئی جانور کسی بڑے عیب کی وجہ سے عیب والا بن گیا تو اس کے ساتھ بطور ضرورت دوسرا جانور واجب ہوگا۔ اور وہ عیب والے کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے۔ کیونکہ یہ اس کی بقیہ املاک میں شامل ہو جائے گا۔ (لہذا حکم میں بھی ان کی طرح ہوگا)۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور اگر جانور حرم کو لے جا رہا تھا راستہ میں مرنے لگا تو اُسے وہیں ذبح کر ڈالے اور خون سے اُس کا ہار رنگ دے اور کوہان پر چھاپا لگا دے تا کہ اُسے مالدار لوگ نہ کھائیں، فقراہی کھائیں پھر اگر وہ نفل تھا تو اُس کے بدلے کا دوسرا جانور لے جانا ضرور نہیں اور اگر واجب تھا تو اس کے بدلے کا دوسرا لے جانا واجب ہے اور اگر اس میں کوئی ایسا عیب آ گیا کہ قربانی کے قابل نہ رہا تو اسے جو چاہے کرے اور اُس کے بدلے دوسرا لے جائے جب کہ واجب ہو۔ (درمختار، کتاب الحج)

اور اگر وہ جانور حرم کو پہنچ گیا اور وہاں مرنے لگا تو اسے ذبح کر کے مساکین پر تصدق کرے اور خود نہ کھائے اگرچہ نفل ہو اور اگر اس میں تھوڑا سا نقصان پیدا ہوا ہے کہ ابھی قربانی کے قابل ہے تو قربانی کرے اور خود بھی کھا سکتا ہے۔

اور اسی طرح اگر جانور چوری گیا اُس کے بدلے کا دوسرا خریدا اور اُسے ہار ڈال کر لے چلا پھر وہ مل گیا تو بہتر یہ ہے کہ دونوں کی قربانی کر دے اور اگر پہلے کی قربانی کی اور دوسرے کو بیچ ڈالا تو یہ بھی ہو سکتا ہے اور اگر پچھلے کو ذبح کیا اور پہلے کو بیچ ڈالا تو اگر وہ اُس کی قیمت میں برابر تھا یا زیادہ تو کافی ہے اور کم ہے تو جتنی کمی ہوئی صدقہ کر دے۔ (عالمگیری، کتاب الحج)

جب کسی کا نفلی بدنہ راستے میں ہلاک ہوا:

(وَإِذَا عَـطِبَـتُ الْبَدَنَةُ فِي الطَّرِيقِ ، فَإِنْ كَانَ تَطَوُّعًا نَحَرَهَا وَصَبَغَ نَعْلَهَا بِدَمِهَا وَضَرَبَ بِهَا صَفْحَةَ سَنَامِهَا وَلَا يَأْكُلُ هُوَ وَلَا غَيْرُهُ مِنْ الْأَغْنِيَاءِ) مِنْهَا بِذَلِكَ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاجِيَةَ الْأَسْلَمِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَالْمُرَادُ بِالنَّعْلِ قِلَادَتُهَا ، وَفَائِدَةُ ذَلِكَ أَنْ يَعْلَمَ النَّاسُ أَنَّهُ هَدْيٌ فَيَأْكُلَ مِنْهُ الْفُقَرَاءُ دُونَ الْأَغْنِيَاءِ .

وَهَذَا لِأَنَّ الْإِذْنَ بِتَنَاوُلِهِ مُعَلَّقٌ بِشَرْطِ بُلُوغِهِ مَحِلَّهُ ، فَيَنْبَغِي أَنْ لَا يَحِلَّ قَبْلَ ذَلِكَ أَصْلًا ، إلَّا أَنَّ التَّصَدُّقَ عَلَى الْفُقَرَاءِ أَفْضَلُ مِنْ أَنْ يَتْرُكَهُ جَزَرًا لِلسِّبَاعِ ، وَفِيهِ نَوْعُ تَقَرُّبٍ وَالتَّقَرُّبُ هُوَ الْمَقْصُودُ (فَإِنْ كَانَتْ وَاجِبَةً أَقَامَ غَيْرَهَا مَقَامَهَا وَصَنَعَ بِهَا مَا شَاءَ) لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ صَالِحًا لِمَا عَيَّنَهُ وَهُوَ مِلْكُهُ كَسَائِرِ أَمْلَاكِهِ

ترجمہ:

اگر راستے میں بدنہ ہلاک ہو گیا اور نفلی تھا تو اسکو نحر کرے اور اس کے نعل خون سے رنگ دے اور اس کے کوہان پر خون چھاپ

دے اور اسکو نہ خود کھائے اور نہ دوسرے امراء کو کھلائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ناجیہ اسلمی کو اسی طرح حکم دیا تھا۔ اور نعل سے مراد اس کا قلادہ ہے۔ اور اس کا فائدہ اس طرح ہے کہ لوگ سمجھ جائیں کہ یہ ہدی ہے۔ لہذا اس میں سے فقراء کھائیں امراء نہ کھائیں۔ کیونکہ اس کے کھانے کی اجازت مشروط اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ اپنے محل کو پہنچ جائے۔ پس مناسب یہ ہے کہ اس سے پہلے حلال ہی نہ ہو لیکن فقراء پر صدقہ کرنا افضل ہے۔ بہ جائے اس کے اس کو درندوں کی غذا کے طور پر چھوڑ دے۔ جبکہ فقراء پر صدقہ کرنے میں ایک طرح قرب حاصل ہوگا۔ اور مقصود ہی قرب ہے۔ اور اگر وہ بدنہ واجب تھا تو اس کے قائم مقام دوسرا بدنہ لائے اور ذبح شدہ بدنہ کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے۔ کیونکہ یہ اصل قربانی کے لائق نہیں رہا ہے۔ جس کیلئے اس کو نامزد کیا گیا تھا۔ لہذا یہ اس کیلئے اسی ملکیت ہوگی جس طرح دوسری اشیاء ملکیت ہوتی ہیں۔

راستہ میں قریب المرگ ہو جانے والی ہدی کے بارے میں فقہی بیان:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص (جس کا نام ناجیہ اسلمی رضی اللہ عنہ تھا) کے ہمراہ سولہ اونٹ مکہ روانہ کئے اور اس شخص کو ان اونٹوں کا محافظ بنایا (کہ نہ صرف ان اونٹوں کو حفاظت کے ساتھ لے جائے بلکہ مکہ پہنچ کر انہیں ذبح بھی کر دے) اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان میں سے جو (تھک جانے کی وجہ سے) نہ چل سکے (یا کمزوری وغیرہ کی بناء پر قریب المرگ ہو جائے) تو اس کو کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اسے ذبح کر دینا اور پھر وہ دونوں جوتیاں (جو بطریق ہار اس کے گلے میں پڑی ہوں) اس کے خون میں رنگ کر ان کے نشان اس کے کوہان کے کنارہ پر لگا دینا اور اس کا گوشت نہ تم کھانا اور نہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو کھانے دینا۔ (مسلم)

جوتیوں کو خون میں رنگ کر اونٹ کے کوہان پر نشان لگا دینے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے فرمایا تا کہ راستہ چلنے والے یہ جان لیں کہ یہ ہدی ہے اس طرح اس کا گوشت جو فقراء و مساکین ہوں وہ تو کھا لیں اور اغنیاء اس سے اجتناب کریں کیونکہ اس کا گوشت کھانا اغنیاء پر حرام ہے۔

آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ہدایت فرما دی کہ اس اونٹ کو ذبح کر کے وہیں چھوڑ دینا، اس کا گوشت نہ تم خود کھانا اور نہ اپنے رفقاء سفر کو کھانے دینا خواہ فقراء و مساکین ہوں یا اغنیاء ان کو ہر حال میں ان کا گوشت کھانے سے منع اس لئے کیا کہ کہیں یہ لوگ اپنی ماندگی کا کوئی بہانہ کر کے اپنے کھانے کے لئے کوئی اونٹ ذبح نہ کر ڈالیں۔

اب یہ بات محل اشکال بن سکتی ہے کہ ایسی صورت میں کہ گوشت کھانے سے خود محافظ کو بھی منع کیا جا رہا ہے اور اس کے رفقاء قافلہ کو بھی، تو پھر اس گوشت کا مصرف کیا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ اس طرح وہ گوشت یوں ہی ضائع ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ گوشت ضائع نہیں ہوگا بلکہ جہاں وہ اونٹ ذبح ہوگا وہاں آس پاس کے رہنے والے اسے اپنے استعمال میں لے آئیں گے، یا قافلے تو آتے جاتے ہی رہتے ہیں ان کے بعد جو قافلہ وہاں سے گزرے گا وہ اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ بہر کیف راستے میں جو ہدی قریب المرگ ہو جائے اور اس کو ذبح کر دیا جائے تو اس کا حکم یہ ہے جو حدیث میں ذکر کیا گیا کہ اس

کا گوشت اغنیاء اور اہل قافلہ کے لئے کھانا درست نہیں ہے۔اس بارے میں فقہی تفصیل ہے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ (۱) اگر ہدی واجب ہو اور وہ راستہ میں قریب المرگ ہو جائے یا ایسی عیب دار ہو کہ اس کی قربانی جائز نہ ہوتی ہو تو اس کے بجائے دوسری ہدی روانہ کرے، اس پہلی ہدی کو چاہے تو ذبح کر کے خود کھا لے یا دوسروں کو کھلا دے یا اور جو چاہے کرے۔(۲) اگر ہدی نفل ہو اور مرنے کے قریب ہو تو اس کو ذبح کر لے اور جوتیاں (جو بطور ہار اس کے گلے میں پڑی ہوں) اس کے خون میں رنگ کر اس کی گردن پر نشان کر دے اور اس کے گوشت میں سے نہ مالک کھائے اور نہ اغنیاء کھائیں۔(۳) جو ہدی منزل مقصود پر پہنچ کر ذبح ہو اس کے بارے میں اسی فصل کی آخری حدیث کی تشریح میں بتایا گیا ہے کہ نفل تمتع اور قران کی ہدی اور قربانی کے گوشت میں سے مالک کو کھانا مستحب ہے۔ان کے علاوہ دوسری قسم کی ہدی کے گوشت میں سے مالک کو کھانا درست نہیں ہے۔(درمختار، کتاب الاضحیہ)

آخر میں ایک بات اور جان لیجئے کہ مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں بعض شارحین سے کچھ چوک ہوگئی ہے کیوں کہ انہوں نے لکھا ہے کہ حدیث میں گوشت نہ کھانے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اس ہدی سے متعلق ہے جسے اپنے اوپر واجب کیا گیا ہو جیسے نذر کی ہدی اور اگر ہدی نفل ہو تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے، لہٰذا ان شارحین سے راستہ کی اس ہدی کو منزل مقصود پر پہنچ کر ذبح ہونے والی ہدی پر قیاس کر کے یہ بات لکھ دی ہے حالانکہ یہ بات حدیث کے منشاء وحقیقت کے بالکل خلاف ہے۔

حضرت ناجیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہدی کے جانوروں میں سے جو جانور کسی بھی وجہ سے قریب المرگ ہوں تو میں اس کا کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس جانور کو ذبح کر ڈالو پھر اس کی جوتی کو اس کے گلے میں بطور ہار پڑی ہو اس کے خون میں رنگ دو اور اس کے ذریعہ اس کی گردن پر نشان لگا دو اس کے بعد اس جانور کو لوگوں کے درمیان چھوڑ دو (یعنی اس کا گوشت کھانے سے فقراء کو منع نہ کرو) تا کہ وہ اسے کھائیں۔(مالک، ترمذی، ابن ماجہ) ابوداؤد، اور دارمی نے اس روایت کو حضرت ناجیہ اسلمی سے نقل کیا ہے۔

قربانی والے جانور کے گلے میں قلادہ ڈالنے کا بیان:

(وَيُقَلَّدُ هَدْيُ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ) لِأَنَّهُ دَمُ نُسُكٍ، وَفِي التَّقْلِيدِ إظْهَارُهُ وَتَشْهِيرُهُ فَيَلِيقُ بِهِ (وَلَا يُقَلَّدُ دَمُ الْإِحْصَارِ وَلَا دَمُ الْجِنَايَاتِ) لِأَنَّ سَبَبَهَا الْجِنَايَةُ وَالسَّتْرُ أَلْيَقُ بِهَا، وَدَمُ الْإِحْصَارِ جَابِرٌ فَيَلْحَقُ بِجِنْسِهَا. ثُمَّ ذَكَرَ الْهَدْيَ وَمُرَادُهُ الْبَدَنَةُ لِأَنَّهُ لَا يُقَلَّدُ الشَّاةُ عَادَةً. وَلَا يُسَنُّ تَقْلِيدُهَا عِنْدَنَا لِعَدَمِ فَائِدَةِ التَّقْلِيدِ عَلَى مَا تَقَدَّمَ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ:

اور حج کرنے والا نفلی ہدی، ہدی تمتع اور ہدی قران کی تقلید کرے۔کیونکہ یہ نسک کا دم ہے اور اس کے دم نسک کا اظہار تقلید کرنے سے ہوگا۔اور اسی سے شہرت ہوگی تو اس کیلئے تقلید ہوگی۔دم احصار اور دم جنایات میں تقلید نہ کرے۔کیونکہ اس کا سبب جنایت ہے۔اور اس کیلئے خفا بہتر ہے۔اور دم احصار والا اگر نقصان کو پورا کرنے والا ہے تو اس کی بھی اس جنس سے لاحق کر دیا جائے گا۔اس کے بعد امام قدوری علیہ الرحمہ کے ذکر کردہ لفظ ہدی سے مراد بدنہ ہے۔کیونکہ عام طور پر بکری کی تقلید نہیں کی جاتی اور بکری کی تقلید ہمارے احناف کے نزدیک مسنون نہیں ہے۔کیونکہ اس کی تقلید کوئی نفع نہیں ہے۔جس سے پہلے گزر چکا ہے۔اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

اشعار اور تقلید کے مسئلے کا فقہی بیان:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (سفر حج میں) ذوالحلیفہ پہنچ کر ظہر کی نماز پڑھی اور پھر اپنی اونٹنی کو (جو قربانی کے لئے تھی) طلب فرمایا اور اس کی کوہان کے داہنے پہلو کو زخمی کیا اور اس کے خون کو پونچھ کر اس کے گلے میں دو جوتیوں کا ہار ڈال دیا اور اس کے بعد اپنی (سواری کی) اونٹنی پر (کہ جس کا نام قصواء تھا) سوار ہوئے اور جب مقام بیداء میں اونٹنی کھڑی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لبیک کہی۔(مسلم)

پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ اشعار اور تقلید کسے کہتے ہیں؟ حج میں ہدی کا جو جانور ساتھ لے جایا جاتا ہے اس کے پہلو کو زخم آلود کر دیتے ہیں جسے اشعار کہا جاتا ہے نیز اس جانور کے گلے میں جوتے یا ہڈی وغیرہ کا ہار ڈال دیتے ہیں جسے تقلید کہا جاتا ہے اور ان دونوں کا مقصد اس امر کی علامت کر دینا ہوتا ہے کہ یہ ہدی کا جانور ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حج کے لئے چلے اور ذوالحلیفہ کو جو اہل مدینہ کا میقات ہے پہنچے تو نماز پڑھنے کے بعد اس اونٹنی کو طلب فرمایا جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور ہدی اپنے ساتھ لے چلے تھے، پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی کوہان کے داہنے پہلو میں نیزہ مارا جب اس سے خون بہنے لگا تو اسے پونچھ دیا اور پھر اس کے گلے میں دو جوتیوں کا ہار ڈال دیا اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ علامت مقرر فرما دی کہ یہ ہدی کا جانور ہے تا کہ لوگ جب اس نشانی وعلامت کے ذریعہ یہ جانیں کہ یہ ہدی ہے تو اس سے کوئی تعارض نہ کریں اور قزاق وغیرہ اسے غائب نہ کریں اور اگر یہ جانور راستہ بھٹک جائے تو لوگ اسے اس کی جگہ پہنچا دیں۔ایام جاہلیت میں لوگوں کا یہ شیوہ تھا کہ جس جانور پر ایسی کوئی علامت نہ دیکھتے اسے ہڑپ کر جاتے تھے اور جس جانور پر یہ علامت ہوتی تھی اسے چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ شارع اسلام نے بھی اس طریقہ کو مذکورہ بالا مقصد کے تحت جائز رکھا۔

اب اس فقہی مسئلہ کی طرف آیئے، جمہور ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ اشعار یعنی جانور کو اس طرح زخمی کرنا سنت ہے لیکن ثم

یعنی بکری، دنبہ اور بھیڑ میں اشعار کو ترک کر دینا چاہئے کیونکہ یہ جانور بہت کمزور ہوتے ہیں ان جانوروں کے لئے صرف تقلید یعنی گلے میں ہار ڈال دینا کافی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک تقلید تو مستحب ہے لیکن اشعار مطلقاً مکروہ ہے خواہ بکری و چھترہ ہو یا اونٹ وغیرہ علماء حضرت امام اعظم کی اس بات کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ حضرت امام اعظم مطلق طور پر اشعار کی کراہت کے قائل نہیں تھے بلکہ انہوں نے صرف اپنے زمانے کے لئے اشعار کو مکروہ قرار دیا تھا کیونکہ اس وقت لوگ اس مقصد کے لئے ہدی کو بہت زیادہ زخمی کر دیتے تھے جس سے زخم کے سرایت کر جانے کا خوف ہوتا تھا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز ذوالحلیفہ کی مسجد میں پڑھی جب کہ باب صلوٰۃ السفر کی پہلی حدیث میں جو بخاری و مسلم نے روایت کی ہے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز تو مدینہ ہی میں پڑھ لی تھی اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی۔ لہٰذا ان دونوں روایتوں کے تضاد کو یوں دور کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز تو مدینہ ہی میں پڑھی تھی مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے چونکہ مدینہ میں ظہر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نہیں پڑھی ہو گی اس لئے جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذوالحلیفہ میں نماز پڑھتے دیکھا تو یہ گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں ظہر کی نماز پڑھ رہے ہیں اسی لئے انہوں نے یہاں یہ بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی۔

اھل بالحج (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے لئے لبیک کہی) سے یہ نہ سمجھئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واقعۃً صرف حج ہی کے لئے لبیک کہی بلکہ یہ مفہوم مراد لیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج اور عمرہ دونوں کے لئے لبیک کہی کیونکہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول اس روایت نے اس بات کو بالکل واضح کر دیا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حج اور عمرہ کے لئے لبیک کہتے سنا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر راوی نے یا تو عمرہ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ اصل چونکہ حج ہی ہے اس لئے صرف اسی کے ذکر پر اکتفاء کیا یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دونوں کے لئے لبیک کہی تو راوی نے صرف حج کو سنا عمرہ کا ذکر نہیں سنا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ بکریوں کو بطور ہدی خانہ کعبہ کو بھیجا اور ان کے گلے میں ہار ڈالا۔ (بخاری و مسلم)

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ بکریوں میں اشعار یعنی ان کو زخمی کرنا مشروع نہیں ہے البتہ ان میں تقلید یعنی ان کے گلے میں ہار ڈالنا سنت ہے لیکن اس بارے میں حضرت امام مالک کا اختلافی قول ہے۔

﴿منثورہ مسائل کے بیان میں یہ ضمیمہ ہے﴾

مسائل منثورہ کی ابواب فقہ سے عدم موافقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ مسائل منثورہ ہیں یا شتیٰ ہیں یا متفرقہ ہیں۔ علامہ کاکی نے کہا ہے کہ ابواب میں داخل نہیں ہوتے۔ علامہ اکمل نے کہا ہے مصنفین کی یہ عادت ہے کہ وہ ایسے مسائل کو کتابوں کے آخر میں ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ شاذ و نادر ہونے کی وجہ سے یہ مسائل ابواب میں داخل نہیں ہوتے۔ جبکہ ان کے فوائد کثیر ہوتے ہیں۔ اور ان مسائل کو منثورہ متفرقہ یا شتیٰ کہا جاتا ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۴۲۸، حقانیہ ملتان)

اہل عرفہ کے ایک دن وقوف عرفات کا بیان:

(أَهْلُ عَرَفَةَ إذَا وَقَفُوا فِي يَوْمٍ وَشَهِدَ قَوْمٌ أَنَّهُمْ وَقَفُوا يَوْمَ النَّحْرِ أَجْزَأَهُمْ) وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَجْزِيَهُمْ اعْتِبَارًا بِمَا إذَا وَقَفُوا يَوْمَ التَّرْوِيَةِ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ تَخْتَصُّ بِزَمَانٍ وَمَكَانٍ فَلَا يَقَعُ عِبَادَةٌ دُونَهُمَا .

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ هَذِهِ شَهَادَةٌ قَامَتْ عَلَى النَّفْيِ وَعَلَى أَمْرٍ لَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْحُكْمِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهَا نَفْيُ حَجِّهِمْ ، وَالْحَجُّ لَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْحُكْمِ فَلَا تُقْبَلُ ، وَلِأَنَّ فِيهِ بَلْوَى عَامًّا لِتَعَذُّرِ الِاحْتِرَازِ عَنْهُ وَالتَّدَارُكُ غَيْرُ مُمْكِنٍ ، وَفِي الْأَمْرِ بِالْإِعَادَةِ حَرَجٌ بَيِّنٌ فَوَجَبَ أَنْ يَكْتَفِيَ بِهِ عِنْدَ الِاشْتِبَاهِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا وَقَفُوا يَوْمَ التَّرْوِيَةِ لِأَنَّ التَّدَارُكَ مُمْكِنٌ فِي الْجُمْلَةِ بِأَنْ يَزُولَ الِاشْتِبَاهُ يَوْمَ عَرَفَةَ ، وَلِأَنَّ جَوَازَ الْمُؤَخَّرِ لَهُ نَظِيرٌ وَلَا كَذَلِكَ جَوَازُ الْمُقَدَّمِ . قَالُوا : يَنْبَغِي لِلْحَاكِمِ أَنْ لَا يَسْمَعَ هَذِهِ الشَّهَادَةَ وَيَقُولَ قَدْ تَمَّ حَجُّ النَّاسِ فَانْصَرِفُوا لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهَا إلَّا إيقَاعُ الْفِتْنَةِ .

وَكَذَا إذَا شَهِدُوا عَشِيَّةَ عَرَفَةَ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ ، وَلَا يُمْكِنُهُ الْوُقُوفُ فِي بَقِيَّةِ اللَّيْلِ مَعَ النَّاسِ أَوْ أَكْثَرِهِمْ لَمْ يَعْمَلْ بِتِلْكَ الشَّهَادَةِ .

ترجمہ:

جب اہل عرفہ نے ایک دن عرفات میں وقوف کیا اور ایک قوم نے ان کی گواہی دی کہ ان لوگوں نے دسویں کا وقوف کر لیا ہے

تو ان کا یہ وقوف کفایت کرنے والا ہوگا۔ جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کیلئے یہ کافی نہ ہو ان لوگوں پر قیاس کرتے ہوئے جنہوں نے آٹھویں کو وقوف کیا ہو۔ کیونکہ یہ ایک عبادت ہے جو زمان و مکان کے ساتھ خاص کی گئی ہے۔ لہذا زمان و مکان کے بغیر وقوف عبادت واقع نہ ہوگا۔ اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ ان کی گواہی نفی پر قائم ہے اور ایسے حکم پر قائم ہے جو حکم کے تحت داخل ہی نہیں ہے کیونکہ اس گواہی کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کا حج نہ ہو۔ اور حج حکم کے تحت میں داخل نہیں ہے لہذا اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس میں عام طور پر مصروفیت ہے۔ جس سے بچنا مشکل ہے اور اس کا حل ممکن نہیں ہے۔ جبکہ حج لوٹانے کا حکم کریں تو عام حرج ہے۔ لہذا اشتباہ کے وقت ضروری ہوا کہ جو وقوف ہے وہی کفایت کرنے والا ہو۔ بہ خلاف اس صورت کے جب آٹھ ذوالحجہ کو وقوف کیا کیونکہ اس کا ازالہ ممکن ہے۔ کیونکہ اس صورت میں عرفہ کے دن کا اشتباہ ختم ہونے والا ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے تاخیر کی مثال موجود ہے جو جواز کی خاطر ہے۔ جبکہ جواز مقدم اس طرح نہیں ہے۔

مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ حاکم کیلئے حکم ہے کہ وہ اس گواہی کو نہ سنے اور لوگوں سے کہہ دے کہ ان کا حج ہو گیا اور اب تم واپس چلے جاؤ۔ کیونکہ اس کی گواہی میں فتنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور اسی طرح ہے جب گواہوں نے عرفہ کے آخر وقت میں چاند دیکھنے کی گواہی دی اور امام کیلئے بقیہ رات میں تمام لوگوں یا اکثر لوگوں کے ساتھ وقوف کرنا ممکن نہ ہو تو امام اس کی گواہی پر عمل نہ کرے۔

وقوف عرفات کی عبادت کا مکان و زمان سے خاص ہونے میں مذاہب اربعہ:

ائمہ ثلاثہ نے اس مسئلہ یہی کہا ہے کہ مکان و زمان کے سوا وقوف عرفات والی عبادت کا اعتبار نہیں ہے۔ لہذا ائمہ ثلاثہ کی دلیل قیاس کی حمایت کرنے والی ہے۔ اور قیاس کا تقاضہ بھی اسی طرح ہے۔

جبکہ فقہاء احناف کی دلیل استحسان پر قائم ہے۔ جس سے صاحب ہدایہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کا وقوف معتبر ہو جائے گا کیونکہ حکم کو نفی کی بہ جائے اثبات کے حق میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ مسئلہ نہایت فقہی باریک بینی پر مبنی ہے۔

جمرہ اولیٰ کی رمی چھوڑنے والے نے جب دوسرے دن رمی کی:

قَالَ (وَمَنْ رَمَى فِي الْيَوْمِ الثَّانِي الْجَمْرَةَ الْوُسْطَى وَالثَّالِثَةَ وَلَمْ يَرْمِ الْأُولَى ، فَإِنْ رَمَى الْأُولَى ثُمَّ الْبَاقِيَتَيْنِ فَحَسَنٌ) لِأَنَّهُ رَاعَى التَّرْتِيبَ الْمَسْنُونَ (وَلَوْ رَمَى الْأُولَى وَحْدَهَا أَجْزَأَهُ) لِأَنَّهُ تَدَارَكَ الْمَتْرُوكَ فِي وَقْتِهِ ، وَإِنَّمَا تَرَكَ التَّرْتِيبَ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَجْزِيهِ مَا لَمْ يُعِدْ الْكُلَّ لِأَنَّهُ شَرَعَ مُرَتَّبًا فَصَارَ كَمَا إذَا سَعَى قَبْلَ الطَّوَافِ أَوْ بَدَأَ بِالْمَرْوَةِ قَبْلَ الصَّفَا .

وَلَنَا أَنَّ كُلَّ جَمْرَةٍ قُرْبَةٌ مَقْصُودَةٌ بِنَفْسِهَا فَلَا يَتَعَلَّقُ الْجَوَازُ بِتَقْدِيمِ الْبَعْضِ عَلَى الْبَعْضِ ، بِخِلَافِ السَّعْيِ لِأَنَّهُ تَابِعٌ لِلطَّوَافِ لِأَنَّهُ دُونَهُ ، وَالْمَرْوَةُ عُرِفَتْ مُنْتَهَى السَّعْيِ بِالنَّصِّ

فَلَا تَتَعَلَّقُ بِهَا الْبُدَاءَةُ .

ترجمہ:

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: جو بندہ جمرہ وسطیٰ اور ثالثہ کی دوسرے دن رمی کرے۔ جبکہ اس نے جمرہ اولی کی رمی نہیں کی۔ لہذا اگر وہ پہلے جمرہ کی رمی کر کے پھر بقیہ دونوں کی رمی کرے تو بہتر ہے۔ کیونکہ ترک شدہ کا ازالہ اس کے وقت میں کر لیا ہے اور اس سے صرف ترتیب ترک ہوئی ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا کہ اس کیلئے کافی نہ ہوگا۔ جب تک وہ تمام جمروں کا اعادہ نہیں کرتا کیونکہ رمی ترتیب کے شریعت میں بیان ہوئی ہے۔ اور یہ تو اس طرح ہو گیا ہے جس طرح کسی شخص نے طواف سے پہلے سعی کر لی ہو۔ یا اس نے صفا سے پہلے مروہ سے ابتداء کی ہو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر جمرے کی رمی ایک قربت مقصودہ ہے لہذا اسکا جواز بعض کو بعض پر مقدم کرنے سے تعلق رکھنے والا نہ ہوگا۔ بہ خلاف سعی کے کیونکہ وہ طواف کے تابع ہے اور سعی طواف سے کم مرتبے میں ہے۔ اور مروہ پر سعی کی انتہاء کا ہونا نص سے ثابت ہے۔ اس لئے مروہ سے ابتداء کرنا متعلق (سعی) نہ ہوگا۔

عذر کی وجہ سے کنکریاں مارنے میں تاخیر کرنا:

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابی بداح بن عاصم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ چرانے والوں کو اجازت دی کہ ایک دن رمی کریں اور (اگر چاہیں تو) ایک دن رمی نہ کریں۔

حضرت عاصم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ چرانے والوں کو اجازت مرحمت فرمائی کہ نحر کے دن رمی کر لیں پھر دو دن کی رمی 12 تاریخ کو کریں یا گیارہ تاریخ کو 12 کی رمی بھی کر لیں۔ امام مالک نے کہا جو راوی ہیں اس حدیث کے کہ مجھے گمان ہے کہ اس حدیث میں عبداللہ بن ابی بکر نے یہ کہا کہ پہلے دن رمی کریں۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الحج)

جس نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی ہو تو وہ پیدل طواف زیارت کرے:

قَالَ (وَمَنْ جَعَلَ عَلَى نَفْسِهِ أَنْ يَحُجَّ مَاشِيًا فَإِنَّهُ لَا يَرْكَبُ حَتَّى يَطُوفَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ) وَفِي الْأَصْلِ خَيَّرَهُ بَيْنَ الرُّكُوبِ وَالْمَشْيِ ، وَهَذَا إشَارَةٌ إلَى الْوُجُوبِ ، وَهُوَ الْأَصْلُ لِأَنَّهُ الْتَزَمَ الْقُرْبَةَ بِصِفَةِ الْكَمَالِ فَتَلْزَمُهُ بِتِلْكَ الصِّفَةِ ، كَمَا إذَا نَذَرَ بِالصَّوْمِ مُتَتَابِعًا وَأَفْعَالُ الْحَجِّ تَنْتَهِي بِطَوَافِ الزِّيَارَةِ فَيَمْشِي إلَى أَنْ يَطُوفَهُ .

ثُمَّ قِيلَ : يَبْتَدِئُ الْمَشْيَ مِنْ حِينِ يُحْرِمُ ، وَقِيلَ مِنْ بَيْتِهِ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ هُوَ الْمُرَادُ ، وَلَوْ

رَكِبَا أَرَاقَ دَمًا لِأَنَّهُ أَدْخَلَ نَقْصًا فِيهِ ، قَالُوا إِنَّمَا يَرْكَبُ إِذَا بَعُدَتْ الْمَسَافَةُ وَشَقَّ عَلَيْهِ الْمَشْيُ ، وَإِذَا قَرُبَتْ وَالرَّجُلُ مِمَّنْ يَعْتَادُ الْمَشْيَ وَلَا يَشُقُّ عَلَيْهِ يَنْبَغِي أَنْ لَا يَرْكَبَ

ترجمہ:

فرمایا: اور جس نے اپنے اوپر پیدل حج کرنا لازم کرلیا تو وہ طواف زیارت پورا کرنے تک سوار نہ ہو۔ جبکہ مبسوط میں ہے کہ اس کو پیدل چلنے اور سوار ہونے میں اختیار ہے اور وجوب کی طرف یہی اشارہ ہے اور یہی اصل ہے۔ کیونکہ صفت کمال کے ساتھ اس نے قربت کا لزوم کیا ہے۔ لہذا وہ اسی صفت کے ساتھ لازم ہوگی۔ جس طرح کسی شخص نے مسلسل روزے رکھنے کی نیت کرلی ہو۔ جبکہ حج کے افعال طواف زیارت پر اپنی انتہاء کو پہنچ جاتے ہیں۔ لہذا وہ پیدل چلے حتیٰ کہ طواف زیارت کرلے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ پیدل چلنے کی ابتداء احرام سے کرے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ پیدل چلنے کی ابتداء گھر سے کرے۔ اس لئے ظاہر اسی طرح ہے۔ کیونکہ اس کی مراد اسی طرح تھی۔ اگر وہ سوار ہوا تو دم دے گا۔ کیونکہ نذر میں دخول نقصان ہوا ہے۔

مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ مسافت دور ہونے کی صورت میں سوار ہو جائے گا کیونکہ پیدل چلنا مشکل ہے اور اگر مسافت قریب ہے اور وہ شخص پیدل چلنے والوں میں سے ہو اور پیدل چلنا مشکل بھی نہ ہو تو پھر سوار نہیں ہونا چاہیے۔

پیدل حج کرنے والے کیلئے جب مشقت ہو تو اباحت سواری:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کا سہارا لئے چل رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ان صاحب کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے کعبہ کو پیدل چلنے کی منت مانی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے کہ یہ اپنے کو تکلیف میں ڈالیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سوار ہونے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری، کتاب العمرہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے سوار ہونے کا حکم دیا کہ اس کو پیدل چلنے کی طاقت نہ تھی۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا میری بہن نے منت مانی تھی کہ بیت اللہ تک وہ پیدل جائیں گی، پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پوچھ لو چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ پیدل چلیں اور سوار بھی ہو جائیں۔ (صحیح بخاری، کتاب العمرہ)

حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی بہن کے متعلق دریافت کیا جنھوں نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ ننگے سر ننگے پاؤں پیدل حج کا سفر کریں گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان کو یہ حکم کرو کہ وہ اپنا سر ڈھانپیں اور سوار ہوں اور تین روزے رکھ لیں۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نذر ماننے کی ممانعت شروع کی تو فرمایا نذر ماننے سے

(تقدیر کی) کوئی چیز بدلی نہیں جا سکتی ہاں یہ فائدہ ضرور ہے کہ اس بہانے بخیل کا مال صرف ہو جاتا ہے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی اطاعت کی نذر کرے تو اس کو چاہئے کہ اطاعت کرے اور جو شخص گناہ کی نذر مانے تو وہ گناہ نہ کرے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گناہ میں نذر کا پورا کرنا جائز نہیں اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا ہے۔ ابوداؤد فرماتے ہیں۔ کہ میں نے احمد بن شبویہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ ابن مبارک نے فرمایا اس حدیث میں یعنی ابوسلمہ والی حدیث میں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ ابوسلمہ نے زہری سے نہیں سنا۔ ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اس حدیث کو ہمارے سامنے کر دیا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کے نزدیک اس حدیث کا خراب ہو جانا صحیح ہے؟ اور کہا کہ ابن ابی اویس کے علاوہ کسی اور نے بھی اسے روایت کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا۔ ہاں ایوب بن سلیمان بن بلال نے اسے روایت کیا ہے۔

جس نے محرمہ باندی بیچی اس کے اذن کا حکم:

(وَمَنْ بَاعَ جَارِيَةً مُحْرِمَةً قَدْ أَذِنَ لَهَا مَوْلَاهَا فِي ذَلِكَ فَلِلْمُشْتَرِي أَنْ يُحَلِّلَهَا وَيُجَامِعَهَا) وَقَالَ زُفَرُ : لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ لِأَنَّ هَذَا عَقْدٌ سَبَقَ مِلْكَهُ فَلَا يَتَمَكَّنُ مِنْ فَسْخِهِ كَمَا إذَا اشْتَرَى جَارِيَةً مَنْكُوحَةً .

وَلَنَا أَنَّ الْمُشْتَرِيَ قَائِمٌ مَقَامَ الْبَائِعِ وَقَدْ كَانَ لِلْبَائِعِ أَنْ يُحَلِّلَهَا ، فَكَذَا الْمُشْتَرِي إلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ ذَلِكَ لِلْبَائِعِ لِمَا فِيهِ مِنْ خُلْفِ الْوَعْدِ ، وَهَذَا الْمَعْنَى لَمْ يُوجَدْ فِي حَقِّ الْمُشْتَرِي ، بِخِلَافِ النِّكَاحِ لِأَنَّهُ مَا كَانَ لِلْبَائِعِ أَنْ يَفْسَخَهُ إذَا بَاشَرَتْ بِإِذْنِهِ فَكَذَا لَا يَكُونُ ذَلِكَ لِلْمُشْتَرِي ، وَإِذَا كَانَ لَهُ أَنْ يُحَلِّلَهَا لَا يَتَمَكَّنُ مِنْ رَدِّهَا بِالْعَيْبِ عِنْدَنَا ، وَعِنْدَ زُفَرَ يَتَمَكَّنُ لِأَنَّهُ مَمْنُوعٌ عَنْ غِشْيَانِهَا ، (وَ) ذُكِرَ (فِي بَعْضِ النُّسَخِ أَوْ يُجَامِعُهَا) وَالْأَوَّلُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ يُحَلِّلُهَا بِغَيْرِ الْجِمَاعِ بِقَصِّ شَعْرٍ أَوْ بِقَلْمِ ظُفْرٍ ثُمَّ يُجَامِعُ ، وَالثَّانِي يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ يُحَلِّلُهَا بِالْمُجَامَعَةِ لِأَنَّهُ لَا يَخْلُو عَنْ تَقْدِيمِ مَسٍّ يَقَعُ بِهِ التَّحَلُّلُ ، وَالْأَوْلَى أَنْ يُحَلِّلَهَا بِغَيْرِ الْمُجَامَعَةِ تَعْظِيمًا لِأَمْرِ الْحَجِّ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ:

اور جس نے اپنی احرام والی باندی کو بیچ دیا جبکہ اس کو احرام کی اجازت اس کے مالک نے دی تھی۔ تو خریدنے والے کیلئے

جائز ہے کہ وہ اسے حلال کرے اور اس سے جماع کرے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ مشتری کو اس قسم کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ احرام ایک ایسا عقد ہے جو خریدنے والے کی ملکیت سے پہلے ہو چکا ہے۔ لہذا خریدنے والا اس کو توڑنے کا حق نہیں رکھتا۔ جس طرح اس نے کوئی نکاح والی باندی خریدی ہو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مشتری بائع کے قائم مقام ہے۔ اور اسے یہ اختیار تھا کہ وہ احرام والی باندی حلال کرے۔ لہذا یہ اختیار مشتری کیلئے بھی ثابت ہوگا۔ ہاں البتہ بائع کیلئے اس طرح کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس نے پہلے کیا جانے والے وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ اور مشتری کے حق میں یہ حکم بھی نہیں پایا جاتا۔ بہ خلاف نکاح کے کیونکہ اس صورت میں تو بائع کو خود بھی اختیار نہیں ہے۔ کہ وہ نکاح فسخ قرار دے۔ حالانکہ نکاح ہوا ہی اسی کی اجازت سے تھا۔ لہذا اسی طرح کا اختیار مشتری کیلئے ثابت نہ ہوگا۔ پس مشتری کیلئے محرمہ باندی کو حلال کرنا جائز ہوا۔ ہمارے نزدیک کسی عیب کی وجہ سے باندی کو واپس کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ کے نزدیک مشتری عیب کی وجہ سے باندی کو واپس کرسکتا ہے۔ کیونکہ اس کیلئے اس سے جماع کرنا منع ہے۔ اور بعض نسخوں میں ''أَوْ يُجَامِعُهَا'' ہے واپس کرنے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ بغیر جماع کے بال کاٹنا یا ناخن کاٹ کر حلال کرنا ہے اور پھر اس کے ساتھ جماع کرے۔ اور دوسری عبارت کا تقاضہ یہ ہے ک وہ جماع کر کے حلال کرے۔ کیونکہ جماع کی صورت میں پہلے سانس سے ہی حلال ہو جائے گی۔ جبکہ افضل یہ ہے کہ اس کو جماع کے بغیر حلال کرے۔ تا کہ حج والے حکم کی تعظیم ہو جائے۔ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

شرح

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف کا قول ''جس نے باندی خریدی یہ'' تو ظاہر ہے۔ اور مصنف کا یہ قول کہ بائع کیلئے اختیار ہے۔ یہ بھی ظاہر الروایت کے مطابق ہے۔ اور حضرت ابن سماعہ نے حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت کیا ہے کہ مولیٰ جب غلام کو حج کرنے کی اجازت دے تو اس کیلئے اس کو حلال کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا اختیار اجازت کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔ لہذا وہ غلام آزاد کی طرح ہو جائے گا۔ البتہ مشتری کیلئے اس کو حلال کرنے کا اختیار ہے۔ کیونکہ احرام اسکی اجازت کے ساتھ واقع نہیں ہوا۔

اور مصنف کا قول بہ خلاف نکاح کے کیونکہ اس کو ختم کرنے کا حق تو بائع کو بھی نہیں ہے۔ یہ امام زفر علیہ الرحمہ کے قیاس کا جواب ہے۔ کیونکہ جب وہ نکاح کی اجازت دے چکا ہے تو اس کو ختم کرنے کا اختیار رکھنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ نکاح حق زوج ہے جو مالک کی اجازت کے ساتھ ثابت ہوا ہے۔ لہذا مالک کیلئے ممکن ہی نہیں رہا کہ وہ اس کو فسخ کرے۔ اگرچہ حق ملکیت کی وجہ سے غلامیت کا حق باقی ہے۔ لہذا یہ اس راہن کی طرح ہو گیا۔ کہ جہاں مرتہن کا نفع حاصل کرنے کی ولایت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ مرتہن کا حق اس کی اجازت کے ساتھ ثابت ہوا ہے۔ اور مشتری اس کو خریدنے کے بعد اس کا قائم مقام ہے۔ اسی طرح اس کو فسخ کرنے کا حق نہیں

ہے۔ یہاں باندی میں دو حق جمع ہو گئے ہیں۔ (۱) احرام میں رہنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے (۲) اور نفع حاصل کرنے میں مشتری کا حق ہے لہذا بندے کے حق کو حقوق اللہ پر مقدم کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے حق میں بے نیاز ہے۔

اور مصنف کا ذکر کرنا کہ بعض نسخوں میں ہے اس سے مراد جامع صغیر کے نسخے ہیں۔ یا صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے کہا ہے وہ جماع کرے گا یا وہ حلال کرے گا۔ اور مصنف کا بقیہ کلام ظاہر ہے۔ اور یہ کتاب الحج عبادات کی آخری قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مدد گار ہے۔ جو اس کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۳۱۲، بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

لونڈی غلام مُحرِم کو خریدنا جائز ہے اور مشتری کو اختیار ہے کہ احرام تڑوا دے اگرچہ انھوں نے اپنے پہلے مولیٰ کی اجازت سے احرام باندھے ہوں اور احرام توڑنے کے لیے فقط یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ احرام توڑ دیا بلکہ کوئی ایسا کام کرنا ضروری ہے جو احرام میں منع تھا مثلاً بال یا ناخن ترشوانا یا خوشبو لگانا۔ اس کی ضرورت نہیں کہ حج کے افعال بجالا کر احرام توڑے اور قربانی بھیجنا بھی ضروری نہیں مگر آزادی کے بعد قربانی اور حج و عمرہ واجب ہے اگر حج کا احرام تھا اور عمرہ اگر عمرہ کا احرام تھا۔ افضل یہ ہے کہ اس خریدی ہوئی لونڈی کا احرام جماع کے علاوہ کسی اور چیز سے کھلوادے اور جماع سے بھی احرام کھل جائے گا مگر جب کہ اُسے یہ معلوم نہ ہو کہ احرام سے ہے اور جماع کرلیا تو حج فاسد ہو جائے گا۔ (ردالمحتار)

اگر مولیٰ نے احرام کھلوادیا پھر اس نے باندھا پھر کھلوادیا، اگر چند بار اسی طرح ہوا پھر اسی سال احرام باندھ کر حج کرلیا تو کافی ہو گیا اور اگر سال آئندہ میں حج کیا تو ہر بار احرام کھولنے کا ایک ایک عمرہ کرے۔ (عالمگیری)

حج فوت ہو جانے کے سلسلہ میں ایک پیچیدہ مسئلہ:

جس شخص کا حج فوت ہو رہا ہو اس کے بارے میں ایک بڑا پیچیدہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وہاں بقر عید کی رات کے بالکل آخری حصہ میں اس حال میں پہنچے کہ اس نے ابھی تک عشاء کی نماز نہ پڑھی ہو اور اسے اس بات کا خوف ہو کہ اگر عرفات جاتا ہوں تو عشاء کی نماز جاتی رہے اور اگر عشاء کی نماز میں مشغول ہوتا ہوں تو وقوف عرفات ہاتھ نہیں لگے گا، اس صورت میں وہ کیا کرے؟ اس کے متعلق بعض، حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ اسے عشاء کی نماز میں مشغول ہونا چاہئے اگرچہ وقوف عرفات فوت ہو جائے، جب کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ عشاء کی نماز چھوڑ دے اور عرفات چلا جائے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی کتاب درمختار میں بھی یہی لکھا ہے کہ اگر عشاء کا وقت بھی تنگ ہو اور وقوف عرفات بھی نکلا جا رہا ہو تو اس صورت میں نماز چھوڑ کر عرفات چلے جانا چاہئے۔

(درمختار، کتاب الحج)

فقہاء احناف کی فقاہت کے ترجمان اور عظیم محقق، خاتم محققین فی مذہب الاحناف علامہ، امام، فقیہ، زاہد، عابد، متورع شیخ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ کی کتاب درمختار کے عظیم فقہی سمندر سے ایک قطرہ فقاہت کے استخراج کے ساتھ ہم اپنی کتاب ''فیوضات رضویہ فی تشریحات ہدایہ'' کی تیسری جلد کے اختتامی جملوں کی طرف آتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں

کہ اللہ تعالی مجھے، میرے والدین، اساتذہ کرام، میرے معاون دینی طلباء، ناشر، عربی عبارات کی تصحیح کرنے والوں اور جملہ قارئین کی بخشش فرمائے۔ اور دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب فرمائے۔ ہم سب پر اللہ تعالی حق واضح فرمائے اور اس کی اتباع نصیب فرمائے اور باطل واضح فرمائے اور اس کے شر سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

اختتامی کلمات:

اس مختصر دعا کے بعد ہم اس کتاب اختتامی کلمات کی طرف آتے ہوئے قارئین کی توجہ اس طرف ضرور دلائیں گے کہ وہ آنے والی نسلوں کو یہ پیغام دیں کہ فقہائے احناف کی اسلام کیلئے کس قدر خدمات ہیں۔ اور امت مسلمہ پر یہ حق عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے اسلاف کو یاد رکھیں۔ اور اسلام کیلئے جو انہوں خدمات پیش کیں ہیں۔ ہم ان کو خراج تحسین پیش کرتے رہیں۔ دنیا میں جب کوئی انسان کسی کی مشکل آسان کرتا ہے تو انسان اس کی نیکی کو زندگی بھر یاد رکھتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ بھلائی کرے کیونکہ وہ احسان کا بدلہ نیکی کے ساتھ کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ فقہاء ملت اسلامیہ وہ عظیم ہستیاں ہیں جنہوں نے امت مسلمہ کیلئے مسائل شرعیہ میں پیدا ہونے والی مشکلات کو آسان کیا ہے۔

اور ہمارے لئے فقہی اصول وضع کیے ہیں تا کہ قیامت تک نت نئی پیدا ہونے والی جزئیات کے حل کیلئے انہی قواعد سے رہنمائی حاصل کریں۔ فقہاء احناف، شوافع، مالکیہ اور حنابلہ تمام ہمارے رہبر و رہنما ہیں۔ اور فقہ میں ان کی خدمات لازوال دینی خدمات ہیں۔

اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تعالی چاروں مذاہب ائمہ کے تمام فقہاء جو اہل سنت و جماعت سے تھے ان کی بخشش فرمائے۔ اور ان کی ارواح کو اللہ تعالی اپنے جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ اور اللہ تعالی انہیں عالم برزخ و عالم قیامت و آخرت میں سرخ روئی نصیب فرمائے۔ اور ہمیں ان انعام یافتہ لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

راقم السطور۔ الفقیر بندہ ضعیف

محمد لیاقت علی رضوی حنفی

چك سنتیكا تحصیل وضلع بھاولنگر

﴿بروز ہفتہ بعد نماز عشاء، ۵ صفر المظفر، 1433ھ بمطابق ۳۱ دسمبر ۲۰۱۱ء کو پایہ تکمیل تک پہنچ گئی﴾